مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات واثرات اوران کا تدارک

(فکر اسلامی کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

عبد الرؤف

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

مارچ، ۲۰۲۲ء

مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات واثرات اور ان کا تدارک

(فکر اسلامی کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

عبد الرؤف

ایم فل، نمل اسلام آباد، ۲۰۱۷

یہ مقالہ پی ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

پی ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز۔ایچ نائن اسلام آباد

© عبد الرؤف، ۲۰۲۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: <u>مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات واثرات اور ان کا تدارک</u>

(فکر اسلامی کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

<u>Increasing Tendencies of Materialism and their Solution.</u>

<u>(An Analytical Study in the light of Islamic Thought)</u>

نام مقالہ نگار: <u>عبدالروٴف</u>

رجسٹریشن نمبر: 711-Phd/IS/F17

نام ڈگری: <u>ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ</u>

ڈاکٹر سمیہ رفیق

(نگران مقالہ) ____________ دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

(معاون نگران مقالہ) ____________ معاون نگران مقالہ کے دستخط

ڈاکٹر نور حیات خان

(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ) ____________ دستخط صدر، شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان

(پرو-ریکٹر اکیڈمکس) ____________ دستخط پرو- ریکٹر اکیڈمکس

میجر جنرل (ر) محمد جعفر

ہلال امتیاز ملٹری (ریکٹر نمل) ____________ دستخط ریکٹر

تاریخ: ____________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں: عبدالرؤف ولد ; عبدالرحمن

رول نمبر:PD-F17-090 رجسٹریشن نمبر: 711-Phd/IS/F17

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد, حلفاً اقرار کرتا ہوں

کہ مقالہ **بعنوان : مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات واثرات اوران کا تدارک**

(فکر اسلامی کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

Increasing Tendencies of Materialism and their Solution-

(An Analytical Study in the light of Islamic Thought)

(Mādīyat Ky Bharty Huwy Rujhānāt o Athrāt aur Un kā Tadāruk)

(Fikr e Islāmī Kī Roshnī Main Tajziyatī Mutal'ā)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سمیہ رفیق** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔ میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی(HEC) اور نمل(NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: عبدالرؤف

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ABSTRACT

Increasing effects of materialism are the cour reason of current human societies. Whole world is suffering by it. It is effecting human life from different angles. Day by day it changes its shapes and methods. People are agnorently suffering by it. So, it is need of the time to point out negative effects of materialism and to give its original solutions. This was the reason to choose this topic for my Ph.D thesis.

This thesis comprises of five chapters, tables of contents and bibliography. The study includes introduction of the subject, its importance, fundamental questions, targets and objectives of the research, its hypothesis, literature review and research methodology. The subject matter is divided into five chapters and each chapter is futher divided into three sub-units.

The first chapter is about historical development of materialism. Where Islamic concepts of material and its need of life are discussed. The difference between materialism and spiritualism is also elaborated.

The second chapter is about tendencies, movements and modern forms of materialism. The study focusses on the ideas and tendencies which are the basic reasons of materialism and its modern forms.

The third chapter is about effects of the materialism on religion and moral system and presents its solutions in the liht of Quran and Sunnah, by pointing out the key area in religion’s actuaries.

The fourth chapter is about effects of materialism on social and economic systems and discusses the solutions.

The fifth and the last chapter is about effects of materialism on educational and political system. The study tries to discuss the possible solutions.

I hope that اِنشاء اللہ this effort will play a revolutionary role to create changes and awareness in the society.

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوان
IV	مقالہ کی منظوری کا فارم (Thesis acceptance Form)
V	حلف نامہ(Declaration)
VI	ملخص(Abstract)
VII	فہرست عنوانات(Table of Contents)
IX	اظہار تشکر(Acknowledgement)
X	انتساب(Dedication)
XI	مقدمہ
۱	**باب اول: مادیت کا مفہوم، ارتقاء اور اسلامی تصور۔**
۲	فصل اول: مادیت کا مفہوم اور اس کی جہتیں
۳۰	فصل دوم: مادیت کا تاریخی ارتقاء
۵۶	فصل سوم: مادی ضروریات اور اسلامی تعلیمات
۹۲	**باب دوم: مادیت کے رجحانات، محرکات اور مروجہ صورتیں**
۹۳	فصل اول: مادیت کے اسباب و محرکات
۱۰۸	فصل دوم: مادیت کے فکری و عملی رجحانات
۱۴۰	فصل سوم: مادیت کی مروجہ صورتیں
۱۶۲	**باب سوم: مادیت کے دینی واخلاقی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک**
۱۶۳	فصل اول: مادیت کے دینی نظام پر اثرات

۱۹۰	فصل دوم: مادیت کے اخلاقی نظام پر اثرات
۲۱۵	فصل سوم: مادیت کے دینی اور اخلاقی نظام پر اثرات کا تدارک
۲۴۶	**باب چہارم: مادیت کے معاشی و معاشرتی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک**
۲۴۷	فصل اول: مادیت کے معاشی سرگرمیوں پر اثرات
۲۷۶	فصل دوم: مادیت کے معاشرتی سرگرمیوں پر اثرات
۳۰۵	فصل سوم: مادیت کے معاش اور معاشرت پر اثرات کا تدارک
۳۴۳	**باب پنجم: مادیت کے تعلیمی و سیاسی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک**
۳۴۴	فصل اول: مادیت کے تعلیمی نظام پر اثرات
۳۶۸	فصل دوم: مادیت کے سیاسی نظام پر اثرات
۳۹۱	فصل سوم: مادیت کے تعلیمی و سیاسی نظام پر اثرات کا تدارک
۴۲۴	خلاصہ بحث
۴۲۶	نتائج
۴۲۷	سفارشات
۴۲۸	فہارس
۴۲۸	فہرست قرآنی آیات
۴۳۷	فہرست احادیث
۴۴۳	فہرست مصادر و مراجع
۴۴۸	فہرست اعلام
۴۵۰	فہرست اماکن

اظہار تشکر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيّد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين.

أما بعد!

تمام تعریفات اور شکر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے کہ جس کی نعمت کے بغیر صالحات کی تکمیل نامکمل ہوتی ہے الحمدللہ بنعمتہ تتم الصالحات۔

اللہ وحدہ لاشریک کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمد خاتم المرسلین پر درود و سلام کا ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ والدین کریمین، صدر شعبہ و نگران مقالہ، اساتذہ کرام اور تمام معاونین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کے تعاون کے بغیر اس سنگ میل کو عبور کرنا مشکل تھا۔ اس کے بعد میں شکر گزار ہوں جناب ریکٹر میجر جنرل (ر) محمد جعفر صاحب کا جنھوں نے نہایت کم وقت میں جامع کی تعمیر و ترقی کے علاوہ طلبہ کو قابل قدر تعلیمی سہولیات فراہم کیں۔ آخر میں پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) کا شکر گزار ہوں کہ آپ کی شفقت و رہنمائی میرے لیے چراغ راہ بنی۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

عبدالرؤف

(مقالہ نگار)

انتساب

اس تحقیقی کاوش کو میں سید الاوّلین والاخرین
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام کرتا ہوں، جن کی
کاوشوں سے حق وہدایت کی راہ واضح ہوئی۔

صلی اللہ علیہ وعلیٰ اھلہ وصحبہ وبارک
وسلم وصل علیہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله و أصحابه أجمعين، وبعد!

موضوع تحقیق کا تعارف:

"مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات واثرات اور ان کا تدارک" یہ ہے میرا موضوع تحقیق،

انسان کو زمین پر منتقل کرنے کے بعد اللہ تعالی نے اس کے لئے دو بنیادی ضروریات کا اہتمام اور انتظام فرمایا ایک دنیوی ضرورت ہے اور دوسری اخروی ضرورت۔ دنیوی ضرورت کے لئے زمین میں اسباب و وسائل پیدا کیے جبکہ اخروی ضرورت کی تکمیل اور رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ انبیاء کرام نے انسان کو ان ضروریات کے حصول کے لئے اللہ تعالی کے بنائے ہوئے اصول وضوابط سے آگاہ کیا۔ زندگی کا اصل مقصد ان کے سامنے رکھا۔ دنیا کے سبزہ زاروں میں کھو کر آخرت کو فراموش کرنے سے خبردار کیا۔ روح اور مادہ میں تفریق اور توازن کا فطرتی نظام ان کے سامنے رکھا۔ روحانیت ومادیت میں ٹکراؤ کی صورت میں روحانیت کو ترجیح دینے کی فلاسفی دی، فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ[1]

ترجمہ: اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

تمام انبیاء اور کتب سماویہ اس بات سے خبردار کرتے رہے کہ آخرت کو فراموش کر کے محض دنیا کا ہو جانا خود کو فنا کے سپرد کرنا ہے۔

سابقہ اقوام پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ہمیں دونوں طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے روحانیت کو مادیت پر ترجیح دی اور انعام کے حقدار قرار پائے اور دوسرے وہ جنہوں نے مادیت کو ساری زندگی مشعل راہ بنائے

---

[1] -الجمعہ:۹

رکھااور وہ انجام بد سے دوچار ہوا۔ روح اور مادہ کا مسئلہ اور اسے ترک واختیار اوراس کے توازن کا قیام تمام شریعتوں کی تعلیمات کا اہم حصہ رہا ہے۔ مال و منال کی حرص و ہوس اور اسی کے لئے خود کو اس طرح وقف کرنا کہ روحانیت و اخروی حیات جاویدانی کو فراموش کرنے کو خالق نے ناپسندیدہ قرار دیا۔ دنیا پرستی اور مادیت کو سمجھانے کے لیے کئ انداز اختیار کیے اور کبھی اسے حب الدنیا اور متاع الحیاۃ الدنیا کہہ کر خبردار کیا۔ قران کریم اور احادیث کے علاوہ لاتعداد کتب ہیں جو مادیت کے موضوع پر لکھی گئی اور لکھی جارہی ہیں میں نے حتی الوسع ان کا مطالعہ کیااور مسئلہ کی تہ تک جانے کی سعی کی۔ معلوم ہوا کہ مادیت اور روحانیت ہمیشہ مدمقابل رہی ہیں یہی وہ اصل ہیں جنہوں نے انسان کے لئے ہدایت وذلالت کی بنیاد رکھی۔

تاہم مادیت کے عصری اثرات و رجحانات آج نئی اشکال و انواع کے ساتھ نمودار ہو رہے ہیں۔ جن کے باعث آج معاشرے کرب وبلا کا شکار ہیں۔مادیت کے اثرات سے نہ دین بچانہ اخلاق نہ معاش بچی نہ معاشرت اور نہ ہی تعلیمی نظام بچااور نہ سیاسی۔ الغرض مادیت نے انسانی فکر پر بھی قبضہ کرلیا۔اس کے عصری رجحانات آج معاشروں کے لیے انسانی تنزلی کے اسباب پیدا کر چکے ہیں۔ اولاد اور والدین دست و گریباں ہیں۔مال کی خاطر ملاوٹ سے قتل عام ہورہا ہے۔لالچ اس قدر بڑھ چکی ہے کہ عزت بک رہی ہے اور تعلیم برائے تجارت ہے۔ڈگریاں فروخت ہورہی ہیں۔ہر کسی کی قیمت اس کے مال اور گاڑی سے لگائی جاتی ہے۔ انسانی اقدار ناپید ہوچکی۔ مادیت عصری مسائل و مشاکل کی بنیاد بن چکی ہے۔

اس موضوع تحقیق کی وجہ انتخاب بھی یہی ہے کہ مادیت کے معاشرے پر پڑنے والے اثرات کی نشاندہی کے بعد ان کا تدارک پیش کیا جائے۔ اس لیے کہ مادیت کے اثرات کو کلچر کا روپ دیا جاچکا ہے۔اسی بنا پر معاشرہ تقسیم در تقسیم کا شکار ہے۔ اکثریت پس رہی ہے۔ پیسے اور اختیار کو معیار اور ہر مسئلے کا حل سمجھا جاچکا ہے۔ ایسی صورتحال میں اس موضوع پر تحقیق وقت کا اہم تقاضا ہے۔اس موضوع پر اس سے قبل جو بھی کام میرے مشاہدے سے گزرا ہے میری تحقیق اس سے مختلف جہت کی ہے۔ میری تحقیق کا محور مادیت کے حالیہ رجحانات و اثرات ہیں۔ جس میں بالخصوص پاکستانی معاشرے پر پڑنے والے اثرات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔مادیت کے اثرات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا حل اور تدارک پیش کیا گیا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ میرے اور امت کے لیے اس تحقیق کو فلاح اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت:

آج پاکستان سمیت اکثر معاشرے جن مسائل کا شکار ہیں ان میں سے ایک مسئلہ مادہ پرستی کی اعمیانہ سوچ اور تقلید ہے۔ ہر شخص، ہر گھرانہ اور ہر طبقہ مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا شکار ہوتا جارہا ہے۔ مادہ پرستی نے مسلم معاشروں پر کئی ایک خرابیوں، برائیوں اور فحاشی کی راہ ہموار کر دی۔ پاکستانی معاشرہ آج جن معاشی، معاشرتی اور سماجی مسائل کا شکار ہے اس کی وجہ بڑھتی ہوئی مادہ پرستی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بڑھتی ہوئی مادہ پرستی کی خرابیوں کی نشاندہی کی جائے تاکہ عوام الناس اس کے متوقع نقصانات سے آگاہ ہوں۔

عوام ہوں یا سیاستدان، تاجر ہوں یا انڈسٹریلسٹ سب کی ایک ہی فکر ہے کہ نفع اور مال زیادہ سے زیادہ کیسے کمایا اور جمع کیا جاسکتا ہے؟۔ اس منافع اور مال کے حصوں کی ہوس اور فکر نے انہیں ملکی مسائل اور عوامی مشکلات سے بے خبر کر دیا ہے۔ یہ لوگ صرف اپنی حالت کی بہتری پر توجہ دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج سرمایہ دار، سیاست دان اور انڈسٹریلسٹ وغیرہ امیر سے امیر تر، جبکہ عوام اور ملک غریب سے غریب تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ پاکستان کے بعض لوگ دنیا کے امیر ترین لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اگر زکوۃ دیں تو ملک سے غربت اور بیروزگاری ختم ہو جائے۔ اگر ٹیکس دیں تو ملک مسائل سے باہر نکل آئے۔

قرآن نے "اقیموا الصلاۃ" اور "اتوا الزکوۃ" کو ساتھ ساتھ ذکر کیا کہ جہاں نماز معاشرے سے بے حیائی اور برائی کا خاتمہ کرے گی پھر معاشرہ کو اسی حالت پر برقرار رکھنے کے لئے زکوۃ مدد کرتی ہے۔ زکوۃ نہ ہوگی تو معاشرہ میں مادہ پرستی کی فکر پروان چڑھے گی، نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ میں غربت کے باعث چوری چکاری، بددیانتی، جھوٹ اور فحاشی کا دروازہ کھل جائے گا۔ قرآن نے اس فکر سے دور رہنے کی ہدایت کی فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[1]

اے ایمان والو! بہت سے عالم اور درویش، لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما نقصت صدقة من مال»[2]

ترجمہ: صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔

یہ وہ تنبیہات ہیں جن سے مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کے خطرات سے خبردار کرنا تھا۔ اسلام نے مادہ کی طلب کو ضرورت تک محدود رکھا ہے۔ آج قوم کو ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے بعد والے جذبے کی ضرورت ہے۔ اس زلزلے نے پاکستان اور کشمیر کے شہروں کو جس طرح برباد کیا تھا، ان کی آبادکاری کبھی ممکن نظر نہ آتی تھی۔ پاکستانی قوم کے جذبہ وہمت سے وہ شہر پہلے سے بہتر انداز میں آباد ہو چکے ہیں۔ ملک کو معاشی، معاشرتی، فکری اور اخلاقی مسائل سے باہر نکالنے کے لئے آج اسی جذبے کی ضرورت ہے۔

راقم نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے اس موضوع کو اسی بنا پر اپنی تحقیق کے لئے منتخب کیا ہے۔ موضوع کے انتخاب میں ماہرین واساتذہ کرام سے رہنمائی بھی حاصل کی گئی۔ یہ موضوع اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس پر اس سے قبل اس طرز پر تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ تحقیق اس طرز پر ہو کہ مسلم امہ اس کے مطالعہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اسلامی طرز معیشت و معاشرت کی طرف رجوع

۱۔ التوبہ: ۳۴

۲۔ مسلم، امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، (دار السلام الریاض ۱۹۹۹ء)، کتاب البِرِّ وَالصِّلَةِ وَالآدَابِ، باب استحبابِ العَفْوِ وَالتَّوَاضُعِ، ح: ۲۵۸۸

کرے۔ اس لئے کہ مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات سے افراد تو ترقی کرتے ہیں لیکن اقوام اور معاشرے تنزلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

تحقیق کے اہداف و مقاصد:

مقالہ تحقیق لکھتے وقت میرے پیش نظر درج ذیل اہداف و مقاصد رہے۔

۱. مادہ پرستی (Materialism) کے معنی و مفہوم کو فکری بنیادوں پر واضح کرنا تاکہ اس کے اثباتی و منفی ذرائع کا ادراک ہو سکے۔

۲. تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں مادیت کی حدود کا تجزیہ کرنا اور مختلف پہلوؤں کی بنیادوں کو واضح کرنا۔

۳. مادہ پرستی کے تاریخی ارتقاء پر اس طرح تحقیق کرنا کہ اس کی وجوہات اور نقصانات واضح ہو سکیں۔

۴. مسلم معاشروں پر مادہ پرستی کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا تدارک پیش کرنا۔

۵. فکر اسلامی سے مادہ پرستی کا رد پیش کرتے ہوئے اس کے نقصانات کا تعین کرنا۔

۶. مادہ پرستی کے تصورات کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا۔

انتخاب موضوع کے اسباب:

موضوع تحقیق کے انتخاب کی وجوہات درج ذیل ہیں:

- آج چونکہ مادہ پرستی دنیا میں تیزی سے بڑھ رہی ہے، جس کا شکار پاکستانی معاشرہ بھی ہو رہا ہے۔ اس لیے میں نے اسی موضوع کو اپنی تحقیق کے لئے منتخب کیا ہے۔
- اس موضوع کے انتخاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مادہ پرستی کے باعث معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ا ن کی نشاندہی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سے نوجوان نسل کی رہنمائی بالخصوص مطلوب ہے۔
- اس موضوع کو اختیار کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایسے بین الاقوامی و قومی اسباب واضح کیے جاویں جو مادہ پرستی کے رجحانات کے بڑھنے اور پھیلنے کا باعث بن رہے ہیں۔
- ذرائع ابلاغ جس طرح مادہ پرستی کا پرچار کر رہے ہیں ان سے بھی معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس کا تدارک اور مؤثر حل پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت تھی جو کہ وجہ بنی اس موضوعِ تحقیق کو منتخب کرنے کی۔

اللہ عزوجل سے امید ہے کہ یہ کاوش امت مسلمہ کے لئے بالعموم اور پاکستانی معاشرہ کے لئے بالخصوص مفید ثابت ہو گی۔ خالص اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ اخوت، ایثار اور رواداری کا ماحول پیدا ہو گا۔ مادہ پرستی کے باعث پیدا ہونے والے مسائل مثلاً، خود غرضی، تکبر، بے حیائی، فحاشی، دھوکہ دہی، ظلم وملاوٹ اور کرپشن جیسے ناسور کا خاتمہ ہو گا۔ اللہ تعالی میری مدد اور رہنمائی فرمائے۔ آمین۔

تحقیق کے بنیادی سوالات:

موضوع تحقیق کے لیے حل طلب درج ذیل اہم سوالات ہیں۔

۱۔ اسلام میں مادیت کا صحیح تصور کیا ہے؟

۲۔ مادیت کا فلسفہ تعلیمات اسلام سے کیسے مرتبط ہو سکتا ہے؟

۳۔ معاشرے میں مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کیوں ہیں اور ان کے کیسے اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

۴۔ مادیت کا تدارک فکر اسلامی کی روشنی میں کیسے ممکن ہے؟

موضوع تحقیق کی حد بندی:

موضوع تحقیق کو زیر بحث لاتے ہوئے درج ذیل حد بندی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا:

- یہ تحقیق مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے مطالعہ پر زور دے گی۔
- یہ تحقیق اس موضوع کی بحث کا فلسفیانہ خلاصہ قرآن اور سنت کی روشنی میں پیش کرے گی۔
- یہ تحقیق مادیت کے اثرات، اسلامی تصور اور تدارک پر مشتمل ہو گی جسکا اختتام نتائج وسفارشات پر ہو گا۔

سابقہ تحقیق کا جائزہ:

مجوزہ موضوع تحقیق پر معاصر یونیورسٹیوں میں قابل ذکر کوئی ایسا موضوع نہیں ملا اور نہ ہی کوئی ایسی کتاب ملی جس میں جو اس موضوع سے زیادہ مطابقت رکھتی ہو۔ تاہم چند ایک کتب، آرٹیکل اور مقالہ جات ہیں جن میں اس حوالے سے کچھ نہ کچھ کام ہوا ہے (ہماری معلومات کی حد تک) وہ درج ذیل ہے۔

تحقیقی رسائل؛

۱. مقالہ نگار عصمت اللہ، مسئلہ زر کا تحقیقی مطالعہ، عصر حاضر کے خصوصی حوالے سے۔ (نگران: مفتی تقی عثمانی، کراچی یونیورسٹی ۲۰۰۸ء)۔

۲. مقالہ نگار، نسیم محمود بن نذیر، نگران مالی قواعد فقہیہ، عصر حاضر میں ان کی تطبیق، برائے پی ایچ ڈی، (نگران: ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ۲۰۱۱ء)

۳. مقالہ نگار: اعجاز علی، مالیاتی معاملات کے اسباب فساد اور اسلامی نقطہ نظر کا تحقیقی مطالعہ، برائے پی ایچ ڈی (نگران تحقیق: ڈاکٹر عبید اللہ احمد خان، شعبہ علوم اسلامي، یونیورسٹی آف کراچی ۲۰۱۱ء)

آرٹیکلز:

1. L.N Chaplin ,Growing up in a Material World: Age differences in Materialism in Children & Adolescents. , V.34,P#480 ,2077 (J.C.R)
2. J.E Burroughs ,Materialism As a Coping Mechanism: An inquiry into family Disruption. V.24/1997,P#89
3. B A. Ergan ,Effects of Materialism and Environmental Knowledge on Environmental Consciousness among high school students. V.12/2015
4. L.N Chaplin ,Poverty and Materialism. V.133/2014, P#7

۵۔ مغربی مفکرین اور فلسفہ مادیت، ۲۰۱۱، معارف فیچر، شمارہ ۱۶

دیگر کتب:

۴. مفتی ابو عبداللہ، انسان مادہ پرستی اور اسلام، (گوجرانوالہ: مطاف پبلی کیشنز، ۱۴۴۰)

۵. مفتی محمد قطب، اسلام اور جدید مادی افکار، (مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی)

۶. سجاد احمد کاندھلوی، مادیت پرستی کے نقصانات اور ان کا تدارک،

۷. محمد موسی بھٹو، مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر، (سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ)

۸. مفتی تقی عثمانی، اسلام اور دور حاضر کے شبہات اور مغالطے

۹. المسیری، دکتور عبدالوہاب، الفلسفۃ المادیۃ وتفکیک الانسان، (بیروت: دارالفکر المعاصر، ۱۹۹۱ء)

۱۰. خالد بکداش، المادیۃ الدیالکتیکیہ والمادۃ التاریخۃ، (دمشق: دار دمشق للطباعۃ والنشر، ۱۹۹۵ء)

۱۱. فواد ذکریا، تاریخ المادیۃ للانجۃ، (الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۴ء)

۱۲. غیر محدد ، المادیہ التاریخیہ، (بیروت : مکتبۃ تقدمیہ)

۱۳. روجیہ غارودی، ماھی المادیۃ، (مصر؛ مکتبہ طریق العلم)

۱۴. عبد المنعم محمد خلاف، المادیۃ الاسلامیۃ وابعادھا، (مکتبۃ الاسکندریۃ)

۱۵. ماہر یسری، قوۃ تاثیر القصل علی الاشیاء والمادیۃ، (بیروت: دارالمشارق)

۱۶. محمد عمارۃ، المادیۃ والمتالیۃ فی فلسفۃ ابن رشد، (دارالمعارف)

۱۷. روجیہ غارودی، النظریۃ المادیۃ فی المعرفۃ، (دار دمشق)

۱۸. البوطی: دکتور محمد سعید رمضان، نقص اوھام المادیۃ الجلدیۃ، (دارالفکر دمشق، ۱۹۷۸ء)

Books/Thesis

1) Vol Lenin ,Materialism and Empirio-Criticism ,(Welred Books London 1972.)
2) Tony Burns ,Materialism in Ancient Greek Philosophy and in the Writings of the Young Marx, ,2000
3) R.J.Franz ,Cultivating Little Consumers: How Preture books influence Material in Children , (Thesis) Universityof Vermont, 2013.
4) U. Lehmann, Fashion and Materialism , (Edinburg University Press,2018)
5) Walsh David,Selling Out America's Children ,(U S A fairview Press .)
6) Merish ,Sentimental Materialism . (Duke University Press,2000)
7) H.E Rapp ,The Materialism and the Real: American Conceptions of Materialism in 19th Century , (University of Michigan, 2015 (Thesis))

اسلوب وطریقہ تحقیق:

مقالہ ھذا کا اسلوب تحقیق تجزیاتی ہے۔

- مقالہ کو ابواب، فصول اور مباحث میں تقسیم کیا گیا۔

- تحقیق کے لئے قرآن وحدیث، سیرت اور موضوع سے متعلق مستند قومی وبین الاقوامی کتب سے استفادہ کیا گیا۔
- قرآن وحدیث اور اس کے علاوہ کتب استفادہ کے حوالہ جات اور انکی تخریج پیش کی گئی۔
- مقالہ کی زبان وانداز سلیس، آسان اور عام فہم ہے۔
- مقالہ میں مادیت کے باعث پیدا ہونے والے مسائل کی نشاندہی کے بعد ان کے تدارک کو بطور خاص زیر بحث لایا گیا۔

ابواب وفصول کی ترتیب و تقسیم

مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات واثرات اور ان کا تدارک

(فکر اسلامی کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

باب اول: مادیت کا مفہوم، ارتقاء اور اسلامی تصور

فصل اول: مادیت کا مفہوم اور اس کی جہتیں

فصل دوم: مادیت کا تاریخی ارتقاء

فصل سوم: مادی ضروریات اور اسلامی تعلیمات

باب دوم: مادیت کے محرکات، رجحانات اور مروجہ صورتیں

فصل اول: مادیت کے اسباب و محرکات

فصل دوم: مادیت کے فکری و عملی رجحانات

فصل سوم: مادیت کی مروجہ صورتیں

باب سوم: مادیت کے دینی واخلاقی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک

فصل اول: مادیت کے دینی نظام پر اثرات

فصل دوم: مادیت کے اخلاقی نظام پر اثرات

فصل سوم: مادیت کے دینی اور اخلاقی نظام پر اثرات کا تدارک

باب چہارم: مادیت کے معاشی و معاشرتی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک

فصل اول: مادیت کے معاشی سرگرمیوں پر اثرات

فصل دوم: مادیت کے معاشرتی سرگرمیوں پر اثرات

فصل سوم: مادیت کے معاش اور معاشرت پر اثرات کا تدارک

باب پنجم: مادیت کے تعلیمی وسیاسی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک

فصل اول: مادیت کے تعلیمی نظام پر اثرات

فصل دوم: مادیت کے سیاسی نظام پر اثرات

فصل سوم: مادیت کے تعلیمی وسیاسی نظام پر اثرات کا تدارک

خلاصہ بحث

نتائج

سفارشات

فھارس

فہرست قرآنی آیات

فہرست احادیث

فہرست مصادر ومراجع

فہرست اعلام

فہرست اماکن

باب اوّل

مادیت کا مفہوم، ارتقاء اور اسلامی تصور

فصل اوّل: مادیت کا مفہوم اور اس کی جہتیں

فصل دوم: مادیت کا تاریخی ارتقاء

فصل سوم: مادی ضروریات اور اسلامی تعلیمات

فصل اول

مادیت کا مفہوم اور اس کی جہتیں

لغوی معنی:

لفظ "مادیت" مادہ سے ماخوذ ہے جو کہ مَدَّ یَمُدُّ سے مشتق ہے، مَدَّ کے لفظی معنی ہیں:

۱۔ پھیلانا ۲۔ لمبا کرنا ۳۔ بڑھانا ۴۔ مدد یا سہارا دینا۔[۱]

مادَّةُ الشَيء ما يَمُدُّه: کسی شے کے مادہ سے مراد وہ چیز ہے جو اس شے کو سہارا دیتی ہے۔[۲]

اسم فاعل مذکر کا صیغہ مادٌّ ہے اور مادّۃ اس کی مؤنث ہے۔ اس کے لغوی معنیٰ ہیں: وہ اصل جس سے کوئی شے ترکیب پا کر تیار ہوتی ہے اور اسی کے باعث اپنا وجود قائم رکھ سکتی ہے۔ مادہ متصل یا بلا انقطاع اضافے کو بھی کہتے ہیں۔ لغت کی رو سے مادہ قانونی دفعہ اور مضمون کو بھی کہتے ہیں، لیکن فلاسفہ و متکلمین کے ہاں مادہ سے مراد وہ اصل ہے جس سے کوئی شے بالقوۃ وجود حاصل کرتی ہے: "مادة الشيء وهي التي يحصل الشيء معها بالقوة"[۳]

مادیت کا اصطلاحی مفہوم:

مغربی مفکرین کے ایک گروہ کا یہ تصور ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ مادہ ہے اور اس کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں۔ مادہ پرستی، بالعموم ضد روحانیت اور صرف مادی نفع کو غایت سمجھنا وغیرہ ہے۔

انگریزی میں مادیت کی تعریف کچھ یوں ہے۔

Materalism is right in so far that the in-most principle of the world is spertual power.[4]

مادیت فلسفیانہ واحدیت کی ایک صورت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مادیت فطرت کا بنیادی جوہر ہے۔ تمام اشیاء بشمول ذہنی کیفیات واحساسات کے مادہ کے عمل اور رد عمل کا نتیجہ ہے۔

۱۔ الزبیدی، محمد بن محمد عبد الرزاق ا، "تاج العروس"، (کویت: دار الھدایۃ، ۱۹۷۴ء)، بذیل م

۲۔ الافریقی، محمد بن مکرم بن علی ا، "لسان العرب"، بیروت: دار الصادر، ۱۴۱۴ھ، بذیل م

۳۔ الجرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، (بیروت: دار المعارفۃ، ۲۰۱۰ء)، ص ۳۰۵

4. PAUL CAR Mouism and Meliorism, us: The cherouny Printing & Publishing, New York 1885, P 85

انسائیکلوپیڈیا امریکان مٹیریل ازم کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

MATERALISM, the belief that nothing exists except matter. However it has paradoxical consequence one them the following: There can exist nothing like God as he has traditionally been conceived in the West, an immahlterial person existing without a body, not located in space. [1]

ترجمہ: مادیت اس نظریہ کو کہتے ہیں کہ کہ مادہ کے علاوہ اس دنیا میں کسی اور چیز کا وجود نہیں۔ اس کے کئی خلاف قیاس جو نتائج نکلے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کائنات میں خدا جیسی کوئی ہستی نہیں پائی جاتی جیسا کہ اس بارے میں مغرب میں یہ تصور پایا جاتا رہا ہے کہ وہ ایک نہ دکھائی دینے والی ہستی ہے جو بغیر جسم کے اس کائنات میں موجود ہے۔

مغرب کے دور جدید میں مادیت صرف فلسفہ اور تجریدی فکر ہی نہیں، بلکہ دستور حیات بھی ہے۔ انسانی زندگی کے تقریباً سبھی عملی شعبے اس سے متاثر ہیں۔ معاشیات، سیاسیات، تعلیم، قانون، مذہب، ادب، کلچر (اسلوب حیات و جمال حیات) غرض پوری زندگی مادیت کے خیالات وافکار میں ڈھلی ہوئی ہے۔

روجیہ غارودی کہتے ہیں۔

"اذن المادة، هی مایوجد خارج ذهنی وخارج کل ذهن ولیس بحاجة الی ای ذهن کی یوجد"[۲]

ترجمہ جب کہ مادہ ایک ایسی چیز ہے جس کا وجود سوچ سے باہر کا ہوتا ہے، یہ ہر ذہن سے باہر پایا جاتا ہے، جب کہ اس کو اپنے وجود کے لیے کسی ذہن کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مادیت کی ان عملی شکلوں کے متعلق اسلام کا رویہ کیا ہو سکتا ہے؟ ان کا اسلام سے کہاں کہاں تصادم ہے اور کہاں کہاں بے ضرر موافقت ہے۔ انہی سوالات کے جوابات آئندہ بحث کا مرکزی نقطہ ہوں گے۔

روح اور مادہ کا تعلق:

مادہ کو روح کے مقابل سمجھا جاتا ہے۔ قدیم فلاسفہء یونان ثنویت یا دوئی (Dualism) کے قائل تھے؛ وہ روح اور مادہ کو الگ الگ تصور کرتے تھے تاہم دور حاضر کے مشہور فلسفی ڈیکارٹ نے نظریہ ثنویت کو اس شد و مد سے پیش کیا کہ فلسفہء جدید کی بنیاد یہی ثنویت یا دوئی قرار پائی۔ تاہم اَحَدِیَّت کے حامی نظریات بمعنی مادیت

---

1. The Encyclopedia Americana, by, E: A coporotion, for gohen books, London, 2015, V:18, P:485

۲۔ روجیہ غارودی، النظریہ المادیہ فی المعرفة، بیروت: (ترجمہ محمد عیتانی)، (بیروت: دارالمعجم العربی، ۲۰۰۵ء)، ص۶

(Materalism) اور مثالیت(Idealism) کے نزدیک نظریہ ثنویت صحیح نہیں۔مادیت پسندوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اسرارِ کائنات کی توضیح و تشریح مادے اور اس کی حرکت کے حوالے ہی سے ممکن ہے،جب کہ مثالیت کے علمبردار ایک کائناتی ذہن کے ذریعے جملہ کائنات کی گتھیاں سلجھانے کے مدعی ہیں۔کائنات کا کوئی بھی عنصر جس کا مشاہدہ ہماری ظاہری آنکھ کرتی ہے،مادہ کہلاتا ہے۔جب کہ مادیت سے مرادمادی اجسام،دنیاوی عیش وعشرت سے محبت،ذہنی اور روحانی انحطاط ہے۔عام طور پر ہم مادہ کو دنیا،مادیت کو دنیاداری اور مادہ پرست کو دنیادار کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔جب انسان فقط دنیاداری میں مگن ہو جاتا ہے تو وہ خدا سے دور ہو جاتا ہے اور مقصد حیات کھو بیٹھتا ہے۔جوں جوں فرد کے اندر مادیت زور پکڑتی ہے تو معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ فرد معاشرے کی اساس ہے۔معاشرہ کا انحصار افراد پر ہے۔جیسی فطرت افراد کی ہوگی معاشرہ ویسا ہی ہوگا جس کے اثرات انسانی زندگی پر براہ راست پڑتے ہیں۔مادیت کی وجہ سے انسان انفرادی طور پر تنہائی اور اجتماعی طور پر پورا معاشرہ محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔

مادیت کا پس منظر

کسی تہذیب کی اچھائی یا برائی دراصل نتیجہ ہوتی ہے اس کے اصول وعقائد،اخلاق اقدار اور سماجی اداروں کا۔یہی وہ عناصر ترکیبی ہیں جن کے مجموعے کا نام تمدن ہے۔ان عناصر میں کچھ اثر قبول کرنے والے ہوتے ہیں اور کچھ اثر ڈالنے والے۔جو عناصر اثر ڈالنے والے ہوتے ہیں دراصل وہی کسی دور کی مخصوص تہذیب کا ڈھانچہ متعین کرتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان عناصر کو عصری تحریکات کا نام دیا جاتا ہے۔جدید عصری تحریکوں میں پانچ عناصر تہذیب کو شامل کیا جا سکتا ہے۔فلسفہ مادیت، نظریہ الحاد، حاکمیت جمہور، جذبہ قوم پرستی اور حیوانی ازدواج کا نظریہ۔یہی وہ قوائد خمسہ ہیں جو جدید تہذیب کی بلند و پر شکوہ عمارت کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ان میں مادیت کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہے باقی تمام مغربی افکار و تحریکیں اسی کی آغوش میں پرورش پاتی ہیں۔ان جدید تحریکات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سرسری طور پر ان کے تاریخی ارتقا کا جائزہ لیا جائے۔عناصر تہذیب دو عوامل کے پیدا کردہ ہوتے ہیں، ایک تو ماضی کے اثرات اور دوسرے اس دور کے مخصوص حالات و تصورات۔موجودہ تہذیب بھی انہی دو عوامل کے عمل اور رد عمل کا نتیجہ ہے۔

قرون وسطیٰ میں اہل یورپ فکر میں قدامت پسند اور مذہب میں گمراہ تھے۔مسیحیت بہت پہلے اپنی اصل شکل کھو چکی تھی۔اس کی جگہ جس چیز کو آسمانی مذہب کا نام دیا جاتا تھا وہ چند غیر عقلی اوہام اور کچھ فطری ریاضتوں کا

مجموعہ تھا۔ ان اوہام کے علاوہ ہر نئی فکر ارتداد اور ہر نیا خیال کفر سمجھا جاتا تھا۔ سیاست اور معیشت پر جاگیر دارانہ نظام حاوی تھا۔ ہر ملک چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں منقسم اور خود مختار تھا۔ جاگیر دار اپنے "آدمیوں" کے ارادہ و عمل پر کلی اختیار رکھتا تھا۔ اس کے زیر حکم افراد اگرچہ اصطلاحی معنوں میں اس کے غلام نہ تھے لیکن ان کی حیثیت غلامی سے کسی طرح بہتر نہ تھی۔ ایک نیم غلام کاشتکار کو اپنی زمین چھوڑ کر جانے کا حق نہ تھا اور اسے کاشت پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ وہ معاشی اور سماجی ہر لحاظ سے جگیر دار کے دست نگر تھے۔ کاشتکاری واحد پیشہ تھا صنعت و حرفت برائے نام تھی اور چونکہ کسی قسم کی منظم صنعت نہ تھی اس لیے تجارت بھی غیر موثر تھی۔

پروفیسر خورشید لکھتے ہیں کہ:

"معاشرے میں صرف دو طبقے تھے۔ ایک امرا اور جاگیر داروں کا جس میں اصحاب جائیداد اور مذہبی پیشوا شامل تھے اور دوسرے نیم غلام عوام۔ ان دونوں طبقات کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایک کی زندگی اگر مکمل ساز تھی تو دوسرے مکمل سوز، ایک مینا و جام سے دل بہلاتا تھا تو دوسرا نان شبینہ کا محتاج تھا، ایک مخمل و کمخواب زیب تن کرتا تو دوسرا اچھے چیتھڑوں کو ترستا تھا۔"[۱]

جنگ و جدال جاگیر داروں کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہتے۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی لیکن ستم یہ کہ ان تمام ناانصافیوں اور زیادتیوں کو برحق ثابت کرنے کے لیے سہارا مذہب ہی کا لیا جاتا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے یورپ کے کچھ حصے کو فتح کیا اور کچھ سے تجارتی تعلقات استوار کیے۔ اس دور کا مسلمان علم و ہنر کا دلدادہ اور صنعت و حرفت کا ماہر تھا۔ مسلمانوں سے تعلقات کی بنا پر یورپ کے عیسائیوں میں بھی علمی ذوق پیدا ہوا۔ ان میں سے کچھ نے مسلم علماء اور قدیم یونانی فلسفیوں کے افکار کا مطالعہ کیا۔ اسی طرح تقریباً ایک ہزار سال کے بعد یورپ میں علوم و فنون کی تجدید ہوئی۔ تاریخ کی اصطلاح میں اس تجدید کو "نشاۃ ثانیہ" کہا جاتا ہے۔ اس مطالعہ کی بنا پر یورپ کے عیسائیوں میں روشن خیالی پیدا ہوئی۔ ان کی نظر میں غیر معقول نظریات کھٹکنے لگے۔ بہت سے لوگوں نے جاہلانہ نظریات کے خلاف احتجاج کیا لیکن عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں نے ان سب پر ارتداد کا فتوی لگا کر نہایت سخت سزائیں دیں۔ گویا اہل کلیسا کی حماقت کی وجہ سے پندرہویں اور سولہویں صدیوں میں ایک ایسی جذباتی کشمکش

۱۔ پروفیسر، خورشید احمد، "اسلامی نظریہ حیات"، (کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء)، ص:۴۳

شروع ہوئی جس میں ضد سے بہک کر، تبدیلی کے جذبات خالص الحاد کے راستے پر پڑ گئے۔ اس طویل کشمکش کے بعد مغرب میں تہذیبی الحاد کا دور شروع ہوا۔

علوم وفنون اور صنعت وحرفت ہر حال پھلتے پھولتے رہے اور صنعت کی روز افزوں ترقی کی بنا پر معاشرے میں ایک تیسرے طبقے نے جنم لیا۔ اس طریقے میں کاری گر، صنعت کار، ساہوکار، اور تاجر شامل تھے۔ جیسے جیسے صنعت وتجارت میں اضافہ ہوتا گیا اس طبقے کے افراد بھی بڑھتے گئے۔

چنانچہ اس طبقے نے جاگیر دار کی عائد کردہ پابندیوں سے رفتہ رفتہ چھٹکارا حاصل کرنے کی مستقل کوشش کا آغاز کیا۔ شہروں میں تاجر انجمنوں کا قیام عمل میں آیا جن کا بڑا مقصد اسی کوشش کو منظم کرنا تھا۔ قومی ریاست کے قیام سے قبل ہی یورپ کے ممالک میں جذبہ قومیت کا آغاز ہو چکا تھا۔ کلیسا کی بدانتظامی اور پوپ کی بدعملی کے خلاف احتجاج کرنے والے دو گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک وہ جنہوں نے بدانتظامی اور بدعملی کا ذمہ دار خود مذہب کے وجود کو ٹھہرایا اور دوسرے وہ جو مذہب کے خلاف تو نہ تھے لیکن ان کے نزدیک اصل سبب پورے یورپ کے لیے ایک مشترک چرچ اور ایک ہی پوپ کا وجود تھا۔ انہوں نے پاپائے روم کی برتری اور اقتدار کا انکار کیا اور قومی چرچ کی کلی خودمختاری کی پرزور تائید کی۔ تاریخ میں یہ تحریک "اصلاح مذہب" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ مادیت زدہ مغربی انسان نے اس نئے بت کے تراشے جانے کے بعد کسی قدر اطمینان محسوس کیا۔ ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کی جگہ پیشانیاں اب اس "پیکر محسوس" کے سامنے جھکنے لگیں اور انسان اپنی زندگی میں بندگی کا جو خلا محسوس کر رہا تھا وہ ایک حد تک پورا ہو گیا۔ ہر فرد میں یہ احساس ابھرنے لگا کہ اس کی ساری سرگرمیوں کا محور قوم کا بت ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

المختصر! یہ کہ وہ لوگ جو مذہب کو کسی خاص شکل میں ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے زندہ رکھنا چاہتے تھے بالواسطہ طور پر خود بھی اس کے خاتمے کا سبب بنے اور اس طرح جذبہ قوم پرستی کے راسخ ہو جانے کے بعد تہذیب مغربی بہت جلد اپنے مزاج کی دوئی سے پاک ہو گئی۔ فلسفہ، اخلاق، معیشت، سیاست، ہر جگہ سے مذہب کو بے دخل کر دیا گیا۔ مشاہدہ اور تجربہ علم کا اصل ذریعہ قرار پائے، ہر ان دیکھی چیز کا انکار روشن خیالی کا ثبوت قرار پایا۔ اخلاق کا معیار ذاتی منافع سمجھا گیا۔ حیات بعد الممات کا عقیدہ باطل گردانا گیا۔ قانون سازی کی راہ میں الہامی اور اخلاقی پابندیوں کو جہالت اور نادانی پر مبنی رکاوٹیں قرار دیا گیا۔ اس طرح پوری زندگی کو غیر مذہبی اور مادی بنا دیا گیا۔

مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی

اس عمل اور رد عمل سے جو تہذیب ظہور میں آئی اس کا جوہر یہی پانچ عناصر ہیں جن کے تاریخی ارتقا کا مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔اس نظریہ کے عناصر ترکیبی کے مطالعہ سے معاملہ اور واضح ہو گا۔

الف۔مادیت:

فلسفہ مادیت سے مراد دو چیزیں ہیں۔ پہلا طبیعیاتی نظریہ جو عبارت ہے زندگی کے میکانکی تصور سے اور دوسرا مادیت کا اخلاقی نظریہ۔پہلے نظریہ کے مطابق دنیا میں مادے کے سوا کوئی چیز حقیقی نہیں۔ اس کائنات کو سمجھنے کے لئے طبعی قوانین کے علاوہ کسی چیز کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔مادیت کے اخلاقی نظریہ کے مطابق جو حقیقتاً مادیت کے مابعد الطبیعاتی نظریہ ہی کا حتمی نتیجہ ہے انسان کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ محض جسمانی ضروریات کی تسکین ہے۔لہٰذا وہی قابلِ فکر چیز ہے جو ان نظریات کی تکمیل کرے۔علاوہ ازیں کسی اور چیز کی کوئی قیمت نہیں۔انسانی جستجو کا مقصود بھی صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر لذت و نفع کا باعث ہو۔یہ اندازِ فکر بڑی حد تک یورپ کی عملی زندگی میں دخل رکھتی ہے۔اس کا اندازہ اس رائے سے ہوتا ہے:

> ”یورپ کا عام اور متوسط آدمی خواہ وہ جمہوریت پر ایمان رکھتا ہو یا فاشزم پر، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، جسمانی مشقت کرتا ہو یا دماغی محنت کرنے والا ہو، وہ ایک ہی مذہب رکھتا ہے اور وہ مادی ترقی کی پرستش ہے۔اس کی غایت حیات صرف یہی ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ آسان پر راحت اور عام محاورے کے مطابق فطرت سے آزاد بنا سکے۔“[1]

تو معلوم ہوا کہ اس نئی سوچ میں مادیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

ب۔الحاد:

مادی طرز فکر کا لازمی نتیجہ لادینیت ہے۔اگر مادہ سب کچھ ہے اور یہ کائنات خود بخود پیدا ہو گئی ہے تو ظاہر ہے کہ کائنات کا نہ کوئی خالق ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ناظم۔ پھر جب نعوذ باللہ کوئی خالق و ناظم ہے ہی نہیں تو اعمال کا حساب اور ان کی جزا اور سزا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ میکانکی تصور حیات کے غلبے کے بعد مغربی ممالک کے نسبتاً کم لوگ صحیح معنوں میں خدا کے قائل ہیں۔اپنے مذہب سے والہانہ محبت کے باوجود لادینی خیالات کے غلبے

ا۔ پروفیسر، خورشید احمد، "اسلامی نظریۂ حیات"، (کراچی: شعبۂ تصنیف و تالیف، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء)، ص:۸۵

کی وجہ سے وہ دوسرے مذاہب سے تعصب وعناد کے علاوہ اور کسی طریقہ سے فکر پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوئے اور زندگی کے عام دہارے کو موڑ نہیں سکے۔

ج۔ جمہوری طرز حکمرانی:

فلسفہ مادیت کا دوسرا منطقی نتیجہ حاکمیت انسان ہے۔ اگر یہ دنیا بغیر کسی خالق کے پیدا ہوگی اور اس کا کوئی مالک وآقا بھی نہیں ہے تو کسی ایسی ہستی کا ذکر کرنا ہی بے سود ہے جس سے کسی قسم کی ہدایت اور رہبری کی امید کی جا سکے۔ لہذا انسان خود ہی اپنا مالک ہے۔ جس طرح چاہے اصول وضع کرے اور جس اصول کو چاہے توڑے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ مختلف انسانوں کے خیالات میں عظیم اختلاف ہوتا ہے، رائے مانی جائے تو کس کی؟ اقتدار تسلیم کیا جائے تو کس کا؟ اس کے جواب میں ایک خیالی شے کی دریافت کی گئی جس کا نام روسو نے رائے عامہ تجویز کیا۔ حاکمیت انسان کا تصور عملی طور پر حاکمیت جمہور کا تصور بن گیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قوم کے عوام اپنی خواہشات اور آرام میں ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہیں وہ جس چیز کو چاہیں اپنے لیے خود حلال یا حرام ٹھہرا سکتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق کا کوئی ضابطہ ان کے فیصلے کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ کسی ریاست کی اصل قوت کا انحصار وہاں کے عوام پر ہوتا ہے اس لئے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ حاکمیت بھی ان ہی کی ہونی چاہیے۔ اس فلسفے کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حاکم اور محکوم کی دوئی کو مٹا دیا ہے۔ اب عوام حاکم بھی ہیں اور محکوم بھی۔

د۔ قومیت:

مادیت کے زیر سایہ قومیت کے نظریہ نے جنم لیا۔ قوم پرستی ایک ایسا جذبہ ہے جو مذہب کے خاتمے کے بعد اجتماعی نصب العین اور اتحادی عمل کی کمی کو پورا کرتا ہے۔ قرون وسطیٰ میں مسیحیت یورپ کے مختلف ممالک کو جوڑنے والی قوت تھی۔ اس اشتراک کی بناء پر پورا یورپ باوجود سیاسی تقسیم کے ایک وحدت تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن مذہب کے کلی استعمال کے بعد قوم ہی اصل مقصد قرار پائی۔ اس عقیدے کے مطابق قوم کو وہی درجہ حاصل ہے جو مذہب میں شارع کو دیا گیا ہے۔ قوم خطا ونسیان سے معصوم ہے۔ اس سے لغزش اور غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ تمام افراد اس کی ملکیت ہیں اور ان پر اس کی اطاعت فرض عین ہے۔ اس کو حق حاصل ہے کہ جس امر میں جو چاہے فیصلہ کرے۔ فرد کی پہلی اور آخری وفاداری صرف قوم کے لئے ہے اور اس میں کوتاہی کفر سے کم نہیں۔

ہ۔ نظریہ ازدواج:

مادیت کا اصل مدعا انسانی آزادی ہے۔ اس لیے ازدواج کا نیا نظریہ وجود میں آیا۔ اس خطرناک نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ شرم وحیا اور عفت وعصمت، جن کو انسان اب تک قابل قدر صفات سمجھتا رہا ہے وہ سب اضافی ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ آج کے دور میں ان کی حیثیت ماضی کے افسانوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ درحقیقت یہ وہ جال ہیں جو عورت کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ ان بوسیدہ رسیوں کو توڑ کر آزاد ہو جائیں۔ عورتیں ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہیں۔ انہیں زندگی کی دوڑ دھوپ میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ خانہ داری کے فرائض میں مقید رہنا غیر فطری ہے۔ جنس ایک حیوانی جذبہ ہے جس کی تکمیل کے لیے نہ کسی خاص انتظام کی ضرورت ہے اور نہ اس سے زن وشوہر کے مختلف کردار کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ اس باطل فلسفے کا اثر یہ ہوا کہ پہلے تو نکاح کی گرفت ڈھیلی ہوئی، اس کے بعد نکاح سے عام بیزاری کا رجحان پرورش پانے لگا اور آخر میں خاندانی نظام کی مضبوط عمارت پیوند خاک ہوگئی۔

المختصر! مادیت اور الحاد کے ان سارے عناصر نے اچھے احساسات، پاکیزہ جذبات اور اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے میں جو حصہ لیا ہے اس سے بڑھ چڑھ کر کام معاشرتی ارتقاء کے تصور نے کیا ہے۔ یہ نظریہ مادیت پرستی کے بطن سے پیدا ہوا، افادی طرز فکر نے اسے پروان چڑھایا اور زمان ومکان پر انسانیت کی فتح نے اسے قبول عام بخشا۔ اس کے فروغ کے ساتھ ہی ظلم نے انصاف کا اور شیطنت نے شرافت کا روپ دھار لیا۔ پھر خون ریزی، سفاکی اور کمزور کُشی اخلاق عالیہ قرار پائی۔ یوں تو اس نظریے کی پرورش میں بے شمار اصحاب فکر نے حصہ لیا ہے لیکن ہیگل، مارکس اور ڈارون کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ہم انہی مفکروں کے افکار کے مختصر مطالعہ کے بعد اس نظریے کے معاشرتی نتائج کا جائزہ لیں گے۔

مادیت کی جہتیں:

جدید مغربی تہذیب میں جس چیز کا نمایاں اثر اور رنگ نظر آتا ہے وہ مادیت ہی تھی۔ مادیت یا مادہ پرستی اس تہذیب کے ہر شعبہ میں چھائی ہوئی ہے۔ اس نظریہ نے اپنے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہر دیوار کو گرادیا۔ نہ خدا کو مانا نہ مذہب کی مانی۔ اس نظریہ نے اخلاق کو فرسودگی اور آخرت پر ایمان کا انکار کردیا۔ مادیت کا یہ نظریہ جن جہتوں میں آج دکھائی دیتا ہے، ذیل میں ان جہتوں کا جائزہ لیا جارہا ہے:

۱۔ الحاد ۲۔ سیکولرازم ۳۔ لبرل ازم ۴۔ سائنس

۱۔ الحاد:

الحاد عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے:

"العدول عن الاستقامة والانحراف عنها"[(۱)]

ترجمہ: سیدھی راہ سے ہٹنا اور منحرف ہونا۔

اس سے مراد الٰہ کے وجود کی نفی یا پھر وجود الٰہ کے عقیدے کی نفی کرنا ہے۔

مذاہب میں بنیادی طور پر دو قسم کے عقائد سبھی کے ہاں کچھ اختلافات کے ساتھ یکساں طور پر موجود ہیں۔ وجود خداوندی اور نمائندگان خدا کا تصور جیسے رسول، نبی، پیغمبر، تیر تھنکر، بدھ اور اوتار کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان دونوں عقیدوں کا مقصد یہ ہے کہ اس کائنات کو خدا نے تخلیق کیا ہے۔ تخلیق کرنے کے بعد وہ اس کائنات سے لاتعلق نہیں ہو گیا بلکہ اس کائنات کا نظام وہی چلا رہا ہے۔ اس نے انسانوں کو اچھے اور برے کی تمیز سکھائی ہے اور یہ شعور اس کے نفس میں رکھ دیا، جسے فطرت کہتے ہیں۔ مزید بر آں خدا کی طرف سے چند عملی نمونے بھی آئے جن کے مطابق انسانوں کو اپنی زندگی گزارنا تھی۔ چند مذاہب کو چھوڑ کر سبھی اہم مذاہب میں آخرت کا تصور بھی ہے، جس کے مطابق اچھے اعمال کرنے والوں کے لیے جنت اور برے اعمال کرنے والوں کے لئے دوزخ ہے۔ مذہب کے متعلق ان عمومی عقائد کے علاوہ ایک اور طرز فکر رائج رہی ہے، جسے الحاد یا عموماً لادینیت کہا جاتا ہے۔ الحاد مذہب نہیں بلکہ ایک طرز فکر کا نام ہے جس میں خدا، رسالت اور آخرت وغیرہ کا انکار پایا جاتا ہے۔ الحاد کا عقیدہ رکھنے والوں کو ملحدین کہا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک خدا، دیوتا یا مافوق الفطرت ہستیوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لہذا ملحدین کے نزدیک مذہب بھی کوئی الہامی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ انسان کی اپنی سوچ اور فکر کا نتیجہ ہے۔ دور حاضر میں الحاد کی تین اہم اقسام ملتی ہیں جنہیں Atheism، Deism اور Agnosticism کہا جاتا ہے۔

۱۔ ایتھی ازم سے مراد یہ ہے کہ خدا کے وجود کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔

۲۔ ڈی ازم کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو عقل کی بنیاد پر مان تو لیا جائے لیکن رسالت کا انکار کر دیا جائے۔

۳۔ ایگنوسٹی ازم کو "لا ادریت" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خدا ہے یا نہیں۔

۱۔ الزبیدی، محمد بن محمد عبدالرزاق، "تاج العروس"، ص:۹/ ۱۳۵

ان تینوں تصورات کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے کہ انسان ہر قسم کے مذہب سے خود کو علیٰحدہ کر لیتا ہے۔ ڈی ازم میں اگرچہ خدا کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن انبیائے کرام کی لائی ہوئی ہدایت سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک ایگنوسٹی ازم کے ماننے والے اگرچہ خدا کے وجود کا کھلا انکار تو نہیں کرتے مگر اقرار بھی نہیں کرتے۔

الحاد جدید:

مادیت نے ایک اور خوفناک نظریہ جنم دیا جسے الحاد کہا جاتا ہے۔ خدا کے انکار کا یہ رجحان نیا نہیں ہے بلکہ ماضی میں بھی ہمیں بعض لوگوں کے ہاں یہ خیال ملتا ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی بعض لوگ کسی نہ کسی درجے پر الحاد کے قائل تھے، لیکن اس معاملے میں خدا کے وجود کا مطلق انکار بہت ہی کم کیا گیا۔ بڑے مذاہب میں بدھ مت کے ہاں خدا کا کوئی واضح تصور نہیں پایا جاتا، تاہم دیوتاؤں پر بدھ مذہب کے ماننے والے بھی یقین رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا بھر میں صرف چند فلسفی ہی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے خدا کا انکار کیا ہے۔ بعض نے اسے مختلف صورتوں میں تسلیم کیا ہے تاہم اس کی حیثیت صرف خالق کی مانی ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں خدا پر عدم یقین کا رجحان محض ذاتی خیال پر مبنی تھا اس میں سائنسی اور تکنیکی وجوہات شامل نہ تھیں۔ لیکن دور جدید میں اس طرز فکر نے ایک منظم حیثیت حاصل کر لی ہے۔ موجودہ الحاد سائنس اور علمیات پر مبنی ہے۔ زوجیہ غارودی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> "الحاد کو حقیقی فروغ موجودہ زمانے ہی میں حاصل ہوا جب دنیا کی غالب اقوام مثلاً یورپ وامریکہ نے اسے اپنے نظام حیات کے طور پر قبول کر لیا اور اپنے تمام معاملات سے مذہب کو بے دخل کر دیا۔ موجودہ الحاد کی تحریک کی تاریخ ہم سولہویں صدی کے اختتام سے شروع کر سکتے ہیں۔ یورپ میں قرون وسطیٰ میں کلیسا کے مظالم کے خلاف تحریکیں اٹھیں اور عیسائیت میں ایک نئے فرقے پروٹسٹنٹ کا ظہور ہوا۔ ان دونوں فرقوں میں کئی بار باہمی خانہ جنگی ہوئی جب کوئی پروٹسٹنٹ حکمران ہوتا تو وہ کیتھولک پر مظالم کرتا اور جب حکمران کیتھولک ہوتا تو پروٹسٹنٹ پر ظلم کرتا"۔[1]

لوگ اس صورتحال کی وجہ سے مذہب سے بیزار ہو رہے تھے اور مذہب پر کھلی تنقید کر رہے تھے۔ اس تنقید میں سب سے زیادہ حصہ اس دور کے فلسفیوں نے لیا۔ ڈیکارٹ جو جدید فلسفہ کا بانی سمجھا جاتا ہے پہلا شخص تھا

۱۔ روجیہ غارودی، النظریہ المادیہ فی المعرفۃ (ترجمہ محمد عیتانی)، (بیروت،: دار المعجم العربی)، ص ۱۷

جس نے فلسفہ اور مذہب میں تفریق پیدا کی۔ اگرچہ وہ خدا کا قائل تھا لیکن وہ عقل پرستی کو فروغ دینے کا زبردست حامی تھا۔ اٹھارویں صدی میں مشہور امریکی فلسفی ٹامس پائین(۱۸۰۹-۱۷۳۷) نے اپنی کتاب The age of Reason شائع کی جس میں انہوں نے اپنے خیال کے مطابق عیسائیت کی خرابیوں اور بائبل کی غیر منطقی باتوں کو واضح کرتے ہوئے ان پر شدید تنقید کی۔ اس کے بعد ملحد فلسفیوں کی جانب سے مذہب پر تنقید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب تک اہل مذہب یہ دلیل پیش کرتے آئے تھے کہ کائنات کا وجود ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا کوئی خالق موجود ہے لیکن انیسویں صدی میں چارلس ڈارون نے نظریہ ارتقاء پیش کیا۔ اس نظریے سے ملحد سائنسدانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بے جان مخلوق سے خود بخود ایک جاندار خلیہ پیدا ہوا جو کہ لاکھوں سالوں میں ارتقاء کے عمل سے گزر کر ابتدائی درجے کا جانور بنا اور پھر کروڑوں سالوں میں آہستہ آہستہ یہ مختلف جانوروں کی صورت اختیار کرتا ہوا انسان بن گیا۔ اس کے بعد ملحد لوگ علی اعلان مذہب سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے اور بہت سے سائنسدان اور فلسفی خدا کی مختلف توجیہات پیش کرنے لگے۔ اسی دوران ڈی ازم کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ اگرچہ خدا ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے لیکن اس کے بعد وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ اب یہ کائنات خود بخود ہی چل رہی ہے اس تحریک کو فروغ ڈیوڈ ہیوم اور مشہور ماہر معاشیات ایڈم سمتھ کی تحریروں سے بھی ملا۔ ان لوگوں نے بھی چرچ پر اپنی تنقید جاری رکھی اور چرچ کا جبر و تشدد بھی جاری رہا۔ آخر انیسویں صدی میں کارل مارکس نے اشتراکیت کا نظام پیش کیا۔ اگرچہ یہ نظام معاش سے متعلق تھا لیکن اس کی بنیاد اس تصور پر تھی کہ مذہب عوام کے استحصال کے لیے گھڑا گیا ہے۔ اس فکر کے رد عمل میں کلیسا کی طرف سے جو انتہائی درجے کا جبر و تشدد اختیار کیا گیا اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اٹھارویں صدی میں یورپ کے اہل علم میں بالعموم انکار خدا کی لہر چل نکلی جو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل تک اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

ملحدین کے نظریات

دین و مذہب:

مذہب کے انکار میں مادہ پرستی ملحدین کا نظریہ ہے کہ مذہب دراصل قدیم انسانوں کی ایجاد ہے، جسے انہوں نے اپنے فہم سے بالاتر سوالوں کے جواب نہ ہونے پر ذہنی تسکین کے لیے اپنا لیا تھا۔ لیکن اب سائنس کی ترقی نے انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا ہے جس سے پہلے وہ لاعلم تھا۔ مثلاً گذشتہ زمانوں کے لوگوں نے جب سورج کو ایک مخصوص وقت پر طلوع ہوتے اور غروب ہوتے دیکھا تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اس کے پس پردہ ایک

عظیم الشان اور مافوق الفطرت ہستی کے وجود کو تسلیم کر لیں۔ اسی طرح دیگر بہت سے سوالات جن کی بابت ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا اس کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ یہ اسی غیبی ہستی کا کارنامہ ہے۔ لیکن چونکہ اب ہم اس دور میں جی رہے ہیں جہاں ہمیں ان سب کے فطری اسباب معلوم ہو چکے ہیں ہم جانتے ہیں کہ سورج کا نکلنا اور ڈوبنا زمین کے گرد گھومنے کی وجہ سے ہوتا ہے، لہذا ہمیں اس کا کریڈٹ کسی خدا یا دیوتا کو دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح کائنات کے دیگر فطری عوامل کی حقیقت سمجھنے کے لئے بھی خدا کی بجائے ان کی توجیہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

آخرت کے بارے میں ملحدین کا عقیدہ ہے کہ موت واقع ہو جانے کے بعد انسان کا تعلق اس دنیا سے ختم ہو جاتا ہے اور پھر وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ موت کے بعد کیا ہوتا، اور کچھ ہوتا بھی ہے یا نہیں اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے ؛اس لیے عقیدہ آخرت کو تسلیم کرنا غیر ضروری ہے۔ ان کے نزدیک چونکہ مذہبی عقائد کی کوئی ٹھوس قابل مشاہدہ دلیل نہیں ہوتی لہذا اسے اب ایک گزرے ہوئے زمانے کا قصہ سمجھ کر بھول جانا چاہیے۔ مذہبی عقائد کو تسلیم کرنا انسانی عقل کی شان کے خلاف ہے کیونکہ جن سوالات اور مسائل کے لئے خدا اور مذہب کا وجود تھا اب ہمارے پاس ان کے خالص ٹیکنیکل اور منطقی جوابات موجود ہیں۔ ان ملحدین فلاسفہ کا اصرار ہے کہ ایک عقل پسند شخص ایسی کسی بات پر ایمان نہ لائے جس کا مشاہدہ حواس خمسہ سے نہ ہو۔

نفس انسانی کے متعلق نظریہ:

اہل مذہب نفس انسانی سے متعلق امور کو روح سے جوڑتے ہیں، کیونکہ روح کا کوئی مادی وجود نہیں ہے لہذا ملحدین روح کو نہیں مانتے۔ ملحدین کی اکثریت نظریہ ارتقاء کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہوئے نفس انسانی کے متعلق یہ مانتے ہیں کہ روئے زمین پر اربوں سال پہلے ساحل سمندر سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔ پھر اس سے نباتات اور اس کی مختلف انواع وجود میں آئیں۔ پھر نباتات ہی سے ترقی کرتے کرتے حیوانات پیدا ہوئے۔ انہی حیوانات میں سے ایک بندر تھا جو نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا موجودہ انسان کی صورت بنا۔ انسان کے نفس میں جو کچھ اس کی تمنائیں جذبات عقل وغیرہ سبھی خلیوں کے نظام اور خارجی دنیا کے ساتھ انسانی جسم کے تعلق کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دو پتھروں کو باہم رگڑنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔

طرز زندگی:

خدا کے وجود کے انکار کے ساتھ ہی لازمی نتیجہ کے طور پر وحی اور آسمانی صحائف کی بھی کوئی حقیقت واہمیت ملحدین کے نزدیک باقی نہیں رہتی۔ اہل مذہب کے مطابق اللہ تعالی نے زندگی گزارنے کے لئے وحی نازل فرمائی تاکہ انسان ان احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ لیکن جب مذہب کا انکار کیا جارہا ہو تو پھر طرز حیات کے متعلق سوچ و فکر میں بھی تبدیلیاں آتی ہیں۔ ملحدین طرز زندگی کے متعلق عام طور پر سیکولرازم اور معاشیات میں سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے قائل ہیں۔

معاشی نظریہ:

معاشی نظام کے متعلق ملحدین دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ سرمایہ دارانہ نظام کا قائل ہے جس کی بنیاد سود پر ہے۔ دوسرا گروہ اشتراکیت کا قائل ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا اصرار ہے کہ ہر انسان کو تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کے لیے قطعی آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ منافع کمانے کے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کرلے۔ منافع کے حصول کے لئے مذہبی قوانین کے تحت حلال و حرام کی کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔

"اس معاشی نظام میں سود، بیمہ، انٹرسٹ وغیرہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے برعکس اشتراکی نظام میں کوئی بھی کاروبار شخص کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ قومی ملکیت ہوتی ہے اور سبھی افراد حکومت کے ملازم ہوتے ہیں۔"[1]

جنسی آزادی کا تصور :

الحاد کے فروغ کے ساتھ ہی مغرب میں جنسی آزادی کا تصور بیدار ہوا۔ اکثر ملک دین کے مطابق کھانے پینے سونے کی طرح جنسی خواہشات کی تکمیل انسان کی فطری خواہش ہے۔ لہذا اسے اجازت ہونی چاہیے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک زنا بالجبر ایک غلط کام ہے مگر فریقین کی رضامندی سے ہونے والے جنسی تعلق میں کوئی برائی نہیں۔

۱۔ روجیہ غارودی، النظریہ المادیہ فی المعرفۃ (ترجمہ محمد عیتانی)، ص ۲۵

الغرض الحاد نے انسان کو مذہب، اخلاق، خدا اور آخرت سے مکمل طور پر بیگانہ کر دیا۔ اسی وجہ سے آج معاشرہ مسائل کی آماجگاہ بن گیا ہے۔

۲۔ سیکولرازم:

سیکولرازم انگریزی اصطلاح ہے۔ اس کا صحیح مفہوم و معنی جاننے کے لیے انگریزی کتب ولغات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ انگریزی کی مستند لغت "دی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری" میں سیکولرزم کے مندرجہ ذیل معنی بیان کئے گئے:

"The doctrine that morality should be based soley on regard to the wellbeing of mankind and the present life, to the exclusion of all consideration Drone from believe in God in a future state(1)"

ترجمہ: یہ نظریہ کہ خدا یا عقبی کے اعتقاد سے اخذ شدہ تمام ملحوظات کو ترک کر کے اخلاقیات کو صرف بنی نوع انسان کی موجودہ زندگی کی فلاح و بہبود کے لحاظ پر مبنی ہونا چاہیے۔

انگریزی اصطلاحات کے معتبر قاموس "انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا" میں سیکولرازم کی مندرجہ ذیل تشریح ملتی ہے۔

“a movement in society directed away from other worldliness to life on earth”(2)

ترجمہ: "یہ سماج میں اخرویت سے رخ پھیر کر دنیویت پر توجہ دینا کی ایک تحریک ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں سیکولرزم کا مفہوم اور وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

“Intentionally secularism may be described as a movement ethical, negatively religious, evade political and philosophical antecedents. Since it undertook to do this without reference to a deity or a future life and thus proposed to fulfill a function of religion, apart from religious associations, it may be regarded as negatively religious”(3)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ:

1.The Oxford English dictionary,Oxford Press, London, vol.14, p.849

2.The New encyclopedia Britanica, Chicago, 1943, vol.10, p.594

3.Encyclopedia of Religion and faith, New Yark, 1934, vol.11,P.347

سیکولرازم کو ایک تحریک کی حیثیت سے بیان کیا جاسکتا ہے جو کہ ارادی طور پر اخلاقی تھی اور مذہب کے خلاف تھی، اور اس تحریک نے تجویز دی کہ مذہب کو مذہبی انجمنوں سے علیحدہ ہونا چاہیے اس تحریک کو ہم مذہب مخالف تحریک بھی تصور کرسکتے ہیں۔

اس عبارت میں جو یہ لفظ آیا ہے کہ مذہبی انجمنیں نہیں ہونی چاہیے "اس سے مراد کلیسائی نظام ہے جو مختلف عہدوں اور طبقوں میں تقسیم تھا۔ مصنف کے خیال میں اس طرح مذہبی گروہ نے مذہب پر اپنی اجارہ داری قائم کی ہوئی تھی اور سیکولرازم کی تحریک کا مقصد مذہبی افراد کی مذہب پر اجارہ داری کو ختم کرنا تھا۔ چنانچہ قومی انگریزی اردو لغت میں سیکولرازم کا معنی و مفہوم اور مطالب حسب ذیل درج ہیں:

"لادینیت، لادینی جذبہ یا رجانات بالخصوص وہ نظام جس میں جملہ مذہبی عقائد و اعمال کی نفی ہوتی ہے۔ یہ نظریہ کے عام تعلیم اور مدنی ماندبود کے معاملات میں مذہبی عنصر کو دخیل نہیں ہونا چاہیے۔"[۱]

منیر البعلبکی "المورد" میں سیکولرازم کے معنی حسب ذیل لکھتے ہیں:

"عدم الدنيوية المبالاة بالدين أو بالاعتبارات الدينية"[۲]

ترجمہ: دین سے بے رغبتی، دین یا دینی اقدار سے بے رغبتی کرنا۔

انگریزی، اردو اور عربی کی کتب ولغات سے سیکولرازم کی مختلف تعریفات درج کی ہیں اور اگر ان تمام تعریفات کا لب لباب یا حاصل بحث بیان کیا جائے تو ان تمام کتب ولغات میں سیکولرازم کا مرکزی مفہوم یہ ملتا ہے کہ یہ تحریک مذہب مخالف، لادینیت کی ترویج کرنے والی عقائد و اعمال کی تردید کرنے والی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو "ہولی اوک" جو کہ اس اصطلاح (سیکولرازم) کا موجد ہے اس نے سیکولرازم اور مذہب کو آپس میں حریف نہیں قرار دینا۔ لیکن یہ تحریک آگے چل کر اپنی اس روش کو برقرار نہ رکھ سکی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تحریک (سیکولرازم) مکمل مذہب بیزار بن گئی۔

۱۔ قومی انگریزی اردو لغت، (پاکستان: مقتدرہ قومی زبان)، بذیل، س، ص: ۱۷۹۰

۲۔ المورد، قاموس انکلیزی عربی، (بیروت: دار العلم)، ص: ۸۲۷

سیکولر معاشرہ(Secular Society):

سیکولر سوسائٹی کی اصطلاح سب سے پہلے پیکر نے استعمال کی۔ چنانچہ "ڈکشنری آف شوشل سائنسز لکھتی ہے کہ:

> "This is a term used by H packer and to denote a type of society which is secular in the sense set out under secular"(1)
>
> ترجمہ:"سیکولر سوسائٹی ایک اصطلاح ہے جس کو پیکر اور دوسرے مفکرین نے استعمال کیا اور اس سے مراد ہے کہ ایسی سوسائٹی قائم کی جائے جو بے دین ہو یعنی ایسا معاشرہ جس کی تشکیل لادینی نظریات پر ہو۔"

سیکولرازم ایک مذہب مخالف تحریک ہے۔ لیکن سیکولرازم کے اثرات صرف مذہب تک محدود نہیں رہے بلکہ مذہب کے علاوہ اس کے اثرات دوسرے شعبہ جات میں بھی پھیلے۔ سیکولرازم کے اثرات کے باعث جب مذہب کی حیثیت و وقعت کم ہوئی تو نئے نظام میں معاشیات، سیاسیات اور اسی طرح تعلیمی اور سماجی ڈھانچہ بھی لادینیت کی بنیاد پر قائم کیا گیا۔ اس طرح سیکولرازم نے اپنے اثرات مذہب تک محدود رکھنے کے بجائے معاشی، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی اور معاشرتی نظام ہائے زندگی تک وسیع کر دیئے۔ ذیل میں ان کی توضیح پیش خدمت ہے۔

معاشرتی نظام:

معاشرتی نظام انسان کا بنیادی مسئلہ اور اہم ضرورت ہے۔ انسان معاشرتی حیوان ہے اور معاشرہ کے بغیر انسان کی زندگی محال ہے۔ انسان آنکھ کھولتا ہے تو اسے معاشرہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک خاندان کا فرد ہوتا ہے اور پھر ہوش سنبھالتے ہی اسے ایک سوسائٹی، قوم، وطن اور دنیا سے واسطہ پڑتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں معاشرتی نظام انسانی زندگی میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ سیکولرازم نے انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح معاشرتی نظام پر بھی غیر معمولی اثرات مرتب کیے۔ معاشرہ جس میں سیکولرازم سے قبل مذہب کے گہرے اثرات تھے اور ایک مذہبی معاشرہ میں عفت و عصمت کا پاس کیا جاتا تھا۔ مذہبی تعلیمات کے باعث شرم و حیا کا وجود تھا اس معاشرہ میں اخلاقی اقدار زندہ تھیں اور خاندانی نظام مضبوط بنیادوں پر استوار تھا۔ سیکولرازم کے اثرات کے باعث معاشرتی نظام میں بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مثلاً حیا کی جگہ بے حیائی، خاندانی

۱۔ المورد، قاموس انگلیزی عربی، ص:۸۲۷

نظام کا تباہ ہونا، فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب اور اس طرح معاشرہ میں اخلاقی اقدار کی پامالی الغرض سیکولرازم کے اثرات کی زد سے زندگی کا کوئی بھی شعبہ نہ بچا۔

پروفیسر خورشید احمد ایک لادین اور مذہب بیزار معاشرے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

"جس سوسائٹی کا نظام لادینیت یا مذہب سے انحراف کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے اس کے اصول غیر مستقل ہوتے ہیں اور روز بنتے یا ٹوٹتے ہیں۔ انسانی تعلقات کے ایک ایک گوشے میں ظلم، ناانصافی، بے ایمانی اور آپس کی بے اعتمادی پیدا ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام انسانی معاملات میں انفرادی، طبقاتی، قومیں اور نسلیں خود غرضیاں اور انتشار رونما ہو جاتا ہے اور دو انسانوں کے تعلق سے لے کر قوموں کے تعلق تک کوئی رابطہ ایسا نہیں رہتا جس میں کجی نہ آتی ہو۔"(۱)

سیاسی نظام:

سیکولرازم نے جہاں انسانی زندگی کے دوسرے نظاموں سے مذہب کو رخصت کیا وہیں سیاسی نظام کو بھی لادینیت کی شارع پر گامزن کیا۔ جدید سیکولر مغربی مفکرین نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مذہب کا ریاستی امور میں کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے یعنی جدید سیاسی نظام میں مذہب کا کوئی حصہ نہیں۔ ڈاکٹر اشفاق لکھتے ہیں کہ:

"سیکولرازم ریاست اور سیاست سے مذہب کو فاصلے پر رکھنے کے حق میں ہے مگر سیکولر سماج میں ہر شہری کو اپنی نجی زندگی میں اپنے مذہبی ارکان ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔"(۲)

اسی سے ملتی جلتی بات ڈاکٹر انور پاشا لکھتے ہیں:

"عہد جدید میں مذہب کی بنیاد پر سیاست کی گنجائش ختم ہو چکی ہے اور عہد جدید میں جہاں کہیں بھی مذہب کو بنیاد بنا کر سیاست کی کوششیں ہوئیں وہاں اس کے خوشگوار نتائج بر آمد نہیں ہوئے، جہاں کہیں بھی مذہب کی بنیاد پر حکومت و سیاست کی کوششیں ہوئی ہیں وہاں نہ

۱۔ پروفیسر، خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، ص:۴۰۷

۲۔ داکٹر، اشفاق احمد، "مذہب، مسلمان اور سیکولرازم"، مضمون نگار، شمس کنول، ص:۲۹۹

تو مذہب کا تقدس قائم رہ سکا اور نہ سیاست کا اعتبار ہی بیشتر مواقع پر ایسی کوششوں کے نتیجے میں یا تو پھر مذہب، سیاست کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن گیا یا پھر سیاست مذہب کی باندی۔"(۱)

مذکورہ بالا عبارات اگرچہ مغربی مفکرین کی آراء نہیں لیکن اس طرح کی آراء پیش کرنے والے دراصل جدید مغربی و یورپی مفکرین کی فکر ہی سے متاثر ہیں۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو سیاسی نظام جس کا تعلق ریاست سے ہوتا ہے اس کے قیام و ارتقاء میں انسان کی اخلاقی حس اور تصور عدل کا غیر معمولی دخل ہوتا ہے اور اس میں انصاف وہ محور ہے جس کے گرد سیاسی نظم کا ہر پرزہ حرکت کرتا ہے۔ اگر اس نظام سے مذہب کو رخصت کر دیا جائے، جو عدل و انصاف کا منبع ہے تو پھر اس نظام میں خرابی کا آجانا ناگزیر ہے۔ پھر اس قسم کی سیاست سیاست نہیں ظلم اور استبداد ہو گا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

معاشی نظام:

انسانی زندگی میں معاشیات کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔ سیکولرزم کے اثرات نے معاشی نظام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نتیجہ اس نظام میں پہلے سے موجود جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا تصور یکسر ختم ہو گیا۔ اس ماحول میں مادیت کو خوب عروج حاصل ہوا۔ مفتی محمد رفیع عثمانی یورپ کے اس نئے معاشی نظام کے متعلق لکھتے ہیں:

"اب انہوں نے (یعنی اہل مغرب اور یورپ) صرف صنعت و تجارت ہی کو وسعت نہیں دی بلکہ سود کو بھی حلال کر لیا، حالانکہ سود کی حرمت پر تاریخ عالم کے تمام مذاہب متفق چلے آئے اور اس کی معاشی تباہ کاریوں کے پیش نظر کسی معاشرے نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔۔۔ انہوں نے سود، سٹہ، قمار، آڑہت اور ذخیرہ اندوزی جیسی گھناؤنی چیزوں کو بھی حلال کر کے شیر مادر بنا لیا۔ صنعت و تجارت کی پوری عمارت کو گندگی کے اس ڈھیر پر تعمیر کر دیا۔"(۲)

اس وقت دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے نزدیک سرمایہ یا دولت ہر طریقہ سے اکٹھی کی جاسکتی ہے۔ اس میں حلال و حرام کی کوئی قید نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کو ایسی سوچ اور فکر سیکولرازم نے

۱۔ ڈاکٹر، اشفاق احمد مذہب، مسلمان اور سیکولرازم،، مضمون نگار، ڈاکٹر انور پاشا، ص: ۳۲۲

۲۔ عثمانی، رفیع عثمانی، "یورپ کے تین معاشی نظام" (کراچی، ادارہ المعارف، ۱۹۹۷ء)، ص: ۶۴

فراہم کی ہے۔ معاشیات جب تک مذہبی تعلیمات کے زیر سایہ رہی اسی وقت تک اس میں حلال و حرام کا نظریہ کسی نہ کسی صورت باقی رہا، لیکن جب معاشیات کی تعمیر نو سیکولر بنیادوں پر قائم ہوئی تو پھر اس میں کئی طرح کی خرافات نے راہ پائی۔ اس لئے اس وقت جدید معاشی نظام جس کو ہم سیکولر معاشی نظام بھی کہہ سکتے ہیں، حلال و حرام کی تمیز سے عاری ایک سودی نظام ہے۔ نہ اقدار ہیں نہ ہی خوف خدا، نہ اخلاق اور نہ آخرت کی فکر، بس مال اور پیسہ ہی خدا بن گیا۔

تعلیمی نظام:-

سیکولرازم کے حامیوں نے تعلیمی نظام کو بھی سیکولرائز کر دیا۔ تعلیمی نظام جو کہ پہلے کلیسا کے زیر سایہ تھا بعد میں جدید تعلیمی ادارے قائم کیے گئے۔ ان میں ایسا جدید تعلیمی نظام تھا جس میں مذہب کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔

"دی انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن" میں ہے:

> "The taking over of Church property by the state for secular purposes sometimes for selfish and unworthy ends. sometimes devoted to charitable and educational purposes."(1)
>
> ترجمہ: حکومت سیکولر مقاصد کے لئے چرچ کی جائیداد کو اپنے قبضہ میں لے، بعض اوقات یہ جائیداد خود غرض اور نااہلیت کی بنا پر چرچ سے لی جاتی اور بعض اوقات خیراتی یا تعلیمی ادارے کو وقف کرنے کے لیے یعنی حکومت چرچ کی جائیداد کو اس لیے اپنی تحویل میں لے لیتی ہے تاکہ اس میں جدید تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں جس میں مذہب سے ہٹ کر جدید سیکولر انداز میں تعلیم دی جائے۔

اس کے بعد ہوا یہ کہ تعلیم کا مقصد کردار سازی اور خدا کی معرفت نہ رہا۔ اب تعلیم کا مقصد صرف مادیت اور مادی فوائد کے حصول کا محور بن گیا۔ اس تعلیم نے پڑھے لکھے خود کش حملہ آور دہشت گرد، کرپٹ اور بدعنوان پیدا کیے۔ آج کے ڈاکٹرز، سیاستدان، حکمران اور بیورکریٹس اس کی اہم مثال ہیں۔

۳۔ لبرل ازم

لبرل ازم ایک سیاسی نظریہ ہے۔ یہ مذہب، اعتقاد یا ایمان سے مختلف ہے۔ اس نظریے یا فلسفہ کے دو اصول ہیں: پہلا اصول ہے آزادی اور دوسرا اصول مساوات۔ جس کام، کردار، عمل، رویے، فکر یا عقیدے میں یہ دو

---

1. The Encyclopedia of Religion, Michel de Salzmann: p.700

اصول موجود نہیں یا ایک ہے اور دوسرا نہیں اسے لبرل ازم نہیں کہا جاسکتا۔ ان اصولوں سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اس کا جواب ذیل میں پیش خدمت ہے۔

پہلے آزادی کے اصول کو لیتے ہیں۔ آزادی سے سادہ الفاظ میں مراد یہ ہے کہ انسان کو فرد کی حیثیت سے کلی طور پر آزادی حاصل ہے۔ اس پر کسی قدغن، پابندی، ضابطے، اخلاق، قید یا سزا کے اطلاق سے اسے انسانی فطرت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کوئی مذہب الہامی روحانی ہدایت یا فلسفہ اسے اس کی آزادیوں سے محروم نہیں کر سکتا۔ انسان کی حیثیت برتر ہے۔ کسی کی حاکمیت خواہ وہ اللہ، خداوند، رام اور دیوتا ہی کی کیوں نہ ہو وہ حاکمیت اعلی کا اختیار نہیں رکھتی۔ اس لئے معاشروں میں انسان کے سوا کسی کی حاکمیت اعلی تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اسی اصول کی رو سے ریاست اور حکومت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔ ریاست سیکولر ہوتی ہے اور حکومت اپنے کام، کردار اور پالیسی میں سیکولر ہوتی ہے۔ آزادی کی حدود لامحدود ہیں۔

نظریہ الحاد کی بنیادیں

الف۔ آزادی سے مراد آزادی اظہار، صحافت، مذہب اور خیال وغیرہ ہیں۔ شہری آزادیاں انسانی حقوق قانونی حقوق سب اس میں شامل ہیں۔ کوئی لبرل حکومت یا ریاست ان کو کسی صورت میں سلب یا محدود نہیں کر سکتی۔

"ب۔ سیکولر ریاست اور جمہوریت میں ووٹ کا حق نمائندگی لینے اور دینے کا حق مرد کو حاصل ہے۔ ایک فرد کے ووٹ سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔"[1]

ج۔ آزاد مارکیٹ سرمایہ داری آزاد تجارت اجارہ داری سے تحفظ اور بین الاقوامی تعاون ہر ریاست حکومت اور ملک کی صواب دید ہے۔ سرمایہ داری اور معاشی اصلاحات کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا مساوات کا اصول ہے۔ جس قدر آزادی کا حصول ہمہ گیر سمجھا جاتا ہے مساوات کا اصول بھی اتنا ہی اہم ہے۔ تاہم اس کی اطلاقی حیثیت اور عملی کیفیت ابھی تک وہ نہیں ہے جو آزادی کے اصول کو حاصل ہو چکی یا دی جاچکی ہے۔ اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

الف۔ شخصی مساوات جس میں صنف، ذات، رنگ، نسل، علاقہ، زبان، مذہب، عقیدہ یا خیال کی وجہ سے کسی مرد یا عورت کو دوسروں سے کمتر یا برتر سمجھا نہیں جاسکتا۔

---

1. Baryan Magee, the story of philosophy, Yogy Karta Karnisius, P.7

ب۔ صنفی آزادی ہمہ گیر ہے اور صنفی مساوات بھی ہمہ گیر ہے۔ کسی مرد یا عورت کو اس کی صنف کی بنا پر حقوق، مراعات، کردار، کام مواقع اور امکانات سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

طلاق، نکاح، ازدواجی تعلق کی بنا پر مرد عورت کو اکٹھے رہنے الگ ہو جانے جنسی تعلق قائم کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسقاط حمل ہم جنس سے شادی کا حق سلب نہیں کیا جا سکتا۔

آزادی اور مساوات کے ان دو اصولوں کو تسلیم کرنا لبرل ازم کا اولین تقاضا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دو اصول مختلف اور متنوع اطلاق رکھتے ہیں۔ ان کا اظہار اور استعمال فرد گروہ معاشرت اور ملک میں مختلف ہے

پس منظر:

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے افکار و نظریات میں زبردست انقلاب رونما ہوا۔ یہ انقلاب اس قدر ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھا کہ نے انسانیت کو ہر اعتبار سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ اس فکری و عملی انقلاب کا دائرہ اور اثرات انقلاب فرانس اور انقلاب امریکہ کا بھی سبب بنا۔ اس طرح مذہب سیاست معیشت و معاشرت پر نئے افکار و نظریات نے تبدیلیوں کے راستے کھولے۔ یہ تبدیلیاں تعمیر و تخریب کی دوہری صفات کی حامل تھیں۔ ان ہما گیر تبدیلیوں کو جس انقلاب نے جنم دیا وہ ان تبدیلیوں کا جواز ٹھہرا وہ لبرل ازم کا ابھرنا اور براہ راست مذہب و معاشرت کو چیلنج کرنا تھا۔ لبرل ازم نے بادشاہت اور پاپائیت کی جنگ سے جنم لیا تھا۔ جنگ، کشمکش، تصادم اور تبدیلی اس کی پیدائشی صفات تھیں۔ سب کچھ تبدیل کرنے والا لبرل ازم اپنی ان صفات سے کبھی بھی پیچھا نہ چھڑا سکا۔ آج بھی لبرل حکومتوں کا ریکارڈ انھی صفات سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اعتراف نہ کرنا ناانصافی ہو گی کہ لبرل ازم نے یورپ کو تاریک دور سے نکالا اور اس نے خوشحالی اور روشن خیالی کا ایک نیا باب رقم کیا۔

لبرل کی تعریف

لبرل ازم کا پیروکار اس کا ماننے والا اور اس پر عمل پیرا ہی لبرل ہے، لبرل کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ا۔ اپنی شخصیت، رائے خواہ وہ کچھ بھی ہو، مذہب، عقیدہ، خیال اور تعلیم کچھ بھی ہو، کسی بھی رائے مخالف کا احترام کرتا ہو۔ مثال کے طور پر وہ توحید پر ایمان رکھتا ہے تو کسی کو یہ نہ کہے کہ تم مشرک ہو یا کافر ہو وغیرہ۔

۲۔ وہ وقت کے ساتھ ساتھ سائنس، استدلال، منطق وفلسفہ اور دیگر دنیاوی تعامل میں سے ابھرنے والے نئے تصورات و نظریات، عقائد اور روحانیات کا احترام کرے۔

۳۔ کوئی مرد یا عورت ازدواجی تعلق کے بغیر جنسی تعلق قائم کریں تو اس پر گرفت نہ کرے مذمت یا نفرت نہ کرے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان اعمال، رویوں اور کاموں کو برا سمجھے لیکن دوسروں کے حق کے طور پر ان کا احترام کرے۔

۴۔ وہ کسی مذہبی اعتقادی یا روحانی اخلاقیات کا ذاتی حیثیت میں پابند ہو سکتا ہے لیکن دوسروں کو اس کا پابند نہیں بنا سکتا ہے۔ وہ اس کا اظہار اور پرچار اس احتیاط سے کر سکتا ہے کہ جو لوگ اس سے متفق نہ ہوں ان کی دل آزاری نہ ہو۔

۵۔ وہ فرد کی حیثیت سے لبرل تعلیم کا حامی ہو۔ اس کے لیے کسی مذہبی یا اعتقادی تربیت کو لازمی نہ سمجھے۔

اوپر بیان کردہ کیفیات و شرائط کسی بھی لبرل کی ذات یا شخصیت کا احاطہ کرتی ہیں۔ معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے لبرل کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے:

الف۔ لیبرل یہ تسلیم کرتا ہے کہ حکومت کا کام کاروبار سنبھالنا ہرگز نہیں ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ معاشرت اور سیاست میں آنے والی تبدیلیوں کا احترام کرے۔ استبداد کو ہر صورت ختم کرے۔ اضافی اور غیر ضروری قوانین (جیسا کہ اسلامی قوانین ہیں) کا خاتمہ کرے۔

"وہ سیاسی جماعت کی مدد سے برسر اقتدار آئے لیکن ریاست کو مقدم رکھے۔ ریاست کو کسی الہامی نظریہ یا عقیدے کا پابند نہ کرے اور کسی مذہب کو سرکاری نہ بنائے۔[1]"

ب۔ معاشرے اور ریاست کو قدامت پرستی کی جانب جانے سے بچائے آمرانہ حاکمیت قائم نہ کرے۔

نتیجتاً لبرل ازم بھی مذہب، خدا، روحانیت اور اخلاق کا مخالف نکلا۔ اس کا مقصد بھی فرد کو آخرت کی فکر سے رہائی دلا کر اس کی نظر کو دنیاوی مفاد پر مرکوز کرنا ہے۔ مسلم معاشروں میں اشرافیہ لبرل ازم کے زیادہ حامی ہیں۔ ان کے دیکھا دیکھی باقی معاشرہ بھی اس کا پیرو بن گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ آزادی نسواں فیشن پرستی مذہب سے آزادی اور دینی اقدار سے عاریت کی صورت میں نکلا۔ الغرض! لبرل ازم کو اپنانے کی دوڑ میں ہمارا معاشرتی، معاشی، اخلاقی، مذہبی اور سماجی ڈھانچا تباہی کا شکار ہو چکا ہے۔

---

[1]. Heather looy, A science and religion Primer, Baker Academic, 2009, P.139

۴۔ سائنس

مذہب اور سائنس دونوں بہت وسیع الفاظ ہیں۔ مذہب زندگی کا ایک تصور اور اس تصور پر بننے والے ایک ہمہ گیر طرز عمل کا نام ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں اپنے کچھ مطالبات اور تقاضے رکھتا ہے۔ سائنس اس محسوس دنیا کے مطالعہ کا نام ہے جو ہمارے مشاہدے اور تجربے میں آتی ہے یا آسکتی ہے۔ اس اعتبار سے دونوں نہایت وسیع موضوعات ہیں۔ ان کے دائرے بہت سے پہلوؤں سے ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔ یہاں دونوں کی تفصیلات پر کوئی بحث مطلوب نہیں۔ اس بحث کا موضوع صرف وہ فرضی یا حقیقی تصادم ہے جو سائنس اور مذہب کے درمیان علمی حیثیت سے واقع ہوا۔ یہاں صرف اس دعویٰ پر بحث کرنا مقصود ہے کہ جس میں یہ دہرایا گیا ہے کہ سائنس کی دریافتوں نے مذہب کو فرسودہ اور بے بنیاد ثابت کر دیا ہے۔ سائنس اور مذہب کا روایتی ٹکراؤ خاص طور پر اٹھارویں اور انیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب جدید سائنس کا ظہور ہوا۔ سائنسی دریافتوں کے سامنے آنے کے بعد بہت سے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اب خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کو ماننے کی ایک بہت بڑی وجہ دوسری وجوہات کے ساتھ یہ تھی کہ اس کو مانے بغیر کائنات کی توجیہ نہیں بنتی۔ مخالفین مذہب نے کہا کہ اب اس مقصد کے لیے ہمیں خدائی مفروضہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

یوری گیگرین (Youri Gagrin) جو کہ روس کا پہلا خلاباز تھا کہتا ہے۔

> "I have been out in the space and didn't see any God. Therefor, thare is no God."[1]

ترجمہ: میں عرصہ تک خلاء میں رہا مگر کسی خدا کو نہ دیکھا، اس معلوم ہوا کہ خدا ہے ہی نہیں۔

کیونکہ جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ہم آسانی کے ساتھ پوری کائنات کی اس طرح تشریح کر سکتے ہیں کہ کسی بھی مرحلے میں خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس طرح خدا کا خیال ان کی نظر میں غیر ضروری چیز بن گئی۔ جو خیال غیر ضروری ہو جائے اس کا بے بنیاد ہونا لازمی ہے۔

جب یورپ میں سائنسی انقلاب آیا۔ اس میں مذہب کو شکست اور سائنس کو فتح ہوئی۔ سائنس نے مذہب کو اپنا حریف اور مدمقابل سمجھتے ہوئے مذہب کو انسانی زندگی سے رخصت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جدید سائنس نے مذہب سے متعلق یہ نظریہ پیش کیا کہ مذہب انسانی زندگی میں ترقی کا دشمن ہے۔ جدید سائنسی نظریات

---

1. James. S. Bavgess, Encyclopedia of Sixties a Decad California, Green wood, (2012), P.237

کے یورپی معاشرے پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ جدید سائنسی انقلاب سے یورپ میں ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ یہ عہد قرون وسطی سے بالکل جدا اور الگ نوعیت کا حامل تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں ایرک فرام لکھتا ہے:

"۱۵۰۰ عیسوی کے لگ بھگ ایک نیا عہد شروع ہوا۔ انسان نے فطرت اور فرد کو دریافت کیا، اس نے فطری علوم کی بنیادیں استوار کیں، جنہوں نے کرہ ارض کی صورت کو بدلنا شروع کر دیا۔ قرون وسطیٰ کی بند دنیا ٹوٹ پھوٹ گئی۔ متحد کرنے والی جنت منتشر ہو گئی، انسان نے سائنس میں متحد کرنے والا ایک نیا اصول دریافت کیا اور وہ کرہ ارض کی سماجی و سیاسی وحدت اور فطرت کے غلبے میں ایک نئی وحدت تلاش کرنے لگا۔ عقلی شعور جو یونانی روایت کا ورثہ تھا بھڑک اٹھا اور اس نے انسانی تخلیق کو وہ ترقی دی جس کا پہلے تصور نہ تھا۔"[۱]

پس منظر:

جدید سائنس فلسفہ کے زیر سایہ پروان چڑھی اس کی بنیادیں خدا اور وحی اور الہام یعنی مابعد الطبیعیاتی امور سے انکار پر رکھی گئی تھیں۔ جدید سائنس کی نگاہ صرف اس مادی کائنات تک محدود ہے اور مادی کائنات سے ماورا کسی کے وجود کے قائل نہیں۔ چونکہ جدید سائنس دانوں نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ جو چیز انسان کے تجربہ، حس اور مشاہدہ سے ماورا ہے اس کا کوئی وجود نہیں۔ اسی بنا پر خدا، جنت اور دوزخ، حساب، آخرت اور فرشتوں کے وجود سے انکار کیا گیا۔ محمد قطب لکھتے ہیں:

"چونکہ تجربی سائنس کا دائرہ محسوسات ہی بن سکے تھے اس لئے اہل مغرب نے صرف ان باتوں پر یقین برقرار رکھا جو محسوسات کے دائرہ میں آتی تھیں اور جو باتیں اس دائرہ میں نہ آتی تھیں وہ یکلخت ان کے ایمان و یقین سے خارج ہو گئیں اور انہوں نے اس راستے کے سوا معرفت کا ہر راستہ بند کر دیا۔ بلاشبہ اس طرز عمل پر انہیں ان کی اس خالص مادہ پرستانہ طبیعت ہی نے ابھارا جو انہیں طبی قدیم روما سے ورثے میں ملی تھی۔ ان کے نزدیک جو بات تجربے کے خراد پر نہ چڑھ سکے وہ محض بکواس ہے یا کم از کم اس قابل نہیں ہے کہ اسے خاطر میں لایا جائے۔ چونکہ ذات باری بھی نعوذ باللہ کسی تجربہ گاہ میں نہیں لے جائی جا سکتی اور نہ

۱۔ ایرک فرام، صحت مند معاشرہ،، مترجم: قاضی جاوید،، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص ۳۱۰

تجربی سائنس کے سامنے پیش کی جاسکتی ہے۔ اس لئے اہل مغرب کو خدا کی بھی ضرورت نہیں رہی اور انہوں نے برملا کہہ دیا کہ کوئی خدا نہیں۔"[۱]

جدید سائنس کے پس منظر میں ہمیں مادیت کا غلبہ نظر آتا ہے۔ مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"اٹھارویں صدی سے لے کر انیسویں صدی کے اواخر تک مادیت ہی مادیت کا سائنسی فلسفہ چھایا رہا۔"[۲]

سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ:

عیسائیت کی تاریخ میں اہل کلیسا اور سائنس کا ٹکراؤ ایک اہم واقعہ ہے۔ اہل کلیسا نے جدید سائنس کا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہوں نے سائنسدانوں کو طرح طرح سے اذیتیں دیں۔ کسی سیاستدان کو سولی پر لٹکایا گیا تو کسی کو جیل میں ڈال دیا۔ اہل کلیسا کے اس ناروا سلوک سے سیاستدانوں کے دلوں میں بھی مذہب سے متعلق نفرت نے جنم لیا۔ انہوں نے اپنی نفرت کو اہل کلیسا تک محدود نہیں رکھا، بلکہ انہوں نے مذہب ہی کو اپنا حریف سمجھ لیا۔ اس طرح مذہب اور سائنس کی کشمکش اور عداوت کا آغاز ہوا۔ جدید سیکولر مفکرین نے اہل کلیسا کے اس طرز عمل کے باعث یہ نظریہ پیش کیا کہ مذہب انسانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مذہب انسانی زندگی کو جامد اور انسانیت کو جاہلیت کے غار میں پھینکتا ہے۔ لہٰذا اگر انسانیت ترقی، فلاح و بہبود اور علم کی روشنی سے آشنا ہونا چاہتی ہے تو اسے مذہب سے کنارہ کش ہونا پڑے گا۔

چنانچہ مذہب اور سائنس کی کشمکش کو بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اس کشمکش کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمی بیداری میں اوّل روز ہی سے مذہب اور اہل مذہب کے خلاف ایک ضد سی پیدا ہو گی اور جوں جوں اہل مذہب کی سختیاں بڑھتی گئیں یہ ضد بھی بڑھتی چلی گئی۔ یہ ضد صرف مسیحیت اور اس کے کلیسا تک محدود نہ رہی بلکہ مذہب فی نفسہ اس کا ہدف بن گیا۔ علوم جدیدہ اور تہذیب جدید کے علمبرداروں نے یہ سمجھ لیا کہ مذہب بجائے خود ایک ڈھونگ ہے وہ کسی عقلی امتحان کی ضرب نہیں بن سکتا اس کے عقائد دلیل پر

۱۔ سیّد قطب، اسلام اور جدید افکار، مترجم: سجاد احمد، (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۷)، ص:۹۴

۲۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی تصور زندگی، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ل، ۱۹۹۰ء)، ص:۲۹۸

نہیں بلکہ اندھے اذہان پر مبنی ہیں۔ علم کی روشنی بڑھانے سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا یعنی مذہب کا) پول کھل نہ جائے۔"(۱)

ڈاکٹر ولیم ڈریپر اپنی مشہور تصنیف "معرکہ مذہب و سائنس" میں اس موضوع پر اس طرح بحث کرتے ہیں:

"مسیحیت کی تاریخ میں سب سے زیادہ نامبارک وہ دن ہے جب اس نے اپنے آپ کو سائنس سے علیحدہ کر لیا۔ اس نے آریجن کو جو اس زمانہ میں کلیسا کی طرف سے سائنس کا بہت بڑا وکیل اور سرپرست تھا مجبور کیا کہ اسکندریہ چھوڑ کر قیصریہ چلا جائے۔ اس کے بعد پیشوایان دین عیسوی سالہا سال اس کوشش میں مصروف رہے کہ حقیقت اشیاء کی تاویل بذریعہ ایات انجیل کریں۔ لیکن اس کوشش میں جو ناکامیاں انہیں نصیب ہوئیں ان کی پردہ دری تیسری صدی سے لے کر سولہویں صدی تک کی تاریخ عالم کر رہی ہے۔ قرونِ وسطیٰ نے متوسطہ کی ظلمت کا باعث یہی طرز عمل تھا۔"(۲)

جب اہل کلیسا نے جدید سائنس کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور علمائے سائنس پر ظلم و ستم کا بازار گرم کیا تو اس صورتحال میں لوگوں نے کلیسائی نظام کے خلاف بغاوت کر دی۔ کلیسائی نظام کے خلاف بغاوت درحقیقت مذہب کے خلاف بغاوت تھی۔ آخر کار اس جنگ میں اہل کلیسا کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور سائنسی افکار و خیالات تیزی سے عوام میں پذیرائی حاصل کرنے لگے۔ اس طرح اہل کلیسا جن کا معاشرے میں ایک مقام تھا ان کی غلط روش کے باعث ان کا وقار خاک میں مل گیا۔ محمد قطبؒ لکھتے ہیں:

"جب کچھ سائنسدانوں نے زمین کے گول ہونے کا نظریہ اختیار کیا تو انہیں کلیسا کے مقدس افکار کے برخلاف نقطہ نظر رکھنے پر سخت سزائیں دی گئیں اور شدید ظلم و ستم کیا گیا۔ ایسی صورت میں بلاشبہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ سائنس اور کلیسا کی جنگ میں لوگ کلیسائی افکار سے منکر ہو کر صرف ان باتوں پر یقین کر لیں جنہیں سائنس ثابت کرتی ہے۔ اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کلیسا کے استبداد اور آمریت کے مدمقابل آ جائیں اور سائنس کا زبردست ہتھیار ہاتھوں میں لے کر کلیسائی اوہام کے بت پاش پاش کر دیں۔ اس کے وجود کو جھنجوڑ ڈالیں اور اس کے ماننے والوں سے اس کی تقدیس و عظمت کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔"(۳)

۱۔ مولانا عبدالباری، مذہب اور سائنس، (لاہور، المکتبۃ الاشرفیہ)، ۱۹۹۴ء، ص: ۲۰۴

۲۔ ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، (لاہور، الفیصل اردو بازار، ۱۹۹۵ء)، ص: ۳۲۸

۳۔ السید، محمد قطب، اسلام اور جدید مادی افکار، ص ۳۱

مغرب میں جدید سائنسی تحقیقات کو فکری غذا تحریک اصلاح(Reformation)نے فراہم کی۔ مغرب میں لادینیت کو فروغ دینے میں اس تحریک کا بڑا حصہ ہے۔ لہذا ان افکار و خیالات پر جس سائنس کی عمارت کھڑی کی گئی اس نے وحی و الہام اور مابعد الطبیعاتی امور کا انکار کرتے ہوئے حواس مشاہدہ اور تجربے کو علم و یقین کا معیار قرار دیا۔ اس طرح مذہب کی جڑیں کھوکھلی ہوئیں۔ جدید سائنس نے مذہب کی ماہیت اور خاصیت کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے اور مذہب کا تعلق چونکہ مابعد الطبیعیاتی امور سے ہوتا ہے جبکہ سائنس کا مادی اور طبعی دنیا سے۔ اس کے علاوہ سائنس نے مابعد الطبیعیاتی امور کا رد کیا ہے۔ یا ان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی اس لیے جدید سائنس سے مذہب کا اثبات نہیں ہوتا۔

"ریلیجین ان دی ماڈرن ورلڈ" میں اظہار خیال کرتے ہوئے مغربی مفکر لکھتے ہیں:

"The maintenance of a true religion is therefore not compatible with the profane point of view or to give it another name, the modernistic outlook. Whatever attempts are made to accommodate religion to the modernistic outlook is inevitablly a dinaturing of religion including a rejection of everything in the sacred seripture which does not fit in the new outlook."(1)

ترجمہ: ایک سچا مذہب جدیدیت یا لا دین نقطہ سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ جب کبھی جدیدیت کے ساتھ مذہب کو ملانے کی کوشش کی گئی(سائنسی لباس میں یا اس کے علاوہ)اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس میں مقدس الہامی کتب کا انکار اور ان سے احتراز کرنا بھی شامل ہے جو کہ جدید نقطہ نظر کے لئے موزوں نہیں ہے۔

مغرب میں قدیم اور جدید دونوں ادوار کی سائنس نے مذہب کی حقانیت و صداقت پر کاری ضرب لگائی مگر جدید سائنسی نظریات اور افکار و خیالات قدیم سائنس سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ثابت ہوئے۔ قدیم سائنس دانوں نے اگر خدا کا انکار کیا تو جدید سائنس نے خدا کا انکار تو نہیں کیا لیکن اپنے نئے خدا ایجاد کر لیے۔

المختصر:- جدید سائنس کے فروغ کے سبب یورپی معاشرہ پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ قرون وسطیٰ میں پھر بھی مذہب کے اثرات کے باعث روحانیت کی جھلک نظر آتی ہے لیکن جدید سائنس نے انسانوں کو زر پرست اور مادیت کا دلدادہ بنا دیا اور اُخروی زندگی کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف دنیاوی زندگی کو سنوارنا ہی اصل مقصد بن گیا۔ نت نئی ایجادات و اکتشافات کے ذریعے اپنی زندگیوں میں آسائش پیدا کرنا ہی مطمع نظر بن گیا۔

1.Religion in the modern world, Lard North bourn suhail Academy Lahore, 1999, p.17

۴۔ ہندو پاک میں مادیت

برصغیر میں مغربی تمدن اور یورپی مادیت کی تقلید کے مبلغ اور داعی بعض ہندو لیڈروں کے علاوہ مسلمانوں کی حد تک سرسید احمد خان تھے۔ انہوں نے مغلیہ سلطنت کا زوال اور اس کے بعد انگریزی حکومت کا عروج اور جاہ و جلال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ خود بھی ذہین حساس اور بے باک طبیعت کے آدمی تھے۔ انگریزوں کی ملازمت کی وجہ سے ان سے میل جول بڑھا تو ان سے اور ان کے تمدن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ مغربی علوم و فنون کی افادیت ان کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

> "سرسید نے ۱۸۹۶ء میں انگلستان کا سفر کیا جب انگریزی تمدن اپنے شباب پر تھا۔ وہ اس تہذیب کے گرویدہ اور ہندوستان کے مسلمانوں میں مغربی اقدار پر مبنی اصلاح کے پرجوش داعی اور مبلغ بن کر واپس آئے۔ اب ان کا نقطہ نظر خالص مادی ہو گیا۔"(۱)

سرسید نے علی گڑھ کی تحریک سے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف لڑنے کے بجائے ان سے مصالحت کی تلقین کی انہیں سمجھایا کہ انگریزی تعلیم حاصل کریں تاکہ انگریز کی قربت کے علاوہ نوکریاں بھی حاصل ہوں، جن سے ان کی مادی و معاشی حالت بہتر ہو گی وغیرہ۔

سرسید کی تعلیمات میں مغربی انداز کا مادہ پرستانہ رنگ موجود تھا۔ اس میں نتائجیت (Pragmatism) اور نیچریت (Naturalism) کی روح موجود تھی۔ اور حد سے بڑھی ہوئی عقل پرستی بھی غالب تھی جس سے مغرب کی ذہنی غلامی کے اثرات گہرے ہوئے۔ مغرب کی اس ذہنی غلامی اور مادی اقدار سے محبت کے خلاف سب سے منظم رد عمل دیوبند کا تھا۔ جہاں اسلامی علوم و فنون کی ترویج، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے آثار کو محفوظ رکھنے کے لیے اٹھارہ سو چھیاسٹھ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے علاوہ دوسرے مکاتب فکر کے علماء نے بھی مادہ پرستی کی مخالفت کی۔ شبلی نعمانی اور ندوۃ العلماء کے دوسرے فضلاء کی تصانیف نے مسلمانوں کی احساس کمتری کو دور کرنے اور نئی نسل میں اسلامی علوم و فنون سے از سر نو شغف پیدا کرنے میں مفید خدمات انجام دیں۔

اسی زمانے میں ابوالکلام آزاد نے الہلال محمد علی جوہر نے کامریڈ اور ہمدرد اور بعد ازاں ظفر علی خان نے زمیندار کے ذریعے سارے ہندوستان میں یورپی استعمار مغرب کی مادی افکار اور تہذیب و تمدن کے خلاف فکری تبلیغ

۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۶ء)، ص:۹۶

کی۔۱۹۱۸ء میں تحریک خلافت شروع ہوئی۔ جس سے مسلمانوں میں دینی اور سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ برطانوی حکومت کا رعب داب اور مغربی تہذیب اور مغربی افکار کی وقعت اور سحر انگیزی دلوں سے جاتی رہی۔ ملکی مصنوعات کے استعمال کا رواج ہوا۔ خالص قومی تعلیم کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا، جس کا مظہر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ہے۔

اقبال نے ہندی مسلمانوں میں احساس کمتری ختم کر کے عزت نفس اور خودداری اور خودنگری کا احساس پیدا کیا، مغرب کی مادیت کا پردہ چاک کیا، وطن پرستی، نسل پرستی اور دین وسیاست کی تفریق کے خلاف سارا زور قلم صرف کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ قومیت، نسل، زبان اور وطن سے نہیں بنتی بلکہ اس کا دارومدار عقیدے پر ہے۔ ان کا ممتاز ترین کارنامہ مسلمانان ہند کے لیے علیحدہ وطن کی تشکیل کا تصور ہے۔ مسلم لیگ نے قائداعظم محمد علی جناح کی سرکردگی میں مسلمانوں میں علیحدہ قومیت اور مسلم وطن کا احساس پیدا کیا اور پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ قرار دے کر اسلامی قومیت کی اساس مستحکم کی۔ تحریک پاکستان دراصل روحانیت ومادیت کی کشمکش کا ہی ایک نام ہے اور حصول پاکستان اس ٹکراؤ میں مادیت کی فتح کی علامت ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مغربی تہذیب اور اس کی مادی اساس پر بھرپور تنقید کی۔ اسلامی تعلیمات کی ترجمانی کے لیے سادہ مگر پرزور اور موثر بیان اختیار کیا، جس میں تاویل اور مرعوبیت کا شائبہ نہیں۔ ان کا سب سے بڑا کرنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو نظام حیات کے طور پر پیش کیا۔

یوں مادیت اور اسلامیت کی کشمکش جاری رہی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کے ہر شعبہ میں عروج سے جہاں پوری دنیا متاثر ہوئی تو وہاں عالم اسلام نے بالعموم جبکہ پاکستانی معاشرے نے بالخصوص اس تہذیب کا اثر قبول کرنا شروع کر دیا، چونکہ اس تہذیب کا مرکزی نکتہ مادیت ہے۔ اس لئے آج ہمارے معاشرے کے ہر شعبہ میں مادیت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

فصلِ دوم:

مادیت کا تاریخی ارتقاء

پس منظر

مادیت کے ارتقاء کو سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا مطالعہ ضروری ہے، کہ جس میں اس سوچ کو جانا جائے جس نے مادیت کو جنم دیا۔ اس کے بعد مرحلہ وار اس کے پروان چڑھنے کا مطالعہ کیا جائے۔ مغرب کی سوچ پچھلے چھ سو سال یعنی (چودھویں صدی عیسوی سے) بتدریج مسخ ہوتی رہی ہے جس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ ان کا معاشرہ صداقت کو سمجھنے کی صلاحیت کھوتا رہا ہے۔ مغرب نے ۶۰۰ سال میں جتنی خرافات پیدا کی ہیں ان سب نے ایک ساتھ مسلم معاشرہ پر حملہ کیا۔ نتیجتاً عام مسلمان کا ذہن اسلام سے عقیدت کے باوجود اس ریلے کی تاب نہیں لا سکا۔ ایک گمراہی سے نجات پاتا ہے تو دوسری گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی پچھلے ڈیڑھ صدی کے عرصہ میں عام لوگوں کا اور خصوصاً جدید تعلیم یافتگان کا ذہن آہستہ آہستہ مسخ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

بدعات و خرافات سے پرانے اسلامی شعائر اور اسلامی تصورات ہی کو غلط طریقے سے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لیے ان کی اصلاح کرنا نہایت آسان تھا۔ مگر نئی خرافات ایک نئی زبان اور نئی اصطلاحات لے کر آئی ہیں۔ مہمل سے مہمل نظریہ بھاری بھرکم اصطلاحات کے پردے میں اس طرح چھپ جاتا ہے کہ عام آدمی با آسانی مرعوب ہو جاتا ہے۔ ہمارے علماء کو اس نئی زبان اور ان نئی اصطلاحات کی نوعیت اور ان کی طویل اور پیچیدہ تاریخ کا پورا علم نہیں، اس لیے بسا اوقات ان خرافات کے سدباب کے لیے ان کے جوابات نشانے پر نہیں بیٹھتے۔

ان اصطلحات کے بارے میں جیمز آر او گوڈ لکھتے ہیں:

"Nothing happens by chance ,but everything happens through a couse and of nessesity"

یہ جدید اصلاحات تین طرح کی ہیں:

الف۔ بعض ایسی اصطلاحات جو خالص عیسوی نوعیت کی ہیں اور بعض ایسی اصطلاحات جو تمام ادیان میں مشترک ہیں، نہایت فراخدلی سے استعمال کی گئی ہیں، تاہم انہیں نئی صور اور نئے معنی دیے گئے۔ یورپ میں گمراہی کا آغاز انہی اصطلاحات سے ہوا۔

ب۔ یہ اصطلاحات اپنے غلط معنی بھی ایک جگہ بر قرار نہ رکھ سکیں۔ ہر بیس پچیس سال بعد اس کے معنی بدلتے رہے ہیں۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں تو یہ معنی ہر پانچ سال کے بعد بدل رہے ہیں۔ بلکہ مغرب میں تو یہ حال رہا ہے کہ ایک ہی زمانے کے دس لکھنے والے ایک لفظ کو دس مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں کہ ایسے کلیدی الفاظ کی ایک بین مثال لفظ Nature "فطرت" اور "مذہب" ہے۔ یہ اتنے معانی میں استعمال ہوا ہے کہ اس کے اصل معنی ہی باقی نہیں رہے۔

ج۔ مغربی مصنفین کو نئی اصطلاحات گھڑنے کا اتنا شوق ہے۔ یہ اصطلاحات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو بھاری اور پیچیدہ الفاظ ہیں جن کا بسا اوقات کوئی مطلب نہیں ہوتا، مگر علمیت ضرور ہوتی ہے۔ تحریر میں ایسی اصطلاحات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ پڑھنے والا کوئی مطلب اخذ کرتے کرتے چکرا جاتا ہے۔ دوسری وہ اصطلاحات ہیں جو بظاہر خوشنما اور جذبات کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ دونوں اصطلاحات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری اپنے ذہن سے کام نہ لے سکے۔ مفکرین نے اس نظریہ کی کھوج لگاتے ہوئے لکھا کہ:

> ” مغربی مادیت کی سب سے بڑی کمزوری انسان دوستی کے بارے میں اس کی کج اندیشی ہے
> اس کی ایک صورت اس کا فلسفہ انسیت (Humanism) ہے۔“[۱]

ہمارے علماء کی تبلیغ اس وقت تک کارگر نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ موجودہ مادی مغربی سوچ کی ساخت اور اس انداز سے آگاہ نہ ہوں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یورپ کی ذہنی تاریخ بلکہ یورپ کے ذہنی انحطاط کا مختصر خاکہ پیش کردیا جائے۔ مادیت کی چھتری تلے پروان چڑھنے والی اس مغربی تہذیب کا ایک جامع خاکہ پیش کیا جائے۔ ذیل میں مرحلہ وار ہم اس پر بحث کریں گے۔

مادیت کا ارتقاء

کسی بھی دین کی زندگی کے لیے روایت کا صحت سند کے ساتھ نسل در نسل منتقل ہونا ضروری ہے۔ مغرب تقریباً چھ سو یا چار سو سال سے اس نظریہ کو فراموش کر چکا ہے۔ آج مغرب میں نہ کوئی زبانی روایت موجود ہے اور نہ وہ اسے سند مانتے ہیں۔ یورپ نے اسی بنا پر دین کے اصل عقائد و اقدار کو فراموش کرتے ہوئے مادیت کے زیر سایہ

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور، محمل پبلشرز، طبع اول، ۱۹۸۵ء)، ص:۱۸/ ۲۶۴

نئی فکر کو جنم دیا۔ اس فکر کا آغاز تاریخ یونان سے ہوتا ہے۔ اس فکر کو مغربی تہذیب یا مادیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ذیل میں اس فکر کے ارتقا کے ادوار کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ یونانی دور

۲۔ رومی دور

۳۔ ازمنہ وسطیٰ:

اسے عیسوی دور بھی کہا جاتا ہے۔ یہ زمانہ پانچویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر پندرہویں صدی عیسوی تک جاتا ہے۔

۴۔ نشاۃ ثانیہ:

اس تحریک کا آغاز ۱۴۵۳ء یعنی ترکوں کی فتح قسطنطنیہ سے سمجھا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ مغرب میں اصلاح مذہب کی تحریک یعنی پروٹسٹنٹ مذہب بھی شروع ہوتا ہے۔ "جدید دور" کا نقطہ آغاز یہی زمانہ ہے۔

۵۔ عقلیت کا دور:

یہ دور سترہویں صدی کے وسط سے شروع ہو کر اٹھارہویں صدی کے وسط یا آخر تک چلا جاتا ہے۔

۶۔ انیسویں صدی:

یہاں سے پیچیدگیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ اسے مادیت و صنعتی انقلاب کا دور کہتے ہیں۔ بعض لوگ اسے سائنسی انقلاب کا زمانہ بتاتے ہیں۔ دین کے بارے میں زیادہ تر شکوک و شبہات اور دین سے بے نیازی کی فکر اسی دور کی پیداوار ہیں۔

۷۔ بیسویں صدی (عصر حاضر):

"This age starts from 1919, right after world war one۔ "[1]

یہ دور پہلی جنگ عظیم یعنی ۱۹۱۹ء کے بعد سے شروع ہوتا ہے

1. F.A.Lange, History of Meterialism, Rout leug ledge and Kegan paul, Germany 1877, P.20

چودھویں صدی عیسوی سے لے کر انیسویں صدی کے آخر یا پہلی جنگ عظیم تک دین کی مخالفت اور دین پر حملوں کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں دین کی مخالفت سے زیادہ جھوٹے ادیان ایجاد ہو رہے ہیں۔ ان ادوار کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

ا۔ یونانی دور:

یونان کے قدیم دین کے بارے میں مستند معلومات نہایت محدود ہیں۔ اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ پانچویں صدی قبل از مسیح سے ایک دو صدیاں پہلے تک یونان میں متصوفین کے چند فرقے تھے جو اپنے اسرار و رموز کو عوام سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ ان فرقوں میں داخلہ بھی بمشکل ملتا تھا۔ یہ اسرار و رموز کیا تھے؟ اور متصوفانہ عقائد کے معاملے میں ان لوگوں کی پہنچ کہاں تک تھی؟ اس کے متعلق کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشہور فلسفی اور ریاضی دان فیثا غورث کو ان عقائد کا خاصا علم حاصل تھا۔ اس کے دور میں فلسفہ کو سب سے اونچا مقام حاصل نہ تھا۔ جو افلاطون کے دور میں حاصل ہوا۔ یونانی زبان میں لفظ فلسفہ (Philosophy) کے معنی ہیں ہیں "حکمت سے محبت رکھنا" یعنی اس دور میں فلسفی سے مراد وہ لوگ تھے جنہیں اصل حکمت تو حاصل نہ تھی مگر اس کے طالب تھے۔ اس دور میں فلسفیوں کو عارف نہیں سمجھا جاتا تھا۔ فلسفیوں اور فلسفہ کو بلند مقام افلاطون کے دور میں حاصل ہوا۔

> "مغربی لوگوں کے نزدیک یونانی فکر کا زریں دور پانچویں صدی قبل مسیح ہے۔ یعنی سقراط اور افلاطون کا زمانہ اور اس کے بعد چوتھی صدی قبل مسیح یعنی ارسطو کا زمانہ لیکن دراصل یہ یونانی دور کے زوال کا زمانہ تھا۔ یونانیوں کے جو بھی باطنی علوم تھے وہ افلاطون کو حاصل نہیں ہوئے تھے نہ اس کے استاد سقراط کو۔ افلاطون کے شاگرد ارسطو کو تو یونانی روایت کا صرف خارجی اور ظاہری علم حاصل تھا۔ مغرب کے لوگ افلاطون اور ارسطو کے نظریہ کو بلکہ ان دونوں کے ذہن کو متضاد سمجھتے ہیں۔ تاہم اسلامی اصطلاح کے مطابق یوں کہہ سکتے ہیں کہ افلاطون کا نقطہ نظر تنزیہی ہے اور ارسطو کا نقطہ نظر تشبیہی۔"[1]

مگر ان دونوں کو علم توحید سے پوری واقفیت نہیں تھی۔ یونانی فلسفیوں کے دراصل دو گروہ یا طبقے ہیں پہلا گروہ تو وہ ہے جس کا تعلق ملک یونان سے ہے۔ اس گروہ کے سب سے مشہور نمائندے افلاطون اور ارسطو ہیں جن کا

---

1. F.A. Lange, History of Materialism, P.57

زمانہ پانچویں اور چوتھی صدی قبل از مسیح ہے۔ دوسرے گروہ کا تعلق اسکندریہ کی اس نو آبادی سے ہے جو یونانیوں نے مصر میں بسائی تھی۔ اس جماعت کے مشہور نمائندے فلاطینوس اور فرفریوس وغیرہ ہیں۔ اسکندریہ کے فلسفی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد آتے ہیں۔ یعنی ان کا دور پہلی دوسری تیسری صدی عیسوی ہے۔ اسکندریہ کے فلسفیوں کو علم توحید افلاطون اور ارسطو کی نسبت زیادہ حاصل تھا۔ عربوں نے فلسفہ، طب ونجوم وغیرہ کے علوم انہیں اسکندریہ کے فلسفیوں سے زیادہ حاصل کیے۔

اسکندریہ کے نو افلاطونی فلسفیوں سے یوں تو یورپ کے بھی بہت سے مفکر اثر پذیر ہوئے ہیں لیکن افکار کے معاملے میں یورپ کی تہذیب پر زیادہ تر اثر افلاطون اور ارسطو کا ہے۔ لہذا افلاطون ارسطو اور دوسرے یونانی فلسفیوں کے افکار کے وہ نقائص اور خامیاں بیان کی جاتی ہیں جو آگے چل کر رنگ لائیں اور جنہوں نے موجودہ مغربی فکر کو بنیاد فراہم کی۔ اس کی توضیح ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ یونانی فکر "وجود" کی منزل سے آگے کبھی نہیں جا سکی۔ اسلامی اصطلاح کے مطابق یوں کہہ سکتے ہیں کہ یونانی مفکر عالم جبروت سے اوپر نہ اٹھ سکے۔

۲۔ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ افلاطون اپنے مکاشفات میں الجھ کے رہ گیا اور اس لیے گمراہ ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یونانی فلسفی عالم حیرت تک بھی نہیں پہنچے بلکہ عالم ملکوت عالم مثال تک ہی رہ گئے۔ اس لحاظ سے یونانی فلسفہ صحیح معنی میں مابعد طبیعات نہیں ہے۔ یورپ میں جتنی خرافات آج تک پیدا ہو رہی ہیں ان کی جڑ یہی ہے۔

۳۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ افلاطون نے صفائے نفس ہی کو سب سے بڑی چیز سمجھا اور صفائے قلب تک نہ پہنچ سکا۔ اسی لیے گمراہ ہوا۔ اس رجحان کو روم کے فلسفیوں نے اور زیادہ تقویت پہنچائی۔ یہی انیسویں صدی میں اخلاقیات کی پرستش کی شکل میں نمودار ہوئی۔

۴۔ ارسطو کی عقل کلی اور عقل جزوی کے فرق کا اندازہ تھا لیکن اس نے دونوں کو گڈ مڈ کر دیا ہے۔ سولھویں صدی سے مغرب میں یہ امتیاز ایسا مبہم ہونا شروع ہوا کہ آخر اٹھارویں صدی میں (بلکہ سترہویں صدی کے وسط میں) عقلیت کی تحریک یورپ کے ذہن پر ثبت ہو گئی۔

۵۔ ارسطو نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ انسانی ذہن تصویروں کی مدد سے سوچتا ہے یعنی اس نے فکر اور تخیل کو ایک کر دیا ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ آج مغرب عقل کلی کا مطلب تک نہیں سمجھتا اور مجرد فکر کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۶۔ ارسطو پر مغرب کے لوگ یہ الزام لگاتے ہیں ک ہ وہ خالص عقل پر اعتماد کرتا ہے اور تجرباتی طریقہ استعمال نہیں کرتا مگر مشاہدے اور تجربے کو آخری اور فیصلہ کن دلیل سمجھنے کا رجحان خود ارسطو کے یہاں موجود ہے۔

" كان تركيز الفلاسفة اليونانيين على المجتمع البشري ، وليس على الأصل والقيامة. وهذا يعني أن المادية والعالمية متجذرة في هؤلاء الفلاسفة اليونانيين. ـ"[1]

ترجمہ؛ یونانی فلسفیوں کی توجہ کا مرکز انسانی معاشرہ تھا نہ کہ مبدا و معاد۔یعنی مادیت اور دنیاداری ان یونانی فلسفیوں میں جڑ پکڑ گئی تھی۔

۷۔ یونانی ہر مسئلے کو انسانی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ جب پندرہویں اور سولہویں صدی میں یورپ والوں نے یونانی فلسفے پر زور دینا شروع کیا تو اس تحریک کا نام ہی مادہ پرستی یا انسانیت پرستی قرار پایا۔

۸۔یونانی فلسفی ہوں یا شاعر سبھی کو تقدیر یا جبر و اختیار کے مسئلے سے گہری دلچسپی تھی بلکہ یونان کے بہترین ادب کا مرکزی موضوع ہی یہ ہے لیکن چونکہ یونانی ہر چیز کو انسانی ومادی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے اس لیے ظاہر ہے کہ وہ مسئلہ کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

الغرض! پچھلے تین سو سال سے مغرب نفس کو ہی روح سمجھ رہا ہے۔یونانیوں میں توحید ناپید تھی. یہ تاریخی حقیقت ہے کہ توحید خالص چھوڑنے کی بڑی وجہ مادیت ہی ہوا کرتی ہے۔ یونانی چونکہ توحید خالص سے عاری تھے لہذا انہوں نے زندگی کا مطالعہ مادیت کی نظر سے کیا۔ ان کے ترکے کے وارث مغرب نے ان سے جو فکرلی اسی کو پروان چڑھایا۔ آج یہ فکر مادیت یا مادہ پرستی کی صورت میں پورے مغربی معاشرہ کو وبائی مرض کی طرح گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ اس کا تعفن پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ جس کا خمیازہ آج سب بھگت رہے ہیں۔

۲۔ رومی دور:

۱۔ فوادزکریا، تاریخ المادیہ للانجہ،(مصر: ھیۃالمصریہ العامہ، ۱۹۹۴ء)، ص۱۸

اہل روم کی توجہ مادیت، معاشی وسائل اور دنیاوی امور پر زیادہ تھی۔ یہ لوگ سلطنت قائم کرنے اور نظم و نسق ٹھیک کرنے کے ماہر تھے ان کی ذہنی صلاحیت زیادہ تر قانون سازی اور تنظیمی ادارے بنانے میں صرف ہوتی تھی۔ مغربی کلچر پر رومی اثر اتنا شدید تھا کہ جب عیسائیت یورپ میں پہنچی تو اس نے بھی ان کی تقلید کرتے ہوئے ایک ادارے یعنی کلیسا کی شکل اختیار کرلی۔ اس کے بغیر یورپ میں عیسائیت کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔

"Then Christian beliefs also appeared in the form of laws. This legal, organizational and administrative thinking went on to strengthen Christianity in the Middle East, but it was also the mentality that caused the decline of Christianity in Europe[1], because of the Romans. Outward appearances in the church increased and inwardness subsided, and eventually the knowledge of rebellion against the church rosez

ترجمہ: پھر عیسوی عقائد بھی قوانین کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اس قانونی، تنظیمی اور انصرام سوچ نے آگے چل کر ازمنہ وسطیٰ میں عیسائیت کو استحکام تو ضرور بخشا لیکن یورپ میں عیسائیت کے زوال کا باعث بھی یہی ذہنیت بنی، کیوں کہ روم کے کلیسا میں خارجیت یا ظاہریت بڑھتی چلی گئی اور باطنیت دبتی گئی اور آخر کار کلیسا کے خلاف بغاوت کا علم بلند ہوا۔

اہل روم نے فلسفے یا فکر میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اس معاملے میں یہ لوگ یونان کے مقلد تھے۔ یونانی فلسفے کا بھی انہوں نے صرف خارجی اور ظاہری پہلو لیا بلکہ صرف وہ اصول اخذ کیے جن کا تعلق فرد، مادیت یا معاشرے کی ظاہری زندگی سے تھا۔ اہل مغرب میں مادیت اور ظاہر پرستی کے بڑھنے کے پیچھے اہل روم کی اسی فکر کا عمل دخل تھا۔ اسی فکر کو اہل مغرب نے اپنے لیے نمونہ اور مشعل راہ بنایا۔ رومی لوگوں کا اصلی خدا وطن یا قوم تھا۔ فرد سے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ وہ اپنی ہر چیز قوم یا وطن یا سلطنت کے لیے قربان کر دے اور اس سانچے میں ڈھل جائے جو حاکم وقت نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔ یہی وہ بنیادی فکر ہے جو آگے چل کر مغرب میں قوم پرستی اور

[1]1 ., F.A.Lange , History of Meterialism, P.126

معاشرہ پرستی کی شکل میں نمودار ہوئی۔ روم کے لوگ غالباً دنیا کی تاریخ میں واحد قوم ہیں جنہوں نے مادیت، تن پروری اور عیش کوشی کو اصول کی حیثیت سے اپنایا۔ تاہم اس کے ساتھ ہی اس مخالف نفس کشی کا رجحان بھی موجود تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص بیک وقت دونوں راستوں پر چلتا تھا۔ فواد زکریا کہتے ہیں کہ۔

" بہر حال رومی فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی اصل مصیبت اس کی خواہشات ہیں۔ اگر انسان خواہشات سے بے نیاز ہو جائے اور خوشی کے وقت خوش نہ ہو اور رنج کے وقت مغموم نہ ہو تو اسے مکمل سکون مل جاتا ہے۔ مگر یہ نفس کشی برائے نفس کشی تھی یا قوم کی خدمت کی خاطر کسی اعلیٰ تر چیز کے لیے نہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحب نے اپنے مکتوبات میں بار بار فرمایا ہے ایسی نفس کشی سب سے بڑی گمراہی ہے۔"[۱]

نفس پروری اور نفس کشی یا رہبانیت کی متضاد اور دو انتہائیں اور رجحان مغرب کی پوری تاریخ میں بار بار پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ اگر عیسوی دور کو الگ کر دیں تو یونانیوں سے لے کر آج تک مغرب کے سارے اخلاقی نظریے انہی دو اصولوں کے درمیان گردش کرتے نظر آئیں گے۔ ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی مبلغ یہ کہتے تھے کہ نفس کشی کا طریقہ اختیار کریں گے تو جنت ملے گی۔ مگر مغرب کے جو مفکر اخلاقیات کو مذہب سے الگ کر لیتے ہیں اور پھر نفس کشی کا مشورہ دیتے ہیں وہ نفس کشی کو ایک گراں قدر چیز سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مغرب میں ایسے مفکر بھی موجود ہیں جو نفس کشی کو مذہب کا مقصد سمجھتے ہیں۔ مغربی مفکروں کی ایک تیسری جماعت بھی ہے جو دعویٰ کرتی ہے کہ نفس کشی میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کا حصول انسانیت کی معراج ہے۔ اس معاشرے پر نفس کشی سے زیادہ نفس پروری غالب تھی۔ اس نفس پروری میں مادیت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ مادیت نے پوری مغربی قوم کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ مختصر یہ کہ نفس پروری یا مادہ پرستی کا کلچر مغرب نے رومی تہذیب سے حاصل کیا۔

۳۔ ازمنہ وسطیٰ:

تقریباً ایک ہزار سال پر مشتمل یہ دور پانچویں صدی عیسوی سے لے کر پندرہویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کی تاریخ بڑی پیچیدہ ہے۔ پہلے پروٹسٹنٹ مذہب کے مصنفوں نے پھر اٹھارویں صدی کے عقلیت پرستوں نے اور پھر انیسویں صدی کے مستشرقین نے اس دور کے متعلق بڑی غلط فہمیاں پھیلائیں۔ پروٹسٹنٹ

۱۔ فواد زکریا، تاریخ المادیہ، ص ۴۵

لکھاریوں، عقلیت پرستوں اور ملحدوں نے اس کے بارے میں جو لکھا پہلے اس پر بحث کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس زمانے کا نام "ظلماتی دور" (Dark age) رکھا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس دور میں بادشاہوں، نوابوں اور پادریوں نے مل کر عوام کو اپنے شکنجے میں کس رکھا تھا۔ پادری علم پر قابض تھے اور عوام کو علم سے محروم کر دیا تھا۔ دینی معاملات میں پوپ نے سارا اختیار سنبھال لیا تھا۔ جس چیز کو سفید کہہ دیا وہ سفید، جس چیز کو سیاہ کہہ دیا وہ سیاہ ہو گئی۔ عوام کو فکر کی آزادی حاصل تھی نہ عمل کی، علم کی پرچھائیاں تک عوام پر نہ پڑنے پاتی تھیں۔ کلیسا سائنس کا خاص طور سے مخالف تھا۔ جہاں بھی کسی نے کوئی نیا خیال پیش کیا اسے فوراً سزا دی گئی۔ اس کی تفصیل اسی باب کی فصل اوّل میں گزر چکی ہے۔

پرانی دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً پوپ بادشاہوں کو جبر و ظلم سے روکتے تھے اور عوام کے حقوق کی نگہداشت کرتے تھے۔ کلیسا کے نظام میں بہت سی خرابیاں ضرور آگئی تھی لیکن وہ اتنی زبردست اور بنیادی نہیں تھیں۔ جتنی پروٹیسٹنٹ اور عقلیت پرست مصنفین نے پیش کی ہیں۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ تاریکی اور جہالت کا دور تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سولہویں صدی سے لوگوں نے ازمنہ وسطی کی کتابیں پڑھنی چھوڑ دی تھیں۔ مغرب کے لیے اپنا پرانا ادب اجنبی ہو کر رہ گیا تھا۔ ازمنہ وسطی کے مغربی ادب اور علوم پر عربوں کا گہرا اثر تھا۔ طب، نجوم اور فلسفہ وغیرہ میں یونانیوں کے بعد عرب مصنفوں کو ہی سند مانا جاتا تھا۔ رازی، ابن سینا اور امام غزالی، یہ نام یورپ میں اسی طرح مشہور تھے جس طرح مسلمانوں میں۔

بارہویں صدی میں مغرب پر سب سے زیادہ اثر ابن رشد کا رہا۔ عیسوی دنیا میں سب سے بڑا دینی مفکر سینٹ ٹامس اکوائناس سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ تیرہویں صدی میں اس نے ابن رشد کے فلسفے کو شکست دے کر عیسوی الہیات اور دینیات کو ارسطو کے فلسفے کی بنیاد پر قائم کیا۔ دین کے دو پہلو ہیں ظاہر اور باطن، شریعت اور طریقت مگر مغرب باطنی پہلو کے معنی جذبات کی پرورش یا زیادہ سے زیادہ وجد اور مکاشفات کو قرار دیتا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کے عیسائیوں کے پاس ظاہری علوم بھی تھے اور باطنی علوم بھی۔ باطنی علم یا علم توحید ان لوگوں کے یہاں ایسی مکمل صورت میں نہیں تھا جیسے ہمارے یہاں ہے۔ مگر تھا ضرور۔ اس بات کی صریح شہادتیں موجود ہیں کہ عیسائیوں نے اس علم توحید میں مسلمان صوفیاء سے استفادہ کیا تھا۔ مثلاً تیرہویں صدی اور چودھویں صدی میں حضرت ابن عربی کی تعلیمات یورپ کے متصوفانہ حلقوں میں اتنی مقبول تھی کہ کلیسا نے انہیں

اپنا حریف سمجھا اور ان پر پابندی لگادی۔ باطنی علوم پر عیسائیوں نے جو کتابیں لکھی تھیں ان میں سے بیشتر تو کلیسا نے جلا دیں اور کچھ پرانے کتب خانوں میں بند پڑی ہوں گی۔

بہر حال پوپ اور بادشاہ دونوں باطنی علوم کے مخالف ہوگئے اور چودھویں صدی سے طریقت کمزور پڑنے لگی جس شخص کی زبان پر حضرت ابن عربی کا نام آجاتا تھا اسے فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عسائیوں کے پاس محض ظاہری علوم رہ گئے اور دین کا باطنی پہلو بالکل ختم ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ ازمنہ وسطیٰ کی دینی فکر میں ایسی کیا کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے جدیدیت اور مادیت بڑی آسانی سے عیسائیت پر غالب آگئی اور گمراہیاں بڑھتی ہی چلی گئی اور مغرب کی فکر و فہم میں مسلسل تبدیلی آتی چلی گئی۔ اس کی چند وجوہات ذیل ہیں:

۱۔ عیسائیت دنیا کا واحد مذہب ہے جس میں دینی رہنماؤں کی تنظیم حکومت کے انتظامی شعبوں کی طرح کی گئی تھی۔ روم کا کلیسا رومی سلطنت کے نمونے پر قائم کیا گیا۔ جس طرح حکومت کے محکموں میں تھوڑی بہت خرابیاں پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے اسی طرح کلیسا کے عہدے داروں میں بھی اخلاقی خرابیاں آگئیں۔ آخر اعتقاد میں بھی تبدیلی شروع ہوگئی عوام نے اصلاح کا مطالبہ کیا تو رد عمل کے طور پر پروٹسٹنٹ مذہب نمودار ہوا جو آگے چل کر جدیدیت و مادیت کی بنیاد بنا۔

۲۔ پوپ اور بادشاہوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ بہت سے بادشاہوں نے پروٹسٹنٹ تحریک کی حمایت کی۔ اس سیاسی کشمکش نے کلیسا کو کمزور کر دیا۔ پروٹیسٹنٹ ملکوں میں کلیسا بادشاہوں کا غلام بن گیا۔

۳۔ کلیسا نے باطنیت کی سخت مخالفت کی۔ سولہویں صدی کے آخر تک عیسائیت میں صرف ظاہر ہی باقی رہ گیا۔ گویا عیسائیت کی روح اس سے نکل گئی ہو۔

"The religious thinkers of the Middle Ages wanted to keep philosophy subject to religion, but the color of rationality was prominent among them. This tendency continued to claim freedom from religion۔"[1]

---

1. , F.A.Lange , History of Meterialism, P.58

ترجمہ؛ازمنہ وسطیٰ کے دینی مفکر فلسفہ کو دین کے تابع تو ضرور رکھنا چاہتے تھے، لیکن ان کے یہاں عقلیت کا رنگ نمایاں تھا۔یہی رجحان آگے چل کر دین سے آزادی کا دعویٰ کرنے لگا۔

۴۔ یونانی فلسفی کی طرح ازمنہ وسطیٰ کی الہیات بھی وجود کی منزل سے آگے نہیں جا سکی۔ یعنی ان مفکروں کو مکمل تنزیہہ کبھی حاصل نہیں ہو سکی۔ اسی لیے وہ تنزیہہ اور تشبیہ کے درمیان امتیاز قائم نہیں کر سکے۔ تشبیہ سے گر کر فطرت پرستی میں پڑ جانا اور فطرت پرستی سے مادہ پرستی میں پڑ جانا بالکل آسان ہے، آگے چل کر وہی ہوا۔

۵۔ سینٹ ٹامس اکوائناس نے عیسوی دینیات کو ارسطو کے فلسفہ پر اس طرح قائم کیا تھا کہ ارسطو عیسوی دینیات کا انکاری ہے۔ سولہویں صدی کے آخر میں یہی ہوا۔ کوپرنیکس اور کیپلر نے بطلیموسی نظام سے انحراف کیا تو عیسائیت کی دنیا میں بھونچال آگیا۔ سترہویں صدی کے شروع میں گیلیلیو نے سائنس کے دونئے اصول دریافت کیے تو ان کی زد بھی عیسوی دین پر نہیں بلکہ ارسطو پر پڑتی تھی۔ عام لوگوں نے یہ سمجھا کہ ارسطو گیا تو عیسوی دینیات بھی گئی اور جب لوگوں کو ارسطو کی طبیعیات پر شک پیدا ہوا تو ساتھ ہی عیسائیت پر بھی اعتماد کمزور پڑ گیا.Form ہے تو ایک بے ضرر سا لفظ لیکن اس لفظ نے نئی خرافات کو ترقی دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ افلاطون نے کہا ہے کہ کائنات میں جتنی چیزیں ہیں ان کا نمونہ عالم مثال میں موجود ہے۔ اس نمونے کو وہ عین کہتا ہے اور حقیقت اسی عین کے اندر سمجھتا ہے مادی شے میں نہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کی الہیات اور فلسفہ میں عین کے لیے لفظ Form استعمال کیا گیا۔ ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ مادی چیز نہیں ہے مگر اس لفظ کے معنی ہیں "صورت" اس لیے یہ لفظ سب سے پہلے کسی مادی چیز کا تصور پیش کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ اس لفظ کا اصلی مفہوم تو غائب ہونے لگا اور مادی مفہوم غالب آتا گیا۔ اس طرح مادیت کی نشو نما اور مادہ پرستی کو پروان چڑھانے میں اس لفظ نے بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔

۴۔ نشاۃ ثانیہ:

> عموماً یورپ میں یہ مشہور ہے کہ نئی دنیا یعنی جدیدیت کا آغاز ۱۴۵۳ء سے ہوتا ہے، جب ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ یونانی علماء اپنی کتابیں لے کر وہاں سے بھاگے اور سارے یورپ میں پھیل گئے۔ انہوں نے یونانی علوم اہل مغرب کو پڑھائے۔ اس دور کو نشاۃ ثانیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یونان اور روم کے زوال کے بعد یورپ کا ذہن گویا مر گیا تھا اور ہزار سال تک

مدفون رہا۔ پندرہویں صدی میں جب یونانی علوم پھیلے تو مغرب کی فکر کو دوبارہ زندگی ملی۔ پندرہویں صدی میں سب سے اونچی جگہ یونانی علوم کو دی گئی۔ یہ علوم وحی پر مبنی نہیں تھے بلکہ عقلی تھے۔

"In Greek science, every issue was considered from a human point of view and man was considered the center of the universe.

ترجمہ؛ یونانی علوم میں ہر مسئلے پر انسانی نقطہ نظر سے غور کیا جاتا تھا اور انسان ہی کو کائنات کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔[1]

گویا نشاۃ ثانیہ کا اصلی مطلب یہ ہوا کہ وحی پر مبنی اور نقلی علوم کو بے اعتبار سمجھنا اور عقلیت اور انسان پرستی اختیار کرنا۔

ابوالاعلی مودودیؒ فرماتے ہیں کہ:

"مغربی نشاۃ جدیدہ دراصل عقل اور فطرت کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اس نے معقولات کو چھوڑ کر محسوسات اور مادیت کی طرف رجوع کیا۔ عقل کے بجائے حس پر اعتماد کیا۔ اور کلی ہدایات اور منطقی استدلال اور فطری وجدان کو رد کر کے محسوس مادی نتائج کو اصلی و حقیقی معیار قرار دیا۔"(۲)

اسی لیے اس تحریک کا دوسرا نام انسان پرستی بھی ہے۔ جدیدیت و مادیت کے خدوخال بھی اسی دور میں نمایاں ہونے شروع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس دور کو جدیدیت اور مادیت کے دور سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس دور کی چیدہ چیدہ فکری و عملی خصوصیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

۱۔ یونانی علوم کو دینی علوم پر ترجیح دینا۔

۲۔ انسان پرستی یعنی انسان کو موجودات میں سب سے اہم سمجھنا اور ہر بات پر انسان کے نقطہ نظر سے غور کرنا۔

1., F.A.Lange, History of Meterialism, P.216

۲۔ مودودی، سید ابوالاعلی، تنقیحات ، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص:۲۷

۳۔ چونکہ عوام مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اس لیے عموماً خدا کے وجود سے انکار نہیں کیا گیا لیکن خدا پر ایمان محض ایک رسمی چیز بن گیا۔

۴۔ آخرت سے بھی انکار نہیں کیا گیا، لیکن ایک بہت بڑا فرق پیدا ہوا۔ ازمنہ وسطیٰ کے لوگ کہتے تھے کہ اصل حقیقت تو آخرت ہی ہے یہ دنیا ایک فریب ہے۔ اب لوگ کہنے لگے کہ آخرت بھی حقیقی ہے اور یہ دنیا بھی حقیقی ہے۔

۵۔ آخرت چونکہ نظر نہیں آتی اس لیے کہا گیا کہ آخرت کی فکر میں گھلنا بیکار ہے مرنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ دنیا نظروں کے سامنے ہے پہلے اس کا بندوبست کرو۔ اس رجحان کا اولین مفکر بیکن تھا۔

۶۔ یہ خیال بھی اس زمانے میں بہت مقبول ہوا کہ خدا کی دو کتابیں ہیں ایک تو انجیل اور دوسری فطرت۔ اس لیے انجیل کے مطالعہ کی طرح فطرت کا مطالعہ بھی دینی فریضہ ہے۔ کچھ لوگوں نے یہاں تک کہا کہ انجیل کو فطرت کے مطالعہ کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ یہ نقطہ نظر گیلیلیو کا بھی تھا اسی لیے کلیسا نے اسے سزا دی تھی۔

۷۔ فطرت کے حسن کی طرف بھی خاص طور سے توجہ کی گئی۔ انسان کا فریضہ قرار پایا کہ فطرت کے حسین اور دنیا کی رنگینیوں سے پوری طرح لطف اندوز ہو۔ یعنی نفس پرستی اور مادہ پرستی کو اصول زندگی بنایا گیا۔

۸۔ فطرت کا مطالعہ برائے مطالعہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ تسخیر فطرت کے لیے ہو تاکہ انسان فطرت کی قوتوں کو اپنے کام میں لا سکے۔

۹۔ مطالعہ فطرت کا طریقہ بھی بیکن نے مقرر کر دیا۔ جس چیز کو سائنس کا طریقہ کہا جاتا ہے وہ اسی سے شروع ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چیزوں کی حقیقت صرف مشاہدے اور تجربے سے معلوم ہو سکتی۔ اس سے براہ راست نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو چیز مشاہدہ نہ کی جا سکے اور حسی تجربے میں نہ آ سکے وہ حقیقی نہیں۔ اس کا اعلان انیسویں صدی میں ہوا۔

۱۰۔ لفظ فطرت کا مفہوم بھی اس دور میں بدلنے لگا۔ ازمنہ وسطیٰ کے مفکر دو چیزوں میں امتیاز اور فرق ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک تو ہے Naturans Natura جس کی حیثیت جوہر کی ہے، لہذا غیر مادی چیز ہے۔ دوسری چیز ہے Natura Naturata جس کی حیثیت عرض کی ہے۔ لہذا مادی چیز ہے۔ اس دور سے

یہ دوسرے معنی غالب آنے لگے اور عرض کو جوہر کی جگہ دی جانے لگی۔ آہستہ آہستہ لوگ جوہر کو بھول ہی گئے۔

۱۱۔ تسخیر فطرت سے مراد ہے طاقت کا حصول۔ یہ اس دور کا سب سے بنیادی اور مرکزی اصول حیات تھا۔ انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ قرار پایا کہ مادی طاقت حاصل کرے خواہ کسی شعبے میں ہو اور کسی طریقے سے ہو۔

۱۲۔ طاقت کے اصول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اخلاقیات کوئی چیز نہیں جو آدمی طاقت حاصل کرلے وہ اچھا ہے اور اس کا طریقہ کار بھی اچھا ہے۔ جو آدمی طاقت حاصل نہ کر سکے وہ برا ہے اور اس کا طریقہ کار بھی برا ہے۔ اور پھر طاقت بھی لامحدود ہونی چاہیے ۔

۱۳۔ اس نئی اخلاقیات کو فلسفے کی شکل اٹلی کے مفکر میکاولے نے دی۔ وہ کہتا تھا کہ عام افراد کو تو اخلاقیات کا پابند ہونا چاہیے۔ لیکن بادشاہ اخلاقی اصولوں سے بالکل آزاد ہے۔ بادشاہ اپنی قوم کی خاطر جو چاہے کر سکتا ہے جو چیز بھی اسے مفید معلوم ہو وہ اچھی ہے، چاہے قتل ہو یا جھوٹ۔

۱۴۔ اس دور میں قوم اور قومیت کا جدید تصور پیدا ہوا۔ قوم اور وطن کو وہ جگہ دی گئی جو خدا کی ہونی چاہیے۔ لہٰذا اس زمانے میں بادشاہوں کو مطلق اور جابرانہ طاقت حاصل ہوئی۔ انگلستان میں تو کلیسا بھی بادشاہ کے زیر نگیں آ گیا۔ یہی دور مشین اور تجارت کی ترقی کا تھا جس نے مادیت کو پروان چڑھایا۔ موجودہ سرمایہ داری کا آغاز یہیں سے ہوا۔

۱۵۔ یہی زمانہ سیاحت کی انقلاب انگیز کامیابیوں کا ہے۔ امریکہ جیسا براعظم دریافت ہوا۔ ہندوستان کا سمندری راستہ معلوم ہوا، بحرالکاہل دریافت ہوا۔ نئی ایجادات کا آغاز بھی اسی دور میں ہوا۔ بارود اور چھاپہ خانہ جن کو دور جدید کی بنیاد کہا جاتا ہے اسی زمانہ میں بنائے گئے۔ ادھر سائنس کے شعبے میں کوپر نیکس، کیپلر اور گیلیلیو نے بطلیموسی نظام اور ارسطو کی طبیعات کو پلٹ کے رکھ دیا۔ غرض یورپ کے لوگوں کی نظر میں نہ صرف دنیا بلکہ کائنات ہی کا نقشہ بدلنے لگا اور روایتی علوم غیر موثر ہونے لگے۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ”یہ وہ تخم خبیث ہے جو مغرب کی نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بویا گیا تھا چند صدیوں کے اندر تمدن و تہذیب کا ایک عظیم الشان شجر خبیث بن کر اٹھا ہے جس کے پھل میٹھے مگر زہر آلود ہیں جس کے پھول خوشنما مگر خاردار ہیں، جس کی شاخیں بہار کا منظر پیش کرتی ہیں مگر ایسی زہریلی

ہوا اگل رہی ہیں جو نظر نہیں آتی اور اندر ہی اندر نوائے بشری کے خون کو مسموم کیے جا رہی ہے۔"[۱]

۱۶۔ ان خارجی اور مادی کامیابیوں نے مغربی ذہنیت کو ایسا متاثر کیا کہ لوگ فکر اور عمل کو ایک دوسرے کا مخالف اور متضاد سمجھنے لگے اور جسمانی عمل کو فکر پر فوقیت دینے لگے۔

۱۷۔ مغرب کے روایتی اور دینی علوم تو خیر باد ہو ہی رہے تھے عام طور پر مادی کامیابیاں اور ترقیاں بظاہر مثبت معلوم ہوتی تھیں ۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا فکری رجحان ابھر رہا تھا جو در اصل فکر کی بنیاد کو کھو دیتا ہے۔ اس دور سے پہلے جتنے بھی دیندار یا بے دین لوگ ہوئے ہیں وہ سب یہی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم حقیقت یا صداقت یا حق کی تلاش میں ہیں۔ اس دور کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس نے صداقت یا حق کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ اس رجحان کا سب سے بڑا نمائندہ فرانس کا مفکر مون تیئنیہ ہے۔ جسے انگریز مون ٹین کہتے ہیں۔ اس نے ایک مثال سے نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ حق یا صداقت کوئی مطلق یا مستقل چیز نہیں بلکہ اضافی چیز ہے جو آدمی کے ساتھ اور زمان و مکان کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اس لیے انسانی ذہن کی معراج معرفت یا علم کا حصول نہیں بلکہ تشکیک ہے۔ سب سے عقلمند آدمی وہ ہے جو ہر چیز اور ہر خیال کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ تشکیک کا یہ فلسفہ موجودہ مغربی ذہن کا لازمی حصہ بن گیا ہے جس کا آخری نتیجہ مادی ضروریات اور نفسانی خواہشات کی تسکین کے سوا ہر چیز سے مکمل بے نیازی ہے۔

۱۸۔ اس تشکیک کے فلسفے نے ہر چیز پر شک کیا سوائے مادی و جسمانی ضروریات اور نفسانی خواہشات کے۔ یہ چیزیں چونکہ ضروری اور لازمی قرار پائی اس لیے تسکین کا آلہ کار بھی ڈھونڈنا لازمی تھا۔ یہ آلہ کار دو ہو سکتے تھے۔ عقل جزوی اور تخیل۔ چنانچہ اس دور سے مغرب کے لوگ عقل کلی کو بھولنے لگے اور آہستہ آہستہ عقل جزوی ہی کو عقل کلی (Intellect) سمجھنے لگے۔

غرض اب تک اس دور کے جتنے خصائص بیان ہوئے ان میں دو چیزیں مشترک ہیں۔ یعنی فرد کی اہمیت کا اثبات اور مادیت۔ نہ صرف نشاۃ ثانیہ کے دور بلکہ پوری جدیدیت کی اصل روح یہی مادیت اور انفرادیت پرستی ہے۔ مذہب ہو یا اخلاقیات یا معاشرتی زندگی ہر جگہ آخری معیار فرد اور اس کے تجربے کو

۱۔ مولانا مودودی، تنقیحات، ص:۲۸

سمجھا گیا ہے۔ پچھلے پانچ سو سال میں مغرب نے گمراہی کی جتنی شکلیں بھی پیدا کی ہیں وہ سب اسی مادیت اور انفرادیت پرستی کے بیج سے نکلی ہوئی شاخیں ہیں۔ یہی وہ اصول ہے جو نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں کا رشتہ اصلاح دین کی تحریک سے جوڑ دیتا ہے۔ یہ دو تحریکیں یعنی نشاۃ ثانیہ اور اصلاح دین ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

"رومن کیتھولک کلیسا چونکہ انتظامی محکمے کی شکل میں قائم ہوا تھا اس لیے نظم و نسق کے معاملے میں خرابیاں پیدا ہونا لازمی تھی اور کلیسا کے عہدیداروں کا اخلاقی برائیوں میں گرفتار ہو جانا بھی لازمی تھا۔ ان خرابیوں کے خلاف وقتاً فوقتاً اعتراضات اُٹھتے رہے۔ لیکن احتجاجی اور اصلاحی تحریک زور و شور کے ساتھ پہلے تو چودھویں صدی میں انگلستان میں اور پھر پندرہویں صدی میں جرمنی میں شروع ہوئی۔ پروٹسٹنٹ مذہب کا بانی مارٹن لوتھر (پندھرویں اور سولہویں صدی) میں اٹھا تو تھا محض کلیسا کی اصلاح کے لیے، لیکن آخر اس نے یہ دعوی کیا کہ دینی معاملات میں بھی پوپ کا مکمل اقتدار غلط ہے اور نہ پوپ کا فیصلہ حتمی ہو سکتا ہے۔"[1]

جدیدیت اور مادیت اور ان سے پیدا ہونے والی تمام گمراہیوں کی جڑ اور اصل الاصول یہی انفرادیت پرستی اور اطاعت سے انکار ہے۔ لوتھر کی پروٹسٹنٹ تحریک کی پشت پناہی جرمنی کے چھوٹے چھوٹے بادشاہوں نے کی۔ ان میں ان کا سیاسی مفاد یہ تھا کہ روم کے کلیسا کا دینی اقتدار ختم ہو جائے تو مطلق حکمران بن جائیں۔ چنانچہ سولہویں صدی سے رومن کیتھولک کلیسا کی مرکزیت ختم ہونے لگی اور پروٹسٹنٹ ملکوں میں قومی کلیسا قائم ہونے لگے۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ دین سیاست کے تابع ہو گیا بلکہ دین اور سیاست کی راہیں جدا ہو گئیں۔ دین میں فرد کی خود مختاری اور آزادی کا اصول قائم ہوا تو مغرب میں گمراہیاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔

۵۔ عقلیت پسندی کا زمانہ:

سترہویں صدی کے وسط تک لوگ یہ طے کر چکے تھے کہ انسان کی جدوجہد کا میدان مادیت و مادی کائنات ہے۔ انسان کا مقصد حیات تسخیر فطرت یا تسخیر کائنات ہونا چاہیے۔ اب سوال یہ تھا کہ انسانی صلاحیتوں میں سے کونسی صلاحیت ایسی ہے جو تسخیر کائنات کے لیے زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔ اس دور نے یہ فیصلہ کیا کہ انسان صرف (عقل یعنی عقل جزوی اور عقل معاش) پر

---

1. , F.A.Lange, History of Meterialism, P.5۲

بھروسہ کرسکتا ہے کیونکہ یہی چیز سارے انسانوں میں مشترک ہے۔ عقل جزوی کا احساس ظاہر کرنے کے لیے ان لوگوں نے لفظ Universal ایجاد کیا. اس لفظ کی وجہ سے کئی غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں۔ اس لفظ کے اصلی معنی ہیں" عالم گیر"یا"کائنات گیر" مگر یہاں عالم کے معنی صرف مادی کائنات نہیں ہیں بلکہ اس کے دائرے میں دوسرے عوالم بھی آتے ہیں۔ مگر مغرب اس امتیاز سے واقف نہیں۔ عقلیت پرستی کے دور میں یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ انسان کی رہنمائی بس عقل جزوی کرسکتی ہے۔اس دور کے بڑے امام دو ہیں ایک فرانس کا فلسفی اور ریاضی دان دے کارت اور دوسرا انگلستان کا سائنسدان نیوٹن۔ دے کارت یوں تو رومن کیتھولک پادری تھا اور اپنی تحریروں سے لوگوں کے سوالات اور شبہات دور کرکے اپنے دین کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نتیجہ الٹا نکلا۔

"مغرب کی سوچ کو مسخ کرنے کی ذمہ داری جتنی اس پر ہے شاید کسی اور پر عائد ہوتی ہو۔ فرانس کے ایک رومن کیتھولک مصنف نے تو یہاں تک کہا ہے کہ فرانس کا خدا کے خلاف سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اس نے دے کارت کو پیدا کیا۔"[1]

اب تک تو یہ بحث چلی آرہی تھی کہ حقیقت روح میں ہے یا مادہ میں؟ بعض لوگ کہتے تھے کہ روح حقیقی ہے مادہ غیر حقیقی۔ بعض کا خیال تھا کہ مادہ بھی حقیقت رکھتا ہے۔ تاہم کچھ لوگ دبے لفظوں میں یہ بھی کہتے سنائی دیتے تھے کہ بس مادہ ہی حقیقت ہے۔اس سارے جھگڑے کا دے کارت نے یہ حل نکالا کہ روح اور مادہ دونوں حقیقی تو ہیں لیکن ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں اور اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔ چنانچہ اس نے صرف روح اور مادے کو ہی نہیں بلکہ انسان کی روح اور جسم کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا جو ایک دوسرے سے الگ آزاد اور خود مختار ہیں۔ یہ نظریہ آگے چل کر مغربی ذہن میں اس طرح پیوست ہوا کہ تین سو سال سے یہ تفریق اسی طرح چلی آرہی ہے۔ روح اور جسم، روح اور مادے کے ارتباط کا مسئلہ آج تک حل نہیں ہوا۔ مغرب کے جو مفکر جسم اور مادے کے مسئلہ میں اٹک گئے تو وہ اوپر نہ جا سکے۔ اور جو روح میں لٹک گئے تو نیچے نہ آسکے۔ دے کارت کے فلسفے کا سب سے خوفناک نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب گزرتے وقت کے ساتھ روح کے معنی ہی بھول گیا اور" ذہن یا نفس "کو روح سمجھنے لگا۔ یہ الجھن انہیں یونانی فلسفے سے ورثہ میں ملی تھی۔ ارسطو وغیرہ یونانی فلسفی انسان کی تعریف

ا۔ روجیہ غارودی، النظریہ المادیہ فی المعرفہ (ترجمہ محمد عیتانی)، (بیروت: دارالمعجم العربی، بیروت، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۸

دو طرح کرتے ہیں۔ انسان کو یا تو "معاشرتی حیوان" کہتے ہیں یا "عقلی حیوان" (ان فقروں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یونانی فلسفے پر معاشرتی نقطہ نظر اور عقل جزوی کسی حد تک غالب تھی)۔ دے کارت کے ہمعصر فرانسیسی مفکر پاسکال نے انسان کو "سوچنے والا سرکنڈا" بتایا ہے۔ یعنی انسان کے جسمانی وجود کو جانور کی سطح سے بھی نیچے گرا دیا۔

غرض جسم اور روح، مادے اور روح کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دے کارت نے مغربی فکر کو ایسی الجھن میں ڈال دیا ہے جس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مغربی ذہن ہر مسئلہ پر روح اور مادے کے تقابل یا تضاد ہی کے لحاظ سے غور کرتا ہے۔ پھر پاسکال نے مغربی سوچ کو ایک نئی الجھن میں ڈال دیا۔ پاسکال نے اعلان کیا کہ دل کے پاس بھی ایسی منطق ہے جسے عقل نہیں سمجھ سکتی۔

> "The heart has reasons of its own which the Reason does not understand".[1]

عقلیت پرستی کے اس دور کا دوسرا بڑا امام نیوٹن ہے۔ سائنس میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ کشش ثقل کے قانون کی دریافت ہے۔ مغربی ذہن پر اس کا اثر بہت گہرا پڑا۔ یہ قانون معلوم کرکے اس نے گویا یہ دکھا دیا کہ کائنات کا نظام چند قوانین کے ذریعے چل رہا ہے۔ اگر انسان اپنی عقل کی مدد سے یہ قوانین دریافت کرلے تو کائنات اور فطرت پر پورا قابو حاصل کرسکتا ہے۔ قوانین دریافت کرنے میں وقت لگے گا لیکن انسان کو یہ امید رکھنی چاہئے کہ ایک دن فطرت کو فتح کرلے گا۔

اٹھارویں صدی میں ایک نئی قسم کا مذہب نمودار ہوا جو دراصل دہریت کی ایک شکل ہے۔ اس کا نام (Drism) یعنی "خدا شناسی" رکھا گیا۔ اس دور کے لوگ کہتے تھے کہ عقل انسان کا خاص جوہر ہے اور یہ چیز ہر زمانے اور ہر جگہ کے انسانوں میں مشترک ہے اور ہر جگہ ایک ہی کام کرتی ہے۔ چنانچہ خدا کو پہچاننے کے لیے وحی پر تکیہ کرنے کی ضرورت نہیں عقل کی مدد سے بھی خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ عقل کے ذریعے چند ایسے اصول معلوم کئے جاسکتے ہیں جو سارے مذاہب میں مشترک ہوں ان اصولوں کا مجموعہ ہی اصل مذہب ہوگا۔ جب انگریز برصغیر میں آئے تو ان کے اثر سے یہ رجحان ہمارے یہاں بھی پہنچا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد خدا شناسی کے جو میلے انگریزوں نے کرائے ان کے پیچھے یہی رجحان کارفرما تھا۔ ہندو ان سے بہت متاثر ہوئے اور انیسویں صدی

---

1. Blaixd Pascl ,The Mind on fire,, victor Books, England, 2006, P:77

کے شروع میں راجہ رام موہن رائے نے جو برھمو سماج تحریک شروع کی وہ اسی اثر کا نتیجہ تھی۔ مسلمان بھی ایک حد تک اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

مغربی فکر میں جس طرح روح اور مادے، ذہن اور جسم، عقل اور جذبے کے درمیان مسلسل کشمکش جاری ہے اسی طرح معاشرے اور فرد کی کشمکش میں یہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا بھی کوئی حل نہیں ملتا۔ مغرب میں جو معاشرتی انتشار پھیلا ہوا ہے اور روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے اس کی جڑ یہی تضاد ہے۔

اس مادی فکر کے مفکرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ:

> "مغربی مادیت کے اس رویے نے دنیویت اور جسمانی راحتوں پر زور دیا اور فرد کو بے قید آزادی دے دی۔ اس نے محدود قسم کی راحت تو ضرور بخشی۔ راحت و مفادات کے لیے جوش عمل اور تنظیم بھی پیدا کر دی، لیکن اس سے فرد کی حیوانی راحت پسندی اور حریصانہ زر اندوزی کے میلان کو تقویت ملی۔ اجتماع کیلیے قربانی کا اخلاقی اصول کمزور ہو تا گیا۔ فردیت کا رویہ ابھرا اور اجتماعیت کی اہمیت کم ہو گئی۔ آخر فرد خود کو تنہا محسوس کرنے لگا پھر اس تنہائی نے اس کے کرب میں اضافہ کیا۔"(۱)

الغرض مغرب کا ذہن کسی طرح کی وحدت تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ وہ دوئی کے تضاد اور کثرت میں پھنس کے رہ گیا۔ وحدت کا اصول قائم کرنے کی جتنی کوششیں ہوئی ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکیں۔ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ مغرب مادے میں وحدت ڈھونڈتا ہے جہاں کثرت اور شکست وریخت کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔

۶۔ انقلاب فرانس:

اس واقعے کو ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس نے نہ صرف یورپ کی تاریخ اور فکر پر بہت گہرا اثر ڈالا بلکہ مشرقی ممالک بھی اس سے متاثر ہوئے۔ یہ واقعات تو ۱۷۹۰ء کے قریب پیش آتے۔ بادشاہ کو قتل کر کے جمہوری حکومت قائم کر دی گئی۔ اس تحریک کا نعرہ تھا۔ آزادی، اخوت، مساوات۔ اس انقلاب کو جمہوریت کی فتح سمجھا جاتا ہے۔

انقلاب فرانس کے وقت تو بظاہر آزادی اور مساوات کا مطلب یہی تھا کہ عوام پر جبر نہیں ہونا چاہیے اور قانون کی نظر میں سب کا درجہ مساوی ہونا چاہیے۔ مگر ان الفاظ میں جو مفہوم پنہاں تھا وہ آہستہ آہستہ ظاہر ہوا۔

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، (لاہور: جمل پبلشرز، ۱۹۸۵ء)، ص:۱۸/ ۲۶۰

مساوات کے معنی بھی وہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ صرف جسمانی ضروریات یا معاشرتی ضروریات اور انہیں پورا کرنے کے حقوق کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ہر اعتبار سے سارے انسان مساوی ہیں۔ انسانوں کے درمیان درجہ بندی نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ ذہنی استعداد کے لحاظ سے انسانوں میں جو لازمی فرق ہوتا ہے اسے بھی یہ لوگ ماننے کو تیار نہیں۔اسی اصول کی بنا پر یہ مطالبات ہوتے ہیں کہ سب لوگوں کو ایک جیسا روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ ملیں۔

مساوات کا یہ تصور انسانی فطرت کے خلاف ہے اور اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر مغرب والے اپنا جمہوری اصول اور اپنا مساوات کا تصور بھی چھوڑنے کو تیار نہیں۔اس کا عملی نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف انسان کو بلکہ عام آدمی کو ہر چیز کا آخری معیار بنالیا گیا ہے۔ اصرار اس بات پر ہے کہ جس طرح معاشرتی دائرے میں کسی کو بڑا چھوٹا نہیں سمجھا جانا چاہیے اسی طرح ذہنی دائرے میں بھی بہتر یا کمتر کا سوال نہیں اٹھنا چاہیے۔ اسی لیے بیسویں صدی کو عام آدمی کی صدی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

غرض جمہوریت اور مساوات کے اصولوں کو سیاست، معاشرت اور قانون کے دائرے میں محصور نہیں رکھا گیا بلکہ ان دائروں میں بھی نافذ کیا گیا، جہاں ان کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔چنانچہ علماء کو ان دو لفظوں یعنی ”جمہوریت“اور”مساوات“کے بارے میں احتیاط برتنی چاہیے۔

”انقلاب فرانس“ کے بارے میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس کے پیچھے دو متضاد رجحانات کارفرما ہیں۔ ایک تو عقلیت پرستی کا جس کا نمائندہ والٹر ہے اور دوسرا جذبات پرستی اور فطرت پرستی جس کا نمائندہ روسو ہے۔اور جو چیز ان میں مشترک ہے وہ مادیت تھی۔ مغرب میں ہر نئے نظریہ کی روح رواں مادیت ہی رہی۔ بدلتے حالات کے ساتھ چونکہ مادہ پرستی کی صورتیں بھی بدلیں تو مادہ پرست افراد اور مادیت نئے انداز فکر اور رنگ وروپ میں سامنے آئی اور پروان چڑھی۔

۷۔انیسویں صدی:

اس صدی کے آخر تک سیاسی طور سے یا کم سے کم مادی و معاشی طور سے ساری دنیا پر مغرب کی برتری قائم ہوگئی تھی۔ یہی دور سائنس کی ترقی اور ریل، برقی تار وغیرہ کی ایجادات کا ہے جن کی مدد سے مغرب نے دنیا کو مرعوب کیا۔ خود مغرب میں یہ دور صنعتی انقلاب کے طور پر جانا جاتا ہے۔یعنی مذہب میں معیشت کا انحصار زراعت پر نہ رہا بلکہ صنعت اور کارخانہ داری پر ہو گیا۔مادیت کے پروان چڑھنے کے باعث سرمایہ دارانہ نظام پوری طرح چھا گیا۔ سیاست اہم ترین چیز بن گئی اور بیسویں صدی میں تو بعض لوگوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ہمارے زمانے کے لیے سیاست کی وہی اہمیت اور وہی جگہ ہے جو پہلے مذہب کی ہوا کرتی تھی۔ انیسویں صدی سے مغربی فکر کا مرکز

اور سب سے پیچیدہ مسئلہ یہ بن گیا کہ معاشرے کی تنظیم کیسے کی جائے؟ یہاں تک کہ مذہب کے بارے میں بھی یہ سوالات اٹھائے کہ مذہب کسی معاشرتی ضرورت کو پورا کرتا ہے یا نہیں اور مذہب انسانی معاشرے کے لیے لازمی ہے یا نہیں۔ انیسویں صدی میں معاشرے کے متعلق تین خاص نظریات رائج ہوئے:

الف۔ انفرادیت پسندی:

> اس کا سب سے بڑا نمائندہ انگریز مفکر جان اسٹورٹ مل ہے۔ اس نظریے کے پیچھے مفروضہ یہ ہے کہ معاشرہ خدا کی تخلیق نہیں بلکہ انسان نے اپنے فائدے کے لیے بنایا ہے۔ فرد معاشرے کے لیے نہیں، بلکہ معاشرہ فرد کے لیے ہے۔ چنانچہ فرد کو اپنی زندگی میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہیے اور معاشرے یا حکومت کا دخل کم سے کم ہونا چاہیے۔

"Because capitalists at that time needed autonomy and independence in economic affairs, this ideology prevailed in the nineteenth century. This theory accelerated the journey of materialism".

ترجمہ: "چونکہ اس زمانے میں سرمایہ داروں کو معاشی معاملات میں خود مختاری اور آزادی کی ضرورت تھی اس لیے انیسویں صدی میں غلبہ اسی نظریے کو حاصل رہا۔ اس نظریہ نے مادیت کے سفر کو تیز تر کر دیا۔"[1]

ب۔ مثالیت پسندی(Idealism):

یہ فلسفہ اٹھارویں صدی کے دوسرے حصے میں جرمن فلسفیوں نے شروع کیا۔ اس کا سب سے بڑا نمائندہ ہیگل ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اصل چیز معاشرہ ہے اور فرد اس کا جزو ہے۔ یہ فلسفی فرد کو معاشرے کا ایسا تابع کرتے ہیں کہ فرد کے حقوق باقی ہی نہیں رہتے بلکہ فرد کا الگ وجود بھی نہیں رہتا۔ اس فلسفہ کا اثر انیسویں صدی میں تو محدود ہی رہا لیکن بیسویں صدی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد اس فلسفے نے ہٹلر اور مسولینی کی آمریت پیدا کی۔ اس نظریہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن رشد کہتے ہیں:

---

1. F.A. Lange, History of Materialism, P.۴۶

"مادیت پسندوں کے مقابلے میں مثالیت پسند یا مثالیین (Idealist) یہ کہتے ہیں کہ مادہ وطبیعت سے قبل روح اور فکر وشعور کا وجود تھا۔ تاہم یہ مثالیت پسند بعد میں مختلف مسالک اختیار کرتے ہیں اور یوں مثالیین کے متعدد مذاہب ومکاتب فکر وجود میں آتے ہیں۔"(۱)

ج۔ نامیت (Organism)

انگریز مفکرین کے نزدیک معاشرہ بھی جاندار اجسام کی طرح ہے۔ اس پر بھی حیاتیات کے اصول عائد ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ معاشرے کو نہ تو مذہبی اقدار کی ضرورت ہے نہ اخلاقی اقدار کی، فطری عوامل اور فطری قوانین جو کچھ کرتے ہیں وہی ٹھیک ہے۔ اسپنسر نے تو معاشرہ پر حیاتیات کا قانون "بقائے اصلح" بھی عائد کیا ہے۔

The person or society that is making material progress deserves "it and those who are not making progress are thrown into hell.

ترجمہ؛جو شخص یا معاشرہ مادی ترقی کر رہا ہے تو وہ اس کا مستحق ہے اور جو ترقی نہیں کر رہا اسے جہنم میں ڈالو۔"۲

یہی وہ دور ہے جب مادیت مغرب کے ذہن پر پوری طرح حاوی ہو جاتی ہے۔ اس کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"مشرق ہو یا مغرب مسلمان ہو یا غیر مسلم بلا استثناء سب ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ یہ ہے کہ ان پر ایک ایسی تہذیب مسلط ہوگئی ہے جس نے سراسر مادیت کے آغوش میں پرورش پائی ہے۔ اس کی حکمت نظری وحکمت عملی، دونوں کی عمارت غلط بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے۔ اس کا فلسفہ اس کی سائنس، اس کا اخلاق، اس کی معاشرت، اس کی سیاست، اس کا قانون، غرض اس کی ہر چیز ایک غلط نقطہ آغاز سے چل کر ایک غلط رخ پر ترقی کرتی چلی گئی

ا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۱۸/۲۵۳

2. Turner, Jonothen H.Beaghley, Leonard and powers. Charles H., 2002, The emergence of or Sociological theory (5th ed), Betmost CA: inadsworth themson Leaving. P.54-89

ہے اور اب اس مرحلہ پر پہنچ گئی ہے، جہاں سے ہلاکت کی آخری منزل قریب نظر آرہی ہے۔"[۱]

انیسویں صدی میں تقریباً یہ بات طے ہوگئی کہ حسی اور مادی کائنات سے آگے کوئی حقیقت نہیں۔ اسی مادیت کے رجحان کا دوسرا نام فطرت پرستی ہے۔ فلسفہ میں تو اس نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ فطرت (یعنی مادی اور حسی کائنات) کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں۔ انیسویں صدی میں صنعت اور سائنس نے نئی نئی ترقی کی تھی، جس سے لوگ خوش تھے اور جس پر فخر کرتے تھے اس لیے لوگوں نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے یہ غیر منطقی نتیجہ نکالا کہ فطرت کے قوانین نے ہزاروں قسم کے جانوروں کو پیدا کیا اور پھر ہلاک کر دیا، بس انسان ایک ایسا جاندار ہے، جو برابر ترقی کرتا چلا آرہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت انسان پر بہت مہربان ہے اور یہ مہربانی آئندہ بھی جاری رہے گی۔ پھر یہ ترقی صرف مادی ہی نہیں بلکہ اخلاقی ذہنی اور تہذیبی بھی ہوگی۔ غرض انسان ہمیشہ سے ہر اعتبار سے ترقی کرتا چلا آرہا ہے اور ہمیشہ اسی طرح ترقی کرتا رہے گا۔ اس لیے انسان کا فرض ہے کہ اپنی تمام طاقتیں ترقی کے لیے کام میں لگادے۔ یہ ترقی کا تصور انیسویں صدی میں شروع ہوا اور دو عالمگیر جنگوں کے بعد بھی اس کا جادو ختم نہیں ہوا۔ بیسویں صدی میں اس تصور کا مذاق بھی بہت اڑایا گیا لیکن اس کا اثر کم ہونے میں نہیں آتا۔ بلکہ اب تو مغرب سے زیادہ مشرقی ممالک اس سے مسحور ہو رہے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے انیسویں صدی جمہوریت اور جمہوری اداروں کے عروج کا زمانہ ہے۔ اسی دور میں عام آدمی نے اپنی اہمیت جتانی شروع کی اور یہ مطالبہ ہونے لگا کہ ہر معاملے میں عام آدمی کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جائے۔ عام آدمی کے فائدہ کے پیچھے مادیت اور مادہ پرستی کو اس سوچ نے اور بھی پروان چڑھایا۔ اس بہتی گنگا میں عام آدمی کو بھی ہاتھ دھونے کا خوب موقع ملا۔

۷۔ بیسویں صدی:

یہ دور بہت ہی پیچیدہ اور اہم اس لیے ہے کہ مغرب نے اس دور میں موٹر، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، مصنوعی سیارے اور اس قسم کی چیزیں ایجاد کر کے مادی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے اور مادیت کی رفتار کو تیز تر کر دیا ہے۔ یہ دور پیچیدہ اس لیے بھی ہے کہ یہ دور نہ تو محض عقل جزوی کا دور ہے، نہ محض سائنس کا، نہ اشتراکیت کا، نہ بے دینی کا۔ اس دور کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں سارے رجحانات اور سارے افکار اپنے تضاد کے باوجود بیک وقت موجود ہیں اور ان کے اندر کسی قسم کی درجہ بندی نہیں ہے، بلکہ سب کو ایک ہی سطح پر عمل کرنے کی

۱۔ مولانا مودودی، تنقیحات، ص:۲۷

آزادی ہے۔ بیسویں صدی میں ایسے واقعات ہوئے ہیں جن سے پوری دنیا متاثر ہوئی ہے۔ اس قسم کے اہم واقعات کی فہرست یہ ہے:

۱۔ ۱۹۱۸ء میں انقلاب روس کے بعد کمیونسٹ نظام قائم ہو گیا تھا۔ سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ براہ راست دو مادی طاقتوں کی جنگ بن گئی۔

۲۔ بیسویں صدی کے شروع سے لے کر ۱۹۴۰ء تک کئی حیرت انگیز ایجادات لوگوں کے سامنے آچکی تھیں جنہوں نے لوگوں کے ذہن میں اور عملی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ موٹر، سینما، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ۔

۳۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ایشیا اور افریقہ کے ممالک سیاسی طور پر آزاد ہونے لگے مگر معاشی اور ذہنی اعتبار سے مغرب کے اور بھی زیادہ اسیر ہوگئے اس لیے کہ انہوں نے مادیت اور مادی ترقی کو اپنا مطمع نظر بنالیا۔

۴۔ امریکہ اور روس کی عالمی پیمانے پر کشمکش شروع ہو گئی اور اقوام متحدہ ان دو طاقتوں کا اکھاڑہ بن گئی۔

۵۔ ۱۹۷۴ء میں چینی انقلاب برپا ہوا اور وہاں کمیونسٹ حکومت قائم ہو گئی۔ آہستہ آہستہ چین دنیا کی تیسری بڑی طاقت بننے لگا۔ امریکہ کے ساتھ ساتھ روس سے بھی اس کی رقابت شروع ہو گئی۔

"Bargsan is the greatest philosophar of 20th century "۔[1]

ترجمہ؛ بیسویں صدی کے آغاز کا ایک بڑا فلسفی برگساں ہے

برگساں نے نیا تصور پیش کیا وہ تخلیقی ارتقاء کا نظریہ ہے۔ یعنی نہ صرف انسان بلکہ فطرت اور حیات اپنے اندر ایسی قوت رکھتی ہے جو خود بخود ارتقا کی منازل طے کر رہی ہے، اسے قوت ارادہ بھی حاصل ہے۔ گویا کسی خارجی قوت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اس طرح برگساں نے ایک نیا مذہب نکالا جس کا خدا (حیات یا زندگی) ہے۔ اس طرح انسان پرستی یا حیات پرستی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج اہل مغرب انسانیت کی معراج اس بات کو سمجھتے ہیں کہ انسان ظاہر و باطن میں "صحت مند جانور" بن جائے۔ اس طرح اس نظریے نے انسان کو مادہ پرست بنا کر اس کے اصل مقام سے گرا دیا۔ بیسویں صدی کے شروع سے جن نظریات نے مغربی ذہن کو شدید طور سے متاثر کیا، وہ کمیونزم اور فرائڈ کی نئی نفسیات

---

[1]. Bayan magee, The story of philosophy, P.17

ہیں۔ اشتراکیت اور کمیونزم یا مارکسیت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اشتراکی جماعتیں تو بہت سی ہیں اور ان میں مشترک اصول صرف یہ ہے کہ ذرائع پیداوار کو افراد کی نہیں بلکہ معاشرے یا ریاست کی ملکیت ہونا چاہیے اور ذرائع پیداوار کا پورا انتظام بھی ریاست کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے۔

انیسویں صدی کے درمیان میں مارکس نے اعلان کیا تھا کہ اب وہ دور آگیا ہے جب معاشرے میں اقتدار مزدور طبقہ کا ہونا چاہیے۔ انقلاب روس کے رہنما لینن نے اس فلسفے میں یہ اضافہ کیا کہ جب مزدوروں کی حکومت پوری طرح مستحکم ہو جائے گی اور طبقاتی کشمکش مٹ جائے گی تو پھر ریاست کی ضرورت نہیں رہے گی اور آہستہ آہستہ ریاست مرجھا کے ختم ہو جائے گی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے تو روس اور امریکہ میں یہ رجحان غالب آتا چلا جا رہا ہے کہ جتنے بھی نفسیاتی اور ذہنی عوامل ہیں وہ سب دراصل عضویاتی اور جسمانی عوامل ہیں۔ چنانچہ نفسیات بحثیت ایک علیحدہ علم کے ختم ہو رہی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ روح کو تو خیر مغرب بھول گیا تھا اب ذہن یا نفس سے بھی بیگانہ ہوتا جا رہا ہے اور آخر جسم اور مادہ رہ گیا ہے۔

نفسیات کے ساتھ ہی ایک اور نئے علم کا ذکر ہونا چاہیے جس کا نام Cybernetics ہے۔ اس علم کے ذریعے کمپیوٹر بنایا گیا ہے یعنی وہ مشینیں جو انسانی ذہن کے بعض عوامل خود سرانجام دے سکتی ہیں مثلاً ریاضی کے پیچیدہ مسائل حل کر دینا، سوالوں کے جواب دینا بلکہ معاشی اور سیاسی عوامل کے متعلق پیشین گوئیاں کرنا بھی۔ اس علم کے پیچھے مفروضہ یہ ہے کہ انسانی ذہن مشین کی طرح کام کرتا ہے اور جس طرح کے قوانین مشینوں کو چلاتے ہیں ایسے ہی قوانین ذہن کو بھی چلاتے ہیں۔ اگر یہ قوانین معلوم ہو جائے تو انسان مشینوں سے وہی کام لے سکتا ہے جو ذہن سے لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ امید بندھتی ہے کہ جس طرح انسان کائنات اور فطرت کی تسخیر کر سکتا ہے اسی طرح انسانی ذہن کی بھی تسخیر کر سکتا ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ یعنی ذہن بھی دراصل جسم یا مادہ ہی ہے۔ اس سے وہی سلوک کیا جا سکتا ہے جو مادے کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس نظریے کی بنیاد بھی مادیت پر ہے۔ مذہب کی حقیقت پر پردہ ڈالنے میں اس سے اور بھی مدد ملتی ہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس نظریے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> "علوم جدیدہ اور اکتشافات حاضرہ سے مرعوب ہو کر مذہب کی طرف ایک ترمیم طلب نگاہ ڈالنا تو صرف ان لوگوں کا شیوہ ہے جن کے دل میں یہ تخیل گھر کر گیا ہے کہ ہر نئی چیز علم و اکتشاف ہے اور زمانہ کا ساتھ دینے کے لیے اس کو قبول کر لینا یا اس پر ایمان لے آنا ضروری

ہے۔ خواہ اس کی حیثیت محض قیاسی و نظری ہو اور خواہ اس کو انھوں نے گہری علمی بصیرت کے ساتھ نقد صحیح کی کسوٹی پر پرکھا بھی نہ ہو۔"[۱]

موجودہ سائنس ہو یا نفسیات یا فلسفہ کہیں بھی دین کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جارہی۔ ایسے لوگ مذہب اور روحانیت کی جتنی مدح سرائی کرتے ہیں وہ سب فریب ہے بنیادی طور سے ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ اب تک سائنس مذہب کا دشمن بن کر سامنے آتا تھا اب دوست بن کر آرہا ہے۔ یہ زیادہ خطرناک ہے۔ جب سائنس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے تو شاید اپنی بقا کے لیے مذہب کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اس بارے میں مفکرین کہتے ہیں کہ:

"مغرب ابھی تک مذکورہ مادیت اور سائنس زدگی سے مغلوب ہے مگر اب مذہب اور جدیدیت (سائنسیت) کے مابین مفاہمت کی کوششیں بھی شروع ہو چکی ہیں اور (Faith) ایمان کی بحالی پر زور دیا جارہا ہے۔"[۲]

انیسویں صدی تک کی سائنس مذہب پر بہت سے اعتراض کرتی تھی اور شکوک وشبہات پیدا کرتی تھی۔ نئی سائنس اب ان پرانے اعتراضات کو چھوڑ چکی ہے، کیوں کہ سائنس نے عقلیت پرستی چھوڑ دی ہے۔ لیکن نئی سائنس جبلت پرستی یا مادہ پرستی یا جسم پرستی یا حیات پرستی پر قائم ہے۔ اس لیے مذہب کو ختم کرنے کی بجائے ایک نیا مذہب بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ سائنس پرانی سائنس سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ پرانی سائنس خدا کے وجود سے منکر تھی نئی سائنس نئے خدا ایجاد کر رہی ہے۔ یہ نئے مذاہب اس وجہ سے اور بھی گمراہ کُن ہیں کہ:

۱۔ یہ مذاہب، روح اور خدا سب کو مانتے ہیں۔

۲۔ عموماً سارے مذاہب کو برحق کہتے ہیں۔

۳۔ الفاظ اکثر وہ استعمال کرتے ہیں جو مذاہب استعمال کرتے رہے ہیں۔ لیکن تعبیریں اپنے حساب سے کرتے ہیں۔

۴۔ مختلف مذاہب سے عقائد یا رموز لے کر انہیں آپس میں جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۵۔ بنیادی طور سے ان سارے مذاہب کا خدا ایک ہی ہے یعنی مادہ خواہ اس کا نام کچھ بھی رکھا جائے۔

۱۔ مودودی، تنقیحات، ص:۱۲۰

۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۱۸/ ۲۶۳

المختصر! اس مادی فلسفہ نے دنیا کو دین کے بارے میں جن غلط فہمیوں اور گمراہیوں میں ڈالا ان میں سے اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ مادیت اور مادی دنیا کو حتمی حقیقت سمجھنا۔

۲۔ ہر چیز کے لیے اسی کو پیمانہ بنانا یہی نہیں بلکہ اب تو مذہب سے بھی مادی فوائد کا مطالبہ شروع ہو گیا ہے۔

۳۔ مادی ترقی ہی کو ہر خیر کا معیار بنانا بھی اسی فلسفہ کا کارنامہ ہے۔

۴۔ پھر مادی ترقی کا بنیادی معیار جسمانی راحت و آرام کو قرار دینا۔

۵۔ ہر غیر مرئی چیز کا انکار کرنا۔

۶۔ جسم اور مادہ کو روحانیت اور اخلاق و اقدار پر ترجیح دینا۔

۷۔ مذہب پر ذہنی اور مادی جمود کا الزام لگانا۔

۸۔ نظریہ ارتقاء کو عقائد اور مذاہب پر ترجیح دینا۔

الغرض! مادہ پرستی کی مذکورہ تمام اشکال نے انسانی معاشرہ کو ہر اعتبار سے متاثر کیا۔ اس کے اثر سے انسانی فکر کے ساتھ ساتھ دین، اخلاق، معاش و معاشرت اور سیاست سبھی بری طرح متاثر ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج انسان نے سمندر کی گہرائیوں میں تیرنا اور آسمان کی بلندیوں میں اڑنا تو سیکھ لیا البتہ وہ انسان کی طرح زمین پر رہنا بھول گیا۔

فصل سوم؛

مادی ضروریات اور اسلامی تعلیمات

قرآن مجید کی تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حقائق کلیت کے اصول پر مبنی ہیں۔ ان میں حقیقت یا زندگی کو بطور کل دیکھا جاتا ہے۔ اس کا کوئی ایک رخ نہیں بلکہ سب رخ مد نظر ہوتے ہیں۔ وہ چاہے محسوس ہیں یا غیر محسوس ہیں۔ قرآنی تعلیمات میں مادے کو بطور مخلوق و مواد تخلیق تسلیم کیا گیا ہے۔ روح کو "امر ربی" کہا گیا ہے۔ خدا خالق ہے اور مادہ مخلوق ہے۔ تخلیق کی ماہیت امر ربی ہے اور اس میں مادہ بطور مواد ہے۔ اسی طرح دین اور دنیا کو تسلیم کیا گیا ہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾(۱)

ترجمہ: پروردگار ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخشیو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

اسلام میں زندگی دنیا اور دین کے ارتباط کا نام ہے۔ مغربی مادیت کے نزدیک بالعموم ان میں جدائی اور تفریق ہے۔ مگر اسلام کے مطابق یہ تفریق درست نہیں۔ اسلامی تصور کی رو سے خدا کو مادے کا خالق ماننا ضروری ہے۔ خدا واجب الوجود ہے، باقی ہر شے ممکن الوجود ہے۔

اقبال اور مادیت:

مادیت ایک فلسفیانہ تصور ہے۔ کائنات کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں ایک عملی نظریہ جس نے رفتہ رفتہ ایک عقیدے کی شکل اختیار کر لی اور اصول حیات بن گیا۔ طرح طرح سے اس کی تعبیریں ہونے لگیں، طرح طرح کی تحریکوں نے اس سے جنم لیا، حتیٰ کہ مذہب بھی اس کی زد سے محفوظ نہ رہا، مذہب کی کلیتاً نفی کر دی گئی۔ اقبال کی نظر میں مادیت کے ردو قبول میں حتمی فیصلہ علم کا ہے۔ علم ہی کی بنا پر ہم کائنات کی کوئی تعبیر کر سکتے

۱۔ البقرۃ: ۲۰۱

ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ علم کی ابتدا محسوسات و مدرکات سے ہوتی ہے (یعنی کائنات اس کی ہر شے اور خود اپنی ذات کے مشاہدے سے)

> اقبال کہتے ہیں کہ زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے تین مراتب ہیں جو زماناً یکے بعد دیگرے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مادہ، حیات اور شعور۔ اوّل الذکر کا تعلق اس عالم سے ہے جو ہماری ذات سے باہر خارج میں واقع ہے جسے عام طور پر عالم فطرت یا مادی دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ دوسرا حیاتیات کا عالم ہے۔ جس میں حرکت اور نمو ہے، تیسرا ہمارے شعور کی دنیا ہے، جس کا تعلق ہر شخص کی اپنی ذات یعنی نفس انسانی سے ہے۔ پھر چونکہ علم شعور ہی کی ایک منظم شکل کا دوسرا نام ہے۔ لہذا مادیت کی بحث میں ہمیں سب سے پہلے شعور یا نفس انسانی کا رخ کرنا پڑتا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ اس کا فیصلہ انسان اور کائنات کے بارے میں کیا ہے؟ ہم اسے مادی ٹھہرائیں یا غیر مادی؟[1]

یہ طے ہے کہ مادیت کی بحث (یعنی اس کے رد و قبول کا فیصلہ) علم کے ہاتھ میں ہے۔ مادیین کے نزدیک علم کا ایک ہی سرچشمہ ہے اور وہ ہے ادراک بالحواس۔ یہ ہمارے حواس ہیں جن کی بدولت ہمیں اپنی ذات اور ذات سے باہر عالم خارجی کا علم ہوتا ہے۔ یہ علم یقینی بھی ہے اور قابل اعتماد بھی۔ اس کی نوعیت چونکہ تجربی ہے اس لیے ہم اسے آزما سکتے ہیں اور اسی باعث مستقبل پر بھی حکم لگا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم کی بنا پر سائنس کی عظیم الشان عمارت تیار ہوئی۔ یہ اسی کا کرشمہ ہے کہ آج انسان تہذیب و تمدن کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ عالم فطرت پر دسترس حاصل کر رہا ہے بلکہ، اس مادی عالم میں انسان اور اس کی زندگی کے بارے میں اور بھی کئی امکانات ابھر رہے ہیں جن کا بروئے کار آنا کوئی ایسا محال اور مشکل نظر نہیں آتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مادیت کی بنا علم بالحواس پر ہے اور علم بالحواس عبارت ہے ان محسوس مظاہر سے جن کا ادراک ہمیں حواس سے ہوتا ہے۔ مظاہر حواس ہی سے گویا علم بالحواس کی ابتدا اور مظاہر حواس ہی پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ مظاہر حواس کے ماوراء اور اگر کچھ حقائق ہیں بھی تو ان کا ادراک حواس کے ذریعے ممکن نہیں۔ اقبال نے کہا تھا:

۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: جامعہ پنجاب، ۱۹۹۳ء)، ص: ۲۶۷

عالم آب و خاک و باد! سرِّ عیاں ہے، تُو کہ میں
وہ جو نظر سے ہے نہاں، اس کا جہاں ہے تُو کہ میں[1]

اقبال کہتے ہیں کہ ادراک کا عمل تو نفس انسانی یعنی ہمارے داخل میں رونما ہوتا ہے، لہٰذا جو بھی شے ہے اس کا تعلق ہمارے داخل سے ہونا چاہیے نہ کہ خوارج سے، لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم اس کا مشاہدہ خارج میں کرتے ہیں؟ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جہاں تک عالم مشہود کی حقیقت اور ماہیت کا تعلق ہے اس میں داخل و خارج کی تفریق عبث ہے۔

مادیت کے مقابل اسلام کا متبادل

مغربی مادیت اپنے عمل اور غایتوں کے اعتبار سے زندگی کو حواس کی لذتوں اور محض دنیوی منافع کا مقام سمجھتی ہے۔ بطور فرد لذت و راحت اور بطور اجتماع حوس اقتدار اور اس کی خاطر دنفع اندوزی اور سرمایہ پرستی کی آخری منزل ہے۔ سائنس جو ارفع علم تھا مغرب نے اسے بھی اس غایت کا غلام بنا رکھا ہے۔ اشتراکی نظام میں انسانوں کی بھلائی کا ایک وعدہ مساوات ضرور نظر آتا ہے۔ طبقات کو ختم کر کے متوازن معاشرے کا اعلان تو ہے لیکن اس نظام کے اندر سے ایک اور اقتداری گروپ پیدا ہو جاتا ہے جو بذریعہ جبر محنت کشوں سے کام لیتا ہے۔ اشتراکیت ہنر کی صلاحیت، دماغی محنت اور روحانی کمالات کو غیر پیداواری عمل قرار دیتی ہے۔ مادی اشتراکیت کے اخلاقی پیمانے اضافی ہیں اور مصالح وقت کے مطابق بدل سکتے ہیں؛ لہٰذا اخلاقیت کا کوئی مطلق مستقل پیمانہ نہیں۔ خود مغرب کا بیدار دل طبقہ محسوس کرتا ہے کہ مغربی مادی فکر اطمینان بخش نہیں اس لئے کہ یکطرفہ ہے۔ اس کے لیے کسی نعم البدل کی ضرورت ہے جو زندگی کی کلیت پر یقین رکھتا ہو۔ بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ کلیت اسلام میں پائی جاتی ہے جو مادہ اور روح دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیتی ہے، دین اور دنیا کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھتی، پرائیویٹ لائف اور پبلک لائف میں اخلاقی تفریق روا نہیں رکھتی اور خدا، انسان اور کائنات تینوں کو باہم مربوط کر کے دیکھتی ہے۔ اسلامی کلیت میں تین باتیں ایسی ہیں جن کو تسلیم کرنا مغربی ذہن کے لئے بہت دشوار ہو گا لیکن ان باتوں کو تسلیم کئے بغیر جامع اور نعم البدل نظام فکر کی برکات ظہور میں نہیں آسکتیں۔ مغربی مادیت کی موجودہ کرب ناک حالت انہیں کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

۱۔ علامہ، محمد اقبال، بال جبریل، (لاہور: تاج کمپنی لمٹڈ، ۱۹۸۵ء،) نظم عالم آفتاب و خاک و باد، ج:۱

یہ تین باتیں ہیں: ۱۔ایمان بالغیب، ۲۔ عمل صالح بے غرض (نہ کہ محض خود غرضانہ افادی عمل)، ۳۔ جزاو سزا کا یقین (یعنی قانون مکافات عمل، قیامت اور دنیا دونوں میں)۔

اسلام موجودہ مادی کائنات کا منکر نہیں بلکہ اس کا اقرار تو اس کے عقیدے کا ایک اہم حصہ ہے؛ لہٰذا اسلام (اپنی مذکورہ حدود میں) مادے سے اعتنا کا قائل ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام کی مادیت مغربی مادیت سے مختلف ہے۔ یہ ایسی مادیت ہے جس کی چند عقیدوں کے تابع تطہیر و تہذیب ہو جاتی ہے۔ان میں سے سب سے پہلے ایمان آتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

﴿وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾ [1]

ترجمہ: بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [2]

ترجمہ اور جو شخص خدا اور اسکے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روز قیامت سے انکار کرے وہ راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔

اسلامی عقیدے کا سب سے بڑا امتیاز اس کی کلیت ہے اور اس بحث میں کلیت سے مراد ان چند اصولوں کو بیک وقت ماننا ہے:

اول: ذات باری کا (جو عالم الغیب والشہادہ ہے)۔

دوم: کائنات کا اقرار بطور تخلیق ایزدی، نیز حکمت ایزدی کے تحت اس کا بامقصد ہونا۔

سوم: انسان کا تخلیق خاص ایزدی اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہونا۔

چہارم: جسم اور روح دونوں کا باہم لازم وملزوم ہونا۔

پنجم: دنیا اور عقبی دونوں کا لازم وملزوم ہونا اور جزاو سزا کا برحق ہونا (دنیا اور آخرت میں)۔

ششم: عقائد، عبادات اور معاملات تینوں کا باہم مربوط ہونا۔

ان سب عقائد پر بیک وقت ایمان رکھنے سے زندگی کی صحیح سوچ اور اس کا صحیح عمل ظہور میں آتا ہے۔ اسلام کی کلیت میں مادی دنیا سے تمتع اور اس غرض سے اس کے وسائل کی تسخیر اور انفاق بالعدل کی برکات بھی

۱۔البقرۃ:۱۷۷

۲۔النساء:۱۳۶

شامل ہیں اور روحانی لذات بھی شامل ہیں۔ فطری خواہشات سے استمتاع برحق ہے مگر لذات نفسی کا غلام بن جانا ناجائز ہے۔ محنت کے ذریعے فائدہ اور نفع حاصل کرنا برحق ہے لیکن زراندوزی اور نفع پرستی ممنوع ہے۔ اسلام جائز اور حلال ذرائع سے حاصل کردہ (ایسی دولت جو عقائد اور عبادات میں مخل نہ ہو) مال و متاع چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو منع نہیں کرتا۔ ہاں اگر مال کی معمولی سی مقدار بھی صراط مستقیم اور عبادت باری تعالی سے رکاوٹ کا باعث ہو تو وہ مادیت کے زمرے میں آتی ہے۔ بس یہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔

غور کیا جائے تو مغربی مادیت کے لیے سب سے مشکل کام ایمان (اور وہ بھی بالغیب) کی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کیونکہ یہ مغربی فکر کی اساسیات سے متصادم ہے۔ مغرب کا طریق فکر یا طریق کار یہ ہے کہ جو شے عقلی اور عملی تجربے سے ثابت نہ ہو وہ درست نہیں۔ اس کے برعکس اسلامی حقائق کا بنیادی حصہ ایمانیات اور وجدانیات پر مبنی ہے۔ مغرب کی بے اطمینانی اور عام کرب و غم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مغربی مادیت میں کسی ایسی شے کی کمی ہے جس کے باعث مادہ پرست سائنسدانوں کی موعودہ جنت ارضی انسان کو نہیں مل سکی۔ اس کے بجائے دنیا نمونۂ جہنم بنتی جا رہی ہے۔ سائنس کے عروج کے بعد مغرب کے مذہبی حلقے بڑے زمانے تک مذہب اور مادی فلسفیوں کے مابین مفاہمت کراتے رہے لیکن ایمان کا کھلا اعلان کرنے میں انہیں تامل رہا۔ بعض مغربی مفکر مانتے تھے کہ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن کا اگرچہ ثابت کرنا ممکن نہیں تاہم وہ موجود ضرور ہیں؛ مگر وہ یہ بات کھل کر نہیں کہتے تھے۔ یہ تذبذب مغربی فکر کے ہر دور میں نظر آتا ہے اور آخر میں تو مذہبی مفکر بھی ایمان کا نام لیتے ہوئے ڈرتے تھے۔

> بہرحال مغرب ابھی تک مادیت اور سائنس زدگی سے مغلوب ہے مگر اب مذہب اور جدیدیت (سائنسیت) کے مابین مفاہمت کی کوششیں بھی شروع ہو چکی ہیں اور Faith (ایمان) کی بحالی پر زور دیا جا رہا ہے۔ Faith کے علمبرداروں میں Paul Tillich اور Reinhold Niebhur جیسے اہل فکر شامل ہیں۔ اسی قسم کی ایمانیاتی تحریکوں کے زیر اثر خود مادے کے مفہوم کے متعلق بھی پرانے خیالات ترک ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے افکار میں ایمان جیسی کسی شے کی جستجو نظر آتی ہے اور مادیت کی پیدا کی ہوئی مایوسی کے برعکس ایمان کے راستے سے نوعِ انسان کے لیے امید کے امکان پر نظر ڈالی جا رہی ہے۔[1]

ا۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ، ص:۲۷۰

ضرورت اس بات کی ہے کہ عقلی اور حسی تجربوں کے ساتھ قلب انسان کو پھر زندہ کیا جائے کیونکہ قلب ہی دردمندی کا مرکز ہے اور دردمندی ہی سے وہ خود غرضی اور سنگدلی دور ہو سکتی ہے جو مغرب کا طرہ امتیاز ہے۔ بطور مداوا دو اور بڑے عقیدے نظام ربوبیت اور معاشرہ بالعدل بھی ہیں۔ جنہیں معاشرتی اعمال کی ذہنی و عملی تنظیم و تطہیر کا بڑا وسیلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ پہلا عقیدہ رب العالمین کے نظامِ ربوبیت پر یقین ہے جس سے ہر شے کی تخلیق، اس کی ہدایت، نشو نما اور رزق اور بقائے وجود کے وسائل زندگی سے وابستہ ہیں۔ دوسرا بڑا عقیدہ قانون مکافات عمل یعنی جزا و سزا (دنیا اور آخرت دونوں میں) ہے جسے آج کی زبان میں قانون محاسبہ کہا جاتا ہے۔

اسلام کے یہ دو بڑے عقیدے ایسے ہیں جن کے باعث مسلم معاشرہ بحیثیت مجموعی (اپنے ضعف وزوال کے زمانے میں بھی) اخلاقی طور سے کسی خارجی دباؤ کے بغیر از خود ذمے دار رہا۔ فرد نجی زندگی میں بھی ان اصولوں کی اسی طرح پاسداری کرتا رہا جس طرح معاشرتی زندگی میں ہر فرد کو بطور فرد محاسبہ ضمیر اور محاسبہ آخرت کا گہرا لحاظ تھا اور خلوت کی زندگی اور جلوت کی زندگی میں کچھ فاصلہ نہ تھا۔ یہ بات اس زمانے کی ہو رہی ہے جب مسلم معاشرہ ضمیر دار تھا۔ مغربی دنیا جلوت و خلوت کی زندگی میں امتیاز کرتی ہے لیکن اسلام میں یہ تفریق موجود نہیں۔ اسلام دنیویت کو ناگزیر خیال کرتا ہے لیکن مغربی تصور کی دنیویت اس کے نزدیک نامکمل بلکہ ناقص و خطرناک ہے۔

ابن قیم فرماتے ہیں:

«الدنیا دار عمل والآخرت دار جزاء فمن لم یعمل هنا یذم هناک »[1]

ترجمہ: دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزا کی جو یہاں محنت نہیں کرتا وہ وہاں شرمندگی اٹھاتا ہے۔

قرآن مجید میں دنیاوی زندگی کو عارضی غیر مستقل اور متاع الی حین کہا گیا ہے۔ لیکن ابتغاء الرزق اور حسن معاشرت (عمل بالمعروف) کے قیام پر زور دیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"لا نظام للدين إلا بنظام الدنيا"[2]

ترجمہ: دنیوی تنظیم کے بغیر دینی تنظیم محال ہے۔

اسلام میں دنیا ایک ناگزیر مقام رکھتی ہے لیکن مغرب کی طرح محض دنیاداری اور زر اندوزی کو قرآن مجید میں تفاخر اور متاع الغرور کہا ہے کیونکہ یہ انسانیت پرورانہ اخلاقیات سے بے نیاز محض نفس پرستی اقتدار پرستی اور

۱۔ المقدسی، ضیاء الدین، المنتقی من مسموعات مرو، (دمشق: المجمع العلمی)، ح:۲۲۴

۲۔ الغزالی، حجت الاسلام، (قاہرہ: مرکز الکتاب للنشر)، ص:۹۸

ہوس پرستی پر مبنی ہے۔ مغربی دنیویت محض ایک سادہ فکر وخیال یا بے ضرر سوچ نہیں بلکہ ایک ضابطہ حیات ہے جو مادی اقدار پر مبنی ہے اور اعلیٰ مقاصد اور روحانی اقدار سے محروم ہے۔ اس لئے اسلامی حقائق و اقدار اس سے متفق نہیں کیوں کہ آخرت اور جزاو سزا سے وابستہ ہوئے بغیر کوئی دنیاویت اسلامی نہیں کہی جاسکتی جیسا کہ جدید دور کے بعض مسلم نیچر پرستوں نے باور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے مغرب کا معتقد انسیت کہتا ہے کہ خود کفیل (بلاشرکت خدا) اور خود مختیار ہے حالانکہ قرآن مجید کے نزدیک صرف خدا تعالی ہی کافی اور مولا اور نصیر ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾(۱)

ترجمہ: خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔

﴿وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾(۲)

ترجمہ: اور اگر روگردانی کریں تو جان رکھو کہ خدا تمہارا حمایتی ہے (اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔

انسان سب فقیر و محتاج ہیں غنی صرف وہی ہے۔ مغربی انسیت کے برعکس ربوبیت صرف اللہ تعالی کی شان ہے۔ مغربی مادیت کے لیے اسلام کا سب سے بڑا تحفہ یا نصیحت یہی قرآنی نظام ربوبیت کا تصور ہے۔ ربوبیت کے حوالے سے مغرب کا مادی نظام ناقص ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ہر شے پر سرمایہ دار افراد قابض ہو جاتے ہیں اور اس طرح کے نظام میں سب انسانوں کے رزق پر ایک مختصر سا گروہ قبضہ کرلیتا ہے۔ یہ نظام ساری عوام سے محنت کراتا ہے لیکن محنت کرنے والا بقدر محنت بھی استفادہ نہیں کر سکتا۔ اسلام کے پاس مغربی مادیت کا قطعی رد سورۃ فاتحہ میں موجود ہے۔

اس میں کل زندگی کا مجموعی دستور العمل ملتا ہے۔ اس کے ارکان یہ ہیں:

۱۔ ذات باری کا اقرار اور اس سے مسلسل تعلق بذریعہ حمد و عبادت۔

۲۔ ذات باری کے عالمگیر آفاقی نظام ربوبیت پر ایمان۔

۳۔ مسائل بشری میں خدا سے استعانت۔

۴۔ تعدیل معاشرہ میں ربوبیت اور رحمت پر ایمان۔

۵۔ صراط مستقیم (دینی و دنیاوی منہاج شرع پر) عمل۔

۱۔ الذاریات:۵۸

۲۔ الانفال: ۴۰

۶۔ دنیا میں فوز و فلاح اور عقبیٰ میں نجات کی آرزو۔

قرآن مجید کی یہی ایک سورت مغربی مادی تصورات، معیشت و معاشرت کی تردید و تنسیخ کے لیے کافی ہے۔

روحانیت اور مادیت میں توازن

دور حاضر کے تمام مذاہب میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ یہ روحانیت اور مادیت میں کمال امتزاج و توازن کا ایک جامع نظام فراہم کرتا ہے۔ یہ ایسا نظام ہے، جس کو اپنانے سے مادیت اور روحانیت میں کسی بھی قسم کے ٹکراؤ کا کوئی خطرہ و خدشہ باقی نہیں رہتا۔ سابقہ بحث اس کا ثبوت ہے اس بحث سے جو نتیجہ و رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسے اگر کسی ایک جملہ میں بیان کیا جائے تو وہ کچھ یوں ہو گا:

"اِنَّ ھٰذا المالُ خضرة حلوة، من اصابه بحقه بورک له فيه"(۱)

ترجمہ: یہ مال پُر کشش اور میٹھا ہے جو اس کو اپنے حق کے مطابق لے گا اس کے لیے اس میں برکت ڈالی دی جائے گی۔

مادہ کی شکل میں انسان کے پاس جو بھی چیز ہے وہ اس کے کمانے اور خرچ کرنے کے بارے میں اپنے خالق و مالک کو جوابدہ ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کے حصول کے ذرائع اور خرچ کرنے کے اصول تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں۔ اسلام نے ناجائز ذرائع سے مادی ضرورتوں کے حصول کو ممنوع قرار دیا پھر حلال ذرائع سے حاصل شدہ مال کو حرام کاموں اور لوگوں کو تکلیف دینے کے لیے خرچ کرنے سے منع کیا۔ کوئی بھی پیشہ جس کو انسان اپنی مادی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنائے، شریعت اسلامیہ اس کی اجازت بھی دیتی ہو اس سے حاصل ہونے والے مال سے وہ اپنی اور اہل خانہ کی کفالت کے علاوہ خدمت خلق کا ارادہ رکھتا ہو۔ یہ مال و پیشہ دینی فرائض اور عمل صالح کے لئے رکاوٹ نہ بنتا ہو۔ ایسی صورت میں اس تجارت و پیشہ کو بھی اسلام نے عبادت قرار دیا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی ذرائع اور وسائل کو بھی عبادت الٰہیہ کا وسیلہ بنا دیا جائے تا کہ انسان زندگی کے اصل مقصد کے نزدیک رہے۔ اس کا مقصد صرف مادیت نہ رہے بلکہ ہمہ وقت و ہمہ جہت اللہ کی رضا سے مرتبط رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾(۲)

۱۔ الترمذی، السنن، ابواب الزھد، باب ماجاء فی اخذ المال، ح ۲۳۷۴، حسنہ الترمذی

۲۔ الانعام: ۱۶۲

ترجمہ: :(یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے انسان جس کے بارے میں جدید سائنس کہتی ہے کہ:

"Human body is just like a machine"

انسانی جسم ایک مشین کی طرح ہے۔

جس طرح سائنس کی بنائی ہوئی مشین مثلاً موبائل وغیرہ کے لیے ہدایات ومنہیات پر مشتمل ایک کتاب فراہم کی جاتی ہے جسے ہم سراسر حق تسلیم کرتے ہوئے اس پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ یوں اس انسانی جسم کی مشین کے بارے میں اوامر ونواہی پر مشتمل ایک گائیڈ بک بھی دی گئی ہے جسے قرآن کہا جاتا ہے۔ یہ قرآن کہتا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾(۱)

ترجمہ: مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

اسلام میں مادیت وروحانیت کی دوئی اور فرقت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مادی منفعت کے حصول کے لیے اسلام فرد پر جماعت کی منفعت کو ترجیح دیتا ہے اسی لئے ذخیرہ اندوزی وغیرہ کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ روحانیت اور مادیت میں توازن کو برقرار رکھنے کی اسلام نے ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (٩) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾(۲)

ترجمہ: مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور (خرید و) فروخت ترک کر دو۔ اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔

آیات بالا میں روحانیت اور مادیت میں کمال توازن کی تعلیم وترغیب پائی جاتی ہے۔ پہلے نماز جمعہ کے لئے خرید و فروخت یعنی مادیت ترک کرنے کا حکم دیا پھر روحانی فریضہ کی ادائیگی کے بعد مادی ضروریات کی طرف لوٹ

۱۔ البقرہ: ۲۰۸

۲۔ الجمعہ: ۹۔۱۰

جانے کا حکم دیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر کہیں مادیت اور روحانیت کا آپس میں ٹکراؤ آرہا ہو تو مادیت کے مقابلے میں روحانیت کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ قرآن حکیم نے اس توازن کو اور بھی واضح کیا فرمایا:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالب فساد نہ ہو کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مغرب اپنی تمام تر ترقی اور برتری کے باوجود بھی روحانیت اور مادیت کے مسئلہ میں اس بری طرح پھنسا ہوا ہے کہ اس سے خروج کی کوئی راہ نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ مادیت کو روحانیت پر ترجیح دے کر فطری توازن کو بگاڑتے ہیں۔

مادیت قبل از اسلام؛

مادیت کے متعلق قرآن حکیم نے جاہلیت کے ان عقائد و تصورات کا بھی ذکر کیا جو قدیم افراد و اقوام میں رواج پا چکے تھے۔ یہی تصورات ان اقوام و افراد کی جاہلیت و ضلالت کا باعث بنے۔ اس دور کے لوگوں نے مادیت کی صورت میں دنیاوی زندگی اس کی زینت اور سازوسامان کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ انہوں نے تمام توانائیاں مادہ پرستی کے لیے وقف کردیں۔ پھر مال و متاع کے حصول میں جو بھی رکاوٹ آئی (چاہے وہ عقائد ہوں یا اخلاقی اقدار) سب کو فراموش کردیا۔ اس معاشرے نے حساب اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا بھی انکار کردیا۔ ان کے اس نظریے کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾[2]

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔

۱۔ القصص: ۷۷

۲۔ الجاثیہ: ۲۴

آج جس طرح مغرب میں الحاد کا نظریہ عام ہو رہا ہے اس سے مادیت کے پردہ میں مذہب کیا خدا ہی کا انکار کر دیا گیا۔ مادیت نے ان کی حرص ولالچ میں تیزی سے اضافہ کیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ مال کی طلب کثرت اولاد اور سامان دنیا کے رسیا ہو گئے۔ قرآن بتاتا ہے کہ جب انسان اس ڈگر پر چل پڑے تو اس کے زوال کے اسباب ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اس کی یہ لالچ و حرص اور بے چینی اس کو قبر تک پہنچا دیتی ہے فرمایا:

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ، حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾[۱]

ترجمہ: (لوگو!) تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔

ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ کثرت مال و جاہ ان کی سدا بہاری کی علامت ہے۔ فرمایا:

﴿ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ، يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ﴾[۲]

ترجمہ: جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسکی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہو گا۔

ان کے عقائد میں اس قدر بگاڑ آ گیا تھا کہ وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اصل زندگی تو دنیا کی ہے۔ آخرت نام کی کوئی چیز نہیں اور اگر ہوئی بھی تو وہاں بھی انہیں دنیا کی طرح مال اور اولاد سے سرفراز کیا جائے گا۔ ہمیں جنت میں داخل کیا جائے گا فرمایا:

﴿ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ﴾[۳]

ترجمہ: اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سامال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم کو عذاب نہیں ہو گا۔

کثرت مال واولاد کو وہ اللہ تعالی کے کرم کی علامات گردانتے تھے وہ کہتے کہ اگر آخرت میں اللہ تعالی نے ہمیں سزا دینی ہوتی تو دنیا میں وہ ہمیں یہ مال اور جاہ سے کیوں نوازتا۔ انہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالی کا ہاتھ کھلا ہے۔ وہ اپنے مومن اور کافر دونوں کو عطا کرتا ہے وہ جسے چاہے غنی کر دے جسے چاہے فقیر بنا دے۔ پر دونوں اس کی حکمت اور حجت قاطعہ ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

۱۔ التکاثر: ۱۔ ۲

۲۔ الھمزہ: ۲۔ ۳

۳۔ السباء: ۳۵

"والزلفى إلى الله تكون بالإيمان والعمل الصالح"[1]

ترجمہ: اور اللہ تعالی کے ہاں مرتبہ تو محض ایمان و عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔

نمرود کی ابراہیم علیہ السلام سے جنگ اصل میں مادیت اور روحانیت کی جنگ تھی۔ جب نمرود نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو فرمایا کہ میرا رب تو موت اور زندگی کا مالک ہے۔ تو اس نے کہا وہ تو میں بھی ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[2]

ترجمہ: ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجئے۔ یہ سن کر کافر حیران رہ گیا۔ اور خدا بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

پھر اللہ کا حکم غالب ہوا مادیت، روحانیت کی تاب نہ لاسکی۔ یوں ہی قارون و فرعون کو دیکھیے ایک مال میں اور دوسرا اقتدار میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ جب انہوں نے مادیت کے زور پر روحانیت کا انکار کیا تو ایک کو زمین کھا گئی اور دوسرے کو پانی نگل گیا۔ اقوام میں قوم عاد و ثمود اور قوم شعیب وصالح علیہ الصلاۃ والسلام بھی اسی ڈگر پر چلنے والی قومیں تھیں۔ آخر اللہ کے عذاب سے بچانے میں ان کا مال وجاہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔

مال ومتاع معیارِ بندگی:

قرآن لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی پھیلانے کا باعث ہے۔ ہر چیز کی حقیقت سے آشنا کرتا ہے۔ انسانی زندگی کے بارے میں جاہلیت کے نظریات کو بدل کر اصل نظریہ حیات بنی نوع انسان کے سامنے رکھا۔ قرآن نے بتایا کہ دنیا میں فقر و غنی دونوں ہی اللہ تعالی کی جانب سے بندوں کو جانچنے کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔

۱۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، (بیروت: مکتبہ وقفیہ)، ص: ۱/ ۵۰

۲۔ البقرۃ:۲۵۸

۳۔ الانبیاء:۳۵

اللہ تعالی اپنے فرمابرداروں اور نافرمانوں کو مال دیتا بھی ہے اور دونوں کو تنگی بھی دیتا ہے۔ ابن کثیر اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"وإنما المدار في ذلك على طاعة الله في كل من الصالحين إذا كان غنيا أن يشكرالله على ذلك و إذا كان فقيرا بأن يصبر".[۱]

ترجمہ: ان دونوں حالات کا مقصد اللہ تعالی کی اطاعت کرنا ہے اور اگر مالدار ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر فقیر ہے تو صبر کرے۔

غرض! فقر و غنی کسی کے کنٹرول میں نہیں یہ اللہ تعالی کے کنٹرول میں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ فقر سے نہیں ڈرتے تھے البتہ اگر اچانک ان کے پاس پیسہ آنا شروع ہو جاتا تو وہ فکر مند ہو جاتے کہ اس کے باعث ہم کسی آزمائش میں نہ پڑ جائیں۔ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان جب اس حکمت کو سمجھ جائے گا تو اس کے لیے مادیت کے فتنہ سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

مادیت قرآن و سنت کی نظر میں:

مادیت کے لیے قرآن و سنت نے حب المال کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان مال اپنے ہاتھ میں رکھے نہ کہ دل میں اور یہ بھی کہ انسان مال کا مالک ہو نہ کہ مال اس کا مالک ہو۔ ایسی صورت میں مال و متاع اس کے لیے مفید ہوگا اور جس مقصد کی خاطر اللہ تعالی نے مال پیدا کیا اس کا مقصد وہی رہے گا۔ گویا مال انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوگا نہ کہ اس کی زندگی کا مقصد، بصورت دیگر مال مخدوم اور بندہ اس کا خادم ہوگا۔ بلاشبہ مال و متاع انسانی زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے وہ بنیادی ضرورت ہے کہ جس کے بنا زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالی نے انسانی دل میں مال کی محبت رکھ دی پھر اس مال کے حصول اور خرچ کرنے کے بارے میں تعلیمات کو تفصیل سے بیان کیا۔ اسلام مال کے بارے میں اعتدال و توازن کی تعلیم بھی دیتا ہے وہ اس بات سے منع نہیں کرتا کہ کوئی بندہ اتنا مال حاصل کرے کہ وہ دنیا کا امیر ترین آدمی بن جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

((اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى، وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى))[۲]

۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ص:۲/ ۳۲۵

۲۔ مسلم، امام مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۶ء) ح۲۷۲۱

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے ہدایت تقوی عفت وپاکدامنی اور غنی کا سوال کرتا ہوں۔

جہاں آپ ﷺ نے اللہ تعالی سے غنی کا سوال کیا وہاں آپ ﷺ صبح وشام فقر سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتے تھے فرمایا:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ))(۱)

ترجمہ: اے اللہ میں فقر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ مال کی محبت انسان کے دل میں نہ بس جائے کیونکہ وہ صرف ایمان کی جگہ ہے اگر ایسا ہوا تو پھر انسان اللہ تعالی کا بندہ بننے کے بجائے مال کا بندہ وخادم بن جائے گا اور ہلاک ہو گا۔

مال کی محبت:

مال ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان اپنی ضروریات کے لیے حاصل کرتا ہے اس میں روپیہ پیسہ، سونا چاندی، غلہ، کپڑے، ہتھیار، گھر، کاروبار واقتدار، سواری شامل وغیرہ۔ لفظ مال "مال یمیل" سے اخذ کیا گیا ہے یعنی ایسی چیز کہ جس کی طرف دل مائل ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

" رأيت الناس قد مالوا إلى من عنده مال ومن لا عنده مال، عنه الناس قد مالوا"(۲)

ترجمہ: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں جس کے پاس مال ہو۔ اور جس کے پاس مال نہیں وہ اس سے بے رخے ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم نے خبر دی کہ مال کی محبت انسانی طبع وفطرت میں رچی بسی ہے، فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾(۳)

ترجمہ وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے۔

﴿وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾(٤)

ترجمہ: اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

۱۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث الازدی السجستانی، سنن ابی داود (بیروت: دارالرسالہ العلمیہ، ۲۰۰۹ء) ح ۵۰۹۰ حسنہ الالبانی

۲۔ من قصیدۃ امام شافعیؒ، www.eroshen.com,ejabat. 15 Aug, 2019

۳۔ العادیات:۸

۴۔ الفجر:۲۰

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾(۱)

ترجمہ : لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر۔

آخری آیت میں "زین للناس" کے لفظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مال و متاع کی محبت و چاہت انسانی فطرت میں روز اوّل ہی سے رکھ دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى وَادِيًا ثَالِثًا»(۲)

ترجمہ: اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں بھی ہوں تو تیسری کی تلاش میں نکل پڑے گا۔

جو شخص مال کا مالک ہوتا ہے وہ ہر چیز کا مالک ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مال سے ہر چیز حاصل کر سکتا ہے۔ علمائے امت نے دین و دنیا کی اصلاح کے لئے جو پانچ مقاصد شرعیہ مقرر کیے اور ان کے تحفظ کو لازمی قرار دیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ دین ☆ جان ☆ نسل ☆ مال ☆ عقل (۳)

ان میں حفظ مال کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ اس لیے کہ اس کا اچھا یا برا اثر باقی تمام پر براہ راست پڑتا ہے۔ مال و منال باقی نہ رہا تو زندگی محال ہو جاتی ہے جب زندگی نہ ہوئی تو باقی مقاصد شرعیہ کا کیا فائدہ؟ اس لیے شریعت اسلامیہ نے اس کے بارے میں مفصل تعلیمات و احکامات کا ذکر کیا۔ ذیل میں ہم ان کا تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔

مال کے متعلق شرعی تعلیمات:

۱۔ آسمان و زمین کی بادشاہت تخلیق تصرف اور انجام کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کی ہے۔ آسمان و زمین اور اس کے درمیان جو کچھ ہے اور ہر وہ چیز جو زمین کے بطن میں ہے سب اللہ ہی کی ملکیت ہے فرمایا:

۱۔ آلِ عمران:۱۴

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (ریاض: دارالسلام، ۱۴۱۲ھ) کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ اموالکم و اولادکم، ح ۶۴۳۶

۳۔ ابن عاشور، محمد الطاہر، مقاصدِ الشرعیہ الاسلامیہ، (قاہرہ: دارالکتب المصریہ)، ص:۲/ ۲۱۵

﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ﴾[1]

ترجمہ: جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے۔

۲۔ جتنا بھی مال دنیا میں کسی کے پاس ہے چاہے تھوڑا ہے یا زیادہ سب کا مالک اللہ ہے فرمایا:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ﴾[2]

ترجمہ: اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاک دامنی کو اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ خدا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کر لو اور خدا نے جو مال تم کو بخشا ہے اس میں سے ان کو بھی۔

آیت بالا میں لوگوں کے مال کو اللہ تعالی نے اپنا مال قرار دیا۔ انسان مال میں تصرف کے اعتبار سے خلیفۃ اللہ ہے۔ اس کائنات کی ہر چیز کا مالک و متصرف اللہ تعالی ہے انسان کو اللہ کے عطا کردہ احکامات کے مطابق اس کے تصرف میں نیابت کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس تصرف پر اس سے حساب و کتاب ہو گا آپ ﷺ نے فرمایا:

«الدنيا حلوة خضرة وإن الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون»[3]

ترجمہ: دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالی نے تمھیں اس میں اپنا خلیفہ اس لیے بنایا تا کہ وہ دیکھے کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔

البتہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن میں مال کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے یہ نسبت انتفاع اور ابتلاء کی ہے فرمایا:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ﴾[4]

ترجمہ: (اے اہل ایمان) تمہارے مال و جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی۔

۱۔ طٰہٰ:۶

۲۔ النور:۳۳

۳۔ ابن حبان، صحیح ابن حبان، الجامع الصحیح (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۳ء) کتاب الزکوۃ، باب جمع المال من حلہ وما یتعلق بذالک، ح ۳۲۱۵

۴۔ آلِ عمران:۱۸۶

علمائے تفسیر کہتے ہیں کہ اس آیت مال کی نسبت انسان کی طرف کرنا، نسبت تملیک نہیں بلکہ یہ نسبت انتفاع ومتحان کی ہے۔یعنی اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ مال میرا ہے تاہم انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے امانتا اس کے سپرد کیا گیا۔اس کا دوسرا بڑا مقصد اس مال سے اس کا اِمتحان لینا ہے کہ وہ اس کو اللہ کی عبادت کا ذریعہ بناتا ہے یا اس سے اس کی نافرمانی کرتا ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالی کے بے پایاں انعامات میں سے مال ایک اہم نعمت ہے۔اس نعمت کے عطیہ کو اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ پر جتلاتے ہوئے فرمایا:

﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ﴾(١)

ترجمہ: اور آپ کو تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔

اس مال (جو ہماری مادی ضروریات کا سرچشمہ ہے) کو اللہ تعالی نے خیر یعنی بھلائی اور اچھا قرار دیا۔فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ﴾(٢)

ترجمہ: تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو۔

یہ وہ مال ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق حاصل اور صرف کیا جائے اسی مال کو آپ ﷺ نے مال صالح قرار دیا فرمایا:

«نعم بالمال الصالح للرجل الصالح»(٣)

ترجمہ: صالح مال مرد صالح کے لیے بڑی نعمت ہے۔

یہی صالح مال مادی ضرورت کی تکمیل اور قوام الحیات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔عبد الرحمٰن بن عوف کا قول ہے کہ:

"حبذ المال أصون به عرضي وأتقرب به إلى ربي"(٤)

ترجمہ: مال بھی کیا شاندار چیز ہے اس سے میں اپنی عزت کی حفاظت اور اسی سے میں اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہوں۔

۱۔الضحیٰ:۸

۲۔البقرۃ:۱۸۰

۳۔حاکم، امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء) کتاب البیوع، ح ۲۱۳۰

۴۔ا محمد بن عبد ربہ، لعقد الفرید، (بیروت: دار الکت العلمیہ، ۱۴۰۴ء) باب فضل المال، ص: ۲/ ۳۴۴

چونکہ مال اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے اس لئے اسلام نے اس کی قدر و حفاظت کرنے اور اسے ضائع نہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ اس لئے تاکہ ہم اس سے بنیادی مادی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔ اسراف و تبذیر سے بھی روکا ہے۔ اس کے لین دین پر کتابت وشہادت کے احکام صادر فرمائے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

«إِنَّ اللهَ حرمَ عليكُمْ ثَلاثًا: قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ»[1]

ترجمہ: اللہ تعالی نے آپ لوگوں کے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا: ایک قیل و قال ہے دوسرا مال کا ضائع کرنا اور تیسرا کثرت سے سوال کرنا ہے۔

یہی نعمت مال جب نعمت دین کی رضاجت سے عاری ہو جاتی ہے تو انسان کے لیے وبال بن جاتی ہے۔ اسے قرآن نے حب الدنیا کا نام دیا۔ آج انسانوں کی اکثریت حب الدنیا یعنی مادہ پرستی کا شکار ہے۔ دنیا اور اس کے متاع کے حصول کے لیے خدا کے قوانین کو نہ صرف فراموش کیا بلکہ عقبی کا بھی انکار کر دیا۔ یوں انسان جائز مادی ضروریات سے نکل کر مادہ پرستی تک پہنچ گیا۔

مادی ضروریات سے مادہ پرستی تک:

قرآن حکیم اور سنت نبویہ نے انسان کو بتایا کہ یہ مادہ پرستی دراصل شیطان کا ایسا موثر حربہ ہے جس سے وہ انسان کو اپنی کمپنی کا پکا ممبر بنالیتا ہے قرآن نے خبر دار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَاالا متاع الغرور﴾[2]

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

اس آیت میں لفظ 'الدنیا' کے اہل لغت نے دو معنی بتائے ہیں ایک معنی ہے "قریب کی چیز، جلد ختم ہونے والی" اور دوسرا معنی "حقیر و کمتر" کے ہیں۔[3]

۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستقراض، باب ماینھی عن اضاعۃ المال، حدیث:۲۴۰۸

۲۔ آل عمران:۱۸۵

۳۔ الازہری، محمد بن احمد، تہذیب اللغہ (بیروت: داراحیاالتراث العربی،۲۰۰۱ء)، ص:۱۴/ ۱۳۳

اس کا معنی جو بھی ہو یہ امر بالکل واضح ہے کہ دنیا اور اس کا مال و منال عارضی، جلد ختم ہونے والا ہے ابدی نہیں جو زندگی ہم اس دنیا میں گزار رہے ہیں یہ دراصل اعمال صالحہ کے ساتھ آخرت کی زندگی کے حصول کا ذریعہ ہے جو کہ ابدی ہے دنیا و آخرت کی زندگی کا موازنہ قرآن نے بڑی خوبصورتی سے کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾(۱)

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور مشغلہ ہے۔ اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں؟

اس آیت میں مادیت کے نظریہ کو بے وقعت اور سراسر دھوکا قرار دیا گیا قرآن حکیم نے جابجا مادہ پرستوں کو خبردار کیا کہ آخرت کو فراموش کر کے اگر دنیا کے ہو جاؤ گے تو ہمیشہ دھوکہ اور خسارے میں رہو گے اس لیے قرآن نے سابقہ مادہ پرست اقوام و افراد کے انجامِ بد کا ذکر کرتے ہوئے سمجھایا۔ ان میں قوم صالح، عاد اور قارون و فرعون اور نمرود کا قرآن نے خصوصاً ذکر کیا۔ ان تمام تر تحذیرات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت مادیت کی دلدل میں دھنستی چلی جا رہی ہے۔ ایسے لوگ جو خدا اور آخرت کو فراموش کر کے محض مادہ پرستی میں لگ جاتے ہیں ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾(۲)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا۔ اور اس لئے کہ خدا کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ ان کو مادہ پرستوں کی مصاحبت اور ان کی طرف سے دور رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے بندہ برائی اور گناہ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اس طرح وہ اللہ تعالی سے بھی دور ہو جاتا ہے۔"(۳)

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ:

۱۔ الانعام: ۳۲

۲۔ النحل: ۱۰۷

۳۔ الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابی الحسن، صید الخاطر، (ریاض: مدار الوطن للنشر، ۲۰۱۵ء)، ص: ۱۹۰

﴿فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾[1]

ترجمہ: تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے تم بھی منہ پھیر لو۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ پرستوں کا اصل مسئلہ مادہ پرستی نہیں بلکہ اس کے پیچھے وہ مادی نظریہ وعقیدہ ہے جس کے تحت وہ آخرت کا انکار کرتے ہوئے دنیا کو اپنا اصل گھر سمجھتے ہیں اسی عقیدے کے تحت وہ بعثت اور آخرت کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے۔

یہ ہے مادہ پرستوں کی دنیا سے محبت کا اصل راز۔ ان کی دنیا سے محبت ہر چیز کی محبت سے بالاتر ہے۔ قرآن نے ان مادہ پرستوں کی پہچان کے لیے ان کی چند صفات بیان کی ہیں جن کا مطالعہ ذیل میں کریں گے۔

۱۔ ان کی ایک پہچان یہ ہے کہ یہ دنیا کی عارضی نعمتوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ ایمانی کمزوری ہے۔ دیکھا جائے تو آخرت کی ادنیٰ نعمت کا بھی دنیا کی کسی بڑی سے بڑی نعمت کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ﴾[3]

ترجمہ: کیا تم آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔

۲۔ ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ دنیوی زندگی سے خوش اور اس پر مطمئن ہیں۔ جس کے باعث وہ آخرت سے بے فکر ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کے سامنے اگر آخرت یا فرائض اسلام کی ادائیگی کی بات کی جائے تو انہیں گالی یا گولی کی طرح لگتی ہے۔ یہ لوگ آج ہمارے دائیں بائیں کثرت سے پائے جاتے ہیں اللہ تعالی ان کا تعارف یوں کراتے ہیں:

۱۔ النجم:۲۹

۲۔ الانعام:۲۹

۳۔ التوبۃ:۲۹

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ﴾(۱)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔

۳۔ یہ لوگ دنیا کی زینت و چمک سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ یہی دنیوی ساز و سامان ان کی خواہش کا محور بن جاتا ہے۔ جب یہ لوگ عیش و عشرت کی محفل میں بیٹھتے ہیں تو اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾(۲)

ترجمہ اور جو کافر ہیں ان کے لیے دنیا کی زندگی خوشنما کر دی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں لیکن جو پرہیز گار ہیں وہ قیامت کے دن ان پر غالب ہوں گے اور خدا جس کو چاہتا ہے بیشمار رزق دیتا ہے۔

۴۔ مادیت اور حب دنیا نے انہیں اس قدر دھوکے میں ڈال دیا کہ وہ ہمیشہ اسی تردد میں رہتے ہیں کہ دنیا اصل ہے یا آخرت۔ جب وہ آخرت کے لیے قائم کی گئی پابندیوں کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف اس کو فراموش کرنے میں دنیوی لذتوں کا حصول آسان نظر آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کس نے آخرت دیکھی۔ فرمایا:

﴿وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ﴾(۳)

ترجمہ: ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور (اب) خود اپنے اُوپر گواہی دی کہ کفر کرتے تھے۔

۵۔ ان مادہ پرستوں کی صفات بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے ان کی تشبیہ ایسے شخص سے دی جو حقیر چیز کو مہنگے داموں خرید تا ہے۔ انہوں نے بھی دنیا کی فانی اشیاء کو آخرت کی مہنگی اور قیمتی نعمتوں کے عوض خرید کر یہ حماقت کی۔

۱۔ یونس: ۷

۲۔ البقرۃ: ۲۱۲

۳۔ الانعام: ۱۳۰

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ ﴾[۱]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔

۶۔ مادہ پرستوں کی ایک اور خرابی کی قرآن حکیم نے نشاندہی کی ہے کہ یہ لوگ ریاکاری کرتے ہیں۔ اس کے باعث معاشرے میں مادیت کی سوچ بڑھتی ہے ان کے دیکھا دیکھی ایک طرف امرا امیر سے امیر ترین ہونے کے لئے جائز و ناجائز حربوں کے باعث معاشرے میں ظلم کے کئی دروازے کھولتے ہیں تو دوسری طرف ان کا پیروکار معاشرے کا محروم طبقہ احساس کمتری کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾[۲]

ترجمہ: تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے۔

۷۔ مادیت کا نظریہ رکھنے والے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی مال و اولاد اور اقتدار کا حصول اصل اور کامیاب زندگی کا مظہر ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾[۳]

ترجمہ: اور ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا۔ ان چیزوں سے خدا یہ چاہتا ہے کہ انکو دنیا میں عذاب کرے۔ اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔

۸۔ مادہ پرست کی ایک اور پہچان یہ ہوتی ہے کہ یہ Short Cuts کے چکر میں رہتا ہے۔ راتوں رات امیر ہونے کے خواب دیکھتا ہے۔ اس دوڑ میں اس کے پاس آخرت کے لئے وقت نہیں ہوتا ہے بلکہ آخرت کے لئے خدا نے جو اصول مقرر کیے ہیں وہ ان اصولوں کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ آخر ہوتا یہ

۱۔البقرۃ:۸۶

۲۔القصص:۷۹

۳۔التوبۃ:۸۵

ہے کہ فطرت انہیں رنگے ہاتھوں گرفتار کرکے رب کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔ پھر یہ دنیا کی محبت کے ساتھ آخرت کو شریک نہیں ہونے دیتے، فرمایا:

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ (٢٠) وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ﴾[۱]

ترجمہ: مگر (لوگو) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو۔ اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہو۔

مادہ پرستوں کی ایک نمایاں پہچان یہ بتائی کہ اگر اہل ایمان میں سے کوئی خیر اندیش انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں:

﴿فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ﴾[۲]

ترجمہ: پھر صالح ان سے نامید ہو کر پھرے اور کہا اے میری قوم میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی اور تم ایسے ہو خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے۔

آیت کی تفسیر میں ابن عاشور فرماتے ہیں کہ:

"یہ لوگ ناصحین کی اطاعت کے بجائے ان سے نفرت کرتے ہیں۔ جس کی لازمی وجہ ہدایت سے دوری بن جاتی ہے۔ اس لیے کہ اطاعت تو اسی کی ہوتی ہے جس سے محبت ہوتی ہے۔"[۳]

اہل ایمان کا معاملہ اس سے مختلف ہے یہ روحانیت کو فراموش کرکے مادیت کی طرف نہیں جاتے۔ وہ متاع دنیا اللہ سے اس لیے مانگتے ہیں تاکہ وہ آخرت کی تیاری کے لیے ان کا معاون بن جائے۔ قرآن مجید میں دنیا اور اس کی لذتوں کا ذکر سو سے زیادہ مرتبہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی تحسین کی گئی ہو بلکہ اس سے ڈرایا اور خبردار کرتے ہوئے اس کی اور اس میں پائی جانے والی ہر چیز کی زوال پذیری کا ذکر کیا۔ اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے ان پر دنیا اور آخرت کی عطاؤں کا ذکر فرمایا:

﴿وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾[٤]

ترجمہ: اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

۱۔ القیامۃ:۲۰، ۲۱

۲۔ الاعراف:۷۹

۳۔ ابن عاشور، محمد طاہر، التحریر والتنویر، (تیونس: دار التونسیۃ للنشر، ۲۰۰۹ء)، ص:۸/ ۱۷۷

۴۔ النحل:۱۲۲

آپ ﷺ نے دنیا کے ساتھ اپنے تعلق کو یوں بیان کیا:

((انما انا والدنیا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح و ترکھا)) [1]

ترجمہ: میرا اور دنیا کا معاملہ بس اتنا ہی ہے کہ جیسے کوئی مسافر کسی درخت کے سائے میں بیٹھے پھر اس کو چھوڑ کر کوچ کر جائے۔

مالی معاملات کے متعلق اسلامی احکام:

انسان کے لئے دستیاب وسائل کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے جس قدر وہ انسانی فلاح و بہبود کا خواستگار ہے اتنا خود انسان بھی نہیں۔ وہ اپنی مخلوق سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اسی محبت کے باعث اس نے انسان کو جن عظیم الشان انعامات سے نوازا ان میں سے مال و دولت بھی ہے۔ دنیا میں ہر انسان کے لئے جتنا مناسب اور بہتر ہے وہ اسے اتنا ہی عطا کرتا ہے۔ یہی مال دنیوی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کا بنیادی ذریعہ ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کے بارے میں احکامات کی صورت میں اصول و ضوابط مقرر کیے اور دین و دنیا میں توازن کا جامع نظام فراہم کرتا ہے۔ شیخ مسیری فرماتے ہیں کہ؛

"والاسلام کرؤیة للکون یرفض هذه الرؤیةالمادیة فهو یدعو للتوازن بین الانسان والکون وینمی فی الانسان احساسه بذاته الانسانیةوبمنظوماته الاخلاقیه التی تخلق مسابقة بینه وبین المادة"[2]

ترجمہ: اسلام کائنات کو مادی زاویہ سے دیکھنے سے انکار کرتا ہے، وہ انسان اور کائنات میں توازن کا داعی ہے وہ انسان میں انسانی احساس کو ترقی دیتا ہے اوراور اس میں ایسے منظم اخلاقی اوصاف پیدا کرتا ہے جو اس میں اور مادہ میں تعلق پیدا کرتا ہے۔

اسلام کی دعوت کے باعث قرون وسطیٰ کے یہود پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ پھر مغرب کی عیسائیت پر بلاواسطہ اس کا اثر ہوا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف انسان اس مال سے فائدہ حاصل کریں تو دوسری طرف اس سے آخرت کی تیاری کے لیے بھی فائدہ اٹھائیں۔ چند اہم احکامات درج ذیل ہیں:

۱۔ الاصفہانی، ابونعیم احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء، (مصر: مطبع السعادہ، ۱۹۳۲ء)، ص: ۲/ ۱۰۳

۲۔ المسیری، عبدالوھاب، الفلسفۃ المادیۃ وتفکیک الانسان، بیروت، دارالفکر، ص ۱۷۹

۱۔ اسراف کی ممانعت:

بخل و اسراف دونوں سے منع کیا وہ اس لیے کہ مال کا اصل مقصد انسان کو فقر و سوال سے بچانا ہے بخیل ضرورت سے کم خرچ کر کے محتاج رہتا ہے جبکہ اسراف کرنے والا زیادہ خرچ کر کے محتاج ہو جاتا ہے۔ اسراف کہتے ہیں جائز حاجات میں ضرورت سے زیادہ مال خرچ کرنا۔ بخل و اسراف سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾(۱)

ترجمہ: اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کر لو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل ہی کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ) ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔

۲۔ تبذیر کی حرمت:

تبذیر سے منع کرتے ہوئے قرآن نے اس کی سخت مذمت کی۔ تبذیر کہتے ہیں مال کو ناجائز اور حرام کاموں میں خرچ کرنا۔ مثلاً سگریٹ نوشی، شراب، زنا اور جوا وغیرہ میں۔ ایسے افراد کو قرآن نے شیطانوں کا بھائی قرار دیا، فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾(۲)

ترجمہ: کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔

۳۔ فقر و غنی ہر حال میں اعتدال:

اسلام نے نجات کے لیے جن تین بنیادی اصولوں کا ذکر کیا ہے ان میں تقویٰ اور قول سدید کے بعد فقر و غنی ہر دونوں صورتوں میں میانہ روی کا نمبر آتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اخراجات میں بخل اور اسراف کے بیچ کی راہ اختیار کرنا یعنی ضرورت کے عین ہو، نہ کم نہ زیادہ۔

۱۔ الاسراء:۲۹

۲۔ الاسراء:۲۷

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾[1]

ترجمہ: اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کے کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔

آپ نے اسی کو محتاجی سے بچنے کا طریقہ بتایا فرمایا:

«ما عال من اقتصد»[2]

ترجمہ: وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔

۴۔ کسب حلال کی جستجو:

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«کسب الحلال واجب علی کل مسلم»[3]

ترجمہ: کسب حلال کی جستجو ہر مسلمان پر واجب ہے۔

نماز فرض، زکوٰۃ بھی فرض، روزہ فرض عمرہ واجب، حج فرض ان تمام فرائض کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے اچھا کھانا پینا اور اچھی رہائش ہو یہ اصول ہے کہ:

"ما لا يؤدي الفرض إلا به فهو فرض"[4]

ترجمہ: فرائض کی ادائیگی کے لوازمات کا حصول بھی فرائض میں شامل ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالی نے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ان تمام احکامات کی بجا آوری کے لئے مال ضروری ہے اس لئے اس کا حصول فرض ہے۔ جہاں اسلام نے ضروریات زندگی کے حصول کے لیے جائز ذرائع کو اختیار کرنے کا حکم دیا وہاں ناجائز ذرائع سے مال کے حاصل کرنے سے منع بھی کیا۔ ان میں چند اہم اور بنیادی ذرائع کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں۔ ناجائز زرائع میں اہم ترین ذریعہ دھوکہ دہی ہے۔ مادہ پرست افراد کا یہ مرغوب ترین ہتھیار ہے۔ اس کی صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ الفرقان: ٦٧

۲۔ ابن حنبل، محمد ابن احمد بن حنبل، المسند، مسند عبد اللہ بن مسعود، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ العلمیہ، ۲۰۰۹ء) ح ۴۳۶۹

۳۔ علاؤالدین علی متقی، کنزلا العمال، کتاب البیوع، (کراچی: دارالاشاعت)، ح ۹۲۰۴

۴۔ نورالدین، علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، (بیروت، دار لکتاب العلمیہ، ۲۰۱۵ء)، ح ۱۸۰۹۸

۱۔ جھوٹ:

دھوکہ دہی میں جھوٹ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جھوٹ سے کسی بھی چیز کی خامی کو چھپا کر اعلی کوالٹی والی کے طور پر پیش کر کے زیادہ مال کمایا جاتا ہے۔

۲۔ ملاوٹ:

ناجائز ذرائع آمدن میں ملاوٹ بھی شامل ہے۔ ملاوٹ کے ذریعے گھٹیا چیز کو بھی اعلی کوالٹی بنا کر مال بٹورا جاتا ہے۔

۳۔ قیمت میں دھوکہ:

کسی بھی چیز کو فروخت کرتے ہوئے اصل قیمت کو چھپا کر یہ کہا جاتا ہے کہ جی اتنی تو ہماری خرید ہے یا اتنی تو ہماری خرید بھی نہیں۔ یہ حربہ ناجائز منافع خوری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔

۴۔ عیوب کو چھپانا اور وزن میں کمی کرنا:

عیوب کو چھپانے کا حربہ اختیار کرنا اور ماپ اور تول میں کمی کرنا حرام ہے۔ قرآن نے وزن کو پورا کرنے کا حکم دیا جب کہ نبی ﷺ نے وزن میں کمی کرنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔

۵۔ اشیاء کی صفات اور پیداواری تاریخ میں دھوکہ:

زیادہ سرمایا کمانے کے لئے مادہ پرست تاجر اس طریقہ کار کا عام استعمال کرتے ہیں۔

۶۔ اشیاء کی سجاوٹ سے دھوکہ دہی:

یہ طریقہ بھی آج ہمارے معاشرے میں عام ہے۔ اس سے سادہ لوگوں کو لوٹا جاتا ہے۔ عام آدمی بازار جاتے ہوئے لوٹ جانے کے خوف میں رہتا ہے۔

۷۔ ذخیرہ اندوزی:

کسی چیز کو اس لئے ذخیرہ کرنا کہ مارکیٹ میں جب وہ ناپید ہو جائے تو مہنگے داموں بیچا جائے۔ ایسے شخص کو آپ ﷺ نے ملعون قرار دیا۔

۸۔ سود خوری:

سود مادہ پرستوں کے لئے سونے کی چڑیا ہے۔ آج ان لوگوں نے سود در سود کا ایسا نظام دنیا پر مسلط کر رکھا ہے کہ ہر فرد بلاواسطہ یا بالواسطہ اس سے متاثر ہے۔ اس نظام نے دنیا کے اکثر ملکوں کی معیشت کو بھی جکڑ رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کی دنیا و عاقبت کی تباہی کی خبر قرآن نے دی ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ﴾(۱)

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

اسی آیت کے آخر میں انھیں دائمی جہنمی قرار دیا۔

۹۔ چوری:

چوری اور اس کی تمام اشکال بھی لوگوں کے ناحق مال کھانے کا ایک طریقہ ہے۔ اس کا ارتکاب عموماً معاشرے کے وہ افراد کرتے ہیں جن کے پاس زیادہ مال کے فوری حصول کے جب مواقع نہیں ہوتے تو یہ مختصر راستہ اختیار کرتے ہوئے چوری چکاری کے ذریعہ راتوں رات امیر بننے کا خواب دیکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن نے عبرتناک سزا مقرر کی ہے فرمایا:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(۲)

ترجمہ: جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے۔ اور خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے۔

۱۰۔ امانت کا ہڑپ کرنا اور یتیم کا مال کھانا:

مادہ پرستی کی اندھی سوچ ان لوگوں کے لئے امانت اور یتیم کے مال کو مال غنیمت میں بدل دیتی ہے۔

۱۔ البقرۃ:۲۷۵

۲۔ المائدۃ:۳۸

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾(1)

ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

یہ ہیں مادہ پرستوں کے ہتھکنڈے جن سے وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ یہ حرص اور حوس کے پجاری ایک طرف دنیا میں ظلم کا بازار گرم کرتے ہیں تو دوسری طرف اپنی عقبی کو داؤ پر لگاتے ہیں۔ مال اللہ تعالی کی نعمت ہے اس کے ساتھ جب تک نعمت ایمان نہ ملی ہوگی یہ زحمت بن جائے گا۔ جن اقوام وافراد نے مال ومتال کو اپنا خدا بنایا تاریخ بتاتی ہے کہ وہ تباہ وبرباد ہوئے۔ وہ فرعون ہو قارون ہو یا شداد ونمرود، قوم عاد ہو یا قوم ثمود وصالح یا قوم شعیب ہوں۔ ان تمام نے مادیت کو اپنایا اور برے انجام سے دوچار ہوئے۔ دوسری طرف قوم یونس کو دیکھئے وہ جب ایمان لائے تو اللہ تعالی نے خوب رزق دیا۔ حضرت داود و سلیمان علیہم السلام اور بنی اسرائیل کے کئی انبیاء وصلحاء ایسے گزرے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے مال ومنال سے خوب نوازا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کے تمام انبیاء کی خوبیوں کے پیکر تھے فرماتے ہیں کہ:

«لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِي أَنْ لاَ تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلاَثُ لَيالٍ، وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْئاً أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ»(2)

ترجمہ: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو تو میں اس طرح بخوشی تقسیم کرتا کہ صرف تین دن میں وہ مکمل اس طرح تقسیم ہو جاتا کہ میرے پاس کچھ نہ بچتا۔ ہاں محض کچھ کو قرض ادا کرنے کے لیے روکتا۔

تمام انبیاء اور صاحب مال صلحاء کا یہی طرز عمل تھا کہ دنیوی مال ومنال سے اللہ تعالی کا تقرب اور آخرت کی تیاری کا سامان کرتے صحابہ کرام کو دیکھیے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان بارگاہ رسالت میں پیش کرتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کیا گھر بھی کچھ بچا ہے؟ کہتے ہیں بس اللہ اور اس کے رسول کا نام بچا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

۱۔ النساء:۱۰

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب قولِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ما احب ان لی مثل احد ذھبا، ح ۶۴۴۵

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلے ان کے دور میں قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے پاس آئے جنھیں آپ نے مسلمانوں میں تقسیم کیا اور خود کچھ نہ لیا۔

ذوالنورین کو اللہ تعالی نے بڑا مال دیا مشکل دور میں۔ انہوں نے سارا مال اللہ تعالی کے نام پر اسلام کی سربلندی اور فقرا کی دادرسی میں پانی کی طرح بہادیا۔ شان حیدری رضی اللہ عنہ دیکھیں دور خلافت میں محکمہ مال کے انچارج نے رپورٹ دی کہ بیت المال سونے سے بھر گیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ اکبر پھر اسی وقت بیت المال میں آئے لوگوں میں منادی کی تمام مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ یہی حال باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا اللہ کی راہ میں مال کا خرچ کرنا ان لوگوں کے لئے اس لیے آسان تھا کہ یہ مال ان کے ہاتھ میں تھا نہ کہ دلوں میں۔

مال حرام کی تباہ کاریاں:

مادہ پرستوں کو برے انجام سے خبردار کرنے کے لئے اسلام نے متعدد تباہ کاریوں اور انجام بد کو وضاحت سے بیان کیا ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- زندگی سے برکت کا ختم ہونا۔
- اللہ تعالی کے غضب کے نزول کا باعث بننا۔
- رزق میں تنگی کا باعث بننا۔
- حرام خوری عذاب قبر کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔
- دعاؤں کی قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہے۔
- آخرت کی شرمندگی اور جہنم میں جانے کی وجہ بنتا ہے۔
- صداقات وعبادات کی قبولیت میں رکاوٹ بنتا ہے۔
- ذلت وعار کا باعث ہونا۔
- نسل میں اس کی خباثت کا اثر چلنا۔
- صالح اعمال جو آگے پہنچائے گئے ان کی تباہی کا باعث بننا وغیرہ۔

ان تمام میں سب سے بڑا انجام یہ ہے کہ ناجائز اور مال حرام کھانے والے کو جنت میں داخل نہ کیا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِحَرَامٍ»[1]

ترجمہ: جو جسم حرام پر پلا ہو گا جنت میں داخل نہ ہو گا۔

مال حرام کی تباہ کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حرام خور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے کئی حدیث اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی، پھر یوں ہی سود خور اس کے لکھنے والے اور گواہوں کو بھی لعنتی قرار دیا۔ یوں ہی احادیث نبویہ ﷺ نے شراب بیچنے والے اور چور کو بھی لعنتی قرار دیا۔ پھر اس شخص کو بھی لعنتی قرار دیا جو کسی کی زمین کو ناحق طور پر ہتھیانت کے لیے اس کی حد بندی میں ردوبدل کرتا ہے۔

لعنت سے مراد وہ نحوست ہے جس کے باعث اللہ تعالی بندے کو اپنی بندگی سے خارج کر دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے نتیجتاً مادہ پرست اور حرام خور شخص بہت سی ایسی عطیات ربانی سے محروم ہو جاتا ہے جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں۔ حرام خوری کی تباہ کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ایک لقمہ بھی حرام کھایا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بھی لقمہ میں کھاتا ہوں اس کے بارے میں پہلے تحقیق کر لیتا ہوں کہ وہ حلال اور جائز ذرائع ہی سے ہے اللہ جن مادہ پرستوں کو بدترین انجام سے دوچار کرتا ہے ان میں سے ایک حلاوت ایمان اور لذت عبادت سے محرومی ہے۔ یہ دو اللہ تعالی کے اپنے بندوں پر خاص انعامات ہیں جن کا ثانی نہیں حرام خور ان سے محروم رہتا ہے۔ حرام خور کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اس کا خاتمہ خوفناک ہوتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ومهما ضعف حب الله تعالى وقوى حب الدنيا ويصير حيث لا يبقى في القلب موضع لحب الله تعالى"[2]

ترجمہ: جیسے جیسے انسان میں اللہ کی محبت کمزور پڑتی جاتی ہے تو دنیا کی محبت طاقت پکڑتی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ ہوتا یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت کی جگہ باقی ہی نہیں رہتی۔

دنیا کی محبت جب پورے عروج پر ہوتی ہے اور اس کو سکرات الموت آتی ہیں تو دنیا اور جمع کی ہوئی دولت کی جدائی پر غم کا پہاڑ بن جاتی ہے۔ وہ اس موقع پر اللہ تعالی کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو کر بدترین موت مرتا ہے۔

۱۔ امام ولی الدین، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، حدیث: ۲۷۸۷

۲۔ الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، (بیروت: دار المعرفہ، ۱۹۸۲ء)، ص: ۳۱۶/۴

حرام کھانا بصیرت کو ختم کرتا ہے دل کو کمزور کرتا اور دل کی قساوت (سختی) کا باعث بنتا ہے۔ فکر کی صلاحیت کا ماند پڑنا اور جوارح کو اطاعت ربانی سے روکتا ہے۔ اس کے علاوہ اعمال صالحہ کی قبولیت میں بنیادی رکاوٹ کا باعث ہے۔

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾(۱)

ترجمہ: خدا پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے۔

مادیت کی دوڑ میں آج معاشرے کے مختلف طبقات کی اکثریت حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر مال جمع کرنے کی دھن میں لگی ہوئی ہے۔ یہ وہ دور ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی تھی کہ:

«يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، لاَ يُبَالِي المرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الحَلاَلِ أَمْ مِنَ الحَرَامِ»(۲)

ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ بندہ اس کی پرواہ نہ کرے گا کہ اس نے مال کہاں سے حاصل کیا حلال سے یا حرام سے۔

کسب حلال کی ترغیب:

اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق مادی ضروریات کے حصول کا حکم دیا۔ اس کی ترغیب دیتے ہوئے یہ بنیادی نظریہ دیا کہ:

﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾(۳)

ترجمہ: اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ مال اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کے دل میں اس کی چاہت رکھ دی۔ اس کے حصول کے لیے تعلیمات دی گئیں۔ ان بنیادی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حلال اور طیب ہوں، فرمایا:

﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾(٤)

ترجمہ: پس خدا نے جو تم کو حلال طیب رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو اگر اسی کی عبادت کرتے رہو۔

۱۔ المائدۃ:۲۷

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب قول اللہ تعالیٰ، یاایھاالذین آمنوالا تاکلوالربا اضعافامضاعفۃواتقواللہ، حدیث:۲۰۸۳

۳۔ الذاریات:۲۲

۴۔ النحل:۱۱۴

اللہ تعالی کی نعمتیں لاتعداد ہیں۔ یہ نعمتیں انسانی جسم سے لے کر پوری کائنات میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کے ادراک کے لیے اللہ تعالی نے انسان کو بصیرت اور بصارت دونوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ پھر اسے ان کا مشاہدہ کرتے ہوئے ان کے احکامات کے ادراک کی ترغیب دی۔

کہیں فرمایا: ﴿أفلا تبصرون﴾ تو کہیں فرمایا: ﴿أفلا تعقلون﴾ ان تمام نعمتوں میں اسلام نعمت کبری ہے۔ باقی تمام نعمتیں اس کے الحاق کے ساتھ نعمت کا مقام پاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مانگنے والے کو حکم دیا کہ وہ گھر کا سامان بیچ کر کلہاڑا خریدے اور جنگل سے لکڑی کاٹ کر بیچے اور رزق حلال کمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «الكاسب حبيب الله» ترجمہ: کما کر کھانے والا اللہ کا دوست ہے۔

آپ ﷺ نے خود بھی محنت سے روزی کمائی۔ قبل از نبوت پہلے بکریاں چرائیں اور پھر تجارت کی بعد از نبوت سخت مصروفیات کے باوجود بھی آپ ﷺ طلب معاش کے لئے خود محنت کرتے۔ آپ ﷺ نے اس وقت بھی محنت ومشقت کو ترک نہ کیا کہ جب آپ ﷺ کے گردونواح ہزاروں خدمتگار موجود ہوتے تھے۔ ایک سفر میں جب کھانا کھانے کے لئے کام تقسیم ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا لکڑیاں میں جمع کروں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کام اپنے ذمہ لینے کی خواہش کی تو منع کرتے ہوئے فرمایا: کے میں محنت کرکے کھانا زیادہ پسند کرتا ہوں کہ:

«وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»(۱)

ترجمہ: اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام محنت کرکے کھایا کرتے تھے۔

اسلام نے کسب حلال کے لیے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام اور ممنوع قرار دیا۔ جدید تحقیق بتاتی ہے کہ حلال اشیاء کا انسانی جسم اور عقل پر مثبت اثر پڑتا ہے اور حرام کا منفی اللہ تعالی نے مخلوق کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لے کر انسان کو اس فکر سے بھی آزاد کر دیا۔ فرمایا:

﴿وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾(۲)

ترجمہ: اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے۔ وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، حدیث: ۲۰۷۲

۲۔ الھود: ۶

مادہ پرست اگر اس آیت پر یقین کر لیں تو ان کے باعث دنیا میں پائے جانے والے مظالم کی سیاہ رات ختم ہو سکتی ہے۔ نظریہ مادیت کے سدباب کے لیے یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالی نے رزق لوگوں میں تقسیم کیا، یہ تقسیم اور اس کی ترسیل براہ راست اللہ تعالی کے کنٹرول میں ہے۔ ہر ایک کا رزق اس تک پہنچ کر رہے گا اور کوئی کسی دوسرے کا رزق نہیں چھین سکے گا فرمایا:

﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ﴾(۱)

ترجمہ: کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر۔

انسان کو اس رزق کے حصول کے لئے محنت اور مشقت کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس محنت کو عبادت کا درجہ بھی دیا۔ کسب حلال شرافت کی علامت اور عزت و وقار کی دلیل ہے کسب حلال فقر سے بچاتا اور حرام سے دور رکھتا ہے۔

رزق میں اضافے کے اصل اسباب:

اللہ تعالی انسان کا مالک و خالق ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ انسان کی گمراہی کے اسباب کون سے ہیں۔ ان اسباب کے سدباب کے لیے بھرپور رہنمائی کا انتظام بھی کرتا ہے۔ مال ایسی چیز ہے جس کے اضافے کے لیے انسان اور لالچ میں پڑ کر ناجائز ذرائع استعمال کر سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ رزق میں اللہ تعالی خود اضافہ کرتے ہیں۔ آپ کا کام جائز ذرائع سے پاک رزق کے حصول کی جستجو کو جاری رکھنا ہے۔ اور راتوں رات امیر ہونے کے لیے ناجائز ذرائع سے اجتناب کرنا ہے۔ فرمایا:

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾(۲)

ترجمہ: خدا جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اور (کافر لوگ) دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں۔ اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے۔

۱۔ الزخرف: ۳۲

۲۔ الرعد: ۲۶

اسلام نے رزق (یعنی مال و دولت) میں اصل وسائل کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ان وسائل میں سے چند اہم کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ صراطِ مستقیم پر استقامت:

صراط مستقیم پر استقامت سے مراد یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں صرف اسلامی تعلیمات پر کاربند رہنا چاہیے۔ اس کے لیے کتنی ہی مشکلات کیوں نہ درپیش ہوں فرمایا:

﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾(۱)

ترجمہ: ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

بارش اور پانی رزق اور زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ آج جو اقوام اور افراد اس اصول پر چل رہے ہیں اللہ انہیں وافر رزق عطا کر رہا ہے۔

۲۔ نماز قائم کرنا:

نماز قائم کرنا رزق میں برکت کے بنیادی وسائل میں سے ہے۔ احادیث بتاتی ہیں کہ فجر کی نماز جس گھر میں پڑھی جاتی ہے تو اللہ تعالی کے خاص فرشتے اس گھر میں رزق و رحمت کے پیالے انڈیل دیتے ہیں۔ جن گھروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی وہ محروم رہتے ہیں۔ مشاہدہ میں یہ بات بھی آئی ہے کہ بے نمازوں کی اکثریت دنیادار اور مادہ پرستوں کی ہے۔ "حی علی الفلاح" کی صدا دراصل دنیاداری سے نکال کر دین کی طرف لانے کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ اس سنجیدہ صدا کا مثبت جواب نہیں دیتے اور دنیوی مفاد کو خدا بنالیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کچھ دیر کے لیے کاروبار اور دنیوی معاملات کو روکا تو بڑا نقصان ہو جائے گا۔ قرآن انہیں واضح پیغام دیتا ہے کہ:

﴿ومن اعرض عن ذكرى فان له معيشة صنكا﴾ (۲)

ترجمہ: جو ہمارے ذکر سے پہلو تہی کرتا ہے تو اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔

۱۔ السجدۃ:۱۶

۲۔ طہ:۱۲۴

۳۔ استغفار:

کثرت سے استغفار کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اللہ تعالی خود اس کا حکم دیتے ہوئے اس کے ایوارڈ کا اعلان فرماتے ہیں:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ، وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ﴾[۱]

ترجمہ: اور کہا اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنیوالا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگا تار مینہ برسائے گا۔ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کریگا (اور ان میں) تمہارے لئے نہریں بہاوے گا۔

«مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ، جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ»[۲]

ترجمہ: جو استغفار کو اپنا معمول بناتا ہے اللہ تعالی اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ بناتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

۴۔ شکر کرنا:

مال و رزق میں اضافے کا ایک سبب ہر چھوٹی بڑی نعمت پر اللہ تعالی کا شکر کرنا ہے۔ شکر زبان سے بھی ادا ہوتا ہے اور عمل سے بھی۔ فرائض کے بعد نوافل کی ادائیگی شکر کی اصل صورت ہے۔ عملی شکر کو نکال دیا جائے تو قولی شکر بے وقعت ہو جاتا ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾[۳]

ترجمہ: اے داؤد کی اولاد میرا (شکر) کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔

۱۔ نوح:۱۰-۱۲

۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث ۱۵۱۸۔ صححہ الالبانی

۳۔ سبا:۱۳

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾[۱]

ترجمہ: اور جب تمہارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دونگا اور اگر ناشکری کروگے تو (یادرکھوکے) میرا عذاب (بھی) سخت ہے۔

آپ ﷺ چھوٹی سے چھوٹی نعمت پر بھی بار بار اللہ کا شکر کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ بیمار ہوتے اور ہم آپ ﷺ سے حال دریافت کرتے تو آپ ﷺ فرماتے:

«الحمد لله على كل حال»[۲]

ترجمہ: ہر حال میں اللہ کا شکر۔

۵۔ صلہ رحمی:

اسلام نے صلہ رحمی کو رزق کے اضافے کے اسباب میں اہم قرار دیا۔ صلہ رحمی سے مراد رشتہ داروں کے ساتھ ہر حال میں پیار و محبت اور امداد کے قریبی تعلقات کو قائم دائم رکھنا ہے۔ چاہے رشتہ دار اچھے ہوں یا برے، ناراض ہوں یا خوش۔ انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»[۳]

ترجمہ: جو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں اضافہ ہو اور عمر لمبی ہو تو وہ اپنے رشتہ داروں سے تعلق استوار رکھے۔

۶۔ صدقہ:

صدقہ اللہ تعالی کے لئے مال کو خرچ کرنا کہلاتا ہے۔ فرض صدقہ میں زکوۃ ہے اور نفلی طور پر کوئی بھی چیز اہلخانہ فقرا، مستحقین کو دینا یا کھلانا صدقہ ہے۔ صدقہ مال میں اضافے کا لازمی سبب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ اللَّهُ: أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ)) [٤]

ترجمہ: اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ: اے آدم کے بیٹے تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

۱۔ ابراھیم: ۷

۲۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورہ، السنن، کتاب الادب، باب ماجاء کیف تشمت العاطس، حدیث: ۲۷۴۱، صححہ الترمذی

۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب من احب ایبسط لی الرزق، حدیث: ۲۰۶۷

۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل، حدیث: ۵۳۵۲

۷۔ حسن عمل:

حسن عمل سے مراد ہے کہ عبادات کے لئے جتنے بھی اعمال اسلام نے مقرر کیے ہیں انہیں پورے آداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا۔ حسن عمل بھی رزق میں اضافے کے اسباب میں سے ہے۔ یہ تمام اصول کار آمد ثابت ہوں گے جب ان کی بنیاد توحید باری تعالی پر ہوگی۔ اس کے علاوہ تقوی توکل علی اللہ اور حج وعمرہ بھی۔ رزق میں اضافے کے اسباب میں سے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک علاقہ کے لوگوں نے غربت کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ کیا کرو۔ اس سے غربت ختم ہوتی ہے۔ چند مزید اسباب رزق کو ذیل میں بیان کر دیتے ہیں:

۸۔ شادی کرنا۔

۹۔ کثرت سے دعا کرنا۔

۱۰۔ رزق حلال کے تمام وسائل کو بروئے کار لانا۔

۱۱۔ اللہ تعالی کی قضاء وقدرت پر خوش رہنا۔

یہ رزق میں اضافہ کے وہ وسائل ہیں جن سے بندہ مومن دنیوی زندگی بھی بھرپور طریقہ سے بسر کرتا ہے اور آخرت کا سامان بھی کرتا ہے۔

"من ارادَ مونساً فالقرآن یکفیہ، ومن ارادکنزاً فالقناعۃ یکفیہ، ومن ارادَ واعظاً فالموت یکفیہ، ومن لم یکفہ ھذہِ،فالنار تکفیہ"[۱]

ترجمہ: جو کسی دوست کی تلاش میں ہے تو قرآن اس کے لیے کافی ہے اور جو کسی خزانے کی تلاش میں ہے اس کے لیے قناعت کافی ہے اور جو واعظ کی تلاش میں ہے تو اس کے لیے موت کافی ہے جس کو یہ چیزیں کفایت نہیں کرتیں تو اس کے لیے آگ کافی ہے۔

مادہ پرست ان نعمتوں سے محروم ہو کر دنیا اور آخرت کے خسارے سے دوچار ہو جاتا ہے۔

۱۔ الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، مجموعہ رسائل امام الغزالی، (بیروت: دارالفکر)، ص ۱۵۷

باب دوم

مادیت کے محرکات، رجحانات اور مروجہ صورتیں

فصل اوّل: مادیت کے اسباب و محرکات

فصل دوم: مادیت کے فکری و عملی رجحانات

فصل سوم: مادیت کی مروجہ صورتیں

فصل اوّل

مادیت کے اسباب و محرکات

مادہ پرستی کے اسباب و محرکات:

جدید مادیت کی تاریخ چھ سو سال پرانی ہے۔ مغربی تہذیب اس کی علمبردار رہی۔ مادیت نے روز اوّل ہی سے دین سے ٹکراؤ کا آغاز کر دیا۔ فلسفہ اور سائنس نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ عیسائی پادریوں نے اس جنگ کو جیتنے کے لئے تمام وسائل صرف کر دیئے۔ مذہبی عدالتوں کی سخت سزائیں بھی اس کا راستہ نہ روک سکیں۔ اس جنگ میں مذہب کو ہر سطح پر پسپائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مادیت و مغربیت نے مذہب کا گھیراؤ کر کے اسے عبادت گاہوں میں ہمیشہ کے لئے قید کر دیا۔ سترویں صدی تک مغرب میں مذہب اور جدیدیت ومادیت ساتھ ساتھ آگے بڑھے۔ اٹھارویں صدی میں مذہب و خدا کو فراموش کرنے کا آغاز ہوا اور مادیت و الحاد نے اپنی جڑیں مضبوط کر دیں۔

انیسویں صدی میں مادیت کو عروج حاصل ہوا۔ اس صدی کے مغربی فلسفیوں نے مادہ اور اس کے متعلقات کے علاوہ ہر چیز کو باطل قرار دیا۔ پھر اسی تہذیب مشرق و مغرب میں برتری حاصل ہونا شروع ہوئی۔ مغربی فلاسفہ اور محققین نے اس کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر جدھر چاہا معاشرے کو ادھر چلا دیا۔

مولانا مودودیؒ اس کی وضاحت ایک تمثیل سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "دنیا گویا ایک ریل گاڑی ہے جس کو فکر و تحقیق کا انجن چلا رہا ہے اور تحقیق و مفکرین اس انجن کے ڈرائیور ہیں، یہ گاڑی اس رُخ پر چلتی ہے جس رخ پر ڈرائیور اسے چلاتے ہیں۔ اس کے مسافر مجبوراً ادھر ہی کا سفر کرتے ہیں۔"[1]

الغرض! مادیت کا تصور اسی وقت سے شروع ہوا جب انسان اس دنیا میں بسا۔ مادیت کا پہلا بُرا نتیجہ قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس کی انتہا آج ہم مغربی معاشرے میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس فصل میں ہم مادیت کے اسباب و محرکات کی نشاندہی کریں گے۔ ان اسباب و محرکات کو سمجھنے کے لئے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ مولانا مودودی، تنقیحات، ص: ۱۶

۱۔ بنیادی اسباب و محرکات۔

۲۔ ثانوی اسباب و محرکات۔

۱۔ بنیادی اسباب و محرکات:

مادیت کے بنیادی اسباب سے مراد وہ وجوہات و محرکات ہیں جن کے باعث مادیت انسانی دل و دماغ میں جگہ بناتی ہے۔ اسلام نے مادیت کو مختلف ناموں سے متعارف کرایا، کبھی اس کو حب المال کے نام سے تو کبھی حب الدنیا اور حب النفس کے نام سے موسوم کیا۔ اسلام نے مادہ پرستی کے جو اسباب بیان کئے ہیں، ہم انہیں بنیادی اسباب و محرکات کے طور پر درج ذیل صورتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

الف۔ نفس:

انسان کے مادیت کی طرف میلان کا سب سے بڑا اور بنیادی محرک نفس انسانی ہے۔مادیت کو دین اسلام نے مختلف نام دیئے ہیں، مثلاً حب الدنیا اور حب المال وغیرہ۔ انسانی نفس کو انسانی جسم کا مقابل جانا جاتا ہے۔ تاہم یہ دونوں عملی اعتبار سے ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ نفس جسم انسانی کا کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم ہے، جسم اس کے حکم کا تابع ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل نے نفس انسانی کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کئی قسم کے نفوس ہیں، در حقیقت نفس تو ایک ہے تاہم اس کی صفات مختلف ہوتی ہیں۔ ان صفات کی بناء پر نفس کی متعدد اقسام بیان کی گئی ہیں، ان میں اہم درج ذیل ہیں۔

- **نفس مطمئنہ**

نفس کی اعلیٰ ترین اور بہترین قسم نفس مطمئنہ ہے۔ اس نفس میں تقویٰ، حب الٰہی اور طمانیت و تسکین بستی ہے۔ ایسے نفس کا مالک اپنے دل اور سمع و بصر کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیتا ہے۔ نفس کو اس مرتبہ تک لانے کا اسلام نے حکم بھی دیا اور اس کے حصول کا طریقہ بھی بنایا۔ اس کے حصول کا طریقہ ذریعہ کثرت ذکر اور دائمی استغفار ہیں۔ اس دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کا جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ جگہ کوئی دوسرا فرد یا چیز نہیں حاصل کر سکتی۔ یہ نفس تمام نورانی قوتوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اس میں پایا جانے والا توازن و استقرار اور طمانیت انسان کو ہر قسم کے ہیجان و حرمان کے دائروں سے نکال کر خوشگوار زندگی گزانے کی راہ دکھاتی ہے۔ یہ کیفیت متعدد مراحل طے کرتے ہوئے جب اعلیٰ مقام پر پہنچتی ہے تو بارگاہ ایزدی سے صدا آتی ہے۔

﴿يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفۡسُ ٱلۡمُطۡمَئِنَّةُ﴾[1]

ترجمہ: اے اطمینان پانے والی روح۔

یہ نفس انسانی کی وہ اعلیٰ صفت ہے کہ جس کے بعد خوف و غم اور احساس محرومی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس نفس کا حامل جسم نیکیوں کی طرف راغب ہوتا اور برائیوں و منکرات سے دور رہتا ہے۔

• نفس لوّامہ

نفس لوامہ کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ نفس کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا اس لئے کہ اس کی کیفیات بدلتی رہتی ہیں، کبھی اس میں محبت اور کبھی نفرت ہوتی ہے اور کبھی خوش اور کبھی ناراض ہوتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ لوامہ (اللوم) سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ملامت کے ہیں۔ یعنی مومن ہمیشہ اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ کہ فلاں گناہ میں نے کیوں کیا اور فلاں نیکی میں نے کیوں چھوڑ دی۔ اس قسم کی ملامت علامات ایمان میں سے ہے۔ علماء کی ایک اور جماعت کہتی ہے کہ اس سے نیک و بد دونوں مراد ہیں۔ نیک انسان گناہوں کے کرنے پر ملامت کرتا ہے جبکہ فاجر دنیوی مال و متاع کے حصول کی کمی پر افسوس و ملامت کرتا ہے۔

تمام اقوال کو یکجا کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اس نفس کی ایک قسم سے مراد وہ نفس جاہلہ و ظالمہ ہے جس کو اللہ اور فرشتے ملامت کرتے ہیں۔ دوسری قسم کا نفس لوامہ وہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کمی پر ملامت کرتا رہتا ہے۔

مختصر یہ کہ نفس لوامہ خیر و شر میں گھومنے والا ہے۔ کبھی مادہ پرست ہوتا ہے تو کبھی خدا پرست۔ نفس لوامہ ، نفس مطمئنہ اور نفس امارہ کی صفات جامع ہیں۔ یہ انسان کو گناہ کرنے کے بعد ملامت پر اکساتا ہے اور خیر کی طرف راغب کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس کی قسم اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

﴿وَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلنَّفۡسِ ٱللَّوَّامَةِ﴾[2]

ترجمہ: اور نفس لوامہ کی قسم (کہ سب لوگ اٹھا کر) کھڑے کئے جائیں گے۔

یہی نفس دنیا میں انسان کا محاسب ہے اور انسان پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ یہ بڑے حساب کے احساس کو بیدار رکھتا ہے، جب انسان مادہ پرستی اور دنیا پرستی کے باعث اللہ سے دور ہوتا ہے تو نفس لوامہ (جس کو ضمیر بھی کہا جاتا ہے) بندے کو ملامت اور شرمندہ کرتے ہوئے واپس خدا پرستی اور دین داری کی طرف لاتا ہے۔

۱۔ الفجر: ۲۷

۲۔ القیامۃ: ۲

جب کہ نفس امارہ کی فریب کاریوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا:

"وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ"[1]

ترجمہ: پس رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے اور اپنے نفس کو خواہشات سے بچاتا ہے۔

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"فالنفس اذا احبت شیأ، سعت فی حصولہ ومن احب محبۃ مزمومۃً کان آثماً"[2]

ترجمہ: جب دل کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو اس کے حصول کی جستجو میں لگ جاتا ہے جو مزموم چیز سے محبت کرتا ہے تو گناہ گار واقع ہوتا ہے۔

جب نفسِ امارہ غالب ہو جاتا ہے تو جوارح کو محرمات پر لگاتا ہے۔

ب۔ شیطان:

مادہ پرستی یا حب دنیا کا دوسرا بڑا محرک شیطان ہے۔ یہ ازل سے انسان کا دشمن مصاحب رہا ہے۔ سجدہ نہ کر کے انسانی دشمنی کا کھلا مظاہرہ کیا۔ آج یہ کئی رنگوں اور روپوں کے ساتھ معاشروں میں سرگرداں ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ تمام وسائل کے ساتھ معاشروں پر حملہ کرتا ہے۔ انسانی رجحانات کو خالق حقیقی اور کل خزانوں کے مالک سے ہٹا کر دنیا اور اس کے مال و متاع کی طرف موڑتا ہے۔ اس کے لئے وہ دوستی اور دشمنی کے دونوں طریقوں کا بھرپور استعمال کرتا ہے۔ کبھی تو وہ انسان کو مالدار ہونے اور اعلیٰ اقتدار کے سہانے خواب دیکھا کر دنیا کی طرف متوجہ کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا﴾[3]

ترجمہ: وہ ان کو وعدے دیتا رہا اور امیدیں دلاتا رہا، اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔

شیطان خیر خواہی کے لبادے میں انسان کو دنیا پرست بناتا ہے۔ وہ انسان کو تسلی دیتا ہے کہ دنیا کے حصول کے لئے جائز و ناجائز کی پرواہ نہ کرو اگر رب کی نافرمانی بھی ہوتی ہے تو کر گزرو، اللہ غفور و رحیم ہے توبہ کر لینا۔ پھر یہ

۱۔ النازعات: ۴۰

۲۔ ابن تیمیہ، امراض القلوب وشفاؤھا، ص ۴۲

۳۔ النساء: ۱۲۰

کہ ابھی زندگی تو بڑی پڑی ہے، وغیرہ۔ یہ طریقہ شیطان عموماً ان لوگوں کے لئے اختیار کرتا ہے جن کے پاس کچھ وسائل ہوتے ہیں۔ وسائل سے محروم طبقہ کے لئے اس کا طریقہ ذرا مختلف ہوتا ہے۔ انہیں کبھی تو اس بت سے ڈراتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا تو فقیر ہو جاؤ گے۔ مزید برآں فقر سے خوف زدہ کر کے لوگوں کو بے حیائی اور برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ فقر کے اس خوف کے باعث لوگ گھٹیا گناہ اور زنا تک کے جرائم پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے سب سے اہم ہتھیار جو شیطان نے استعمال کئے وہ عورت اور زینت دنیا ہے۔ آج مغرب و مشرق میں اکثریت کی مسابقتی دوڑ انہی چیزوں کے پیچھے لگی ہوئی ہے اور ان کے حصول کے لئے کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ اس سرمائے کے حصول کے لئے شیطان انسان کو ناجائز وسائل کے استعمال کی ترغیب دیتا ہے۔ مادیت کے اس جنون نے آج پورے معاشرے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ کرپشن، غبن، لوٹ کھسوٹ، رشوت، چوری، ناپ تول میں کمی، خود غرضی، عصمت فروشی اور بیشمار دوسری خرابیوں کے باعث انسانت سسک سسک کر جی رہی ہے۔ جس سے پوچھا جائے کہ آپ مال کے حصول کے ناجائز وسائل کیوں استعمال کر رہے ہیں، وہ کہتا ہے کیا کریں ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، جائز ذرائع سے بچوں کا پیٹ نہیں پلتا، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان کا دھوکہ قرار دیا، ارشاد ہے:

﴿ٱلشَّيْطَٰنُ يَعِدُكُمُ ٱلْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِٱلْفَحْشَآءِ وَٱللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور خدا تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

شیطان کے اس جال میں دنیا کی اکثریت بری طرح پھنستی چلی جا رہی ہے۔ اس کا ثبوت دنیا میں بڑھتی ہوئی بے چینی، دہشت گردی اور کرپشن ہے۔ اسی سوچ کے افراد آج ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح کھا رہے ہیں جس کا خمیازہ پوری قوم بھگت رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر واضح کر دیا کہ شیطان کی کسی بھی چال سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ 'ھل من مزید' کے بجائے حلال اور طیب کو کافی و شافی سمجھا جائے اسی میں ہی عافیت دنیا اور رضائے الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

۱۔ البقرۃ:۲۶۸

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾[1]

ترجمہ: لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال اور طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

شیطان کی تمام چالوں سے قرآن حکیم نے تفصیل سے آگاہ کیا ہے پھر اہل ایمان کو شیطانی چالوں میں پھنسنے سے نہ روکا بلکہ ان سے خوفزدہ نہ ہونے کی تلقین کی۔ ارشاد ربّانی ہے۔

﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾[2]

ترجمہ: یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔

آج انٹرنیٹ، ٹی وی، اخبارات اور دوسرے ذرائع سے مادہ پرست افراد کو خوفزدہ رکھنے کے لئے نت نئ سازشیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خوفزدہ ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل کا حکم دیا۔ اسلام نے شیطان کے انسانی زندگی میں فساد کے لئے مداخلت کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا۔

ان میں اہم ترین یہ ہے کہ شیطان انسانی عقائد میں بگاڑ کی خاطر شرک کی طرف بلاتا ہے، پھر مال اور اولاد میں بھی شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر گھر کے دروازے پر اس انتظار میں بیٹھا رہتا ہے کہ اگر آدمی اسے موقع دے تو اس کے مکان و طعام میں شریک ہو جائے۔ حد یہ کہ اولاد میں بھی شریک ہونے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں کوئی اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے' بسم الله اللهم جنّبنا و جنّب الشيطان ما رزقتنا' پس اگر اللہ تعالیٰ انہیں اولاد دی تو شیطان اس کو کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔[3]

اس کے علاوہ لوگوں کے طبیعتوں میں حسد، کینہ اور غیض و غضب پیدا کر کے معاشرہ اور صحت میں فساد پیدا کرتا ہے۔ دلوں میں رنج اور عبادت میں خلل پیدا کرتا ہے۔

"ام یحسدون الناس علیٰ ما اتاھم اللہ من فضلہ" کی توضیح میں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

۲۔ البقرۃ:۱۶۸

۲۔ آلِ عمران: ۱۷۵

۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب مایقول اِذا اتی اھلہ، ح ۶۳۸۸

"فالحاسد المبغض للنعمة على من انعم الله عليه بها ظالم معتدٍ، مستحقا للعقوبةِ"[1]

ترجمہ: پس ایسا حاسد جو کسی نعمت پر بغض رکھتا ہو جو اللہ نے کسی پر کی ہے وہ ظالم، حد سے گزرنے والا اور سزا کا حقدار ہے۔

قرآن وحدیث میں شیطان کے حیلوں اور چالوں سے بچنے کے لئے مؤثر طرق کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ أعوذ باللہ پڑھنا اور دوسری دعاؤں وعملیات کے ساتھ اللہ کی پناہ حاصل کرنا۔

۲۔ غصہ میں ضبط نفس سے کام لینا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پر توکل۔

۴۔ باوضو رہنا۔

۵۔ آذان دینا۔

۶۔ گھروں میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کرنا۔

۷۔ آیۃ الکرسی صبح وشام پڑھنا۔

۸۔ سنت ونوافل کا گھر میں پڑھنا۔

۹۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا۔

۱۰۔ صبح وشام کے اذکار میں پابندی

۱۱۔ بسم اللہ پڑھ کر گھر میں دروازہ بند کرنا۔

۱۲۔ گھر سے نکلنے کی دعا پڑھنا۔

۱۳۔ غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھنا۔

۱۴۔ کھانے پینے پر بسم اللہ پڑھنا وغیرہ۔

ج۔ دنیا:

لفظ دنیا "دَنَایَدْنُوْ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے قریب اور نزدیک کی چیز، بعض نے "دَنِّی" سے ماخوذ قرار دیتے ہوئے اس کا معنی "حقیر اور کمتر چیز" کے طور پر بیان کیا۔ قرآن حکیم نے 'الدنیا' کا لفظ ۱۱۵ مرتبہ بیان کیا۔ دنیا کا مقابل لفظ آخرت ہے جس کا معنی بعد میں آنے والی اور دیر تک رہنے والی کے ہیں۔ دنیا و آخرت دو مختلف زندگیوں

۱۔ ابن تیمیہ، امراض القلوب وشفائھا، (ریاض: دارالقاسم)، ص ۳۰

کے نام ہیں۔ ان میں اہم زندگی آخرت کی ہے۔ قرآن نے وللآخرۃ خیر و ابقیٰ کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے آخرت کی برتری بیان کی۔ حدیث نے معاملہ اور آسان کر دیا کہ دنیا کا وجود آخرت کے لئے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

"ان الدنیا خلقت لکم و انتم خلقوا للآخرۃ "[1]

ترجمہ: بلاشبہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی اور تم آخرت کے لئے۔

ساتھ قرآن مجید نے یہ حقیقت بھی بیان کر دی کہ:

﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا ○ وَٱلْءَاخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰٓ﴾[2]

ترجمہ: بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔

دنیوی زندگی سے مراد دنیوی مال و متاع اور آسائش زندگی ہے جس کے شوق نے تمہیں آخرت سے غافل کر دیا۔ آخرت کی تیاری میں کوتاہی کی وجہ بھی یہی ہے کہ انسان جب دنیا کی زندگی کو سنوارنے کے لئے مصروفیات اتنی بڑھا دیتا ہے کہ جس کے باعث اس کے پاس فرائض کے لئے بھی وقت نہیں بچتا۔ آج جس سے نماز نہ پڑھنے کی وجہ پوچھیں تو وہ مصروفیت کی وجہ بتا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اس دنیا کو نہ بھی چھوڑیں تو دنیا کی زندگی ہمیں چھوڑ دے گی کیونکہ فنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔ رہی آخرت تو وہ بقاء پر قائم ہے کبھی ہمیں نہ چھوڑے گی۔ دنیا اور اس کی زینت اور مال کو آخرت پر ترجیح دینے کا محرک مادی فکر ہے، اس فکر کے اہم محرکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاشرہ:

معاشرہ اور ماحول وہ بنیادی ادارے ہیں جہاں ہر فرد اپنی ابتدائی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہی وہ بنیادی ادارے ہوتے ہیں جہاں سے ہر فرد نظریات و عقائد اور اقدار سیکھتا ہے۔ آج چونکہ مادیت کا کلچر ہر معاشرہ میں رچ بس چکا ہے اس لئے فرد کے مادہ پرست ہونے کی ایک اہم وجہ اس کا معاشرہ ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ لوگ مادی طور پر ترقی کرنے والے فرد کی دوسروں کو مثالیں دیتے ہیں کہ فلاں کیسے مالدار اور معزز ہوا وغیرہ۔ اس قسم کا معاشرتی رویہ نئی نسل میں مادیت کا محرک بن جاتا ہے۔

۱۔ الاصفہانی، احمد بن عبد اللہ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ)، قصر الامل و ابن ابی الدنیا، حدیث: ۱۸۲۲

۲۔ الاعلیٰ: ۱۷،۱۶

۲۔ رسوم ورواج:

جس معاشرہ میں دینی ترویج اور اثرو رسوخ کمزور پڑ جاتا ہے اس معاشرے میں دنیوی اور مادی رسوم ورواج جڑ پکڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان رسوم ورواجات کو پورا کرنے کے لئے زیادہ مادی وسائل درکار ہوتے ہیں۔ ان رسوم ورواج کی تکمیل کی خواہش بھی معاشرہ میں مادہ پرستی کا محرک بن جاتی ہے۔ شادی بیاہ کی رسمیں ہوں یا بدعات و خرافات وغیرہ ان پر زرِ کثیر خرچ ہوتا ہے۔ معاشرے کے دباؤ اور معاشرے میں ناک رکھنے کے لئے اضافی مال کے حصول کی تحریک کو بنیادی ضروریات میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

۳۔ آباء واجداد کی اندھی تقلید:

مادیت کے اسباب و محرکات میں سے ایک سبب آباءواجداد کی اندھی تقلید بھی ہے۔ آباءواجداد کی مادی فکر کو اختیار کرنے کی بھی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ کہیں سٹیٹس کو حب جاہ اس کی وجہ بنتی ہے تو کہیں دوسروں کی بالواسطہ اور بلاواسطہ ترغیب بھی اس کی محرک ہوتی ہے۔ انسانی تاریخ کی طرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ مادہ پرست اقوام نے جن اسباب سے مادیت کے جواز تلاش کرنے سعی کی ان میں اہم ترین آباءواجداد کی تقلید ہی تھی۔ جب بھی انبیاء علیہم السلام نے ان دنیاپرستوں سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اتباع کا تقاضا کیا تو انہوں نے بیک زبان کہا "بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا" کہ ہم تو اپنے آباءواجداد کے دیئے ہوئے اصولوں پر چلیں گے۔ جو انہوں نے حلال کیا اس کو حلال جانیں گے، اور جسے حرام کہا اسی کو حرام جانیں گے۔ شعیب علیہ السلام نے جب ان مادہ پرستوں کو تجارت میں ناجائز طریقوں سے مال بنانے سے روکا تو کہنے لگے۔

﴿قَالُوا يَٰشُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِىٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُا﴾[1]

ترجمہ: انہوں نے کہا شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جنکو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں۔

آج بھی مادہ پرست آباء واجداد کی اندھی تقلید میں حلال و حرام کی پرواہ کئے بغیر مال کمانے کی دوڑ میں شریک ہیں۔

۱۔ الھود: ۸۷

المختصر یہ کہ قرآن و سنت نے جس دنیا کی مذمت کی اس سے مراد زمانہ یا دن رات نہیں ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں۔ دنیا کی مذمت سے مقصود انسان کے وہ اعمال و افعال ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور نافرمانی کا باعث ہیں۔ دنیا میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پہلے وہ مادہ پرست ہیں جو سرے سے آخرت کا انکار کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَٱطْمَأَنُّوا بِهَا وَٱلَّذِينَ هُمْ عَنْ ءَايَٰتِنَا غَٰفِلُونَ﴾[1]

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توفیق نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہوئے بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔

ان لوگوں کی زندگی کا بنیادی مقصد دنیا اور اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہونا ہے ایسے لوگ موت سے پہلے ان لذتوں سے محضوض ہونے کو غنیمت جانتے ہیں۔ قرآن مجید ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

﴿وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ ٱلْأَنْعَٰمُ وَٱلنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾[2]

ترجمہ: اور جو کافر ہیں وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

ایسے لوگوں کے اجتماع مکڈونلڈز اور کے ایف سی وغیرہ میں نظر آتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو آخرت پر ایمان کے ساتھ ساتھ اس کی تیاری بھی کرتے ہیں۔ ان کا تعلق انبیاء اور صدیقین و شہداء سے ہے۔ یہ سابق بالخیرات باذن اللہ کے نصب العین پر قائم رہتے ہیں اور صلوٰۃ و خیرات میں مصروف نظر آتے ہیں۔

ثانوی اسباب و محرکات:

مادیت کے مذکور بنیادی اسباب کے علاوہ کچھ ایسے ثانوی اسباب بھی ہیں جو وقت، حالات اور مقام سے بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی فہرست نہایت طویل ہے تاہم چند اہم اسباب و محرکات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ یونس: ۷

۲۔ محمد: ۱۲

۱۔ میڈیا:

عصر حاضر میں میڈیا معلومات و اطلاعات کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ میڈیا کی کئی صورتیں ہیں ان میں تیز ترین ذریعہ ٹی وی اور سوشل میڈیا ہے۔ میڈیا پر دکھائے جانے والے ڈرامے اور فلمیں جو اعلیٰ معیار زندگی کے مناظر پیش کرتے ہیں نوجوان نسل اس معیار زندگی کے حصول کے لئے مادیت کا شکار ہو رہی ہے۔ آئے روز سہولیات زندگی کی بھرپور تشہیر کی جاتی ہے۔ زندگی کی ان سہولیات و آسائیشوں کے حصول کا شوق معاشرے میں پیدا ہوتا ہے جس کا زیادہ شکار خواتین ہو رہی ہیں۔ یہ شوق ان میں مادیت کا محرک بن جاتا ہے۔ خواتین کا اثر چونکہ پورے خاندان پر ہوتا ہے لہذا مادیت کی یہ سوچ پورے خاندان کو متاثر کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسے شوز ہیں جن میں انعام جیتو کے نام پر پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ فیشن شوز اور ملبوسات کی تشہیر وغیرہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

۲۔ سائنس اور ٹیکنالوجی:

سائنس اور ٹیکنالوجی نے نئی ایجادات سے دنیا میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ سائنسی ایجادات اور دریافات کی دوڑ میں تمام ترقی یافتہ ممالک بالخصوص اور ترقی پذیر ممالک بالعموم شامل ہیں۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے چونکہ سرمایہ چاہیے ہوتا ہے اس لئے ان ممالک میں یہ سوچ راسخ ہو چکی ہے کہ معیشت کی بہتری اور برتری اصل میں سائنسی ترقی کی ضامن ہے۔ اسی سوچ نے پوری دنیا کو مادیت کی دوڑ میں شامل کر دیا۔ مزید بر آں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجاد کردہ نت نئی اشیاء اور آلات و ادوات کا حصول ہر فرد کی خواہش بن گیا ہے۔ اس طرح یہ خواہش بھی مادیت کا سبب اور محرک بن گئی۔ تعیشات کی ایجاد جوں جوں بڑھ رہی ہے، مادیت کا گراف توں توں بلند ہو رہا ہے۔

۳۔ نمائش اور تکلفات:

برتری قائم کرنے کے شوق نے آج معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ برتری کے حصول کے لئے آج لوگ چمچماتی گاڑی، بڑا کاروبار، خوبصورت گھر اور اعلیٰ معیار زندگی کے حصول کے لئے باہم مقابلے پر اترے ہوئے ہیں۔ نمود و نمائش محض دنیاداری ہی میں نہیں اب تو یہ دینی معاملات میں بھی داخل ہو گئی ہے۔ ذبیحہ قربان کی نمائش کی جاتی ہے اور ایک دوسرے پر برتری کے لئے قربانی کے جانور کا سہارا لیا جاتا ہے۔ حج کرنے والا جانے اور لوٹنے کی خوب تشہیر کرتا ہے اور پھر اپنے نام کے ساتھ حاجی اور الحاج کے القاب شامل کرتا ہے۔ حج تو ہمارے اسلاف نے بھی کیا مگر ہم نے ان کے ناموں کے ساتھ حاجی ابو بکر، حاجی عمر اور حاجی علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی نہ سنا۔ غرض نمود و نمائش مسلمانوں نے مغرب سے سیکھی۔ یہ بیماری آج اہل اسلام کے خواص و عوام میں عام

ہے۔ اردن کے بادشاہ نے سونے کی گاڑی اور ہوائی جہاز بنوا کر اس دوڑ میں برتری قائم کی تو دوسری طرف عوام نے اس قسم کی مثالوں کو قابل رشک اور قابل تقلید جانا۔ یوں نمائش و تکلفات کا کلچر بھی خواص و عوام میں مادیت کی بھڑوتری کا باعث بنا۔

۴۔ مغربی تہذیب و تمدّن:

مغربی تہذیب ، مغربی برتری کے باعث آج پوری دنیا کی قائد و سائد ہے۔ پھر نور علی نور یہ کہ مغربی تہذیب کی بنیاد ہی مادیت پر قائم ہے۔ باقی دنیا اس کی پیرو ہے۔ مغربی تہذیب میں مال کمانے کی کھلی چھٹی ہے۔ اس لیے اس معاشرے میں حلال و حرام، جائز و ناجائز اور حق و ناحق کا کوئی تصور نہیں۔ جو معاشی نظام مغربی تمدن نے پیش کیا اس نے معاشرے کا توازن بگاڑ دیا اس لیئے کہ اس نظام میں امیر امیر سے امیر تر اور غریب غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ وغیرہ سے Luxury Life (عیش و عشرت والی زندگی) کی سہولیات سے کسی حد تک مستفید ہو رہے ہیں تاہم دوسرے اور تیسرے درجے کی دنیا کو وسائل کی کمی اور مادیت کی بھڑوتری نے چکرا کر رکھ دیا ہے۔

۵۔ احساس کمتری سے احساس برتری تک:

جب کوئی فکر انسان کے دل و دماغ میں سما جائے تو وہ فکر انسان کو اپنا قیدی بنالیتی ہے۔ کم و بیش یہی معاملہ معاشرے کے ان افراد کا ہوتا ہے جو کسی اعلیٰ بیرونی اثر سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کے مقابل خود کو کمتر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ اعلیٰ طبقہ کے برابر سہولیات و تعیشیات کی عدم دستیابی ہوتی ہے۔ پھر ان میں برتری حاصل کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہی احساس ان کے لئے مادیت کا محرک بن جاتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونے کی خواہش ان میں مال کے حصول کا جنون پیدا کر دیتی ہے۔ یہ جنون مادہ پرست اور اسکے معاشرے کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ اللہ فضل بعضکم علی بعض کے فطرتی اصول کو جب انسان بدلنے کی سعی کرتا ہے تو فطرت بھی اس کے خلاف ہو جاتی ہے۔ ہر معاشرہ میں احساس کمتری کا شکار مادہ پرستوں کا ایک گروہ احساس برتری کے حصول میں مصروف عمل نظر آتا ہے۔

٦۔ مذہب سے لاعلمی یا کم علمی:

ہر سماوی مذہب نے انسان کو دین اور دنیا کے درمیان توازن کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ ایسا نظام زندگی بھی عطا کیا جو اس توازن کا ضامن ہے۔ جب تک انسان مذہبی تعلیمات سے آگاہ رہا اور اس علم کو اپنا رہنما اور مشعل راہ

جانتا رہا تو اس نے مادی اور روحانی دونوں اعتبار سے ترقی کی۔ تاہم جوں جوں مذہبی تعلیم کو فراموش کر کے رسمی علوم کی طرف متوجہ ہوا اور اسی کو اعلیٰ تعلیم جانا، تو زندگی کے مقاصد و ترجیحات بدلنا شروع ہو گئے۔ مادیت نے روحانیت پر برتری حاصل کرنا شروع کر دی۔ معاشرہ جب مذہبی تعلیم سے عاری ہوا مادیت کے لئے میدان خالی ہو گیا، نتیجتاً مادیت کی تحریک تیز سے تیز تر ہو گئی۔ مغربی تہذیب اس کی قیادت کر رہی ہے جو بذات خود مذہب کی باغی ہے۔ معاشرے کی اکثریت اس کا شکار اس وجہ سے بھی ہوئی کیونکہ وہ مذہب سے مکمل طور پر لاعلم تھے۔ پھر جن افراد کی ذمہ داری معاشرے کی رہنمائی کرنا تھا وہ خود آدھی لاعلمی یا پھر صحیح علم نہ رکھنے کے باعث معاشرے کی درست رہنمائی نہ کر سکے۔ نتیجتاً مادیت کی تحریک اور شوق ان میں بڑھنا شروع ہوا۔

۷۔ مذہب سے عملی دوری:

مسلم معاشرے میں مادیت کے بنیادی اسباب میں سے ایک مذہبی تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت اسلام کے دیئے ہوئے نظام زندگی پر عمل پیرا ہونے سے کترا رہی ہے۔ ہمارے معاشروں میں مغربی اور ہندو رسم و رواج کو پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ اسلام نے عبادات کا ایسا جامع نظام مسلمانوں کو عطا کیا جو ان کے فکر و عمل کو درست رکھنے کا ضامن ہے۔ عبادات کا یہ عملی نظام شخصی معراج کا باعث ہے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ کے عمل لے لیجئے، نماز نفس پرستی اور زکوٰۃ مادہ پرستی کے تمام اسباب و محرکات کے سد باب کا اصل علاج ہیں۔ نماز جسمانی اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ جب نماز میں سجدے کی صورت میں ایک بندہ اپنا سر رب کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور زکوٰۃ کی صورت میں مال کی محبت کو رب کی محبت پر قربان کر دیتا ہے تو بندہ انسانیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس کا نفس لالچ، حرص، خود غرضی اور نفرت کے جذبات سے پاک ہو جاتا ہے۔ ایثار، ہمدردی اخوّت اور باہمی رحمدلی کے جذبات سے سرشار ہو تا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور مذہبی تعلیمات پر عمل لازم و ملزوم ہیں۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

"فان الایمان یزید بالطاعة وینقص بالمعصیة فکلما فعل العبد الطاعة محبة للهِ وخوفاً منہ و ترک المعصیة حبالہ و خوفا منہ"[1]

ترجمہ: ایمان اطاعت سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا ہے جب جب بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اللہ سے محبت کے ساتھ اور اس سے ڈرتے ہوئے تو اس کی محبت اور خوف کے باعث نافرمانی ترک کر دیتا ہے۔

۱۔ ابن تیمیہ، امراض القلوب وشفاؤھا، ص ۹۲

جو معاشرہ مذہبی طرز زندگی سے عاری ہوتا ہے وہ خالص انسانی جذبات سے بھی بانجھ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً خالص محبت الٰہی قلوب و اذہان سے نکل جاتی ہے اور حب دنیا دلوں پر قبضہ کر لیتی ہے۔

۸۔ نظام تعلیم:

بلاشبہ تعلیم کسی بھی قوم اور ملک کی معاشی، معاشرتی اور اخلاقی برتری کی ضامن ہوتی ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد معاشرے کی روحانی و اخلاقی تربیت حاصل کرنا ہے۔ بد قسمتی سے ہمارا تعلیمی نظام ان مقاصد سے عاری بلکہ بانجھ ہے۔ ہمارا نظام تعلیم روزی اور روٹی کمانا تو سکھاتا ہے لیکن زندگی گزارنے کے طور طریقے اور تربیت نہیں سکھاتا۔ والدین گھر سے بچوں کو سکول بھیجتے ہوئے تعلیم کا مقصد اچھی نوکری اور بہتر مستقبل بتاتے ہیں۔ اساتذہ فیل ہونے سے ڈراتے ہیں۔ طلبہ اسی خوف اور دباؤ میں محض زیادہ نمبرز حاصل کرنے، پاس ہونے اور ڈگری کے حصول تک اپنی تعلیم کو محدود رکھتے ہیں۔ ان مسائل سے دوچار ہمارا نظام تعلیم طلبہ کی اخلاقی تربیت اور شعور و فکر اور آگہی کے مقاصد سے کوسوں دور ہے۔ افسوس در افسوس یہ کہ ہمارے نظام تعلیم اور اداروں کا ماحول نوجوان نسل کو مذہب و اخلاق سے مزید دور کر رہا ہے۔ ان حالات میں ہمارا نظام تعلیم از خود مادہ پرستی کا محرک بن گیا۔ طلبہ کے قلوب و اذہان کو مادی فکر نے جکڑا ہوا ہے۔ سب اسی مسابقت میں مصروف ہیں کسی کا مقصد تعلیم حاصل کرنا اور تربیت کا حصول نہیں۔ موجودہ تعلیم کا قبلہ و کعبہ محض مادیت و مادی فوائد ہیں۔

۹۔ نظریہ افادیت:

مادیت پسندی ایسے نظریہ کا نام ہے جس سے ہمارے تجربات اور احساسات کی توجیہات کو نہ صرف ممکن بلکہ مستند جانا جاتا ہے۔ مادیت کا یہ مفروضہ مادہ سے اپنے خاص تعلق کے باعث کسی اور طرف دیکھنے سے قاصر ہے۔ دوسری طرف اخلاق کا تعلق اچھائی اور برائی سے ہے۔ اچھائی یا خیر اس فکر و عمل کو کہا جاتا ہے جو مذہبی تعلیمات کے مطابق ہو، تاہم مادیت سے متاثر مذہب سے متصادم فکر و عمل کو شریعی برائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مذہب سے دوری کسی ظاہری یا وقتی مفاد کے باعث ہوتی ہے۔ اسی نظریہ کو نظریہ افادیت کہا جاتا ہے۔ اس طرح "نظریہ افادیت" ایسے فلسفہ کو کہا جاتا ہے جس میں مادہ کا حصول اصل مقصد اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کو ہی خیر سمجھا جاتا ہے۔

مادیت کے بطن سے جنم لینے والا نظریہ افادیت نہ صرف تیزی سے معاشروں کے قلوب و اذہان پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا ہے بلکہ مادیت کا سب سے بڑا داعی بھی ہے۔ آج افراد کی گفتگو میں اس کا رنگ عام نظر آتا ہے۔ کسی سے کہا جائے کہ یہ کام کر لو تو وہ پوچھتا ہے اس میں کیا اور کتنا فائدہ ہوگا۔ تعلیم حاصل کرنے والا دیکھتا ہے کہ ایسے

مضامین پڑھنے چاہییں جن سے ایسی نوکری ملے جس کے فوائد زیادہ ہوں۔مذہب سے بیزار افادیت پسندوں سے قرآن حفظ کرنے کا ذکر کیا جائے، تو پوچھتے ہیں اس کا فائدہ؟ افادیت کے اس نظریہ نے مادیت کی تحریک کو تیز تر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ معاشرے کا ہر طبقہ اپنے فکر و عمل کو اسی نظریہ کے تابع کرچکا ہے۔ آج دوستی، تعلق، رشتہ داری اور دعا سلام تک یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی سے مجھے کتنا فائدہ ہوگا۔

المختصر! مادیت کے اسباب و محرکات ظاہری ہوں یا باطنی، بنیادی ہوں یا ثانوی ہم اور ہمارا معاشرہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کا شکار ہیں اور رہیں گے۔ مادی وسائل اور جدید سہولیات اس کے میلان کا محرک ہیں۔ اس میلان کو قرآن مجید 'الھویٰ' (خواہشات) کا نام دیا ہے۔خواہشات انسان کے دین سے تعلق کو کمزور کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ جیسے جیسے دین سے تعلق کمزور ہوتا ہے ویسے ہی انسان میں دنیا اور اس کی زینت کی محبت میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ دنیا اور اس کا مال و متاع اور زینت چونکہ ناپختہ فطرت اور فنا پر قائم ہے اس لئے اس سے محبت کرنے والا بھی لامحالہ زوال کا راہی بن جاتا ہے۔نہ دنیا میں سرخرو ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت میں نجات پاتا ہے۔ اسلام نے آخرت کی ترجیح کو دین و دنیا کی کامیابی کا ضامن قرار دیا۔ رہی بات دنیا کے مال و منال کی تو اس کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " فانها لهم فی الدنیا ولنا فی الآخرة"[1] کہ ان (مادہ پرستوں) کے لئے یہ دنیا میں ہے اور ہمارے لئے آخرت میں ہوگا۔

اسی فلسفہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پلے باندھا تو چند سالوں میں دنیا پر دینی و سیاسی برتری قائم کرلی۔ قیصر و کسریٰ کی سپر پاور سرنگوں ہوگئی۔مادیت یا حب دنیا زندگی کی ترجیحات کو بدل دیتی ہے۔یہ لوگوں کو حرام خوری کی طرف لیجاتی ہے اور دنیوی لذات پر خوش اور مطمئن رکھتی ہے۔وہ پیسے کی خاطر وطن، والدین اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر دوسرے ممالک کا سفر کرتے ہیں۔یوں ان پر ذلت اور زوال مسلط ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اس قضیہ کا فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ۝ وَءَاثَرَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا ۝ فَإِنَّ ٱلْجَحِيمَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفْسَ عَنِ ٱلْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ ٱلْجَنَّةَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ﴾[2]

۱۔البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل فِی اِنَاءٍ مُفَفضٍ، ح۵۴۲۶

۲ ۔ النازعات: ۳۷-۴۱

ترجمہ: تو جس نے سرکشی کی، اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا، اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔

گویا آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا ہی اصل کامیابی کی راہ ہے اسی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور نافرمانوں کو پرکھتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ مادیت کے اسباب و محرکات افراد اقوم کے لئے ہلاکت و حرمان کے نتائج میں بدلے، چاہے وہ تعداد و استعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ تھے۔ رہے اس کے خالص بندے چاہے وہ تعداد استعداد میں کتنے ہی کم اور کمزور ہی کیوں نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کی امامت وسیادت اور آخرت کی نجات ان کا مقدر بنادی۔

فصل دوم

مادیت کے فکری اور عملی رجحانات

مفہوم:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں جتنے جاندار پیدا فرمائے ان میں انسان ایسا ممتاز جاندار ہے کہ جسے عقل وشعور اور فکر کی صلاحیت سے مسلح کر دیا۔ اسی شعور اور فکر کی صلاحیت کے بل بوتے پر انسان نے کائنات کو مسخر کرنے کا سفر جاری و ساری رکھا اور ترقی کی منازل طے کرتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کے بعد زندگی گزارنے کے لئے خاص فکر وشعور سے نوازا۔ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، رسل کو کتب عطا کیں۔ ہر زمانے وعلاقے میں انبیاء و رسل اور کتب ساویہ کو دستیاب رکھا۔ ہر نبی نے بعثت کے بعد انسان کی تربیت کے لیے سب سے پہلے جن تعلیمات کا اہتمام کیا وہ عقائد ہی تھے۔ عقائد کا تعلق انسانی فکر سے ہے، فکر انسان کو درست رکھنے کا حکیمانہ طریقہ تھا۔ اس فکر کی اصلاح و درستگی کو قرآن حکیم نے بڑی اہمیت دی۔ جو لوگ فکر کے اعلیٰ معیار سے گرتے ہیں انہیں قرآن جانوروں کی طرح قرار دیتا ہے۔ انہیں جنجھوڑتا ہے کہ " افلاتتفکرون " کیا تم فکر نہیں کرتے۔ جو لوگ فکر وشعور کو مسخ نہیں ہونے دیتے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: "ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض" یہ آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے جو قوم فکری انحطاط کا شکار ہوئی اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں نقصان اٹھایا اور جس قوم کو فکری ارتقاء حاصل ہوا وہ دنیا پر چھاگئی۔ شرک فکر انسانی انحطاط کا باعث تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا۔ توحید فکر کو جلا اور ارتقاء بخشتا ہے اس لئے اس کو ہر اچھائی اور نیکی کی بنیاد قرار دیا۔ تمام آسمانی مذاہب نے انسانی فکر کی اصلاح وارتقاء کا خاص اہتمام کیا اور اخلاقی انحطاط سے بچنے کی تعلیم دی اور ترکیب بتائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فکر وشعور جتنا اچھا اور اعلی ہوگا اس کا عمل بھی اتنا ہی اچھا اور اعلیٰ ہوگا۔ فکری انحطاط کا لازمی سبب ہے۔

انسانی فکر کے رجحانات وقت اور حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ البتہ اگر اس فکر کا کنٹرول اگر دین کے پاس رہے تو یہ بھٹکنے سے بچ جاتی ہے۔ جہاں دین کا کنٹرول انسان اور معاشرے پر کمزور پڑتا ہے وہاں اس کے فکری رجحان کا رخ بدل جاتا ہے، پھر چونکہ انسان کی زیادہ محبت مال سے ہے اور دنیوی زندگی کی بقاء بھی اس کے ساتھ مشروط ہے، اس لئے انسان کا فکری رجحان مال کی طرف مبذول ہو جاتا ہے۔ مال بلاشبہ انسانی ضروریات کا بنیادی ذریعہ ہے لیکن جب اس کی محبت دل میں بس جاتی ہے تو یہ انسان کو درندہ بنا دیتی ہے۔

فکر و عمل کا تعلق:

فکر و عمل ویسے ہی لازم و ملزوم ہیں جیسے کہ روح و جسم۔ جس طرف انسانی فکر کا رجحان ہوتا ہے انسانی اعضاء سے اسی قسم کے اعمال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ پھر انسان کی دنیوی اور اُخروی زندگی کی کامیابی کی بنیاد یہی اعمال ہیں۔ جس فرد یا معاشرے نے اپنی فکر دین کے بجائے اپنی خواہشات کے تابع کی وہ لوگ مادہ پرست کہلائے۔ مادیت ان کے انگ انگ میں رچ بس گئی۔ آخر ان کا انجام ہلاکت اور تباہی پر ہوا۔ مادہ پرستی ہر دور میں رہی۔ تاہم مادیت جدیدہ نے پہلے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ مادیت جدیدہ کے ارتقاء پر ہم باب اوّل میں پڑھ آئے ہیں۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے مادیت کے جدید رجحانات کے بارے میں اس فصل میں بحث کریں گے۔

جدید مادیت آج مغرب میں بالخصوص اور باقی دنیا میں بالعموم پورے عروج پر ہے۔ سائنسی اور صنعتی ترقی نے مادیت کو اس قدر بے لگام کر دیا کہ مادہ پرستوں نے انسانیت اور انسانی اقدار کیا جس چیز کو بھی مادی فوائد کے حصول میں رکاوٹ سمجھا اس کا انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب کو مادی ترقی تو حاصل ہوئی لیکن روحانی تنزلی کا شکار ہو کر وہ کئی مسائل کا شکار ہو گیا۔ مفتی عبد اللہ لدھیانویؒ فرماتے ہیں۔

> "اس یک رخی ترقی نے اہل یورپ کے لئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، وہ اپنے اندر زبردست روحانی خلا محسوس کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں کہیں سے چند ایسی روحانی اقدار مل جائیں جو ان کی مادی اور من پسند اقدار سے متصادم ہوئے بغیر ان کی مضطرب روح کو سکون بخش سکیں۔"[1]

اس اضطراب کے خاتمہ کا حل صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے، یہ اپنے اندر فکر و عمل کا جامع نظام رکھتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اسلام مکمل رہنمائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱدۡخُلُوا فِى ٱلسِّلۡمِ كَآفَّةً﴾[2]

ترجمہ: مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

انسان کے فکر و عمل کو دین کے تابع کرنے کا نام اسلام ہے۔ اسلام روحانیت و مادیت میں تفریق نہیں تطبیق پیدا کرتا ہے۔ مادیت جدیدہ کے دو بنیادی ماخذ ہیں۔

۱۔ لدھیانوی، مفتی ابواحد عبد اللہ، انسان مادہ پرستی اور اسلام، (گوجرانوالہ: مطاف پبلیکیشنز، ۱۴۴۰ھ)، ص: ۳۳

۲۔ البقرۃ: ۲۰۸

۱۔ گلوبلائیزیشن۔

۲۔ مادیت پر مبنی لٹریچر۔

۱۔ گلوبلائیزیشن:

انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی"عالمگیریت یا جہان سازی" ہے۔اس سے مراد (Globalization)گلوبلائیزیشن کی عملیت ہے جس کا تعلق چاہے کسی ایک علاقے یا خطے سے ہو لیکن اسے دنیا کے تمام معاشرے نظام کے طور پر اپنالیں۔ گزشتہ دو دہائیوں سے مغرب کے مادیت زدہ نظام نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ معاشی، معاشرتی اور سیاسی بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی کو اسی نظام نے متاثر کیا ہوا ہے۔ مغرب کی صنعتی اور سائنسی ترقی سے مرعوب ہو کر باقی دنیا نے ہر شعبہ میں ان کی پیروی شروع کر دی۔ اس مغربی نظام میں مادیت کو چونکہ مرکزی حیثیت حاصل ہے، مغربی عالمگیریت میں مادیت کے جن نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس نظام کو دنیا پر مسلط کرنے کے لئے آئے روز نئے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ گلوبلائیزیشن کا یہ نظام غیر منصفانہ تھا۔ اس نظام نے دنیا کے ہر انسان کے دل و دماغ میں مادیت کی سوچ پیدا کی اور پھر ایسا نظام وضع کیا جس کے تحت پوری دنیا سے سرمایا اور دولت چھین لیا جائے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ادارے اور کمپنیاں بنائی گئیں۔ بڑے بڑے عالمی اداروں کو بھی انہی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ یاسر ندیم لکھتے ہیں کہ:

> "اقتصادی عالمگیریت نے دراصل سرمایہ دارانہ نظام کو بنیاد بنایا اور اس کے متعین کردہ اصولوں کی روشنی میں اپنے مادی سفر کا آغاز کیا۔ پالیسی سازوں کی نظر اس بات پر تھی کہ عالمی اقتصادیات پر مخصوص طبقے کی اجارہ داری ہو۔ برآمدات و درآمدات انہی کے کنٹرول میں ہو۔ عوام کی کمائی کا بڑا حصہ اسی طبقہ کے بینک اکاؤنٹس میں جمع ہو تا رہے"[۱]

بہر حال یہود کی سرپرستی میں ان اداروں اور کمپنیوں نے پوری دنیا میں مادیت کے رجحان کو پھیلایا۔ جدید مادیت کا ماخذ یہی عالمگیریت بنی۔

۲۔ مادیت پر مبنی لٹریچر:

مادیت کے فکری اور عملی نظام کا دوسرا بڑا اور بنیادی ماخذ وہ لٹریچر ہے جو مادیت کو فروغ دینے کا باعث ہے۔ عام افراد اور خاص طور پر پڑھا لکھا طبقہ عموماً اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے جب انسان کسی کتاب کا

۱۔ یاسر ندیم، اسلامی تصور گلوبلائیزیشن، ص:۱۲

مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس سے اثر لیتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے بعض دوسرے مسالک کی کتب کے مطالعہ سے نہ صرف روکا بلکہ ایسا کرنے کو گناہ تک قرار دیا مثلاً معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ کی کتب اسکی وجہ یہی اثر تھا جو عام قاری کے ذہن پر پڑ سکتا ہے۔ جس سے وہ گمراہ ہو سکتا ہے۔ آج عامۃ المسلمین اسلام کے فلسفہ سے ناواقف ہونے کے باعث تیزی سے اس لٹریچر سے متاثر ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر ایلیٹ کلاس کے وہ مسلمان جن کی سکولنگ مغربی تعلیمی اداروں یا مغربی تعلیم میں ہوتی ہے وہ اس کا لازمی شکار ہو جاتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ تعلیم اور مطالعہ کا آغاز مغربی کتب و لٹریچر سے کرتے ہیں جب مغربی تہذیب ان کے انگ انگ میں رچ بس جاتی ہے تو انہیں اسلامی تعلیمات خلاف عقل دکھائی دیتی ہیں۔ مادی رجحان کا باعث بننے والے لٹریچر میں کتب، اخبارات، ارٹیکلز اور ٹی وی رپورٹس وغیرہ شامل ہیں۔ مادی ترغیبات کے موضوعات پر مشتمل کتب کے مطالعہ سے تعلیم یافتہ افراد میں مادی رجحانات پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری طرف افسانوں، ناولوں اور کہانیوں پر مشتمل بہت سی کتب عوام میں مادی رجحانات کا باعث بنتی ہیں۔ ان میں سے لٹریچر کا ایک بڑا حصہ جو فلموں اور ڈراموں کی صورت میں جب عوام تک پہنچتا ہے تو ان میں مادیت کے رجحانات پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ خاص کر نوجوان طبقہ جب یہ اعلیٰ معیار زندگی دیکھتا ہے، تو اس کے حصول کے لئے ان میں جو مادی رجحان تیزی سے بڑھتا ہے، مثلاً اچھی گاڑی، خوبصورت گھر اور کافی سارے پیسے کے حصول کی خواہش وغیرہ۔ اخبارات اور رسائل اور ٹی وی پروگرامز جن میں امراء اور شوبز سے تعلق رکھنے والوں کی تعیشات کی خبریں اور واقعات کو پڑھنے سے بھی مادی رجحانات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اخبار اور ٹی وی پر برانڈز کی تشہیر وغیرہ بھی عوام میں مادیت کے رجحان میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔

الغرض، مادیت کے رجحانات کا باعث بننے والے ان دو ماخذ کے زیر سایہ لاتعداد بڑے چھوٹے اسباب ہیں۔ یہ رجحانات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ انسانی فکر کو متاثر کرتے ہیں یا پھر اس کے عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مادیت کے ان رجحانات کو ہم دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ فکری رجحانات

۲۔ عملی رجحانات

آئندہ بحث میں ہم ان ہی دو رجحانات کا مطالعہ کریں گے۔ یہ بھی دیکھیں گے کہ افراد اور معاشرے میں ان کا ظہور کن صورتوں میں ہوتا ہے۔

مادیت کے فکری رجحانات:

گزشتہ دو یا اڑھائی صدیوں سے مغربی تہذیب نے دنیا پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا تو اسے اس کے لئے وسائل درکار تھے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کارخانوں اور مشینوں کو متعارف کیا گیا۔ ان کارخانوں اور مشینوں نے یورپ میں مادیت کے نظریہ کو پروان چڑھایا۔ یورپ نے سیاسی و معاشی نظام دنیا پر مسلط کیا۔ اس نظام کی بنیاد مادیت پر تھی۔ یورپ دنیا میں جہاں بھی پہنچا اس نے اپنی تہذیب کو بزور بازوں عوام پر مسلط کیا۔ مفتوحہ عوام نے ان کی تہذیب سے جو اثر لیا ان میں اہم ترین مادیت تھی۔ انسان فطرتی طور پر مال سے محبت کے باعث تیزی سے اس فکر کو اپنانے لگا۔ پھر سائنسی ایجادات اور دریافات نے مادیت کے فکری رجحان کو قبلہ بنا دیا۔ آہستہ آہستہ مسلم معاشرہ بھی اس کا شکار ہونے لگا۔ ہر قوم کی تہذیب اس کے فکری رجحانات کی عکاس ہوتی ہے اس لئے ہر مذہب نے فکری رجحانات کی اصلاح پر بہت زور دیا۔ مادیت کے باعث نئے پیدا ہونے والے اثرات و رجحانات فطرت سے متصادم ہیں۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر عمر حیات لکھتے ہیں کہ:

> "عصری تہذیب و تمدن کا تجزیہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ انسانی سوچ مجموعی طور پر مسلمہ آفاقی حقائق اور فطری تقاضوں سے متصادم ہے۔ محض ذاتی اور عارضی مادی فائدے اور تسکین کے لئے ایسے نظریات کا پرچار کیا جاتا ہے جو فطرت انسانی سے متصادم ہیں۔"[1]

جو اقوام مادی اور سیاسی برتری رکھتی ہیں عوام الناس ہر معاملہ میں ان کے پیرو بن جاتے ہیں۔ مادیت کے معاملہ میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ مغرب نے مادیت کو اتنا اعلیٰ مقام دیا کہ اس کے لئے روحانیت کے بھی منکر ہوئے۔ مزید یہ کہ مادیت کے لئے نئے اور تیز تر وسائل بھی مہیا کئے اور سائنسی برتری سے اپنی عظمت کا لوہا بھی منوالیا۔ ایسی صورت میں زندگی کی رفتار تیز تر ہوئی، معاشروں میں مادیت کے رجحانات تیزی سے بڑھنے لگے۔ انفرادی اور اجتماعی سوچ کا دھارا بدلنا شروع ہو گیا۔ لوگ دین سے دور ہونا شروع ہو گئے ذیل میں ہم چند اہم مادیت کے فکری رجحانات کا مطالعہ کریں گے۔

ا۔ مادیت پر مبنی فکر:

مغرب کی طرف سے مادیت کی چلنے والی ہوا نے ہر فرد کی فکر کو آلودہ کیا۔ مادیت کے اس کلچر نے معاشرے کو فکری طور پر تقسیم کر دیا ہے۔ آج ہر فرد محض اپنے مفاد کی فکر میں گم ہے۔ خالص انسانی فکر معدوم ہو گئی ہے۔ ایسے

ا۔ ڈاکٹر عمر حیات، تصور تہذیب، (فیصل آباد: مثالی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص: ۱۴۰

افراد کی آج معاشروں میں اکثریت ہے جو مادیت کی فکر میں سوتے، جاگتے اور جیتے ہیں۔ انکے دل و دماغ میں مادیت کی فکر اس قدر راسخ ہوگئی ہے کہ وہ اپنے تعلق، رشتے اور مراسم کو اسی فکر کے تحت قائم کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ اہم نہیں کہ کسی فرد کی عزت اس کے کردار کے باعث ہونی چاہیئے۔ بلکہ ان کے لئے اہم یہ ہے کہ مادی طور پر وہ کتنا مضبوط ہے یا پھر اس سے مجھے کیا مادی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس فکر نے آج دنیا میں نفسا نفسی کا عالم برپا کر رکھا ہے۔ روحانیت سے نابلد اس مادی فکر نے انسانیت کے لئے ہر مایوس کن اور تاریک ترین پہلوؤں کو ہی اجاگر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید مغرب نے انسان کو محض حیوان جانا اور ان کے افکار و محرکات میں محض حیوانی پہلوؤں کو ہی تلاش کیا۔ اس فکر نے ہر فرد کو خود غرض اور ظالم بنادیا۔

مفتی عبداللہ لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ:

> "اہل یورپ کا ایک ہی نصب العین ہے کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ دنیاوی لذتوں اور فوائد کو سمیٹ لیں۔ نقطہ نظر کی اس تبدیلی کے باعث یورپ میں رہنے والا ہر شخص خود غرضی کا پتلا بن گیا۔ اہل یورپ کا خدا کوئی روحانی قسم کا نہیں ہے۔ ان کا معبود صرف مادی آسائشیں ہیں۔"[1]

یورپ کی پیروی، مسلم معاشرے کی اکثریت بھی مادیت کے دوڑ میں شامل ہو رہی ہے۔ اسی مادی فکر نے آج ہر فرد کو مادہ پرست بنادیا ہے۔ اس فکر نے آج انسانی اذہان سے روحانیت کو برخاست کرتے ہوئے پورے دل و دماغ پر مادیت کو قابض کر دیا ہے۔ اس فکر نے حواس انسانی کو پوری طرح اپنے قابو میں لے لیا ہے۔ اس فکر کے مظاہر ان گنت ہیں۔ ان کی مثال یہ ہے کہ دو افراد جب آپس میں ملتے ہیں تو روحانی و جسمانی عافیت و احوال کا پوچھنے کے بجائے وہ یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کا کام کیسا ہے؟ نوکری کا سنائیں؟ گاڑی کیسی چل رہی ہے؟ وغیرہ۔

اسلام روح اور مادہ کی دوری کو مٹاتا اور ان میں کمال امتزاج پیدا کرتا ہے۔ یہ امتزاج کے لئے متوازن نظام فراہم کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی اور مختصر ہے اس کی ضرورت پورا کرنے کے لئے اس کے بقدر طلب معاش کرنا چاہیے۔ جبکہ آخرت کی زندگی اس سے اہم اور ہمیشہ کی ہے اس کی تیاری اس کے حساب سے کرنا ہے۔ انسان کو اس توازن کو برقرار رکھنے کی باری تعالیٰ نے تلقین فرمائی۔

﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا ۝ وَٱلْـَٔاخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰٓ﴾[2]

۱۔ مفتی عبداللہ لدھیانوی، انسان مادہ پرستی اور اسلام، ص:۱۳۶

۲۔الاعلیٰ: ۱۶،۱۷

ترجمہ: بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔

آج یہ توازن انفرادی افکار میں نہیں دکھائی دیتا۔ ہر شخص مادیت کی فکری جکڑ بندیوں کا شکار ہے۔ اسی فکر نے معاشرے کو تنزلی اور پستی کی طرف دھکیل دیا ہے۔

۲۔ مجموعی قومی فکر:

جدید مادیت کے رجحانات مغربی معاشرے کے مشینی دور کے آغاز سے بڑھنا شروع ہوئے۔ یوں روز بروز یہ رجحان و فکر بڑھتے ہوئے انقلاب کی صورت میں نمودار ہوا۔ مغرب کے مذہبی رہنماؤں کی نااہلیوں کے باعث عوام جب مذہب سے متنفر ہوئے تو متبادل کے طور پر نئی مغربی تہذیب کے بطن سے پیدا ہونے والی مادیت کا شکار ہوئے۔ یوں مادیت کی یہ فکر مجموعی قومی فکر کی صورت اختیار کر گئی۔ مغرب میں اکثریت نے جب فکر کو اپنایا تو ان لوگوں نے بزور بازو معاشرہ کے شعبہ پر قبضہ کر لیا۔ سیاست ہو یا معیشت و معاشرت ہر شعبہ کی قیادت و سیادت ان لوگوں کے ہاتھ آ گئی، کلیسا کا دور ختم ہو گیا۔ یہ وہ دور تھا جب مغرب کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ مغرب کے عروج کے ساتھ مادیت نے بھی عروج حاصل کیا۔ اسی بناء پر دنیا کی اکثر اور غالب اقوام نے مادیت کی فکر کو اپنانا شروع کر دیا۔ معاشرے کا کوئی بھی نظام اس اثر سے نہ بچ پایا۔ پھر ہوا یہ کہ مادیت سے جنم لینے والی کئی خرابیاں نمودار ہونا شروع ہوئیں۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

> "اہل مغرب جنہوں نے اس شجر خبیث کو اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا اب خود اس سے بیزار ہیں۔ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں ایسی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کر دی ہیں جن کو حل کرنے کی ہر کوشش بہت سی الجھنیں پیدا کر دیتی ہے۔"[۱]

فساد اور بگاڑ کا یہ ایک سلسلہ ہے جو رکنے کا نام نہیں لیتا۔ مغرب و مشرق کی اقوام اس کے دیئے ہوئے دکھوں سے پریشان ہیں۔ ان اقوام کو آب حیات کی تلاش ہے۔ آب حیات اسلام ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اقوام کے سامنے دین محمدی ﷺ کو پیش کیا جائے تا کہ ان کی بے قراری ختم ہو۔ اسلام بنی نوع انسان کی فکر کو درست اور حقیقی راہ پر لانے کے لئے جامع تعلیمات دیتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ رزق جو تمہارے نصیب میں لکھا ہے

۱۔ مودودیؒ، تنقیحات، ص:۲۸

مل کر رہے گا۔ انسان کے لئے پیدا کئے مال و متاع کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی آزمائش کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ مال کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتا ہے اس میں بندے کا کمال نہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ ٱلْخَوْفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلْأَمْوَٰلِ وَٱلْأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دو۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ غنیٰ اور فقر دونوں صورتوں میں بندہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ابتلاء کو ذہن میں رکھتے ہوئے زندگی بسر کرے۔ دل سے مال کی اندھی فکر اور اس کی کمی کے خوف سے اپنے آپ کو آزاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں گے تو ہمارا حال ویسا ہو گا جیسا آج پاکستان سمیت اکثر ممالک کا ہے۔ مادیت کے نظام نے آج تمام اقوام کو قرضوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ چین ہو یا امریکہ جو ملک جتنا بڑا ہے وہ اتنا زیادہ مقروض ہے۔

۳۔ فکری تناقض اور بے ضابطگی:

مادیت کے فکری اثرات میں اہم ترین، فکری تناقض بھی ہے۔ فکری تناقض سے مراد خیالات کا ٹکراؤ ہے، مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات عام آدمی کے لئے فکری ہیجان کا باعث بن جاتے ہیں۔ ایک طرف روحانیت کی فکر و نظریہ (جو فطرتی طور پر انسان کے دل و دماغ میں موجود ہوتا ہے) تو دوسری طرف مادی نظریات کی وباء ہے۔ عام آدمی اسی کشمکش میں چکرایا رہتا ہے کہ کس کو چھوڑوں اور کس کو اپناؤں۔ اسلام نے دل کو ایمان کا مرکز قرار دیا جبکہ مادہ یعنی مال و متاع کا مرکز اس کے ہاتھ کو قرار دیا۔ مادی فکر کے باعث جدید انسان یہ فیصلہ کرنے میں تذبذب کا شکار ہے کہ وہ ان میں سے کس کو دل میں جگہ دیں اور کس کو دل سے نکالیں۔ اسی تناقض کے باعث فرد اور معاشرے میں فکری بے ضابطگی کا رجحان عام ہو چکا ہے۔ معاشرہ اسی تردد کا شکار ہو کر سخت بے ضابطگی کا شکار ہے۔ معاشرے کا توازن اسی وجہ سے بگڑ چکا ہے۔ فکری طور پر فرد اور معاشرہ کبھی تو اپنا جھکاؤ مادیت و دنیاداری کی طرف کر لیتا ہے اور کبھی روحانیت اور دین کی طرف۔ اس طرح فکری توازن، یکسوئی اور نصب العین کی پختگی سے معاشرہ محروم ہو جاتا ہے۔ جس کا خمیازہ فرد اور معاشرہ دونوں کو بھگتنا پڑھتا ہے۔ تردد و تذبذب کی اس کیفیت کو اسلام نے منافقت قرار دیا ہے۔ اس کیفیت کے لوگ دینی و دنیاوی اعتبار سے ہمیشہ خسارے کا نقصان اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

۱۔ البقرۃ:۱۵۵

﴿مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾[1]

ترجمہ: بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ اُن کی طرف ہوتے ہیں اور نہ اِن کی طرف اور جس کو خدا بھٹکائے تو اس کے لئے کبھی بھی رستہ نہ پاؤ گے۔

عام مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ ایسی سوچ رکھنے والے افراد کا کوئی نصب العین نہیں ہوتا۔ کفر و ایمان کے درمیان حیران و پریشان رہتے ہیں یہ اضطراب انہیں ایک حال پر نہیں ٹھہرنے دیتا۔ نہ یہ کافروں کے ساتھ ہوتے ہیں اور نہ ایمان والوں کے ساتھ جدھر کی ہوا چلے ادھر کو چل پڑتے ہیں۔ یہ کیفیت ہدایت سے انہیں کوسوں دور کر دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے وہ نہیں جانتی کہ ان میں سے کس کے پیچھے چلے۔"[2]

ایسے لوگوں کے لئے ہدایت کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور کوئی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی۔

۴۔ ہمدردی اور تعاون کے جذبات سے محرومی:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے کئی ایک قلبی و فکری اوصاف حمیدہ سے آراستہ کیا ہے۔ انہی اوصاف کی بناء پر وہ احسن تقویم کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ مادیت کی فکری یلغار اس سے یہ مرتبہ چھین لیتی ہے تو وہ اسفل السافلین میں چلا جاتا ہے۔ فرد اور معاشروں کے دل و دماغ سے خالص انسانی جذبات کو مادیت نہ صرف آلودہ کرتی ہے بلکہ گزرتے وقت کے ساتھ ان جذبات کو ختم کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو اخوت، اُنس، ہمدردی، رحمدلی اور باہمی تعاون کے جو جذبے انسان کو ودیعت فرمائے ہیں۔ وہ انسانوں کو باقی حیوانات سے ممتاز رکھنے کا بنیادی نکتہ ہیں۔ پھر دین نے ان جذبات و احساسات کو زندہ رکھنے کے لئے تعلیمات دیں اور ساتھ ہی ساتھ ان پر اجر و ثواب کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جوں جوں مادیت نے ترقی پائی، فرد اور معاشروں کے قلوب و اذہان سے یہ جذبات مفقود ہوتے گئے۔ ان جذبات و احساسات نے قلوب و اذہان پر قبضہ جمالیا۔ آج ہم اپنے معاشرے کا مشاہدہ کریں تو ہر انسان اسی بات کا شکوہ کرتے دکھائی دیتا ہے کہ ہمدردی، رحمدلی اور احساس تعاون اقرباء میں بھی ناپید ہو گیا ہے۔ اسلام نے اس قسم کے رویہ کی سختی سے مذمت کی ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

۱۔ البقرۃ: ۱۴۳

۲۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب علامت المنافق، حدیث: ۲۷۸۴

"لَيسَ مِنَّا مَن لَم يَرحَم صَغِيرَنَا وَلَم يُوَقِّر كَبِيرَنَا"[1]

ترجمہ: وہ ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا۔

پھر فرمایا:

﴿لَا يَرحَمُهُ الله مَن لَا يَرحَمِ النَّاسَ﴾[2]

ترجمہ: اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

رحم دلی ہی وہ بنیادی محرک ہے جو معاشروں میں باہمی تعاون کی سوچ پیدا کرتی ہے۔ اسلام نے نہ صرف تعاون کا حکم دیا بلکہ اس کے اصول کو بھی واضح کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ﴾[3]

ترجمہ: نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔

تقویٰ کا تعلق دل سے ہوتا ہے، دل ہی اچھے جذبات ابھارتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لاتا ہو، بصورت دیگر یہ دوسرے جذبات خاص کر مادیت حاوی ہو جائے تو نتائج غیر متوقع ہوتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَمَن يُؤْمِن بِٱللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُۥ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ﴾[4]

ترجمہ: اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے، اور خدا ہر چیز سے باخبر ہے۔

۵۔ خود پسندی، خود غرضی اور لالچ کا بڑھنا:

انسانی فکر کو جس قدر خود پسندی، خود غرضی اور لالچ نے متاثر کیا شاید ہی کسی اور چیز نے متاثر کیا ہو۔ یہ ایسی فکری آلودگی ہے جو کئی فکری خرابیوں کے دروازے کھولتی ہے۔ خود پسندی، خود غرضی اور لالچ تکبر کو جنم دیتی ہے۔ تکبر حسد کا دروازہ کھولتا ہے اور حسد کینہ کو پیدا کرتا ہے۔ یہ تمام بیماریاں انسان کو روحانی اعتبار سے بیمار کر دیتی

۱۔ الترمذی، محمد بن عیسی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی البیان، (لاہور: مکتبہ دارالسلام)، ح ۱۹۱۹، حدیث حسن

۲۔ ایضاً حدیث: ۱۹۲۲

۳۔ المائدہ: ۲

۴۔ التغابن: ۱۱

ہیں۔ حسد اور کینہ مایوسی اور ڈپریشن کا دروازہ کھولتے ہیں، اس کے بعد انسان پر شوگر، دل اور دماغ کی موذی امراض کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام روحانی وجسمانی بیماریوں کی وجہ مادیت ہے۔ مادیت انسانی فکر میں مال وجاہ کی خواہش جب حد سے زیادہ بڑھا دیتی ہے تو مادہ پرست افراد و معاشروں میں مادی مسابقت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مسابقت زمین میں متعدد فسادات اور بگاڑ کی راہ ہموار کرنے کے ساتھ آخرت کے اصل گھر کی فکر سے بھی غافل کرتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿تِلْكَ ٱلدَّارُ ٱلْـَٔاخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾[1]

ترجمہ: وہ آخرت کا گھر ہے ہم نے اُسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔

مادیت سے پیدا ہونے والی یہ فکر عقل سے عاری اور اندھی ہوتی ہے۔ ایسی فکر انسان کو بے وقوف اور ناعاقبت اندیش بناتی ہے۔ ان لوگوں کی آخری اور بڑی خواہش اور زندگی کا مقصد یہی دنیا ہوتی ہے۔ اس کے حصول کے لئے اپنی عزت و وقار حتٰی کہ دین تک کو داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿قَالَ ٱلَّذِينَ يُرِيدُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا يَٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوتِىَ قَٰرُونُ﴾[2]

ترجمہ: جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے کاش ایسا ہی ہمیں بھی ملے۔

آج ہمارا معاشرہ ایسے افراد سے بھرا ہوا ہے جو عاقبت سے بے خبر جائز و ناجائز مال و اسباب کے جمع کرنے کی دُھن میں لگے ہوئے ہیں، جب قرآن مجید پکار پکار کر خبردار کر رہا ہے کہ قارون کو نہ دیکھو بلکہ اس کا انجام دیکھو۔

۶۔ حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت کا مسخ ہونا:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کو جن امتیازی خوبیوں سے آراستہ کیا ان میں ایک ایسی عقلی صلاحیت ہے، جس سے انسان صحیح و غلط، اعلیٰ و ادنیٰ، اچھی و بری اور ثواب و گناہ میں فرق و تمیز کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس

۱۔ القصص: ۸۳

۲۔ القصص: ۷۹

صلاحیت کا استعمال انسان دنیوی اور اُخروی کامیابیوں کے حصول اور ناکامیوں سے بچنے کے لئے کرتا ہے، اس صلاحیت کو برقرار رکھنے اور جلا بخشنے کا حکم بھی دیا گیا اور طریقہ بھی۔ جب انسانی فکر کو مادیت کی بیڑی پہنا دی جاتی ہے تو بہت سی دوسری فکری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ حق و باطل میں تمیز اور فرق کرنے کی صلاحیت بھی قید ہو جاتی ہے۔ انسان کی ضرور یہ خواہش و کاوش رہتی ہے کہ وہ حق کو اپنائے لیکن مادیت راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ مغربی معاشرے کی فکر کو جب مادیت نے اپنی گرفت میں لیا تو تاریخ بتاتی ہے کہ اس معاشرے کے قلوب و اذہان سے حق و باطل کی تمیز مٹ گئی۔ حد یہ کہ وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگے۔ مولانا مودودیؒ اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس تہذیب کا آغاز ایسے لوگوں میں ہوا جن کے پاس درحقیقت حکمت الٰہی کا کوئی صاف اور پاکیزہ سرچشمہ نہ تھا۔ مذہب کے پیشوا وہاں ضرور موجود تھے، مگر ان کے پاس حکمت تھی نہ علم اور نہ ہی خدا کا قانون تھا۔ محض ایک غلط مذہبی تخیّل تھا، جو فکر و عمل کی راہوں میں نوع انسانی کو سیدھی راہ پر اگر چلانا چاہتے بھی تو نہ چلا سکتے۔"[1]

باقی دنیا اس معاملہ میں مغرب کی پیرو بن گئی، جس کو مغرب نے صحیح کہا اس کو انہوں نے حق جانا اور جسے اس نے غلط سمجھا اس کو باطل جانا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو زندگی گزارنے کا جو نظام دیا اس نظام کو سمجھنے کی عقل و فکر عطا کی۔ عقل و فکر کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید کو فرقان بنایا اور پھر بندوں کی رہنمائی کے لئے محمد ﷺ کو وہ حکمت عطا کی جس سے حق و باطل میں تمیز آسان ہوگئی۔ دین نے اسی کو حق و باطل کا پیمانہ قرار دیا اور اسی انجام کار کی بنیاد قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿أَمْ حَسِبَ ٱلَّذِينَ ٱجْتَرَحُوا ٱلسَّيِّـَٔاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا ٱلصَّٰلِحَٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾[2]

ترجمہ: جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کی زندگی اور موت یکساں ہوگی، یہ جو دعوے کرتے ہیں برے ہیں۔

۱۔ مولانا مودودی، تنقیحات، ص:۲۷

۲۔ الجاثیۃ:۲۱

۷۔ اشیاء کو انسان پر فوقیت دینے کی سوچ:

مادیت فکر انسانی میں جن خطرناک خیالات کو جنم دیتی ہے ان میں ایک اشیاء کو انسان اور انسانی اقدار پر ترجیح دینے کی سوچ بھی انسانی فکر پر چھانے لگی۔ مادیت نے جدھر جدھر رخ کیا ادھر ادھر یہ سوچ ہمنوا بنی۔ اشیاء کی انسانیت وانسانی اقدار پر فوقیت کی سوچ عصر حاضر میں افراد و معاشروں کی فکر پر حاوی ہے۔ اس کا مظاہرہ ہم عام میل ملاقات میں دیکھ سکتے ہیں۔ اکثر لوگ ملتے ہوئے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کی نوکری کیسی ہے؟ گاڑی کا سناؤ، کتنے پلاٹ ہیں وغیرہ۔ پھر جس کے پاس پیسا ہے اس سے ہر کوئی پوچھتا ہے تو کیسا ہے؟ فقراء و مساکین سے سلامات و تہنیات اور تعزیت بھی نہیں کی جاتی۔ قدر و عزت آج اس کی کی جاتی ہے جس کے پاس بڑی گاڑی، کوٹھی، کاروبار، فیکٹریاں اور مال و منال ہو۔ معاشرہ لوگوں کی قیمت اور عزت کا تعین ان کی مادی حیثیت کے مطابق کرتا ہے، یہ طرز عمل معاشرہ میں انسانی جذبات و اقدار کو متاثر کرنے کے علاوہ صحیح و غلط اور اعلیٰ و ادنیٰ کے معیارات کو بدل دیتا ہے۔ اسلام نے صدیوں پہلے اعلیٰ و ادنیٰ کا وہ معیار قائم کیا جس کی اہمیت گزرتے وقت کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾[۱]

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے، تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

مال و منال کو روحانیت پر برتری کی سوچ کو عملی طور پر حجۃ الوداع کے موقع پر ختم کر دیا۔ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

"إن الله لا ينظر إلى صوركم و أموالكم ولكن ينظر إلىٰ قلوبكم و أعمالكم"[۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔

۱۔ الحجرات: ۱۳

۲۔ المسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ ولا ادب، باب تحریم ظلم المسلم، ص: ۲۵۶۴

۸۔ ذہنی و فکری صلاحیتوں کو حصولِ مال و منال پر مرکوز کرنا:

مادیت جوں جوں بڑھتی گئی اس کے اثرات بھی بڑھتے گئے۔ اس کا باقاعدہ آغاز مغرب سے ہوا، مغرب نے جب انسان بھی حیوان قرار دیا تو پھر اس میں حیوانی سوچ و فکر کا کلچر پیدا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ انسان میں بھی حیوانیت پروان چڑھنے لگی۔ وہی مار دھاڑ، خود غرضی اور نفسا نفسی کا عالم۔ یہی انسان جس نے خالق حقیقی کی تلاش میں اپنی فکر کو مرکوز کیا تو زمین و آسمان میں غور و فکر کیا۔ توحید حاصل ہوئی تو اس توحید نے انسان کو تمام سائنسی علوم عطا کئے۔ ان علوم سے انسان نے تسخیر کائنات کا کام لیا۔

سکوت اندلس کے بعد جب یورپ کو عروج حاصل ہوا تو اس فکر کا قبلہ تبدیل ہوا۔ اب معاشرے نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی فکر کا قبلہ و کعبہ مادیت کو بنا لیا۔ ہر فرد اور ہر معاشرے نے اپنی فکری صلاحیتوں کا رخ صرف اور صرف مادیت کی طرف موڑ دیا۔ زندگی کا اعلیٰ مقصد یکسر فراموش کر دیا گیا۔ انسان کی قدر و قیمت خود انسان نے گھٹائی دنیا میں جنگوں کا آغاز ہوا۔ انسانوں کو معمولی فائدے کی خاطر گاجر مولی کی طرح کاٹا جانے لگا۔ یہ سوچ بلا امتیاز مذہب و نسل و طبقہ ہر طرف پھیل رہی ہے۔ فکر کی اس یکسوئی نے دنیا کو جنگوں، دہشت گردی، طبقاتی تقسیم اور معاشرتی برائیوں کی طرف دھکیل دیا۔ ماں بچے کو تعلیم کے لئے بھیجتے ہوئے تلقین کرتی ہے کہ سارا لنچ خود کھانا کسی کو نہ دینا، باپ کہتا ہے کہ جیسا کیسا ہو سب سے زیادہ نمبر تمہارے ہونے چاہئیں۔ سیاست دان اور ذمہ داران بھی اپنی فکر کو ذاتی مفادات پر مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ بین الاقوامی طور پر " جس کی لاٹھی اس کی بھینس " کا کلچر برپا ہے۔ پڑھا لکھا طبقہ جن میں اساتذہ خاص کر یونیورسٹی کے اساتذہ جو پوری قوم کے اصل رہبر ہوتے ہیں، وہ بھی اپنی فکر کو جب مادیت کی طرف موڑ دیں تو پھر قوم کا خدا حافظ۔ آج اساتذہ کی اکثریت کی سوچ طلبہ کی تعلیم و تربیت سے زیادہ ان کاموں پر ہوتی ہے جن سے ان کی ترقی منسلک ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان کی گفتگو سے ہم بخوبی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فکر کے لئے عقائد کی صورت میں پانچ میدان کھول دیئے۔ پھر انسان کو مادی فکر سے بے پرواہ کرتے ہوئے کسب حلال کی تلقین کی۔ مادیت کے غیر فطری مقابلہ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَٱللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِى ٱلرِّزْقِ فَمَا ٱلَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَآدِّى رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَآءٌ أَفَبِنِعْمَةِ ٱللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾[1]

۱۔ النحل: ۷۱

ترجمہ: اور اللہ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ تو کیا یہ لوگ نعمتِ الٰہی کے منکر ہیں۔

۹۔ تقویٰ و تزکیہ نفس سے محرومی:

جب مال و منال نے انسانی فکر کو گرفت میں لیا تو پہلا نقصان یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کمزور ہوا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی وہ اصل چیز ہے جو انسانی فکر کی درست رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نے اسی لئے ایمان و تقویٰ کو انسانی کامیابی کا معیار قرار دیتے ہوئے اسی کا مطالبہ اور حکم دیا ہے۔ اس لئے اسلام نے ایمان اور تقویٰ کو دل میں وہ جگہ دینے کا مطالبہ کیا ہے جو کسی اور کی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں ایسا اعلیٰ مقام دینے کا حکم دیا ہے کہ اس کے مقابل کوئی چیز نہ ہو۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

"یجب علی کل مسلم و مسلمۃٍ الاعتناء والاھتمام بحیاۃ القلب لانہ اذا صلح القلب صلح الجسد کلہ، واذا فسد القلب فسد الجسد کلہ"[1]

ترجمہ: ہر مسلمان مرد و زن پر لازم ہے کہ وہ دل کو زندہ رکھنے کا اہتمام کرے اس لیے کہ جب دل صحیح ہوتا ہے تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے اور جب دل فاسد ہوتا ہے تو سارے جسم میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

مال و متاعِ دنیا جب دل میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کرتا ہے تو ایمان و تقویٰ سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ آخر ایمان و تقویٰ فکر و نظر سے الوداع ہو جاتا ہیں۔ انسان فکری اعتبار سے درندہ صفت بن جاتا ہے۔

مال کے حصول کے لئے جب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اصولوں کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور رحمٰن و رحیم کو فراموش کر دیا جاتا ہے تو انسان بے رحم اور درندہ بن کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اب حلال و حرام، جائز و ناجائز اور مال کے حصول کے ربّانی اصولوں کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ انسان خود اپنا رازق بننے کی کوشش کرتا ہے مال کے حصول کے لئے ہر ناجائز حربہ بروئے کار لایا جاتا ہے۔ انسان اپنی ناقص عقل سے کامیابی اور ناکامی کے پیمانے مقرر کرتا ہے۔ جب نتائج آتے ہیں تو فرعون و قارون اور مادہ پرست اقوام کی طرح کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ انسان نے رحمٰن کے اصولوں کو فراموش کر کے شیطان کی پیروی کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے سمجھا رکھا تھا کہ اے

۱۔ احمد ابن تیمیہ، امراض القلوب وشفاءھا، ص ۱۰

بنی آدم! شیطان سے خبردار رہنا، یہ ہمیشہ الٹ سبق پڑھایا کرتا ہے۔ تمہارے باپ آدمؑ کو اس نے کہا کہ اگر یہ پھل نہ کھایا تو جنت سے نکال سے دیئے جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ رحمٰن نے اس کو کھانے سے منع کیا تھا۔ آج تقویٰ اور ایمان انسان کو جب حرام خوری کے راستوں سے روکتا ہے تو شیطان اس کو فقر کا خوف دلا کر امیر ہونے کے ناجائز راستے بتاتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید نے رزق کو تقویٰ سے منسلک کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾[1]

ترجمہ: اور جو خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے مخلصی پیدا کرے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔

سبحان اللہ کیا خوبصورت انداز فکر قرآن مجید نے عطا کیا کہ اگر رزق کے ظاہری اسباب معدوم بھی ہو جائیں تو کوئی مسئلہ نہیں آپ تقویٰ کو اپناؤ، رزق آپ کی تلاش میں نکل پڑے گا اور آپ کو پالے گا۔ آج فرد اور معاشرہ کو مادیت کی فکر نے جہاں جہاں دوسری نفسیاتی بیماریوں اور دباؤ کا شکار بنا دیا وہاں انسان کو ایمان اور تقویٰ کی دولت سے بھی محروم کر دیا۔ آج دوکاندار گاہک سے اور گاہک دوکاندار سے جھوٹ بولتا ہے۔ والدین اولاد سے اور اولاد والدین سے، حکمران رعایہ سے رعایہ حکمران سے اور پہلا دوسرے سے اور دوسرا پہلے سے جھوٹ بولتا ہے۔

۱۰۔ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے محرومی:

تمام آسمانی ادیان نے انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار دیا۔ اور مقصد کے لئے اس کو اس دنیا میں بسایا اور زندگی گزارنے کا نظام عطا کیا، جس کو دین کہا جاتا ہے پھر انسان کو پابند بنایا گیا کہ وہ نظام کا پابند رہے۔ انسان کی فطرت میں چونکہ نسیان اور سستی بھی ہے اس لئے اس کو چاک چوبند رکھنے کے لئے عقیدہ آخرت کا تصور دیا گیا۔ یہ عقیدہ انسانی ذہن میں جوابدہی اور خوف کا وہ احساس بیدار رکھتا ہے جو اسے راہ راست کا راہی بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کا خوف درحقیقت جتنا اُخروی زندگی کے لئے اہمیت رکھتا ہے اتنا ہی دنیوی زندگی کی بہتری اور ترقی کے لئے اہم ہے۔ خوف آخرت رکھنے والا معاشرہ جوابدہی کے احساس کے باعث جب ہر قسم کے جرائم سے پاک رہتا ہے تو ترقی کرتا ہے۔ اس طرح دنیوی طور پر معاشرہ کی ہر قسم کی ترقی کی اصل ضمانت خوف آخرت دیتا ہے۔ جس معاشرہ میں خوف خدا اور خوف آخرت نہ ہو معاشرہ خود بخود زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ مسائل کی بیڑیاں اس کو آگے نہیں بڑھنے دیتیں۔ مغربی معاشرے بالخصوص اور مادہ پرست معاشرے بالعموم آج اس کے عکاس ہیں۔ اسلام

۱۔ الطلاق: ۲-۳

کے نظام زندگی کے مطالعہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو انسان سے کمال محبت نے اس بات پر آمادہ کیا۔ نظریات اور اعمال انسان کی دنیوی کی ترقی اور اُخروی زندگی کے لئے بہتر تھے انہیں اپنانے کا حکم دیا اور ان پر ثواب کا وعدہ بھی کیا۔ جو نظریات اعمال انسانی دنیوی اور اُخروی زندگی کے لئے نقصان دہ تھے ان سے منع کیا اور ان پر حساب وعذاب کے انعقاد کی وعید سنائی۔ اسی لئے قرآن حکیم نے دنیاو آخرت دونوں کی بھلائی کے لئے سعی کا حکم دیا۔ ہاں اگر دنیاو آخرت کا کہیں ٹکراؤ آجائے اور معاملہ ترک واختیار کا ہو تو آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ ہمیشہ کی زندگی کو عارضی زندگی پر قربان کرنا حماقت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَمَنْ أَرَادَ ٱلْءَاخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا﴾[1]

ترجمہ: اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہوا اور اس کے لئے کوشش کی جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔

پھر فرمایا:

﴿مَّن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُۥ جَهَنَّمَ يَصْلَىٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا﴾[2]

ترجمہ: جو شخص دنیا کا خواہشمند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے لئے جہنم کو مقرر کر رکھا ہے، جس میں داخل ہو گا وہ مذمت کیا ہوا اور دور کیا ہوا ہے۔

مادہ پرستی کے اس طرح کے مناظر آج ہمارے معاشروں میں عام نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کی نظر محض دنیوی منفعت پر ہے افراد اور معاشروں نے ایسے ادارے اور کمپنیاں بنادی ہیں جو مادی فکر کو اس انداز میں پھیلا رہی ہیں کہ معاشرے کا ہر فرد فکر آخرت سے نا چاہتے ہوئے بھی دور ہو رہا ہے۔ اس میں میڈیا ہر اول دستے کا کام کر رہا ہے۔

۱۔ الاسراء:۱۹

۲۔ الاسراء:۱۸

۱۱۔ عبادات میں غفلت اور تعلق باللہ میں ضعف:

مادیت نے فکر انسانی کو جن نقصانات سے دوچار کیا ان میں اہم ترین یہ ہے کہ انسانی دل و دماغ کی ترجیحات کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ غیر اہم کو اہم اور اہم کو غیر اہم بنا دیا۔ وہ اس طرح کہ جب کسی دل و دماغ میں مادہ پرستی سرایت کر جاتی ہے تو اٹھتے بیٹھتے انسان کی سوچ اسی کے گرد گھومتی ہے۔ مادیت کی فکر آہستہ آہستہ انسان کو عبادات سے غافل کرنا شروع کر دیتی ہے جس کا لازمی سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان اور اس کے مالک و خالق کے درمیان تعلق کمزور پڑ جاتا ہے، آخر یہ دوری انسان کے خسارے کا باعث بنتی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے شیطان کے بہکاوے میں آجاتا ہے۔ شیطان کبھی اسے مالدار ہونے کی لالچ دیتا ہے اور فقیری کا خوف، اس طرح وہ انسانی فکر کو قید کر کے عبادات سے دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ٱلشَّيْطَٰنُ يَعِدُكُمُ ٱلْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِٱلْفَحْشَآءِ ۖ وَٱللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے، اور خدا تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے، اور خدا بڑی کشائش والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

آپ ﷺ نے ان تفکرات سے انسان کو آزادی دلوائی۔ ایک روز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

"انفق یا بلال ولا تخش من ذوالعرش اقلالاً"[2]

ترجمہ: بلال اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرو اور عرش والے کی جانب سے کمی کا خوف نہ رکھو۔

تصور یہ دیا کہ مال اور ملک کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جو اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے اس کو فقر و فاقے کا کیا ڈر؟۔ آج جو چار پیسے کمانے کے قابل ہو جاتا ہے جب اس سے پوچھو نماز کیوں نہیں پڑھتے تو وہ مصروفیت و تجارت کا بہانا کرتا ہے۔

المختصر! مال اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی میں مسائل و معاملات کے حل کے لئے پیدا کیا ہے، اس کے حصول کے لئے جائز فکر و عمل کا حکم دیا اور ناجائز سے منع کیا۔ انسان کو تصرف کے اعتبار سے اللہ نے مال پر خلیفہ بنایا اور

۲۔ البقرۃ: ۲۶۸

۱۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، معجم الکبیر، (قاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ، ۲۰۰۳) ح ۱۰۱۳

قیامت کے دن اس پر حساب کا تصور دیا۔ بنیادی پانچ سوالات میں سے دو مال کے بارے میں پوچھے جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔

((وَ عَن مَالِہِ مِن أَینَ اِکتَسَبَہُ وَ فِیمَا اَنفَقَہُ)) [۱]

ترجمہ: اور اس کے مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

آج ہمارا معاشرہ اگر ان دو سوالوں کے جوابات کی فکر کو نصب العین بنالے تو ہمارے دنیوی مالی مسائل کے حل ہونے کے ساتھ آخرت کی تیاری کا بھی سامان ہو جائے۔

مادیت کے عملی اثرات:

فکر و عمل کا رشتہ مسلّم ہے، جب فکر کسی چیز سے متاثر ہوتی ہے تو انسانی اعمال لازماً اس کے زیر اثر آجاتے ہیں۔ یہی معاملہ مادیت کا ہے جب انسانی فکر کو اس نے اپنی گرفت میں لینا شروع کیا تو انسان عملی طور پر بھی اس سے متاثر ہوا۔ مادیت، جدید جاہلیت کا وہ میٹھا زہر ہے جو جس نے کھالیا وہ بھی تڑپ رہا ہے جس کو نہ ملا وہ بھی بے چین ہے جاہلیت مطلقاً اچھائیوں سے خالی نہیں ہوتی، بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے۔ جاہلیت جدیدہ کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ اس میں دو خوبیاں ایسی ہیں جن کے باعث لوگ اس کے فتنوں کا شکار ہیں، وہ یہ ہیں۔

۱۔ علمی موشگافیوں کی بہتات۔ ۲۔ سہولیات زندگی کی ایجادات وکثرت۔

ان دو خوبیوں کے باعث عوام اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں کہ ان کی زندگی مکمل طور پر بھلائی اور خیر میں ہے اور تمام معاملات درست ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو خوبیاں خیر کا اصل سرچشمہ نہیں ہیں۔ ان خوبیوں کے علاوہ ۹۸ فیصد معاشرہ برائیوں کی زد میں ہے۔ یہ برائیاں اس لئے نظر نہیں آتیں کہ بے تحاشہ سرمایہ اور ابلیسی وسائل کے استعمال سے ان پر پردہ ڈالا جاتا ہے جبکہ بے چارے عوام خیر سمجھ کر اس کی دلدل میں پھنس رہے ہیں۔ مادیت کی فکر نے انسان کو اندھا، بہرا اور گونگا کر دیا ہے۔ اسی مسئلہ کی توضیح کے لئے مادیت کے معاشرہ پر چند عملی اثرات کی آئندہ بحث میں نشاندہی کریں گے۔

۱۔ برتری قائم کرنے کا تصور:

مادیت عملی اثرات میں برتری کے حصول کے لئے کوشش کرنے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مسابقت اور برتری کا احساس انسانی فطرت میں رکھ دیا گیا۔ دین نے اس کی سمت درست رکھنے کی تعلیمات دیں۔ تاہم مسئلہ وہاں

۲۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الصفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب فی القیامۃ، ح ۲۸۷۱

خراب ہوتا ہے جہاں انسان خود اس سوچ اور جذبے کو غلط راہ عمل پر عمل ڈال دیتا ہے۔ قرآن مجید نے مسابقت کے لئے بنیادی میدان عمل عبادتِ الٰہی کو قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ ٱلسَّمَاءِ وَٱلْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ﴾[1]

ترجمہ: اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف لپکو اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے، اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

جب مسابقت اور برتری کا مرکز عبادت الٰہیہ بن جاتا ہے تو اسطرح معاشرے میں دین و دنیا دونوں میدانوں میں مثبت مسابقت کا رجحان پیدا ہوتا ہے، معاملات تب خراب ہوتے ہیں جب دینی نظام زندگی کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسابقت لینے کی صلاحیت کا رخ دنیا اور اس کے مال و اسباب کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اس سے فرد اور معاشرہ دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ گزشتہ دو اڑھائی صدیوں سے مادیت نے جس تیزی سے اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اتنی تیز انسانیت سوز واقعات و حادثات میں بھی اضافہ ہوا۔ دو عالمی جنگوں کا محرک یہ مادیت ہی تو تھی۔ مسابقت، برتری اور عالمی قوت بن کر برتری حاصل کرنے کے پیچھے بھی مادیت کا یہی جن ہے، برتر کے اس جنون نے پوری دنیا کو مسائل کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ برتری کے اس جنون نے افراد اور معاشرے کو تقسیم در تقسیم کر دیا ہے۔ اس مادیت نے آج امریکی و افریقی، کالے و گورے اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تقسیم سے انسان کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کر رکھا ہے۔ برتری کے اس خبط نے انسانیت کو ناپید کر دیا ہے۔ آج انسان کی رنج و خوشی، رضا و غضب، پسند و ناپسند اور حق کا معیار مادی فوائد بن چکے ہیں۔ برتری کے حصول کے لئے انسانیت کی تذلیل ہو رہی ہے، قانون شکنی پورے عروج پر ہے، شرعی اور معاشرتی قوانین کی سر عام دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں، افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم برپا ہے، مسابقت کی اس دوڑ میں انسانیت سسک رہی ہے، امیر امیر سے امیر تر اور غریب غریب سے غریب تر ہو رہا ہے، ظالم ظالم سے ظالم تر اور مظلوم مظلوم سے مظلوم تر ہو رہا ہے، صاحب اثر افراد جہاں چاہیں بلا روک ٹوک برتری کا مظاہرہ دنیا میں جہاں چاہیں جیسے چاہیں کرتے ہیں۔ اس کی مثال کرنل قذافی مرحوم کے بیٹے سلمان ہیں، بڑے تاجر

۱۔ الحدید: ۲۱

تھے، وزیر اعظم ٹونی بلییئر سے دوستی بھی تھی، لندن کے مشہور سڑک پر مقررہ رفتار سے تیز گاڑی چلاتے اس کی تصویر بن جاتی ہے مگر وہاں کا سخت ترین قانون ان کے سامنے بے بس ہے۔

قرآن مجید برتری حاصل کرنے کی انسانی جستجو کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ ٱلْأَعْلَىٰ﴾[1]

ترجمہ: کہنے لگا کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔

یہ بالادستی اور برتری قائم کرنے کی عظیم الشان مثال ہے جس کا مظاہرہ فرعون نے کیا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے سامنے برتری کے گھمنڈ میں نمرود نے اس قسم کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب اپنے خدا ہونے کا اعلان کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زوردار دلائل سے بھری محفل میں اس کو دم بخود کرا دیا اور فرمایا:

﴿فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِى بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِى كَفَرَ﴾[2]

ترجمہ: کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجیے (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا۔

اس جامع ومانع دلیل نے نمرود کے برتری کے گھمنڈ کو خاک میں ملادیا۔ آج اقوام اور افراد میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو برتری کے حصول میں سرگردان ہیں۔ ان کا انجام بھی فرعون کی غرقابی اور نمرود کی نامرادی کی طرح ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا اصول سب باغیوں کے لئے ایک جیسا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾[3]

ترجمہ: جو لوگ گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی خدا کی یہی عادت رہی ہے، اور تم خدا کی عادت میں تغیر و تبدّل نہ پاؤ گے۔

۲۔ نمود و نمائش اور ریاکاری:

مادی فکر نے انسانی عمل کو اخلاص و ایثار کے جذبے سے عاری کر دیا، نمود و نمائش اور ریاکاری کو عام کر دیا۔ آج حکمران رعایہ کی خدمت کم اس کی نمود و نمائش اور دکھلاوا زیادہ کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ دنیا کے مسائل حل کرنے کی بات زیادہ اور کام کم کر رہی ہے، کشمیر کے متعلق اس کا رویہ اس بات کی بیّن دلیل ہے۔ اقوام عالم کشمیریوں

۱۔ النازعات: ۲۴

۲۔البقرۃ: ۲۵۸

۳۔الاحزاب: ۶۲

پر ہونے والے مظالم پر اس لئے خاموش ہیں کہ انڈیا کے ساتھ ان کے مادی وسائل وابسطہ ہیں اس لئے کہ انڈیا زیادہ آبادی اور بڑا ملک ہونے کے باعث تجارت کی بڑی مارکیٹ ہے۔ دنیا کی سیاست اور سیاسی واقتصادی قوتوں کی طریق سیاست اس محاورے کی مصداق ہے، "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"۔

مادی نمود و نمائش وریاکاری نے معاشروں کے قبلہ کو عملاً یکسر بدل کر رکھ دیا ہے، لوگو نے کردار و عمل میں جھوٹ بولنا اور دکھانا شروع کر دیا۔ ستر کی دھائی میں امریکہ نے چاند پر پہنچ کر بین الاقوامی برتری کا مظاہرہ کیا۔ پرچم لہرایا پھڑ پھڑاتا ہوا پرچم دنیا نے دیکھا تو واہ امریکہ اور کیا بات ہے امریکہ کہا گیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد لوگ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ اگر چاند پر ہوا نہیں تو پرچم اتنا تیز کیوں پھڑ پھڑا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی صحرا میں شائد ان سب مناظر کو فلمایہ گیا ہے۔ آج ہر ملک دوسرے ملک کے درمیان کے ہر بیان کو شک اور جھوٹ کے طور پر دیکھتا ہے پھر اس کے پیچھے چھپا سچ تلاش کرنے کے لئے خفیہ ادارے قائم کئے جاتے ہیں اور کروڑوں کا بجٹ خرچ کیا جاتا ہے۔ سیاست اور سیاستدان آج دنیا کی قیادت کر رہے ہیں یہ نظام اور اس کو چلانے والے بھی اسی جھوٹی نمائش کا شکار ہیں۔ آج عام گفتگو میں جب کسی استفسار پر کوئی جواب آتا ہے تو سننے والا کہتا ہے کہ پتہ نہیں درست بات ہے یا کوئی سیاسی بیان؟

مادیت زدہ معاشرہ کے باعث عوام بھی جھوٹی نمائش کا شکار ہیں۔ برانڈڈ اشیاء کے ساتھ کوئی نمود کر رہا ہے، کوئی گاڑی، کوٹھی، اقتدار اور امارت کی نمود کا شکار ہے۔ حد یہ ہے کہ نمود و نمائش نے عبادات میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ آج کچھ لوگ حاجی کہلوانے کے لئے حج کرتے ہیں اور سخی ہونے کی نمود و نمائش کے لئے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح سادگی، سچائی، مساوات اور رحمدلی جیسے اہم اصول وجذبات معاشرے سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ نمود و نمائش کے باعث معاشرہ کئی مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس نمود و نمائش کو برقرار رکھنے کے لئے حلال و حرام کا فرق کئے بغیر مال جمع کرنے کی دھن انسان کے مشکلات میں اضافہ کرتی ہے۔ چونکہ صدا حالات ایک جیسے نہیں رہتے اس لئے ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے کہ نمود و نمائش کا یہ بت گر کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اس نمود و نمائش سے جہاں افراد کو نقصان ہوتا ہے، وہاں غرباء کو محرومی کا سخت احساس ہونے لگتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نمود و نمائش کے مرتکب افراد اور ان کو دستیاب مال و اسباب کو بنظر استعجاب دیکھنے سے منع کیا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلَـٰدُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَـٰفِرُونَ ﴾[۱]

ترجمہ: تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا، خدا چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں گے۔

۳۔ دنیاوی آسائشوں کا حصول:

مادیت کے عملی اثرات میں سے ایک اہم اثر یہ ہے کہ اس نے عام آدمی کے عملی رجحانات کا رُخ دنیاوی آسائشوں کی طرف موڑ دیا ہے۔ آج ہر آدمی جب اچھی زندگی، بہتر مستقبل اور میعاری چیزوں کی بات کرتا ہے، تو اس کی مراد دنیوی آسائشوں سے بھرپور زندگی ہوتی ہے۔ ان ہی آسائشوں کے حصول کو زندگی کا مقصد اور کامیابی کا معیار سمجھ لیا گیا ہے۔ معاشرے میں جس کو یہ آسائشیں حاصل ہوں اس کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ آسائشوں سے بھرپور عیش و عشرت والی زندگی کی خواہش آج بلا تفریق جنس و عمر ہر شخص میں جستجو کا محور ہے، اس کے لئے ہر فرد پر جوش نظر آتا ہے۔ والدین بچوں کو تعلیم دیتے ہوئے اس کا مقصد اچھی نوکری یا کاروبار کی صورت میں آسائشوں کا حصول بتاتے ہیں، استاد طلبہ کی محنت نہ کرنے کی صورت میں خراب مستقبل سے دھمکاتے ہیں، یہ مقابلہ افراد سے شروع ہو کر اقوام تک جاتا ہے۔ سائنسی ایجادات نے اس خواہش کی رفتار تیز کر دی۔ میڈیا نے اس کی تشہیر اس انداز سے کی کہ ہر کوئی اس کے بخار میں مبتلا ہے۔ ان آسائشوں کے حصول کی دھن میں انسان زندگی کے اصل مقصد سے دوری کے علاوہ غیر ضروری دباؤ کے باعث صحت سے بھی ہاتھ دھو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادیت کا بخار دن بدن بڑھ رہا ہے جبکہ انسان جسمانی طور پر کمی کے قدرتی عمل کا شکار ہے۔ لالچ اور محنت کا اضافہ اور جسمانی صلاحیتوں کا ٹکراؤ انسان کے لئے مشکلات میں اضافے کا باعث ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے نہ جدید تہذیب کے پاس کوئی حل ہے اور نہ سائنس کے پاس۔ آسائشوں کا حصول آج دنیا کا کلچر بن چکا ہے۔ اس کے لئے مشہور کمپنیوں اور برانڈز اور مصنوعات کو میڈیا کے ذریعہ پوری دنیا میں مشہور کیا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے بازار مارکیٹیں اور مالز بنائے جا رہے ہیں۔ لوگ فخر سے بتاتے ہیں کہ فلاں چیز فلاں مال، مارکیٹ یا برانڈ سے لی ہے۔ یا پھر یہ کہ یہ چیز دوبئی، لندن اور امریکہ سے آئی ہے۔ اس کلچر کے عام ہونے سے معاشرے کی ادنیٰ اکثریت احساس محرومی کے باعث متعدد معاشی

۱۔ التوبہ:۵۵

ومعاشرتی خرابیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ معاشرے کا وہ اعلیٰ طبقہ جس کو یہ سہولت و آسائش دستیاب ہے، انہیں جہاں اور جس شکل میں موقع ملتا ہے وہ اس کا متکبرانہ اظہار کرتے ہیں۔

امثلہ:

آسائشوں سے بھرپور زندگی گزارنے والے افراد سمجھتے ہیں کہ یہی اصل اور دائمی زندگی ہے۔ یہ ناز و نعمت کی زندگی انہیں ہمیشہ دستیاب رہے گی۔ خالقِ جن و انس فرماتے ہیں کہ اگر زندگی اور اسکی اسائشوں کے بارے یہ سوچ رکھو گے تو دھوکہ کھا جاؤ گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ٱعْلَمُوٓا أَنَّمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى ٱلْأَمْوَٰلِ وَٱلْأَوْلَٰدِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ ٱلْكُفَّارَ نَبَاتُهُۥ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَىٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَٰمًا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنٌ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلْغُرُورِ﴾[1]

ترجمہ: جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت اور تمہارے آپس میں فخر اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب و خواہش ہے۔ (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید اور (مومنوں کے لئے) خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے۔

ان ہی لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں افراد اور اقوام کی مثال سے سمجھایا کہ اگر تم اپنی عملی ترجیحات کا رخ اللہ تعالیٰ کے دیئے اصول سے ہٹا کر دنیوی آسائشوں کے حصول پر مرکوز کروگے تو پھر مٹ جاؤ گے اس طرح کہ تمھارا رونے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔ فرمایا:

﴿كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (٢٥) وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ (٢٦) وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ (٢٧) كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ (٢٨) فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ﴾[2]

ترجمہ: وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے (۲۶) اور کھیتیاں اور نفیس مکان (۲۷) اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے (۲۸) اسی طرح (ہوا) اور

۱۔ الحدید: ۲۰

۲۔ الدخان: ۲۵-۲۹

ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا۔(۲۹) پھر ان پر نہ تو آسمان کو اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت ہی دی گئی۔

۴۔ طاقت و اقتدار کا ناجائز حصول و استعمال:

یہ انسانی فطرت ہے کہ سب سے پہلے وہ کھانے پینے کا ذخیرہ کرتا ہے جب وہ اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ہے تو شہوت کی تکمیل کے لیے جستجو کرتا ہے جب ان دونوں کی فروانی ہو جاتی ہے تو طاقت کے حصول کے لیے تگ و دو کرتا ہے۔ جب طاقت میں اضافہ ہوتا ہے تو سیاست میں آتا ہے اور بلا شرکت غیرے اقتدار اور اختیارات حاصل کرنے کی جستجو کرتا ہے۔ انسان کا یہ طرز عمل اس کے مادی رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ اس طرز عمل کا آغاز نمرود سے ہوتا ہوا فراعنہ مصر تک اور پھر عظیم برطانیہ و امریکہ تک پہنچ چکا ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مادیت نے ایک سرگرم تحریک کی صورت اختیار کرلی۔ اس تحریک نے پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا۔ پہلے مال کو جائز اور ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے کی کھلی چھٹی دی گئی۔ جب مال و اسباب آیا تو طاقت اور اقتدار کا ناجائز استعمال کیا گیا۔ ہٹلر نے اتنے لوگ قتل کیے کہ مردوں کی انتہائی قلت پیدا ہو گئی۔ برطانیہ کو اقتدار ملا تو عالمی جنگیں برپا کر کے لاکھوں انسانوں کا قتل کیا۔ قوت و اقتدار امریکہ کے پاس آیا تو بدمست ہاتھی کی طرح پوری دنیا میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ان بڑی مثالوں کے علاوہ انفرادی طور پر پوری دنیا کے حکمرانوں کے حالات و معمولات آج کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ دور حاضر مسلم و غیر مسلم حکمرانوں کی اکثریت طاقت کے حصول کے لیے ناجائز حربوں کا استعمال کرتے ہیں۔ کہیں کسی خفیہ ہاتھ کی مدد سے اور کہیں بیرونی قوتوں کی مدد بھی حاصل کی جاتی ہے۔ اقتدار کے حصول کے بعد یہ حکمران بیرونی طاقتوں کے مقاصد کے لیے عوام پر تشدد کرتے ہیں۔ یہ حکمران عوام کے بجائے اپنے آقاؤں کے مقاصد تکمیل کے لیے کام کرتے ہیں۔ طاقت اور اقتدار کے حصول کے بعد وہ اسے لازوال سمجھنے لگتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ "ہر کمال را زمال" ایسے مقتدر لوگوں کو قرآن سمجھاتے ہوئے کہتا ہے۔

﴿كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾[1]

ا۔ التوبہ: ۶۹

ترجمہ:(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی طرح ہو، جو تم سے پہلے ہوچکے ہیں۔وہ تم سے بہت زیادہ طاقتور اور مال و اولاد میں کہیں زیادہ تھے تو وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہوچکے۔سو جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔اسی طرح تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا۔اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے۔اور یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

پھر قرآن مجید حیرت سے ان لوگوں سے استفسار کرتا ہے کہ طاقتور حکمرانوں کے انجام بد کے مناظر تم نے زمین میں دیکھے پھر بھی عبرت نہ حاصل کی۔فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ (٢١)ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[1]

ترجمہ:کیاانھوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھ لیتے کہ جولوگ ان سے پہلے تھےان کاانجام کیسا ہوا۔وہ ان سےزور اورزمین میں نشانات(بنانے) کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھےتو خدا نے ان کوان کےگناہوں کے سبب پکڑ لیااور ان کوخدا(کے عذاب)سےکوئی بھی بچانے والا نہ تھا۔(۲۲)یہ اس لئے کہ ان کے پاس پیغمبر کھلی دلیلیں لاتے تھےتو یہ کفر کرتے تھےسوخدا نے ان کو پکڑلیا۔بے شک وہ صاحب قوت(اور)سخت عذاب دینےوالا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوت واقتدار کے پوجاریوں کوکہیں پانیوں میں غرق کاتوکہیں ایک چیخ اور ہوا سے نیست ونابود کیاوہی رب آج کے بدمست مادہ پرست کو بھی اسی طرح کے انجام سے دوچار کرسکتاہے۔

۵۔تعلقات میں خودغرضی:

ا۔الغافر:۲۱۔۲۲

مادیت نے جن معاشرتی خرابیوں کو جنم دیا ان میں سے تعلقات میں خود غرضی بھی ہے۔ مادہ پرستی نے بین الاقوامی مراسم سے لے کر خاندانی مراسم تک ہر قسم کے تعلقات میں ذاتی مفاد اور خود غرضی کو بنیادی حیثیت دلوا دی ہے۔ آج عالمی سیاست، مفادات اور خود غرضی کے گرد گھومتی ہے۔ بڑے اور طاقت ور ممالک چھوٹے اور کمزور ممالک کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ امریکہ دنیا میں خود غرضی اور مفادات کی سیاست کر رہا ہے۔ صرف امریکہ دنیا کی ۸۰٪ سے زائد توانائی استعمال کر رہا ہے۔ پھر یوں ہی درجہ بدرجہ یورپی ممالک اپنے مفادات کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ مادیت کے کلچر نے دنیا کے اکثر ممالک کو غربت و افلاس، بھوک، اندھیروں اور ظلم وجبر کی طرف دھکیل دیا ہے۔ یہی حالات معاشرتی زندگی میں عام نظر آتے ہیں۔ فرد اور معاشرہ اسی سے تعلقات اور مراسم رکھتا ہے جس سے اسے کوئی غرض ومفاد ہو۔ جس سے کوئی فائدہ کی امید نہ ہو اس سے ملنا تو درکنار سلام کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ اس کلچر نے صحیح اور غلط کے معیار کو محو کر دیا ہے۔ اقدار کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔ انسان اور اخلاق کی قدر گھٹ چکی ہے اور مال، کرسی اور اقتدار اس کے مقابل اپنی قدر بڑھا رہے ہیں۔ آج لوگوں کے معزز ہونے کا معیار اچھائی، نیکی اور تقویٰ نہیں بلکہ پیشہ، اقتدار اور سامان زندگی ہے۔ معاشرے میں بدکردار مالدار آدمی کی عزت ایک مفلس متقی سے زیادہ ہے۔ عوام اس کی عزت کرتے اور تعلقات استوار کرتے ہیں جس کے پاس دنیوی مال ہو۔ مادیت کے پھیلائے اس کلچر نے خلوص، رحم دلی، حسن معاشرت، ایثار اور اخوت و مساوات کے ساتھ ساتھ انسانیت بھی ختم کر دی۔ ہر فرد بس اپنی ذاتی غرض کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ انسانیت سسک رہی ہے۔ قتل وغارت کا بازار گرم ہے۔ کشمیر و افغانستان و شام میں بین الاقوامی قوتوں کے مقاصد کی تکمیل کے لیے خون بہایا جا رہا ہے۔ عوام حکمران سے اور حکمران عوام سے خود غرضی کے تحت وابستہ ہیں۔ جہاں غرض نہیں پوری ہوتی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ والدین و اولاد اور اعزا و اقارب اور شوہر و بیوی کے تعلقات رشتہ سے زیادہ مادی اشیاء پر استوار ہیں۔ ہر رشتہ دوسرے کو اتنی ہی عزت و مقام دیتا ہے جتنی اس کی مالی ومادی حیثیت ہوتی ہے۔ خود غرضی کی انتہا ہے کہ بچوں کو قتل کرنے کے آئے روز نئے منصوبوں کی تشہیر کی جا رہی ہے تو بزرگوں کو اولڈ ہاؤس میں قید کیا جا رہا ہے۔ خواتین جو انسانی عصمت وحیاء کی علامت تھیں، انھیں بے حیائی اور عریانیت کی راہ دکھا دی گئی۔ اسلام نے سب سے پہلے انسانیت کی عظمت کی جنگ لڑی، آغاز میں ہی مشرکین عرب کے سامنے بالخصوص اور دنیا کے سامنے بالعموم یہ سوال رکھ کر جواب مانگا کہ:

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ (٨) بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ﴾[۱]

ترجمہ: اور جب لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو پوچھا جائے گا(۹) کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی۔

پھر نبی رحمت نے اس بے رحم معاشرے کی ہنگامی بنیادوں پر اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ فرمایا:

((مَن لَم یَرحَم صَغِیرَ نَا وَلَم یُوَقِّر کَبِیرَ نَا فَلَیسَ مِنَّا))[۲]

ترجمہ:۔ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں۔

نماز نے بکھرے انسانوں کو ایک ایسے پلیٹ فارم (مسجد) میں جمع کیا جہاں کا روحانی ماحول ہر قسم کی مادیت سے بالاتر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ زکوۃ کا نظام بھی دیا جس نے اعلیٰ و ادنی اور امیر و غریب کی دوریوں کو سمیٹ دیا۔ آخر وہ معاشرہ جو پانی اور چراگاہ کے اختلاف پر خون بہاتا تھا ایثار و اخوت کا پیکر بن گیا۔ یہ انسانیت کا واپس عظمت کی طرف لوٹنے کا دور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ﴾[۳]

ترجمہ: اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں چاہے وہ خود کتنی ہی تنگی میں کیوں نہ ہوں۔

اس معاشرے کی ترقی کی وجہ انسانی اقدار کا پروان تھا جہاں کمزور طاقت ور اور ظالم طاقت ور کمزور ہو چکا تھا۔ غریب کی دادرسی ہوتی تھی اور مسکین بھوکے کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ فرمایا:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴾[٤]

ترجمہ: اور باوجود یہ کہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

آج مادیت نے انسانیت کو پھر اندھیروں کی طرف دھکیل دیا ہے۔ غریب و مسکین اور تنگ دستوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ پھول جیسے بچے کوڑادانوں میں کھانا تلاش کرتے ہیں۔ ظلم کی حد دیکھیں ماں کو اس وقت قتل کیا گیا

۱۔ التکویر:۸۔۹

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التوحید، باب الرد علی الجہمیہ، ح ۷۲۷۶

۳۔ الحشر:۹

۴۔ الدھر:۸

جب وہ بچے گود میں اٹھائے ہوئے ہے۔ زمین پر گرتی ہے اور مر جاتی ہے۔ کیمرہ تصویر بناتا ہے تو بچہ ماں کی چھاتی سے چپکا دودھ تلاش کرتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۶۔ کسبِ مال میں حلال و حرم کا فقدان:

مادیت چونکہ بنیادی طور پر ایک ایسی فلاسفی ہے جس میں مادی ترقی اور مال و زر کی فراوانی کو انسانیت کا معراج تصور کیا جاتا ہے۔ مادہ پرستی نے معاشرتی انسان کو معاشی حیوان بنا ڈالا ہے۔ مادہ پرستی اور مادی فکر نے افراد و معاشروں میں حلال و حرام کے تصور کو یا تو بدل دیا ہے یا ختم کر دیا ہے۔ بین الاقوامی نظامِ معیشت اور نظامِ تجارت کو دیکھا جائے تو ان میں اخلاقیات کا فقدان نظر آتا ہے۔ اخلاقیات کے فقدان کے باعث کساوت قلبی نے جنم لیا پھر ظالمانہ مسابقت کا وہ بازار گرم ہوا جس نے خدمت اور اخوت سے عاری نظام معیشت کو فروغ دیا۔ عصرِ حاضر میں دنیا بھر میں مغربی نظام معیشت نافذ ہے۔ اس نظام کی بنیاد ہی زیادہ نفع کمانے پر ہے۔ اس نظام میں تاجر کو زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی کھلی چھوٹ دی جاتی ہے۔ کسب حلال جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اہلِ ایمان کو الگ الگ دیا جس سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ پھر احادیث مبارکہ میں کسب فرضیت اور فضیلت کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسب حلال کو نیک اعمال میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی ایک حدیث مبارک ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

((التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشهداء))[۱]

ترجمہ: سچا اور ایماندار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہو گا۔

یہی تجارت جو آج کسب مال کا محور ہے مادیت نے اس میں ہزاروں ناجائز اور حرام حربے ایجاد کر لیے ہیں۔ تاجر خریدار کو لوٹنے کے طریقے ڈھونڈتا ہے اور خریدار خوف کے باعث تاجر کی کسی بات پر نہیں اعتماد کرتا۔ اسلام نے کسب حلال کے اصول وضوابط مقرر کیے۔ رسول اللہ ﷺ خود تجارت بھی کرتے تھے۔ ریاست مدینہ کی تجارتی مارکیٹ کا دورہ کرتے اور ضرورت کے مطابق احکامات جاری کرتے۔ قرآن مجید نے کسب حلال کو فضل ربی قرار دیا اور حج میں بھی اجازت دی۔ فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ﴾[۲]

ترجمہ: اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب البیوع، باب فی التجار، وتسمیۃ النبی ایاھم، ح ۱۲۰۹

۲۔ البقرہ: ۱۹۸

کسب حلال میں ناجائز حربوں کے استعمال سے منع کرتے کرتے ہوئے قومِ شعیب علیہ السلام کی مثال بیان کی، فرمایا:

﴿قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ﴾(۱)

ترجمہ: انھوں نے کہا شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں۔

۷۔ عبادات میں تغافل اور سستی:

مادیت نے جہاں غیر مسلم معاشروں کی فکر و عمل کو اپنی گرفت میں لیا وہاں مسلم معاشرے بھی اس کی گرفت سے محفوظ نہ رہے۔ مسلم معاشروں کو مادہ پرستی نے جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ ہے کہ اس نے انسان کو اصل مقصد سے دور کر دیا۔ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اسلام نے جن عبادات کا حکم دیا ہے ان میں مرکزی حیثیت نماز کو حاصل ہے۔ نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا جس میں تین بنیادی شرائط کا ہونا ضروری ہے بصورتِ دیگر یہ نماز قائم کی گئی نہ ہو گی محض پڑھی ہوئی نماز کہلائے گی۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں۔

۱۔ وقت پر ادا کرنا۔

۲۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق پڑھنا۔

۳۔ ہر روز پانچ کی پانچ پڑھنا۔

جو لوگ ان شرائط کو پورا نہیں کرتے ان کی نماز قبولیت کا مقام حاصل نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ(۴) الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (۵) الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ﴾(۲)

ترجمہ: تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے (۵) جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں (۶) جو ریا کاری کرتے ہیں۔

۱۔ الھود:۸۷

۲۔ الماعون:۴۔۶

نماز فرد اور معاشرے کی اصلاح کا بنیادی ذریعہ ہے۔ یہ برائی اور بے حیائی سے دور رکھنے کا واحد مؤثر ذریعہ ہے۔ یہی تمام عبادات کی بنیاد ہے۔ آج نماز قائم کرنے کے بارے میں عام لوگوں سے پوچھا جائے تو وہ کہتے ہیں سیاسی و دفتری مصروفیات بہت ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کھیتوں اور کھلیانوں میں مصروفیت کے باعث وقت نہیں ملتا۔ کچھ دوسرے کاروباری مصروفیت کے باعث نماز اور باقی عبادات میں سستی اور تغافل کا شکار ہیں۔ نماز وعبادات سے بے پرواہ معاشرہ مادی ترقی کو اپنی ذہانت اور کمال سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ بات مشاہدے میں رہی ہے کہ جس جس نے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اگر کوئی مال ومتال حاصل بھی کیا تو اس کامیابی کے اندر سے ناکامیوں کے اسباب پیدا ہوئے۔ ایسے لوگوں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾[1]

ترجمہ: تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا۔ خدا چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔

مادہ پرستی نے ایک اور کام یہ کیا کہ انسانی ضروریات کو بڑھا دیا۔ ان ضروریات کی تکمیل نے انسان کو عملی طور پر اس قدر مصروف کر دیا، اسی مصروفیت کے باعث انسان عبادات میں تغافل اور سستی کا شکار ہوا۔ ایسے بندگانِ خدا اور مردانِ حق ہمیشہ رہے اور رہیں گے کہ حالات جیسے بھی ہوں اور مصروفیت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تغافل اور سستی کا شکار نہیں ہوئے۔ فرمایا:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ﴾[2]

ترجمہ: (یعنی ایسے) لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔

۸۔ دنیوی ترقی میں مسابقت:

۱۔ التوبہ: ۵۵

۲۔ النور: ۳۷

مادیت نے مسابقت کے فطری اور قدرتی رجحان اور میدانِ عمل کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ مسابقت انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف ودیعت کر دی گئی ہے۔ اس صلاحیت کے استعمال اور درست عملی رجحان کے لیے اسلام نے ہدایات وتعلیمات دی ہیں۔ فرمایا:

﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ﴾(۱)

ترجمہ:(بندو) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی (طرف) جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے۔اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خدا پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں لپکو۔

یہ ہے سبقت کا اصل میدان عمل جو خالق نے جن وانس کے لیے اس جہان میں مقرر کیا ہے تاکہ وہ زندگی کے اصل مقصد میں سستی کا شکار نہ ہوں۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾(۲)

ترجمہ: اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

مادیت نے مسابقت کے اس فطرتی رجحان ومیدان عمل کو بدل کر محض دنیوی برتری کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ آج مادیت نے مشرق ومغرب میں ہر فرد اور معاشرے کو اسی مسابقت کی دوڑ میں لگا دیا دوڑ تیزی سے جاری ہے جہاں گرے ہوئے۔ پیاسے، بھوکے اور بیمار کو کوئی پوچھنے کی بجائے انھیں راستہ کی رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ جو آگے نکل جاتا ہے وہ متکبرانہ برتری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ پیچھے رہنے والے احساس کمتری اور محرومی کے باعث معاشرتی سماجی اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس اندھی مسابقت میں رشتوں کا تقدس واحترام پامال ہو رہا ہے۔ والدین کے پاس اولاد اور اولاد کے پاس والدین کے لیے وقت نہیں۔ دوستوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے پاس ایک دوسرے کے حال واحوال پوچھنے کا وقت تک نہیں۔ جب ملاقات ہوتی ہے تو مادی مصروفیت کا بہانا بنا کر اپنی برتری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس منفی مسابقت نے معاشرے کو ڈپریشن جیسے موذی مرض کا شکار کر دیا اور پھر اس سے جنم لینے والی کئی بیماریوں نے آج انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

۱۔ الحدید: ۲۱

۲۔ آلِ عمران: ۱۳۳

The Guardian میگزین کے مشہور کالم نگار George-Moubiot لکھتے ہیں۔ کہ:

Materalism is associated with depression anxiety and broken relationships. It is socially distructive and self distructive."[1]

موصوف کالم نگار نے مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ میرا یہ مؤقف ایک تحقیق پر مبنی ہے جو ایک جیسی عمر کے لوگوں پر مختلف اوقات کی گئی" جس سے یہ معلوم ہوا کہ مادیت کا تعلق ڈپریشن، ذہنی بے چینی، قطع تعلقی اور فرد اور معاشرے کی تباہی و بربادی سے جڑا ہوا ہے۔

۹۔ اخلاقی اقدار اور رویوں کا فقدان:

مادیت کا معاشرے پر ایک اور خطرناک حملہ یہ ہے کہ اس نے خالص انسانی اقدار اور رویوں کو پہلے کمزور کیا اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔ مادہ پرستی نے انسانی اخلاق و کردار اور سماج کو جتنا نقصان پہنچایا اتنا کسی اور چیز نے نہیں پہنچایا اخلاق معاشرہ کی وہ بنیاد ہوتی ہے جس سے معاشرہ باہم منظم و مرتبط ہوتا ہے۔ اخلاق کا آغاز فرد سے ہوتا ہے اور اس کی تکمیل اقوام پر ہوتی ہے۔ اچھے اخلاق خوشبو کی طرح ہوتے ہیں جس سے لوگ ایک دوسرے کی قربت حاصل کرتے ہیں۔ اچھے اخلاق معاشرے میں عدل و برداشت پیدا کرتے ہیں جس سے معاشرہ متحد ہوتا اور باہمی تعاون کو پروان ملتا ہے۔ محرمات اور ممنوعات کا دروازہ بن ہو جاتا ہے۔ ایسا معاشرہ امن و اتحاد کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ انسانیت ترقی کرتی ہے۔ اخوت و ایثار، خوبیاں اس معاشرہ کی پہچان بن جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جس معاشرے کی اصلاح سے انسانیت کا آغاز کیا تھا وہ بھی مادیت سے متواتر زوال پذیر ہو چکا تھا۔ انسانیت کا مقام حوانیت سے بھی نیچے گرا دیا گیا تھا۔ آخر تبدیلی کا آغاز اسی قوم سے کیا گیا تو اس آسمان نے ایثار کا یہ منظر بھی دیکھا کہ خود اور بچوں کو بھوکا چھوڑ کر مہمان کو کھانا کھلایا تو آسمان سے آواز آئی کہ بہت خوب: فرمایا

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ﴾[۲]

ترجمہ: اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔

---

1. The Gardian, George Monbiot, 9th Dec, 2013, London

۲۔ الحشر:۹

مادیت نے انسان کو لالچی، خود غرض، ظالم، مغرور و متکبر اور انا پرست بنا دیا۔ یہ سب خرابیاں اچھے اخلاقی اقدار کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ برتری قائم کرنے اور مال جمع کرنے کی دوڑ میں ظالم اور بے رحم ہو چکا ہے۔ لوگوں کے مال کو بے رحمی سے لوٹا جاتا ہے اس کا شکار زیادہ تر مساکین و ضعفاء ہوتے ہیں حد یہ کہ یتیم کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ مال جمع کرنے کی اس اندھی دوڑ میں معاشرے کا ہر طبقہ شامل ہے۔ اس کی خبر قرآن مجید نے بھی دی :فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[۱]

ترجمہ: مومنو! (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور (ان کو) راہ خدا سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو اس دن عذاب الیم کی خبر سنادو۔

مادہ پرست اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دین کی پروا بھی نہیں کرتا۔ جو دینی احکام اس کے لیے رکاوٹ بنتے ہیں ان کی تاویلات کرتا ہے یا انکار کرتا ہے۔

ا۔ التوبہ: ۳۴

فصل ثالث

مادیت کی مروجہ صورتیں

جنت سے نکالے جانے کے بعد جب انسان کو زمین پر بسایا گیا تو زندگی کے مقاصد کی تعلیم دی۔ معاشرے کی تنظیم کو برقرار رکھنے اور معاشرتی ترقی کے لیے تمام وسائل فراہم کیے۔ اتحاد و اتفاق اور اخوت و مساوات کی مساوات کی تعلیم دی۔ ایک دوسرے پر تقویٰ کے علاوہ ہر قسم کے برتری کے معیارات کو ممنوع و مکروہ قرار دیا۔ فرمایا:

﴿إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۱)

ترجمہ: ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

مساوات کا یہ فطرتی تصور پیش کر کے بنی آدم علیہ السلام کو کسی بھی قسم کی تفریق سے روکنے کے لیے نصیحت فرمائی۔ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داری لی وہ معاشرہ سماجی، معاشی اور معاشرتی، ہر اعتبار سے اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق میں منقسم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالق حقیقی کی راہنمائی میں اس معاشرے کی اصلاح کرنا شروع کی تو فرمایا کہ:

((اَنتُم بَنُوا آدَمَ وَ آدَمُ مِن تُرَاب)) (۲)

ترجمہ: تم سب آدم علیہ السلام سے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں۔

یہ بجا طور پر بکھرے ہوئے انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بنیادی اور پختہ نظریہ ہے۔ فتنہ وفساد اور قتل و غارت سے بے چین معاشرہ نے اسلام کے شجرہ طیبہ کے سائے میں جمع ہونا شروع کر دیا۔ معاشرتی اور سماجی اصلاحات کے فوراً بعد جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ زور دیا وہ اقتصادی اور معاشی اصلاحات تھیں۔ ریاست مدینہ کے قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصلاحات کو قانونی اور عملی شکل دی۔ تجارت میں ملاوٹ اور ماپ تول میں کمی کو

۱۔ الحجرات:۱۳

۲۔ ابو داؤد، السنن، سلمان بن اشعث، کتاب الادب، باب فی التفاخر بالاحساب، ح: ۵۱۱۶

حرام اور ممنوع قرار دیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی مارکیٹ کا خود دورہ کیا اور گندم میں ملاوٹ پر نوٹس لیتے ہوئے فرمایا:

((مَن غَشَّنَا فَلَیسَ مِنَّا)) (۱)

ترجمہ: جو ہم سے دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

آپ ﷺ نے تجارت کے اصول مقرر کیے اور سود کو حرام قرار دیا۔ ایسا نظام زندگی دیا کہ جس میں غنی و فقیر کا فرق مٹ گیا۔ اغناء کو فقراء پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ ایسی تعلیمات کا اہتمام کیا کہ مال تصرفات میں کہیں معاشرہ مادیت کی طرف نہ نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي﴾(۲)

ترجمہ: خدا نے رزق (ودولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں کسی کو کم دیا کسی کو زیادہ۔ تاہم وہ سب کو کھلاتا ہے کسی کو بھوکا نہیں سونے دیتا۔ جس کو کم دیا اس کو سمجھایا کہ:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ﴾(۳)

ترجمہ: اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

جب تک معاشرہ دین کے احکامات و تعلیمات کے مطابق معاش کے حصول پر کاربند رہا تو معاشرے نے اس اعتبار سے ترقی کی۔ مسائل و مشکلات کا آغاز اس وقت ہوا جب معاشروں نے اسلام کی تعلیمات و احکامات کو فراموش کر کے طلب کے لیے اپنے آپ کو اپنی عقل کے تابع کر لیا۔ مادیت کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملا۔ انسان اور اقدار و اخلاق کی وقعت و قدر گھٹنا شروع ہو گئی۔ اشیاء اور مال کی قدر بڑھنا شروع ہو گئی۔ کسی نے قدر کے لیے معیار اس کے مال اور اقتدار کو ٹھہرایا۔ مادیت نے معاشرے سے انس و انسانیت کو ناپید کرنا شروع کر دیا۔ معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ کے اس نہ رُکنے والے عمل نے جو سب سے اہم اور ناقابل تلافی نقصان کیا وہ معاشرے کی طبقاتی تقسیم تھی۔ اس تقسیم نے معاشرے کو تین بڑے طبقات میں منقسم کر دیا۔ مادیت کئی صورتوں اور اشکال میں آج ان تمام طبقوں میں موجود مادیت وقت کے ساتھ بھیس بدل کر کئی اشکال و صورتیں معاشروں میں حملہ آور ہوتی ہے۔ مادیت کی صورتوں پر بحث کو ہم اسی کی تقسیم کردہ طبقات کے ذیل میں بیان کریں گے۔ یہ تین طبقات درج ذیل ہیں۔

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا، ح ۲۸۲

۲۔ النحل: ۷۱

۳۔ النساء: ۴

(الف)۔ اعلیٰ طبقہ

(ب)۔ متوسط طبقہ

(ج)۔ نچلا طبقہ

الف۔ اعلیٰ طبقہ:

اعلیٰ طبقہ کو الیٹ کلاس (Alite class) اور اشرافیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طبقہ میں حکمران، جاگیر دار، سرمایہ دار اور تاجر وصنعت کار وغیرہ شامل ہیں۔ معاشرے کی باگ ڈور اور قیادت عموماً انہیں لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں ایک مناسب مقدار صالحین اور اللہ والوں کی بھی ہوتی ہے تاہم ان میں اکثریت مادہ پرستوں کی ہوتی ہے۔ یہ لوگوں پر برتری قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لیے باقی معاشرے کو یرغمال بنائے رکھتے ہیں۔ ہندوؤں میں برہمن، یہود میں احبار اور نصاریٰ میں رہبان اور ہمارے معاشرہ کے اشرافیہ یہی وہ لوگ ہیں جو معاشرے پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد انھیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ناجائز طریقوں سے ان کے مال ہڑپ کرتے ہیں۔ ان کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾[1]

ترجمہ: اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔

مادیت کی حوس ان لوگوں میں یہ خبط پیدا کرتی ہے کہ یہ عقل کل ہے جس کو صحیح کہیں وہ صحیح ہے اور جس کو باطل کہیں وہی باطل ہے۔ ہر خیر کا خود کو حق دار سمجھتے ہیں اور سیاہ وسفید کا مالک بھی۔ جب مال ومنال حاصل کر لیتے ہیں تو تکبر وغرور کی آخر حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ انتہاء یہ کہ وہ کسی نبی کی اطاعت کو اپنی توہین سمجھنے لگتے ہیں یہی نہیں بلکہ نبوت تک کو وہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے اسی طرح کے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے جب بادشاہت ونبوت کے ساتھ مبعوث کیا تو کہنے لگے:

۱۔ النساء: ۱۶۱

﴿وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴾[1]

ترجمہ: اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سا مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم کو عذاب نہیں ہو گا۔

یونہی جب قوم عاد کے مادہ پرستوں کی طرف رسول مبعوث ہوئے تو انھوں نے بھی مادی قوت کے بل بوتے پر انبیاء کی نافرمانی کی اور کہا:

﴿وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾[2]

ترجمہ: اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے۔

یہ ہے مادہ پرستوں کی سوچ جو آج بھی مختلف اشکال وصورتوں میں ہمارے معاشرہ کے اشرافیہ میں رچی بسی ہوئی ہے۔ ذیل میں ہم اس طبقہ میں مروج مادی صورت کی چند نمایاں اشکال کا مطالعہ کریں گے۔

اقتدار کی حوس:

مادیت کی مروجہ صورتوں میں ایک اقتدار کی حوس اور حرص ہے۔ اشرافیہ میں یہ بیماری عام ہوتی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ جب مال کی اچھی خاصی مقدار جمع کر لیتے ہیں تو اقتدار کی صورت میں برتری قائم کرنے کی سوچ ان میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ سوچ، شوق اور پھر شوق سے حوس میں بدل جاتی ہے۔ اقتدار کی حوس کی تکمیل کے لیے یہ طبقہ جائز وناجائز تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کے لیے ہمہ تن گوش رہتا ہے۔ اقتدار کا تعلق چونکہ قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے اعلیٰ طبقہ میں جب اس کی رسہ کشی شروع ہوتی ہے۔ تو یہ کئی فتنوں اور فسادات کا بڑا دروازہ کھول دیتی ہے۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے قتل وغارت اور فتنہ وفساد کا ارتکاب تک کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ مادہ پرستی کی اس صورت کو اس وقت اور بھی پروان ملا جب مغربی تہذیب کے اس کو پر لگے۔ اعلیٰ طبقہ کے اقتدار کی جنگ نے آج معاشروں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ اقتدار کے حصول کے لیے الیکشن کے نام پر میدان جنگ سجایا جاتا ہے۔ الیکشن کے اس عمل میں معاشرہ باہم دست و گریباں ہو جاتا ہے۔ گلی محلے اور گھر گھر اختلافات کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ جوں جوں اقتدار کے حصول کی جنگ آگے بڑھتی ہے، فسادات اور قتل وغارت کا بازار گرم ہو

۱۔ السباء: ۳۵

۲۔ فصلت: ۱۵

جاتا ہے۔ اس ماحول کی پیدا کردہ نفرتیں ابھی ختم نہیں ہوتیں کہ نئے الیکشن ان فسادات کا نیا سیلاب برپا کر دیتے ہیں۔ یوں نفرت، مخالفت برائے مخالفت اور الزام تراشی کا یہ ماحول کلچر کی صورت اختیار کر جاتا ہے جس کی عکاسی آج ہمارا معاشرہ کر رہا ہے۔ مادہ پرستی سے شروع ہونے والی اقتدار کی یہ جنگ مادی وسائل کے زور پر لڑی جاتی ہے۔ جنگ کے مقاصد بھی مادیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اقتدار کی یہ جنگ ملکی سطح سے شروع ہو کر بین الاقوامی سطح تک پھیلی ہوئی ہے۔ جو بھی اس دنگل میں جیت جاتا ہے وہ مخالفت پر برتری قائم کرنے اور مادی فوائد کے لیے اپنے اقتدار و اختیار کو استعمال کرتا ہے۔ ستر کی دہائی میں روس اور امریکہ میں سپر پاور کی جنگ اصل میں مادی اور عالمی دولت بطور خاص تیل پر کنٹرول حاصل کرنے کی جنگ تھی۔ اس جنگ میں ہمیشہ مادیت کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے پرائے اور مسلمان اور غیر مسلم کو بھی اہمیت نہیں ہوتی۔ ۸۰ کی دہائی میں ایران عراق جنگ کے پیچھے بھی مادی فوائد اور تیل پر قبضہ تھا۔ ان جنگوں نے لاکھوں جانوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ ملکی سیاسی دنگل پر نظر دہرائیں تو اس کے پیچھے بھی مادیت کو اس کا محرک پائیں گے۔ اقتدار میں آنے پر جس کے پاس سائیکل نہیں ہوتی وہ محض چند سالوں میں ارب پتی اور زمینوں کا مالک نکلتا ہے۔

اقتدار کی حوس میں کرسی کے حصول کے لیے جس انداز میں سیاسی کھیل عصرِ حاضر میں کھیلا جاتا ہے۔ اس کے باعث ہمارا معاشرہ کئی خرابیوں اور مصائب کا شکار ہے۔ سیاسی بیان بازی سے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ مخالف کے کردار سے لے کر مذہب تک کو مشکوک بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ حکمرانوں کی لڑائی کو میڈیا بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اقتدار کی جنگ میں اعلیٰ طبقہ باہم دست و گریبان ہے۔ مسائل حل کرنے کا بہانا بنا کر ووٹ لینے والے حکمران اقتدار میں آتے ہی عوام اور ان کے مسائل کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اس رسہ کشی میں جن الفاظ و القاب کا استعمال کیا جاتا ہے وہ نوجوان نسل کے کردار و گفتار کی تنزلی کا باعث بن رہا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کا مادہ پرستانہ اندازِ زندگی معاشرے کے باقی طبقات کے لیے بے راہ روی اور خرافات کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ نتائج اور وسائل کی پرواہ کیے بغیر یہ عوام ان کی اندھی تقلید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اسلام اقتدار اور حکومت کرنے کا مخالف نہیں بلکہ اسلام میں اقتدار اور اختیار بڑی فضیلت اور عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ تاہم یہ اس وقت ممکن ہے جب اقتدار کے حصول اور اس کے نفوذ میں اسلامی اصولوں کی پیروی کی جائے۔ اسلام اقتدار کی طلب کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((لَا تَسئَلِ الاَمَارَۃَ، فَاِنَّکَ اِن اُوتِیتَھَا عَن مَسئَلۃٍ وُکِلتَ اِلَیھَا))[1]

ترجمہ: اقتدار کا تقاضہ مت کرو، اگر وہ تمھیں مانگے مل گیا تو اس کے رحم و کرم پر ہو گا۔

یہ تاریخ ہی ہے کہ جب لوگوں نے مانگ یا لڑ کر اقتدار حاصل کیا وہ زمین اور اہلِ زمین کے لیے فساد کا باعث بنے۔ تاہم اسلام کسی حکمت اور مصلحت کے باعث اقتدار کی طلب کو محض اضطراری حالت میں جائز قرار دیتا ہے۔ مثلاً یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر سے کہا:

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾[2]

ترجمہ: (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔

اس طرح اقتدار کا تقاضہ مخصوص حالات اور اہلیت و قابلیت کی بنا پر کرنا جائز ہے۔ تاہم دورِ حاضر میں اقتدار کے حصول کے لیے جو رسہ کشی ہوتی ہے وہ چاہے بادشاہت کی صورت میں ہو یا جدید مغربی جمہوریت کی طرز پر ہو یہ سب مادی مفادات کی جنگ ہے۔ اس نظام کے تحت وجود میں آنے والا اقتدار کو خود غرضی، بے رحمی اور ظلم کو پروان دینے کا باعث ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں افراتفری، بے روزگاری اور دہشت گردی جیسے مسائل نے پوری دنیا میں بے چینی پھیلا رکھی ہے۔ آج عالمی معیشت۔۔۔پر لگی ہوئی ہے۔ اربابِ اقتدار و اختیار سے جیبیں اور بینک بھر رہے ہیں جب کہ غربت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

تکبر و برتری:

تکبر سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے مقابل حقیر جانتے ہوئے اپنے آپ کو برتر اور اعلیٰ سمجھنا۔ تکبر کا اگلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ متکبر شخص جب دوسروں پر اپنے آپ کو برتر سمجھتا ہے تو پھر اس برتری کو منوانے اور قائم رکھنے کے لیے تگ و دو کرتا ہے اس بڑائی اور برتری کو منوانے کے لیے سرمایہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ سرمایہ کے حصول کے لیے ان میں مادیت کا رجحان شدت اختیار کر جاتا ہے۔ وہ کم وقت میں زیادہ سرمائے کے حصول کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح حصولِ مال کے لیے ناجائز ذرائع کو بروئے کار لانے سے معاشرے کرب و بلا کا شکار ہو

۱۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب ماجاء فی طلب الامارۃ، ح ۲۹۲۹، صححہ الالبانی

۲۔ یوسف: ۵۵

جاتے ہیں۔ آج ہم یہ خبریں عام سنتے ہیں کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ سمگلنگ، منشیات فروشی، اغوا برائے تاوان، فراڈ اور قتل وغارت وغیرہ میں ملوث ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں تکبر اور برتری کے اظہار کی متعدد صورتیں واشکال نظر آتی ہیں۔ خواتین ہی کو لیجیے گھریلو سامان اور لباس کی بنا پر خاندان اور پڑوس میں برتری و تکبر کا اظہار کرتی ہیں۔ بچوں کے لباس، کھلونے اور امتحانی نمبرات کو بھی برتری اور تکبر کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ عام لوگوں میں اچھی گاڑی، گھر اور کوٹھی کے حصول کو بھی برتری قائم کرنے کے مقاصد کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اشرافیہ میں مادیت کی مروجہ صورتوں میں سے ایک اور اہم ترین صورت امیر اور مالدار ہونے کا متکبرانہ مظاہرہ ہے۔ وہ ہر ایسا طرزِ زندگی اختیار کریں گے جس سے وہ باقی معاشرہ کو اپنے سے کمتر اور حقیر بنا کر رکھیں۔ جس کے پاس زیادہ زمین ہے وہ وڈیرہ اور جاگیر دار کہلاتا ہے، شاہانہ زندگی گزارنے اور برتری قائم کرنے کے لیے وہ اپنے علاقہ کی عوام کو اپنا غلام بنا کر رکھتے ہیں۔ بڑے صنعت کار اور کاروباری افراد عام آدمی کو کیڑے مکوڑوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ جس کے پاس کرسی اور اقتدار ہے وہ بھی باقی معاشرہ کو اپنے مقابلہ میں کمتر سمجھتا ہے۔

اشرافیہ کے متکبرانہ اور برتر ہونے کے اس رویہ نے معاشرے کو کئی مسائل میں جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی شاہانہ طرزِ زندگی سے عوام میں محرومی کا احساس تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ دوسری طرف اس معیارِ زندگی کے حصول کی خواہش رکھنے والے افراد میں نفسی نفسی اور خود غرضی رواج پا رہی ہے۔ انسانی طبع سے انس و محبت ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام نے تکبر کو حرام اور متکبر کا انجام جہنم قرار دیا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے تکبر کا جامع مفہوم بیان کرتے ہوئے بتایا کہ حق کے انکار کرنے اور لوگوں کو اپنے مقابلہ میں حقیر و کمتر سمجھتا ہے۔ تکبر کی مذمت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا::

((لَا یَدخُلِ الجَنَّۃَ مَن کَانَ فِی قَلبِہٖ مِثقَالَ ذَرَّۃٍ مِن کِبرٍ)) (۱)

ترجمہ: وہ جنت میں نہ داخل ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو گا۔

متکبر اپنی برتری قائم کرنے کے لیے شرع، اخلاق اور اقدار کو روندتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ اس کے اس رویہ کے باعث معاشرہ میں بگاڑ و فساد پیدا ہوتا ہے۔ معاشرہ اس کے شر سے متاثر تو ہوتا ہے لیکن عاقبت متکبر کی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا::

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر، ح ۲۶۱

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾[1]

ترجمہ: وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔

ریاکاری:

ریاکاری کے عمومی معنی دکھلاوے کے ہیں جسے Show off کہا جاتا ہے۔ یعنی کوئی کام لوگوں کو دکھانے کی نیت سے کرتا ہے۔ ریاء اسلامی شریعہ کی اصطلاح ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ صالح اعمال اس ارادے سے کرے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نیک اور صالح انسان سمجھیں یا پھر وہ کام لوگوں کی خوشنودی کے لیے ہو نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، ریاء اخلاص کا مد مقابل ہے۔

دکھلاوے کی جو صورتیں آج ہمارے معاشروں کے اعلیٰ طبقہ میں عام ہیں۔ ان میں اہم فلاحی کاموں کی تشہیر ہے۔ یہ لوگ فلاحی کام اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ عوام میں سخی اور نیک دل مشہور ہوں۔ ان فلاحی کاموں کا بنیادی مقصد سیاسی یا پھر اپنے جرائم پر پردہ ڈالنا ہوتا ہے۔ ریاکاری کا خود نمائی سے گہرا تعلق ہے۔ یہ دونوں خرابیاں اعلیٰ طبقہ کے سبھی لوگوں میں عام ہیں۔ کسی بھی محفل میں خود کو برتر ثابت کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ صحیح بات کا انکار کرنے کے لیے چکنے چپڑے سوالات واستدلالات سے مدد لی جاتی ہے۔ ناشائستہ گفتگو کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لوگوں کی پگڑیوں کو اچھالا جاتا ہے۔ مخالفوں کی خامیوں اور گناہوں کی تشہیر اس لیے کی جاتی ہے تاکہ یہ ثابت ہو کہ مجھ میں یہ خامیاں نہیں ہیں۔ میں ان سے بالاتر اور اعلیٰ ہوں۔ اپنی اچھائیوں کو عوام میں اس لیے بیان کرتا ہے کہ لوگوں سے داد وصول ہو۔ اس کی نمایاں مثال ہمارے ملک، ٹی وی چینل کے پروگرامز اور ٹاک شوز ہیں۔ ان پروگرامز کے ذریعہ ایک طرف اعلیٰ طبقہ کو ریاکاری اور خود نمائی کا بھرپور موقع ملتا ہے تو دوسری طرف معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہوتا ہے۔ ان محافل میں لوگ اپنی اچھائیوں اور نیکیوں کی تشہیر کے ذریعہ بھی ریاکاری کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اپنے لباس اور عام استعمال کی چیزوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ جناب ہمارے ملک میں تو کوئی چیز ایک نمبر نہیں ملتی فلاں چیز اور یہ کپڑا ہم امریکہ اور برطانیہ سے منگواتے ہیں۔ ہمارا آنا جانا کئی ممالک میں رہتا ہے۔ ہم تو بسکٹ بھی برطانیہ کے کھاتے ہیں۔ سرکاری خدمات کی ذمہ داریوں پر متعین افراد کا تعارف یوں پیش کیا جاتا ہے کہ میرے ماموں سیکرٹری ہیں۔ بھائی وزیر اعلیٰ کا مشیر ہے انکل وزیر ماحولیات ہیں وغیرہ۔

۱۔ القصص: ۸۳

حد یہ کہ آج لوگ مادی برتری کا دکھاوا کرنے کے لیے اپنی عبادات تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں مثلاً کاروبار چلانے اور لوگوں میں شرافت کا اظہار کرنے کے لیے داڑھی بڑی کرنا اور انداز گفتگو میں عاجزی دکھانا۔ حج اس لیے کرنا کہ مارکیٹ اور خاندان میں کم درجہ کے کسی فرد نے حج کرکے زیادہ عزت حاصل کر لی یا پھر حاجی کہلوانے کے لیے قربانی کے جانور اور تلاوت و تہجد تک کو برتری اور خود نمائی کے لیے استعمال کرنا عام رواج بن چکا ہے۔ شادی اور نکاح کو بھی ریاکاری اور خود نمائی کا اہم موقع سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے ریاکاری کو شرکِ اصغر قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((انَّ اَخوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیکُم الشِّرکَ اَلاَصغَرَ قَالُوا وَمَا الشِّرکُ الاَصغَرُ، یارسول اللہ؟ قال: اَلرِّیَاءُ)) [۱]

ترجمہ: جس چیز کے بارے میں آپ لوگوں پر زیادہ ڈر رہا ہوں وہ شرکِ اصغر ہے، صحابہ رضی اللہ عنھم نے پوچھا، شرک اصغر کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا: ریاء۔

ریاکاری کے مقابلے میں اسلام اخلاص کا حکم دیتا ہے۔ اخلاص سے مراد کسی بھی کام کو محض اللہ تعالیٰ کا حکم اور رضا کے لیے سرانجام دینا اور اس عمل کی انجام دہی پر کسی بھی مرحلہ پر ریاکاری کا شائبہ بھی نہ ہو۔ کسی بھی کام کو ریاری سے محفوظ رکھنا نہایت مشکل ہے۔ یہ احساس کمتری سے احساس برتری کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ اسلام نے اس بیماری سے بچنے کا حکم بھی دیا اور علاج بھی بتایا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ زندگی گزارنے کے لیے اسلامی اخلاق کو اپنایا جائے، خود احتسابی اور خوفِ آخرت بھی ریاء کاری کا اہم علاج ہیں۔ لوگوں کی مذمت اور تعریف سے بے پرواہ ہونا اور ان سے کسی قسم کی لالچ نہ رکھنا بھی ریا کا اہم علاج ہے۔

شوقیہ قانون شکنی:

انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کا مل جل کر زندگی گزارنا مجبوری ہے۔ انسانوں کے مجمع اور اجتماع کو منظم کرنے اور رکھنے کے لیے قانون کا وجود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قانون ان قواعد و ضوابط کو کہا جاتا ہے جو بلا امتیاز پورے معاشرے پر نافذ ہوتے ہیں۔ ان قوانین کی حفاظت پورے معاشرہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ قوانین معاشرے کے حقوق کی حفاظت کو یقینی بناتے ہیں۔ ان قوانین کو توڑنے والا سزا کا حقدار ہوتا ہے۔ یہ قوانین اعلیٰ و ادنیٰ کے فرق کو مٹا کر معاشرے میں عدل و مساوات کو ترویج دیتے ہیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اکثر قانون شکنی کا ارتکاب اثر و رسوخ

۱۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، باب الریاءِ والسُمعۃ، ح ۵۳۳۴

رکھنے والوں اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے کیا۔ اعلیٰ طبقہ میں مادیت کی مروجہ صورتوں میں عصرِ حاضرت میں پائی جانے والی ایک صورت شوقیہ قانون شکنی بھی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ جہاں جہاں اور جتنا جتنا اثر رکھتے ہیں قانون شکنی کا شوقیہ مظاہر کرتے ہیں۔ جس کا اثر قومی سطح تک ہے وہ ملکی سطح پر قانون شکنی کا ارتکاب کرتا ہے اور جس کی پہنچ بین الاقوامی سطح کی ہے وہ جہاں چاہتا ہے دنیامیں قانون شکنی کرتا ہے۔ اس قانون شکنی کا مقصد طاقت کا مظاہر کرنا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر آج ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو ممالک سپر پاور (Super Power) کی حیثیت رکھتے ہیں وہ کمزور ممالک پر اندھادھند طاقت کا استعمال کرتے کرکے بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔ لیبیا، عراق، افغانستان اور شام کے حالیہ حالات اس کی اہم مثالیں ہیں۔ دنیا کی بڑی طاقت لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی ہلاکت کے بعد اس کے جواز بھی پیش کرتے ہیں۔

بین الاقوامی اثر رکھنے والے افراد کے شہزادے اور شہزادیاں دنیامیں کسی بھی ملک جاکر ان کے قوانین کی سرِعام خلاف ورزی کرتے ہیں اور انھیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ لیبیا کے شہزادے نے برطانوی مشہور شاہراہ پر نہ صرف حدر فتار کی خلاف ورزی کی بلکہ وڈیو بناکر اس کی تشہیر بھی کی۔ اسلحہ کی نمائش اور استعمال بھی شوقیہ قانون شکنی کی ایک اہم مثال ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے افراد سرِعام اسلحہ کی نمائش کرتے ور استعمال بھی کرتے ہیں۔ سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں یہ مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے ان کا ایک مقصد سیاسی طاقت کا مظاہرہ کرنا بھی ہوتا ہے۔ میڈیا اور سوشل میڈیا پر ان لوگوں کی قانون شکنی کے ان واقعات کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ یہ لوگ قانون شکنی کے واقعات کو فخریہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ پیسے کے بل بوتے پر قانون شکنی کرنے والے افراد اپنی گاڑیوں کے شیشوں پر کالی شیٹس لگاکر قانون توڑتے ہیں، سڑک پر حدر فتار کی پرواکیے بغیر راہ گیروں کو کچل کر بھاگ جاتے ہیں، کچھ افراد اپنے آپ کو اعلیٰ اور وی آئی پی دکھانے کے لیے اپنی گاڑی پر نیلی بتی اور مخصوص سائرن لگاکر عوام سے پروٹوکول لیتے دکھائی دیتے ہیں وغیرہ۔

اسلام نے معاشرے کو منظم کرنے اور اعلیٰ وادنیٰ کا فرق مٹانے کے لیے دو قسم کے قوانین مقرر کیے۔ ایک شرعی قوانین اور دوسرا معاشرتی قوانین۔ ان دونوں قوانین پر عمل کو لازمی قرار دیا۔ قانون شکنی پر اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز کیے بغیر سزا کا نفوذ کیا۔ اس کی اہم مثال بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے ملتی ہے۔ کہ جب ازد قبیلہ کی فاطمہ نامی خاتون نے چوری کی اور اس کی سزا کی معافی کے لیے اعلیٰ ترین سفارش آئی تو اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))[1]

ترجمہ: بخدا! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حقارت آمیز رویہ:

اعلیٰ طبقہ میں پائی جانے والی مادیت کی صورتوں کے مظاہر میں سے ایک حقارت آمیز رویہ بھی ہے۔ اس رویے کا مظاہر ان کے انداز اور طرز زندگی میں عام دکھائی دیتا ہے۔ یہ لوگ اپنے مقابلہ میں دوسرے لوگوں بالعموم اور نچلے دو طبقوں کو بالخصوص کمتری اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کا ذکر حقارت سے کرتے ہیں۔ آمنا سامنا ہو تو گفتگو اور نظروں میں ان کو کمتری کا احساس دلاتے ہیں۔ ان کو سلام کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ان کو غربت، پیشے، شکل اور لباس کا طعنہ دے کر اوقات یاد دلاتے ہیں۔ قدیم دور میں جب اللہ تعالیٰ نے اقوام کی طرف رسول ﷺ مبعوث فرمائے تو یہ طبقہ ان کا مذاق اڑاتا کہ یہ مال و منال میں ہم سے کم ہیں تو ہم ان کے پیرو کیسے ہو سکتے ہیں۔ کمزور اہلِ ایمان کا بھی مذاق اڑاتے تھے۔ جدید مغرب کو جب عروج حاصل ہوا تو گوروں نے جس طرح کالوں کے ساتھ حقارت آمیز رویہ روا رکھا اس کا مشاہدہ ہم نے خود کیا۔ برصغیر میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے یہاں کی اکثریت کے ساتھ ہتک آمیز رویہ رکھ کر ان پر ذلت مسلط کر دی۔ انگریزوں نے یہاں عرصہ تک حکومت کی جو کسر باقی تھی وہ انھوں نے نکال دی۔ موچی، قصائی اور مسلی وغیرہ کے القاب ایجاد کر کے معاشرے میں چند طبقات کو حقارت آمیزی کا نشانہ بنا دیا۔ آج ہم اپنے معاشرہ میں مادہ پرستوں کے حقارت آمیز رویہ کا مشاہدہ کئی اشکال میں کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے علاوہ تمام لوگوں کو حقیر بلکہ کیڑے مکوڑوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ ان کا رویہ اپنے ملازمین اور خدام کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ جیسا جانوروں کے ساتھ کسی کا ہو۔ وہ انھیں گالیاں دیتے اور مارتے ہیں۔ اس قسم کے کئی واقعات آئے روز ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے اور سنتے ہیں۔ عوام کے ساتھ ان کا تعلق محض مفادات تک محدود ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے وڈیروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے عوام کے ساتھ برتاؤ سے کون واقف نہیں۔ جن علاقوں پر ان کا اثر ہوتا ہے وہاں کے لوگوں پر ترقی کی ہر راہ مسدود کر دیتے ہیں۔ اگر کسی شعبہ میں کوئی ترقی کرتا ہے تو وہ اس کا راستہ روکتے بلکہ قتل تک سے گریز نہیں کرتے۔ مخالفین کو پست دکھانے کے لیے عوام میں انھیں بدنام کرنے کے لیے میڈیا کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کی پگڑیاں اچھالی جاتی ہیں اور ان پر ذاتی حملے کئے جاتے ہیں۔

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب حد السرقہ، حدیث: ۳۴۷۵

فقراء و مساکین کا تمسخر کیا جاتا ہے اور ان کی تحقیر و تذلیل سر عام کی جاتی ہے۔ ان کے لباس، مقام، گھر، سائیکل، بچوں اور معزوریوں پر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

مادہ پرستوں کے حقارت آمیز رویہ سے ان کے عزیز و اقارب بھی محفوظ نہیں رہتے۔ یہ لوگ اپنے اعزاء کو بھی اپنے مقابلہ میں کم تر اور حقیر سمجھتے ہیں۔ ہر معاملہ، تعلق داری اور رشتہ داری میں ان سے امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں۔ اپنے سے اعلیٰ اور ہم پلہ رشتہ داروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی رشتہ داروں کو فراموش کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو نائی، قصائی اور دھوبی کا طعنہ دے کر حقارت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ذاتوں اور قبائل کی تقسیم مادی تحریک کی ایک صورت ہے جس علاقے میں جس کے پاس سرمایہ زیادہ ہے اس کا خاندان وہاں معزز ہے وہاں کے باقی باسی کمی کمین سمجھے جاتے ہیں۔

اعلیٰ طبقہ کے اس رویہ سے معاشرہ کئی خرابیوں اور برائیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان کے ملازمین دیکھا دیکھی اسی طرح کا ہتک آمیز رویہ عوام سے روا رکھتے ہیں۔ معاشرے میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو ان کی تقلید کے باعث اپنے سے کمزوروں کے ساتھ اسی طرح پیش آتے ہیں۔ اس طرح کے رویہ سے ظلم کے نئے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جو لوگ اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ جلد امیر ہونے کے لیے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ رحم دلی، مساوات اور اخوت کے جذبات معدوم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ قانون مذاق بن جاتا ہے۔ معاشرہ جنگل کے قانون کی نظر ہو جاتا ہے۔ معاشی، معاشرتی اور سماجی ترقی کی ہر راہ مسدود ہو جاتی ہے۔ رسول ﷺ کو جس معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داری سونپی وہ معاشرہ اعلیٰ و ادنیٰ، کالے اور گورے اور سرخ و سفید میں منقسم تھا۔ آپ ﷺ نے آغاز دعوت سے خطبہ حج الوداع تک اس تقسیم کو ختم کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے اور اخوت و مساوات کی تعلیم و تنفیذ کے ساتھ معاشرے کو برابری کی لڑی میں پرو دیا۔ برتری کا معیار صرف اور صرف تقویٰ کو قرار دیا، معاشرے کی تنظیم کے لیے سورۃ الحجرات میں بالخصوص اور باقی قرآن میں بالعموم احکامات نازل فرمائے۔ فرمایا:

﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾[1]

ترجمہ: کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں.

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

۱۔ الحجرات:۱۱

((اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ، وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ، وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ، وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ، اِلَّا بِالتَّقْوٰی))[1]

ترجمہ: خبر دار! کسی عربی کو عجمی اور نہ کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی کسی سرخ کو کالے اور کالے کو سرخ پر کوئی برتری حاصل ہے ماسوائے تقویٰ۔

مال کے خاتمہ کا خوف:

اعلیٰ طبقہ کے لوگ پہلے مال جمع کرنے کی دھُن میں مصروف و مغموم رہتے ہیں جب وہ مال جمع کر لیتے ہیں تو ان کا گھیراؤ ایک نیا غم اور خوف کر لیتا ہے۔ یہ خوف جمع شدہ مال کے خاتمہ کا ہوتا ہے۔ ہر وقت وہ اس بات سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ کہیں جمع شدہ مال اچانک ختم ہو گیا تو ہمارا کیا بنے گا۔ ہمارے لیے زندگی کتنی مشکل ہو جائے گی؟ جن لوگوں کو ہم حقیر و کمتر سمجھتے ہیں ان سے کیسے آنکھیں ملائیں گے؟ اس خوف کے سائے اور دباؤ میں ان کے اکثر فیصلے غلط اور ناپختہ ہوتے ہیں۔ ان فیصلوں کا خمیازہ وہ خود اور ان کے بچے بھی بھگتتے ہیں اور عوام بھی ان کے مضر اثرات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مال کے خاتمہ کے خوف کے باعث یہ لوگ کئی ناجائز اور غیر قانونی حربہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی کالے دھن کو سفید کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ ان حربوں میں ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ اور کم ماپنا تولنا ہے۔ یہ لوگ نیشنل چوری کے لیے کئی حربے استعمال کرتے ہیں۔ کاروبار اور تجارت میں جھوٹ بولنے کو کاروبار کا طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ ملازمین سے کام زیادہ اور اجرت کم دی جاتی ہے۔ کاروبار میں معمولی کمی پر ملازمین کو نوکریوں سے نکال دیا جاتا ہے۔ مال میں کمی کا خوف جوں جوں بڑھتا جاتا ہے۔ خود غرضی، لالچ، ظلم اور کرپشن کے خوف کا گراف بلند ہوتا جاتا ہے۔ یہ لوگ مال کو بچانے کی خاطر بیٹیوں کی شادیاں نہیں کراتے کہ وراثت میں حصہ دینے سے ان کی جائیدادیں کم ہوں گی۔ ان کی شادی قرآن سے کر دی جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ خاندانی منصوبہ بندی کے تحت (بچے دو ہی اچھے) کے پیچھے بھی یہی سوچ کارفرما ہے۔ اس طرح اقرباء کو جائیداد میں حصہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ دوسروں کی جائیدادوں پر قبضہ کرنے کے لیے جعلسازی اور جھوٹے مقدمات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مال کی کمی کا خوف ان لوگوں کو خدا خوفی سے بھی بے خبر کر دیتا ہے۔ یہ لوگ زکوٰۃ و خیرات کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ اپنی اولاد کو دینی تعلیم کی طرف اس لیے نہیں لاتے کہ اس میں انھیں مادی فوائد کم نظر آتے ہیں۔ دینی

ا۔ ابنِ حنبل، احمد بن حنبل الشیبانی، المسند، باب ماجاء فی الترھیب من التفاخر بالآباءِ فی النسب، (ریاض: دار السلام،)، ح ۹۷۳۲

مدارس کا رخ غرباء و مساکین، معزور اور نابینا افراد کرتے ہیں۔ اسلام نے فکر و عمل کا ایسا خوبصورت نظام فراہم کیا ہے جو انسان کو ہر قسم کے مادی تفکرات سے آزاد کر دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان لوگوں کو جابجا سمجھاتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾[1]

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔

اسلام نے انسان کو یہ سمجھایا کہ یہ تمھارے بس کی بات ہی نہیں کہ تم اپنے رازق خود بن جاؤ۔ رزق آسمانوں سے آتا ہے اور یہ عطیہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کنٹرول میں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ربانی اصولوں اور تعلیمات کے مطابق حصول رزق کی جستجو کرے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب انسان نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تو معاشرے انتہائی ظلم کا شکار ہوئے۔ جس معاشرے میں قتل اور بطور کاص اولاد تک کو مال کے پیچھے قتل کیا جاتا ہو وہاں ہر قسم کی خرابیاں اور ظلم کا ہونا لازمی امر ہے۔

ظلم و قتل:

مادیت جس برتری اور تکبر کی داعی ہے اس سے جبر و استبداد کی جو صورتیں بنتی ہیں ان میں سے ایک ظلم اور قتل بھی ہے۔ مادہ پرستی کا شکار اعلیٰ طبقہ معاشرے کو ظلم کی چکی میں پیسنے کے لیے نت نئے انداز اختیار کرتا ہے۔ ان میں ارباب اختیار عوام پر مختلف شکلوں میں ظلم کرتے ہیں۔ عوام کو جہالت کے اندھیروں میں رکھ کر اپنے اقتدار اور مال کو جمع کرنے کی لگن میں مگن رہتے ہیں۔ ان کو صحیح معلومات نہیں فراہم کرتے۔ بھاری ٹیکسوں سے ان کے مال کو لوٹنے کے منصوبے بناتے ہیں۔ سہولیات زندگی کی دستیابی کو مشکل اور مہنگا کرتے ہیں۔ جو لوگ ان کے مقابلہ میں آئیں ان کے لیے زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ مخالفین کو قتل کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ کرائے کے قاتلوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ملک اور علاقہ میں دہشت پھیلا کر عوام کو لوٹنے کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ ایسے گروہوں کو منظم کیا جاتا ہے جو ان لوگوں کے مخالفین کو اغوا اور قتل کرتے ہیں۔ اس قسم کے گروہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر آج سرگرم عمل ہیں۔ اس قسم کے واقعات و حالات کے پیچھے بین الاقوامی ایجنسیوں کی کہانیاں زبان زدِ عام ہیں۔ بڑی کمپنیاں بھی اپنے مال اور ادویات کی فروخت کے لیے جانوں تک کو داؤ پر لگانا روزمرہ کا کام ہے۔ ہم نے سنا کہ ایک کمپنی نے ایک دوائی جانوروں کے لیے بنائی جب اس نے جانوروں کو نقصان پہنچایا تو باقی ماندہ دوائی

۱۔ الاسراء:۳۱

دوسرے ملک پہنچا دی گئی۔ اس سے جانوروں کے ساتھ ساتھ انسان بھی متاثر ہوئے۔ تاجروں کو دیکھیں تو یہ ملاوٹ سے زہر آلود غذائیں فروخت کر کے پیسہ کمانے کے چکر میں قتل عام جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اسلام نے قتل کی ہر صورت کا سدِ باب کیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾[۱]

ترجمہ: جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔

ب۔ متوسط طبقہ:

مادی فکر نے معاشرے کو جن طبقات میں تقسیم کیا ہے ان میں دوسرے درجہ کے طبقہ کو متوسط طبقہ یا Elite Class کہا جاتا ہے۔ متوسط طبقہ میں بھی مادیت کی کئی اشکال و صورتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ مادی کے اعتبار سے دو کشتیوں کے سوار ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ آدھا تیتر آدھا بٹیر والا ہوتا ہے۔ کہلاتے Middle Class میں لیکن طرز زندگی Elite Class والا گزارنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں پائی جانے والی چند مروجہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونے کی خواہش:

یہ سوچ متوسط طبقہ میں مادیت کی تمام صورتوں کی بنیاد ہے۔ یہ طبقہ بنیادی ضروریات زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے تاہم تعیشات کی استطاعت نہیں رکھتا مگر اس کا شوق اپنے دل میں پالتا ہے۔ یہ خواہش اس طبقہ کی فکر کا رخ مادیت کی طرف موڑ دیتی ہے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونے کے لیے طرز اور طور واطوار اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے یہ طبقہ کئی قباحتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونے کے لیے یہ لوگ ان سے مراسم قائم کرنے کے راستے تلاش کرتے ہیں۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں اشرافیہ کی نقالی کرتے ہیں۔ اپنے انداز و لباس سے ان کے طرح ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ اس قسم کے مناظر اہم اور بڑی تقریبات میں عام نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اعلیٰ ثابت کرنے کے لیے ان تقریبات کو نادر موقع سمجھتے ہیں۔ بڑے اہتمام سے ان میں شرکت کرتے ہیں۔ ایسا لباس و انداز اختیار کرتے ہیں کہ ان کے خاندان کو بڑا اور معزز سمجھا جائے عورتوں اور بچوں کو اس کے لیے خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔ ان تقاریب کے لیے نئے لباس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۱۔ المائدہ:۳۲

ان باتوں کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ لباس نہ پہنا جائے جو لوگوں نے پہلے دیکھا ہوا ہو۔ لباس کا حصول قدرت سے باہر ہو جائے تو رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے لباس عاریتاً لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اوپر والوں کی چاپلوسی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کے رشتے بڑے خاندانوں میں دینے اور لینے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔

یہ لوگ نچلے طبقہ سے نہ صرف قطع تعلق کرتے ہیں بلکہ ان سے نفرت کرتے اور حقارت کا نشانہ بناتے ہیں۔ افراد کی قیمت مال اور دولت سے مقرر کرتے ہیں۔ اوپر والوں میں شامل ہونے کے لیے مادہ پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یوں یہ لوگ اس فاسد خواہش کی تکمیل میں اپنا وقت، صحت، توانائیاں اور مال کو ضائع کرتے ہیں۔ ان حالات میں ان لوگوں کو جو سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے وہ ہے اسلام اور انسانی اقدار سے محرومی۔ یہ لوگ اخوت، مساوات و ایثار اور صلہ رحمی وغیرہ کے خوب صورت اخلاق سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی جگہ تکبر، خوف، نفرت، تحقیر، بے رحمی اور کئی دوسرے رزائل ان کے دلوں میں رچ بس جاتے ہیں۔ اسلام نے اس منفی خواہش کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾[1]

ترجمہ: اور خدا نے رزق (ودولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ اس نے لوگوں میں رزق کی تقسیم میں تفاوت رکھا۔ یہ تفاوت معاشرے کی تنظیم میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

انسانی جذبات و احساسات کا خاتمہ:

اس طبقہ کے لوگ احساس برتری کے زعم میں احساس کمتری کی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کی چال چلنے کے چکر میں خود کو بے حال بلکہ بدحال کر دیتے ہیں۔ خود کو اعلیٰ و بالا سمجھنے والا یہ طبقہ بنیادی انسانی جذبات و احساسات سے عاری ہو جاتا ہے۔ طرزِ زندگی تصنع اور بناوٹ کا شاخسانہ ہوتا ہے۔ حقائق اور اعلیٰ اقدار سے عاری جذبات واحساسات رکھنے والا یہ طبقہ اپنے معاملات کی بنیاد جھوٹ پر قائم کرتا ہے۔ ان کا قول و فعل جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔ مالدار اور امیر ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ مال کے حصول کے لیے نہ کسی قانون کے پابند رہتے ہیں نہ اخلاق کے۔ دھوکہ دہی، فراڈ، غبن اور کرپشن کے خوفناک طریقے اختیار کرتے ہیں۔ تجارت اور لین دین کے دوسرے امور سے یہ لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ملاوٹ، کم ماپ تول اور فریب کاری کا ظالمانہ کھیل پورے عروج پر ہے۔

۱۔ النحل: ۷۱

یہ لوگ کمزور طبقہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ بے رحمی سے پیش آتے ہیں۔ ان سے حقارت آمیز اور بہیمانہ برتاؤ سے پیش آتے ہیں۔ بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت معاشرہ ان ہی خرافات کا شکار تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا والدین اپنے ہاتھوں سے بچوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ ظلم، قتل و غارت اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تقسیم رواج پا چکی تھی۔ معاشرتی، مذہبی اور سماجی اعتبار سے یہ معاشرہ بدترین پستی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایسے میں اسلام کی آمد ان کے لیے راحت کا سامان بنی۔ اسلام نے عظمت انسانی کی جنگ لڑی۔ ان میں تمام اقدار و احساسات کی روح پھونکی۔ انسان کو یاد دلایا کہ ساری مخلوق میں آپ اشرف و اعلیٰ ہیں۔ فرمایا

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾(۱)

ترجمہ: کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

تعیشات کو ضروریات میں شمار کرنا:

اس طبقہ میں مادیت کی موجودہ صورتوں میں ایک اہم صورت ضروریات سے تعیشات تک کا انتھک سفر ہے۔ یہ سفر ان کی کمر توڑ دیتا ہے۔ اپنے اوپر کے طبقہ کی پیروی میں یہ لوگ اپنا معیار زندگی ان کے برابر کرنے کے لیے اپنے اوپر اضافی بوجھ ڈال لیتے ہیں۔ اس اضافی بوجھ کی اہم اشکال درج ذیل ہیں۔

یہ لوگ اضافی اخراجات کی تکمیل کے لیے اضافی ڈیوٹی، کام اور کاروبار وغیرہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جس کے باعث ان کے پاس خاندان اور بچوں کی تربیت کے لیے فرصت نہیں ہوتی۔ عزیز و رشتہ داروں سے کٹ جاتے ہیں۔ صحت اضافی بوجھ کے باعث متاثر ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہی کمائی ہوئی دولت گنوائی ہوئی صحت کی بحالی پر خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اس سارے معاملہ میں مایوسی اور محرومی کا احساس ان کے قلوب و اذہان میں رچ بس جاتا ہے۔ پھر بڑا آدمی بننے کے لیے بڑی گاڑی اور بڑے گھر کے حصول کو بھی بنیادی ضروریات میں شامل کیا جاتا ہے۔ شادی پر متعدد رسوم و رواج پر لاکھوں بلکہ کروڑوں خرچ کیے جاتے ہیں۔ ولادت و مرگ پر ایسی رسوم منائی جاتی ہیں جن پر کروڑوں کا خرچ متوسط طبقہ کے لیے خاصہ بوجھ بن جاتا ہے۔ ان رسوم کے لیے قرض اٹھاتے ہیں۔ بچوں کو صرف اس لیے مہنگے سکول میں ڈالا جاتا ہے کہ لوگوں میں تشہیر کے علاوہ اس طرح معاشرہ کے اعلیٰ طبقہ میں شمولیت کا ایک موقع حاصل کرنے کا بہانہ بھی مل جاتا ہے۔ علاج معالجہ کے لیے مہنگے ہسپتالوں کا انتخاب بھی انھی مقاصد کا ایک مظہر ہے۔

۱۔ التین:۴

یہ لوگ ہر وقت اس بات پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ کون سی تعیشات زندگی ہیں کہ جن کے حصول سے یہ لوگ اشرافیہ میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ ان تعیشات کے حصول کے لیے جہاں ایک طرف یہ لوگ اپنے پر غیر ضروری بوجھ بڑھالیتے ہیں تو دوسری طرف حرص ولالچ انہیں کئی برائیوں پر آمادہ کر دیتی ہے۔ یہ لوگ بڑے طبقہ کے لوگوں سے ہمیشہ مرعوب رہتے ہیں۔ اکثر ان کی چاپلوسی کرتے نظر آتے ہیں۔ تاہم اشراف انھیں اپنے اندر شامل ہونے کا موقع آسانی سے نہیں فراہم کرتے۔ اسلام چادر کو پاؤں سے زیادہ پھیلانے سے منع کرتا ہے۔ حرص ولالچ اور کثرت مال کی طلب کی مذمت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مسابقت انسان کی ہلاکت وتباہی کا لازمی سبب بنتی ہے۔ فرمایا:

((لوکان لابن اٰدم و ادیان من ذھب لا بتغا ثالثا۔)) (۱)

ترجمہ: اگر ابنِ اٰدم علیہ السلام کے لیے سونے کی دو وادیاں بھی ہوتیں تو یہ تیسری کی تلاش میں نکل پڑتا۔

رشتوں اور تعلقات کے معیارات میں تبدیلی:

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کو کنبوں اور قبائل میں پیدا کیا۔ اس بات کی تربیت و تعلیم بھی دی کہ وہ اس رشتہ و تعلق کو کبھی نہ توڑیں۔ مادہ پرستانہ فکر رکھنے والے افراد مادیت کی چھری سے ان رشتوں کو ذبح کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے رشتوں کو توڑتے ہیں۔ اور ایسے نئے رشتے تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کے مادی فوائد وابستہ ہوں۔ آج متوسط طبقہ اعلیٰ میں شمار ہونے کے لیے مادہ پرستی کی صورت کا بری طرح شکار ہو چکا ہے۔ یہ لوگ تمام وسائل صرف کر کے اعلیٰ طبقہ کے افراد سے مراسم قائم کرنے کوشش کرتے ہیں۔ ان سے تعلق کی تشہیر کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا تعلق اشرافیہ سے ہے۔ قریبی رشتوں اور رشتہ سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان رشتوں کی ناقدری کرتے ہیں۔ رشتہ و قرابت کے لیے جب یہ اعلیٰ طبقہ سے تعلق داری کی جستجو کرتے ہیں تو ان کی طرف سے انھیں بھی اسی قسم کی ناقدری کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اپنے سے اوپر کے طبقہ میں جب بیٹوں، بیٹیوں کے رشتے کرتے ہیں تو نہ ان کی بیٹیاں ان کے بیٹوں اور ان کی عزت کرتی ہیں اور نہ ہی ان کے بیٹے ان کی اور ان کے بڑوں کی قدر کرتے ہیں۔ یہ لوگ خودداری کو داؤ پر لگانے کے بعد عزت نفس کو بھی خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔ غریب و نادار اقرباء کو فراموش کرتے ہیں۔ ان سے قطع تعلقی اس لیے کی جاتی ہے کہ ان میں اٹھنے بیٹھے اور تعلقات سے ہم نچلے طبقہ میں کہیں شمار نہ ہونے لگیں۔ ان لوگوں کی نظر میں اچھے اور برے اور اعلیٰ و ادنیٰ کا معیار صرف مال

۱۔ الترمذی، الجامع، باب ماجاء لوکان لابن اٰدم وادیان من مال، ح ۲۱۹، حدیث صحیح

کی کثرت ہے۔ ہر فرد اور رشتے و تعلق کو پیسوں میں تولا جاتا ہے۔ جو جتنا پیسے والا ہے وہ اتنا معزز ہے۔ کردار، تقویٰ اور ایمان ان کی نظر میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ ان لوگوں کا مقصد زندگی روپیہ اور مال ہے۔ فطرت کے عطا کردہ مقصدِ دینی زندگی کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ نتیجتاً اس طبقہ کی مادی فکر انھیں انسانیت کے مرتبہ سے گرا کر بہیمت تک پہنچا دیتی ہے۔ اسلام نے انسان کو محبت، ایثار، مساوات، امداد باہمی اور دوسرے اہم آداب و اخلاق کی تربیت کے لیے کنبوں اور قبائل میں پیدا کیا۔ پھر اس کے خاندان کو اولین درسگاہ بنایا تاکہ ان اعلیٰ انسانی اقدار کی تربیت اس ادارے سے حاصل کرے۔ پھر اسی ادارے سے سختی کے منسلک رہنے کی تاکید بھی کی اور اس پر انعام و ثواب کا اعلان بھی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ))[1]

ترجمہ: جو چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔

د۔ نچلا طبقہ:

مادیت کی دوڑ میں سب سے پیچھے رہ جانے والے افراد کو نچلا طبقہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اکثریت میں رہے ہیں۔ مادیت کی دوڑ میں یہ لوگ کئی حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس مقابلہ میں منزل تک پہنچنے کے لیے جان لیوا مشکلات و مصائب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثریت منزل تک رسائی سے پہلے ہلاکت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس طبقہ میں مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کی چند اہم عصری صورتیں اور مسائل کا ہم ذیل میں مطالعہ کریں گے۔

مرعوبیت:

یہ طبقہ مادہ پرستوں کی پر تعیش زندگی کے نظارے دیکھ کر اپنے دل اور دماغ میں اس کا شوق پالنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ شوق جب خواہش اور حسرت کا روپ دھار لیتا ہے تو یہ طبقہ سعی لاحاصل کی جستجو میں جت جاتا ہے۔ محدود وسائل کے باعث جب یہ لوگ پر تعیش زندگی کی سہولیات سے محروم ہو جاتے ہیں تو تھکے مسافر کی طرح حسرت سے اعلیٰ طبقہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ ان کے طرزِ زندگی کو زندگی کا اصل معیار سمجھتے ہیں۔ ان کے مال و اولاد اور قول و فعل کو بڑا نصیب قرار دیتے ہیں۔ نتیجتاً یہ لوگ اعلیٰ طبقہ سے مرعوبیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، ح ۵۹۸۶

اس قسم کے افراد شہروں اور گاؤں میں برابر موجود ہیں۔ اپنی قسمت سے لوگ ہمیشہ ناراض رہتے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو نہایت کمتر اور ہلکا سمجھنے کے باعث احساس کمتری کا شکار رہتے ہیں۔ اسے یہ خود اور اپنی اولادوں کو مرعوبیت کے دائرے میں قید کر دیتے ہیں۔ ذہنی پستی کے باعث ترقی کی راہیں مسدود ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ خود اعتمادی کا فقدان ان کی زندگیوں میں ہر سطح پر نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی ماحول میں اپنی زندگیاں محرومی اور مایوسی اور مرعوبیت کی فضا میں بسر کرنا اپنی تقدیر سمجھتے ہیں۔ اسلام نے انسان کو غنیٰ، خود داری اور کفایت شعاری کی وہ اعلیٰ تربیت و تعلیم دی کہ جو ہر انسان کو فقیری میں امیری کا مقام عطا کرتی ہے۔ کسی قسم کی مرعوبیت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ کو اسوہ حسنہ کا نمونہ بنایا۔ کچی چھت کے نیچے بیٹھ کر آپ ﷺ نے قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کو خطوط لکھے وہ اس کا ثبوت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ﴾(۱)

ترجمہ: تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا۔

خود اعتمادی کا فقدان:

نچلے طبقہ کا یہ المیہ ہے کہ برتری کی جستجو میں جہاں یہ بڑے بڑے اور حادثات کا شکار ہوتے ہیں وہاں ان کی شخصیت پر کئی ایک بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان اثرات میں خود اعتمادی کا کھو جانا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ یہ نقصان اس طبقہ کے مادہ پرستوں کے لیے تنزلی اور تباہی کا نیا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اشراف کا درجہ حاصل کرنے کے لیے یہ طبقہ بڑے فیصلے کرنے کا سوچتا ہے تو حالات اور فطرت ان کا ساتھ نہیں دیتے۔ اسی صورتِ حال میں مایوسی ان کے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے۔ جب آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو پہلے خود داری اور پھر خود اعتمادی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں یہ طبقہ عموماً بڑے بڑے دعوے اور پروگرام بناتے نظر آتا ہے مگر عملی اقدام صفر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر یہ لوگ معاشرے میں بدنام ہو جانے کے علاوہ اپنا اعتماد کھو بیٹھتے ہیں۔

اسلام نے خود اعتمادی کی بنیاد ایمان اور عملِ صالح کے بعد کفایت شعاری اور قناعت پر رکھی ہے۔ قرآن و سنت میں جابجا اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ برتری کا معیار تقویٰ کو قرار دیا نہ کہ مادی اشیاء کو۔ مادی ترقی کے حصول میں وقت، دقت اور مشقت درکار ہوتی ہے۔ تاہم تقویٰ کے حصول کے لیے اس قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں در پیش ہوتی۔

۱۔ التوبہ:۵۵

قرآن نے کئی ایک ایسے عالمی حقائق حصولِ عبرت کے لیے پیش کئے ہیں جن میں مادہ پرستوں کے عبرناک انجام اور اہلِ تقویٰ کے شاندار انجام کا ذکر کیا۔ فرمایا:

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴾[1]

ترجمہ: اور (نیک) انجام (اہل) تقویٰ کا ہے۔

رزائلِ اخلاق:

بدقسمتی اور المیہ یہ ہے کہ مادیت کی اندھی دوڑ میں یہ طبقہ متعدد اخلاقی رزائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ مال و اسباب کو یہ لوگ دین وایمان اور اخلاق حسنہ سے بھی برتر جانتے اور گردانتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں مال کی محنت رچ بس جاتی ہے۔ ایسی صورت میں مال وزر کا حصول ان کی فکر و عمل کا محور بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مال کے حصول کے لیے یہ لوگ اقدار قطعاً فراموش کر دیتے ہیں۔ حد یہ کہ اچھائی اور کامیابی کا معیار سچائی اور امانت کی جگہ جھوٹ اور بد دیانتی قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے ملک میں عزت کی روزی کی دستیابی کے باوجود مال کی حرص کے باعث دوسرے ممالک کا رخ کرتے ہیں جہاں ذلت اور خفت کے ساتھ ساتھ والدین، اعزاء اور وطن سے دوری کے کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔ ملاوٹ، کرپشن، فراڈ، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ جیسے جرائم میں ملوث اکثر یہی طبقہ پایا جاتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ سے مرعوبیت کے باعث یہ لوگ ان کی مکاری، عیاری، عیاشی اور بدمعاشی کا شکار اور آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کے افراد ان لوگوں کو اسلحہ دے کر مخالفین کے قتل وغارت اور اغوابرائے تاوان کے لیے آلہ کار بناتے ہیں ۔ اس طبقہ کی خواتین ملازمت اور نوکری کی خاطر اشرافیہ کی ہوس کا شکار بن جاتی ہیں۔ پیسہ اور مال کے شوق میں یہ لوگ اکثر اوقات دھوکہ دہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کی لوٹ مار کا شکار ہو جانا روزمرہ کی کہانی بن چکی ہے۔ اس کی بڑی مثال کئی لوگ جعلی ویزہ پر بیرون ملک نوکری کے لیے جاتے ہوئے یاتو زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں یا پھر گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسلامی طرز زندگی میں اخلاقِ حسنہ کو چونکہ ہر قسم کی مادیت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

اس لیے اسلام نے حصول مال کے لیے اخلاقی گراوٹ کی سخت مذمت کی ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اسی پرواز کی برقراری کے لیے قرآن حکیم نے راہنمائی فرمائی:

ا۔ طٰہٰ:۱۳۲

﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾[1]

ترجمہ: تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔

اسی رحمت ربانی سے محرورمی ہر خیر سے محرومی ہے۔ آج ہمارے معاشرہ سے زہد و قناعت معدوم ہو گیا ہے۔اس کی جگہ حرص و طمع نے مادیت کو عروج دے رکھا ہے۔ جس کے باعث افراد میں لا محدود خواہشات ایمان و یقین سے دوری کا باعث ہیں۔

سماجی مسائل:

مادہ پرستانا فکر کے باعث یہ طبقہ متعدد سماجی مسائل و مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ طبقہ چونکہ اپنے آپ کو اعلیٰ و برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اسی باعث یہ لوگ سماجی تعلق اور رشتہ کے لیے اعلیٰ طبقہ کا رُخ کرتے ہیں ۔بچوں کی شادی کے لیے رشتہ لینا اور دینا ہو یا پھر دیرینہ تعلقات ہوں یہ لوگ اعلیٰ طبقہ کا رخ کرتے ہیں۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ یہ لوگ متعدد مسائل کا شکار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنا اور اپنے بچوں کا بہت وقت اس انتظار میں ضائع کر دیتے ہیں کہ شاید اوپر کے لوگوں میں سماجی طور پر شامل ہونے کا کوئی موقع مل جائے۔ بڑے خاندانوں میں رشتہ نہ ملنے کے باعث بسا اوقات ان کے بیٹے بیٹیاں شادی کی عمر ہی گزار دیتے ہیں۔ بالآخر اخلاقی و نفسیاتی مسائل ان لوگوں کا گھیراؤ کر لیتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں سماجی تعلق اور شادی بیاہ سے فرار کی راہ دکھائے اپنائے جانے کا کلچر عام ہو رہا ہے۔ شہروں میں خواتین کی تیزی سے ملامت اور نوکریوں کے حصول کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ خواتین کی بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو نکاح کے بندھن کو قید تصور کرتی ہیں۔ خود چونکہ پیسہ کماتی ہیں اور نوکری کے لیے انھیں اندرون و بیرون ملک آنے جانے کی آزادی چاہیے جس کے باعث وہ سماجی رشتوں اور روایات کی مکالفت کرتی ہیں۔ ان میں ایسی خواتین کی تعداد بھی کافی ہے جو نکاح تو کر لیتی ہیں لیکن کچھ ہی عرصہ میں وہ طلاق لے لیتی ہیں۔ جنسی تقاضوں کے لیے یہ لوگ مغربی فکر کو اپنا رہے ہیں۔ وہ طرزِ فکر یہ ہے کہ نکاح کے بعد اگر شوہر بیوی ایک دوسرے کو ناپسند کرنے لگیں تو علیحدگی میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ اس لیے نکاح کے عمل کو فرسودہ قرار دے کر بلا نکاح ایک ساتھ رہیں جب دل بھر جائے تو الگ ہو جائیں۔ یہ طرز فکر و عمل ان لوگوں میں عام ہو رہا ہے جو نوکری اور تعلیم کے لیے مغرب کا رُخ کر

۱۔الزخرف: ۳۲

رہے ہیں غرض یہ کہ مادیت نے سماجی کلچر کو از حد بیگاڑ دیا ہے۔ حالات یہ ہیں کہ آج جسم فروشی کو صنعت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ خاندانی نظام کا تصور دھندلا رہا ہے۔ مادیت نے جنسی آوارگی کو عام کیا ہے۔ اس آوارگی نے معاشروں کو ایڈز جیسی بیماری کا تحفہ دیا۔ آج افریقہ، یورپ، ہندوستان بالخصوص اور عالم اسلام بالعموم اس کی زد میں ہے۔ اسلام نے پاکیزہ معاشرہ کے قیام کے لیے منظم خاندانی نظام کے علاوہ قانون سازی بھی کی۔ سماجی مساوات کو عملی طور پر نافذ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ جو کہ غیر عرب تھے ان کا نکاح قریش زادی سے کرا کر سماجی مساوات کی مثال قائم کی۔ زانی کے لیے کوڑوں اور رجم سزا مقرر کی اور نافذ کیا۔ اسلام مسلم معاشروں کو پاکیزہ رکھنے اور سماجی انصاف کو برپا کرنے کے لیے شرعی سزاؤں کو سختی سے نافذ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾[۱]

ترجمہ: بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔

معاشی و معاشرتی مسائل:

مادہ پرستانہ فکر کے باعث نچلا طبقہ متعدد معاشی اور معاشرتی مسائل کا شکار ہو رہا ہے۔ یہ لوگ فکری طور پر دو کشتیوں کے سوار ہو رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ مادی طور پر مالداروں کے ہم پلہ ہونے کا سوچ رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف فقر کی فکر ان کے سروں پر سایہ فگن رہتی ہے۔ اسی نفسیاتی کشمکش کا شکار یہ طبقہ متعدد مسائل کا نشانہ بن جاتا ہے۔ تعیشات کے لیے اضافی مال درکار ہوتا ہے جس کے حصول کے لیے یہ طبقہ عموماً کم ماپ تول اور تجارت میں دھوکہ دہی، چوری چکاری، دفتری چوری اور کرپشن کا ارتکاب کرتے ہیں جس کے باعث معاشرہ آج بے چینی اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی نقالی اس طبقہ کو کئی ایک معاشرتی مسائل سے دوچار کر دیتی ہے۔ یہ لوگ فیشن کے نام پر فحاشی کی طرف نکل جاتے ہیں۔ عیدین، دعوت ولیمہ اور پیدائش کا دن بڑے لوگوں کی طرح دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ اس کی خاطر یہ لوگ اکثر اوقات قرض بھی لیتے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کی مالی مشکلات کا بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ تنگی، غربت اور بھوک و افلاس ان کے ہاں ڈیرے ڈال لیتی ہیں۔ اس کے بعد یہ لوگ نامساعد حالات کا شکوہ شکایت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن حکیم یہ

۱۔ النور:۲

بتاتا ہے ان حالات و مشکلات میں گھِرے افراد کو شیطان اپنا آسان شکار سمجھتا ہے۔ شیطان فقر سے انھیں ڈرا کر برائی، بے حیائی اور بدکاری پر آمادہ کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾[1]

ترجمہ: شیطان تمھیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔

آج دنیا میں جہاں بھی دہشت گردی، بدامنی، فحاشی دھوکہ دہی، قتل وغارت اور جرائم کا کوئی بھی واقعہ دیکھا جائے تو اس میں مادیت ذرہ فکر رکھنے والے اس طبقہ کے افراد ملوث پائے جاتے ہیں۔

۱۔ البقرہ:۲۶۸

باب سوم

مادیت کے دینی واخلاقی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک

فصل اوّل: مادیت کے دینی نظام پر اثرات

فصل دوم: مادیت کے اخلاقی نظام پر اثرات

فصل سوم: مادیت کے دینی اور اخلاقی نظام پر اثرات کا تدارک

فصل اوّل

مادیت کے دینی نظام پر اثرات

انبیاء علیم السلام کی بعثت اور کتب کے نزول کا مقصد معاشروں کے فکر و عمل کی اصلاح کے ساتھ زندگی کے مکمل نظام کی بنیاد عقائد اسلام پر ہے اور اس کا مظہر عبادات خمسہ وغیرہ ہیں۔ اس نظام کی ترویج وترقی کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا۔ اس نظام کو وسعت دینے اور ہر فرد تک پہنچانے کی ذمہ داری ملّت اسلامیہ کے ہر رکن پر عائد کی گئی۔ اس نظام کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ کرنے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے۔ اندرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے عدلیہ اور قانون سازی کا نظام مقرر کیا تو اس نظام کو بیرونی خطرات سے محفوظ کرنے کے لئے جہاد کا حکم دیا۔ جہاد کا بنیادی مقصد بھی یہی اعلاء کلمۃ اللہ قرار دیا گیا۔ فرمایا۔

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ))[1]

ترجمہ: جو اللہ کے کلمہ (دین اسلام) کی سربلندی کے لئے لڑتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔

جہاد اسلام کی بین الاقوامی ترویج وتشہیر کا اہم ذریعہ ہے۔ نظام دین فلاح انسانیت کا ضامن ہے۔ یہ نظام خالق ومالک حقیقی کا وضع کردہ ہے۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ پوری انسانیت نہ صرف اس کو اپنائے بلکہ اس کی سربلندی اور ترویج کے لئے اپنی ذمہ داری کو پورا کرے۔ بنی آدم کی دینی اور دنیوی فلاح کا ضامن یہی نظام ہے۔ قرآن حکیم نے متعدد امثلہ سے واضح کیا کہ جن اقوام نے اس نظام کو اپنایا وہ سرخرو ہوئیں اور جنہوں نے اس کے مقابل اپنا نظام قائم کیا وہ اسی کی زد میں آکر ہلاک ہوئے۔ نظام دین ہماری زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ ہر مسئلہ کا حل بتاتا ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات ہر چیز کی مکمل ومفصل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾[2]

ترجمہ: ہر چیز کا مفصل بیان ہے۔

اس نظام کو اصل شکل میں بحال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن حکیم جابجا اس بات کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نظام کو اپنانا اصل کامیابی ہے۔ پھر یہ واضح کرتا ہے کہ مادیت وہ بنیادی خرابی ہے کہ جس سے اس نظام کو خطرہ لاحق

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب من سال وھو قائم عالماً جالساً، ح۱۲۳

۲۔ النحل:۸۹

ہو سکتا ہے۔ تاریخ اس کی تائید کرتی ہے کہ جن اقوام نے ایسے نظام کے مقابلہ میں مادیت کو ترجیح دی وہ زوال پذیری کا شکار ہوئے۔ ذیل میں چند بنیادی نظام ہائے دینیہ کا ذکر کرنے کے بعد اس مسئلہ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا کہ مادیت کس طرح اس نظام کو متاثر کرتی ہے۔

ا۔ عقائد:

عقائد اسلام دینی نظام کی عمارت کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی عقائد قوم اور امت کی پہچان ہوتے ہیں۔ یہی عقائد افراد کو باہم مربوط کرتے ہوئے قوم کی بقاء و ترقی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ عقائد جتنے پختہ، صحیح اور اعلیٰ ہوتے ہیں قوم کا نصب العین اور مقاصد اتنے ہی واضح اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اسلام نے دینی نظام کی پختگی اور ہمہ گیری کو برقرار رکھنے کے لئے صرف پانچ یا چھ عقائد کا انتخاب کیا۔ ان میں کائنات کی اہم ترین ہستیوں اور اشیاء کا انتخاب کیا گیا۔ اسلام نے انہی عقائد کو سمجھنے اور اپنانے کا حکم دیا۔ ان عقائد کا اثر انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرلیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو صحیح سمجھتا ہے وگرنہ کسی بھی چیز کو سمجھنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ اس سے فائدہ اٹھانا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی عقائد وہ بنیادی نظریات ہوتے ہیں جو تمام لوگوں کو ایک مرکز پر اس طرح جمع کرتے ہیں کہ جہاں اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ پاکیزہ نظریات انسانی عظمت کو برقرار رکھنے کے ضامن ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق دل و دماغ سے ہوتا ہے۔ جب تک ان نظریات کو رسوخ حاصل رہتا ہے تو انسان اور معاشرہ ہر شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ معاشروں میں اس وقت بگاڑ اور خرابیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے جب ان نظریات پر معاشرے کی گرفت کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس خرابی کی بے شمار چھوٹی بڑی وجوہات ہوتی ہیں تاہم ایک بنیادی وجہ مادیت ہے۔ جب دل میں مال و زر کی محبت جگہ بنانا شروع ہو جاتی ہے تو ان عقائد سے لگاؤ کمزور ہونے لگتا ہے۔ ذیل میں ہم عقائد پر مرتب ہونے والے مادیت کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔

الف: توحید و رسالت:

دینی نظام میں جو بنیادی حیثیت توحید و رسالت کو حاصل ہے وہ اہمیت پورے دینی نظام میں کسی اور چیز کو حاصل نہیں۔ توحید ایک ایسا نظریہ و عقیدہ ہے جو اپنے ماننے والوں کے دلوں اور دماغوں کو یکجا کرتا ہے۔ یہ نظریاتی وحدت معاشرے کو طبقاتی و علاقائی اور لسانی جکڑبندیوں سے آزاد کرکے ایک مرکز پر جمع کرتی ہے۔ جس معاشرے کے افراد ایک خدا کو اپنا خالق، مالک، رازق اور قہار و جبّار مان لیتے ہیں تو ایک طرف وہ اس سے امید و محبت کے رشتے

میں بندھے ہوتے ہیں تو دوسری طرف اس کے خوف کے باعث برائی سے دور رہتے ہیں۔ ایسے میں یہ لوگ رہنمائی کے لئے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾[1]

ترجمہ: ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔

گویا یہ نظریہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دست بستہ سوال کرتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ ہمیں زندگی گزارنے کا ایسا نظام عطا فرما جس میں کوئی سقم نہ ہو۔ بارگاہ الٰہی سے جواب آتا ہے کہ۔

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾[2]

ترجمہ: یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلام خدا ہے۔ خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنمائی ہے۔

یہ ہے قرآن حکیم جو تمہارے لئے مکمل نظام دستور حیات ہے۔ اس کی پیروی اور اس میں غور وفکر تمھیں ہر قسم کی ہدایت کی نئی راہوں سے آشنا کرے گا۔ اس دستور و نظام کی توضیح کے لئے محمد ﷺ کو ھادی و معلم بنا کر بھیجا۔ رہنمائی کے لئے محمد ﷺ کو نبوت ورسالت بھی عطاء کی۔ ایک اعتبار سے عقیدہ رسالت خاص اہمیت کا حامل ہے وہ اس لئے کہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف وتعارف کا ذریعہ بھی رسالت ہی ہے۔ اگر عقیدہ رسالت کا انکار کر دیا جائے یا پھر اس عقیدہ پر ایمان کمزور ہو جائے تو عقیدہ توحید خود بخود کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں عقائد لازم وملزوم ہیں۔ قرآن وحدیث نے اکثر مقامات پر ان دونوں کا تقاضہ کیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾[3]

ترجمہ: اے ایمان والوں! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد رسول ﷺ پر ایمان کامل نہ ہو تب تک وہ سچا جذبہ پیدا نہیں ہوتا جو انسانی قلب و نظر کو دینی نظام کا صحیح معنوں میں تابع بنائے۔ توحید باری تعالیٰ پر اعتقاد کے بعد بندگان خدا کا اگلا تقاضہ یہ تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا ایسا مستند نمائندہ دستیاب ہو جو انہیں ربانی نظام کی تعلیم وتربیت دے۔ فرمایا۔

۱۔ الفاتحۃ:۵

۲۔ البقرۃ:۲

۳۔ النساء:۱۳۶

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾[۱]

ترجمہ: اے ہمارے رب ان میں، انہیں میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے۔

انبیاء علیہم السلام نے نظام ربانی کی تعلیم و تربیت کو احسن طریقہ سے سرانجام دیا اور پھر اس نظام کو لاحق خطرات سے بھی آگاہ کیا۔ حکم دیا کہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت و تعلیم کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ فرمایا۔

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾[۲]

ترجمہ: تم اللہ کے نبی کو ایسے نہ بلاؤ تمہارا آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح۔

مادیت کے عقائد پر اثرات:

مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات نے جس طرح معاشروں کے دوسرے شعبہ جات پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ اسی طرح عقائد کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ عقائد چونکہ انسان کی باطنیت و روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ مادیت ظاہر پسندی اور محسوسات کو ہی اصلی اور حقیقی جاننے کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ جوں جوں ترقی پاتا ہے تو توحید و رسالت کے عقائد متاثر ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں لوگوں کے تین طرح کے رجحانات دکھائی دیتے ہیں۔ ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو بیک وقت مادیت اور روحانیت کی کشتیوں پر سوار ہونا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ بیچ کی راہ تلاش کرنے کے لئے عقائد میں بگاڑ پیدا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تاکہ مادیت کی راہ ہموار ہو۔ یہ لوگ عموماً بدعات کے ذریعہ عقائد میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد دنیوی مال و متاع ہوتا ہے۔ دینی عقائد کے ساتھ ان کا تعلق برائے نام اور محض اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ لوگ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ فرمایا۔

﴿مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ﴾[۳]

ترجمہ: بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ اُن کی طرف (ہوتے ہیں) اور نہ اِن کی طرف۔

اسلام ان کے ایمان کو قبول نہیں کرتا۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو جدید مغربی مادہ پرستوں سے متاثر ہیں۔ ان کے مادی نظریات کے مطالعہ کے بعد دینی عقائد و نظریات کو فرسودہ نظریات قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کے

۱۔ البقرۃ:۱۲۹

۲۔ النور:۶۳

۳۔ النساء:۱۴۳

لوگ الحاد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مغربی تعلیم حاصل کرنے والے اور مغربی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے لوگ اس الحاد کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اکثر نئے نظریات کی اہمیت و افادیت کی بات اس انداز سے کرتے ہیں کہ دینی عقائد ان کے سامنے غیر اہم اور قدیم نظر آئیں۔ یہ لوگ ہر اس نظریہ کو صحیح سمجھتے ہیں جو مال کے ترازو میں تولا جا سکے۔ جب ان مادہ پرستوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ طالوتؑ کو اپنا حکمران مانو، تو انہوں نے کہہ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کے حکم کو مسترد کر دیا کہ۔

﴿قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ﴾[1]

ترجمہ: وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو دینی عقائد پر بھرپور یقین تو رکھتے ہیں تاہم دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہو کر عمل صالح سے دور رہتے ہیں۔ یہ لوگ گزرتے وقت کے ساتھ دینی عقائد میں ضعف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے مادہ پرستوں کی آج بڑی تعداد ہمارے معاشرے میں موجود ہے۔ یہ مسلمان بلکہ مذہبی گھرانوں کے افراد ہونے کے باوجود ان کی فکر مادیت زدہ ہوتی ہے، اُن کی اس فکر کی عکاسی ان کے سماجی فیصلوں، معاشی افکار اور معاشرتی طرز عمل سے ہوتی ہے۔ رشتہ دینے لینے کے معاملہ و تعلق کو مادی فوائد کے نظریہ پر استوار کرتے ہیں۔ یہ لوگ تھوڑی بہت جو عبادت کرتے ہیں اس کو بھی مادی فوائد کے نظریہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ دعاؤں اور عبادات کو مادی فوائد کے حصول کے لئے ادا کرتے ہیں، مادی فائدہ ہو تو مطمئن وگرنہ مایوسی اور بدظنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ﴾[2]

ترجمہ: اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے جو کنارے پر (کھڑا ہو کر) خدا کی عبادت کرتا ہے، اگر اس کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جائے اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائے۔

۱۔ البقرۃ: ۲۴۷

۲۔ الحج: ۱۱

ب: کتب سماویہ اور ملائکہ کا عقیدہ:

نظام دینیہ کی تفصیل کا مستند ذریعہ کتب سمایہ ہوا کرتی ہے۔ دینی نظام میں کتب سماویہ پر ایمان و یقین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کوئی بھی فرد اس وقت تک صحیح دینی نظام پر کاربند نہیں ہو سکتا جب تک ان کتب کی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو، ان کتب کو ویسے تسلیم کرنا جیسا مذہب نے ان کا تعارف اور مقام بیان کیا ہے، جب کوئی فرد ان کتب کے بارے میں یہ تصور قائم کرلیتا ہے کہ یہ کتب اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں، اور واقعی من جانب اللہ ہے۔ اس میں زندگی گزارنے کا جو نظام وضع کیا گیا ہے وہ دنیا کے ہر نظام سے اعلیٰ ہے۔ اس بیان کردہ نظام ہی میں کامیابی ہے، دل و دماغ میں جب یہ تصور و عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے تو جوارح صحیح معنوں میں اس کے کنٹرول میں آجاتے ہیں۔ اس کے بعد انسان کی عملی زندگی مکمل طور پر اس کے تابع ہوتی ہے۔ اسلام کا دینی نظام کتاب و سنت پر قائم ہے۔ یہ صراط مستقیم کی دلیل اور ہدایت کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کی ہدایات کی درستگی ہر زمانے میں ثابت رہی، کوئی بدعت و گمراہی اس کی موجودگی میں گمراہ نہیں کرسکتی، آپ ﷺ نے فرمایا۔

((تَرَکتُ فِیکُم اَمرَینِ لَن تَضِلُّوا مَا تَمَسَّکتُم بِھِمَا کِتَابَ اللہِ وَ سُنَّتِي))[1]

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھوگے، یہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

اس ہدایت سے منہ وہی پھیرتا ہے جس کا کتاب اللہ پر ایمان اور اس سے محبت کمزور پڑ جائے۔ یا پھر وہ دنیا کی محبت کا اس قدر شکار ہو جائے کہ وہ مال و متاع ہی کو اصل چیز سمجھے۔ اس قسم کے مادہ پرست ہمارے ہاں عام ہیں۔ ان کے فکر و عمل کا محور دنیا اور متاع دنیا ہوتا ہے۔ مادیت کی یہ فکر (جو کتاب و سنت پر عمل کو کمزور کرتی ہے) کو آج ہمارے معاشروں میں پروان چڑھانے میں اہم کردار میڈیا کا ہے۔ اس کے علاوہ ڈرامے، فلمیں اور سوشل میڈیا بھی اس فکر کو عام کر رہا ہے۔ آج والدین بچوں کو مادیت کی جو سوچ دے رہے ہیں وہ زیادہ خطرناک ہے۔ یہ عام سننے کو ملتا ہے کہ بیٹا! دنیا میں مقام بنانے کے لئے اچھی کرسی اور اقتدار ہونا چاہئے، نام بنانا ہے تو پیسہ اور بڑی گاڑی ضروری ہے، وغیرہ۔

فرشتوں پر ایمان بذات خود مادیت کی نفی ہے۔ مادی تصور میں اس چیز کو تسلیم کیا جاتا اور اصل مانا جاتا ہے، جو دیکھی اور محسوس کی جاسکے۔ فرشتوں پر ایمان در حقیقت اس فکر کی نفی اور تردید کی بڑی مثال ہے۔ فرشتے دکھائی

۱۔ امام حاکم، محمد بن عبد اللہ الحاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، ح ۳۱۹

بھی نہیں دیتے لیکن وہ کائنات کے چند بڑے حقائق میں سے ایک ہیں۔ انسانی اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں، بارش و برف باری کا نظام چلاتے ہیں، موت طاری کرنا بھی اور باقی اوامر ربّانی کی تنفیذ کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں، نظام دینیہ پر کار بند رہنے میں بنیادی امداد فراہم کرتے ہیں۔ فرشتوں پر ایمان کے باعث انسان برائی کے خیال سے دور رہتا ہے۔ وہ کسی کام کو اس لئے نہیں کرتا کہ فرشتے میرے اس عمل کو ریکارڈ کا حصہ بنالیں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾[1]

ترجمہ: کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے لیے تیار رہتا ہے۔

رہے وہ لوگ جن کا ایمان فرشتوں پر کمزور ہوتا ہے وہ آسانی سے اطاعت ربانی سے فرار اختیار کر جاتے ہیں، پھر یہ لوگ دنیوی مفاد کی خاطر ہر بری سوچ اور فکر کو اپنے دل و دماغ میں بیٹھاتے ہیں۔ نتیجتاً یہ لوگ پاکیزہ خیالات و نظریات سے عاری ہو جاتے ہیں۔ جو عوام کے جان و مال کے لئے خطرہ اور اپنے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ کم تولنا ہو یا زیادہ قیمت وصول کرنا، اقرباء اور یتیموں کا مال ہڑپ کرنا، یہ ہر جگہ لوٹ مار میں سرگرم رہتے ہیں۔ چھپ کر کسی کے خلاف یا پھر گناہ کی بات کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ فرشتوں کا سننا باقی لوگوں کے سننے سے زیادہ خطرناک ہے۔

ج: عقیدہ آخرت پر مادیت کے اثرات:

عقیدہ آخرت ایمانیات اسلام میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو نظام دینیہ پر کار بند رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو ہر وقت یہ بات یاد کراتا ہے کہ یہ دنیا اس کی نعمتیں اور اس کی زندگی عارضی ہے۔ ہم ایک خاص مقصد کے لئے عارضی طور پر یہاں قیام پذیر ہیں۔ ایک دن ہم نے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو کر ابدی زندگی اور نعمتوں سے بہرور ہونا ہے۔ آدم علیہ السلام تا امروز تمام انسان اسی راہ کے مسافر ہیں، آخری منزل آخرت ہے۔

یہ نظریہ انسان کو دنیا و مافیہا کی چمک و دمک کو اپنا مقصد بنانے کے بجائے آخرت کو ترجیح دینے کی فکر کو تر و تازہ رکھتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی عبادات و معاملات کو اپنے تابع کرنے کے بجائے دینی نظام کے تابع کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس پر یقین رکھتا ہے کہ وہ ہر عمل کا آخرت میں جوابدہ ہے۔ اس نظریہ کی پختگی کے لئے قرآن و حدیث میں دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کا حکم بھی دیا اور جن اقوام نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور عقیدہ

۱۔ ق:۱۸

آخرت کو فراموش کیا ان کے انجام بد کو بیان کیا۔ واضح کر دیا کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ناپائیدار ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ [1]

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

اسلام دنیا کے مال و متاع سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔ تاہم معاملہ دراصل ترجیح کا ہے۔ جہاں دنیا کا آخرت کے ساتھ ٹکراؤ آجائے تو ایسی صورت میں آخرت کو ترجیح دینے کا حکم ہے۔ آج دنیا پر مادہ پرستوں کا راج ہے۔ اس راج سے جہاں دنیا کا ہر خاص و عام متاثر ہے وہاں عام مسلمان بھی اس کا شکار ہیں۔ مسلم معاشروں میں مادیت کی ترویج سے عقیدہ آخرت جیسے ہی کمزور ہونا شروع ہوا تو دنیا کی شہوات و ملذّات نے انسانی دل و دماغ پر قبضہ جما لیا۔ مادیت کے بڑھتے ان رجحانات کے باعث آج ہمارا معاشرہ خوف آخرت سے آزاد دنیوی فوائد کی خاطر ہر برائی اور بے حیائی کا گہوارہ بن چکا ہے۔ کرپشن، اغواء برائے تاوان، بھتہ، قتل، بے حیائی، عریانی، لوٹ مار، ملاوٹ اور منشیات وغیرہ کا بازار گرم ہے۔ ہر فرد کم وقت میں زیادہ کے حصول کے مقابلہ و دوڑ میں شامل ہے۔ معاشرہ اور میڈیا جلتی پر تیل کا کام کر رہا ہے۔ قرآن مجید نے اہل ایمان سے جس ایمان کا مطالبہ کیا اسے اکثر جگہ آخرت پر ایمان سے منسلک کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [2]

ترجمہ: ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

آخرت پر ایمان از خود مادیت کی نفی ہے۔ مادیت محسوسات کو اصل مانتی ہے جبکہ آخرت نہ نظر آنی والی وہ حقیقت ہے جس کی نفی پورے نظام دین کی نفی ہے۔ اس کی نفی دنیا کو ہر خیر سے محروم کر سکتی ہے۔ جن معاشروں میں اس عقیدہ پر ایمان راسخ رہا وہ پذیرائی سے محفوظ رہے۔ آپ ﷺ نے فکر آخرت سے عرب معاشرے کو ہر خرابی و برائی سے نکال کر نیکی و ترقی کے اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔ آج دنیا جس بے چینی اور بدامنی کا شکار ہے اس کے پیچھے مادیت کا ہاتھ ہے۔ اس کو درست کرنے کے لئے عالمی قوتیں میدان میں اتریں، مگر شکست کھائی۔ اسلام کے پاس اس

۱۔ آل عمران:۱۸۵

۲۔ الطلاق:۲

کا حل موجود ہے اور وہ ہے عقیدہ آخرت۔ رہی بات امت مسلمہ کے ہر شعبہ میں زوال کی تو اس کے پیچھے بھی مادیت کے جن کا ہی ہاتھ ہے۔

المختصر! عقائد اسلام نظام دینیہ کی روح ہیں، جس ہستی نے انسان کی تخلیق کی اسی نے اس کے لیے نظام زندگی مقرر کیا۔ اس نظام پر عمل کرنے کے لیے انسان کو عارضی طور پر دنیا میں بسایا۔ آزمائش کے لئے زینت و متاع دنیا پیدا کیا جو نظر بھی آتا ہے۔ پھر اس کے سامنے کائنات کے سب سے اہم حقائق کو عقائد کی صورت میں رکھا۔ ان حقائق کو تسلیم کرنے کا حکم دیا۔ ان تمام عقائد کا تعلق غیب سے ہے۔ جن ہستیوں اور اشیاء سے ان عقائد کا تعلق ہے وہ اس کائنات میں سب سے اعلیٰ اور اہم مقام رکھتی ہیں۔ کائنات کے جاندار و بے جان سب پر ان کا اثر ہے۔ ان کا انکار محال ہے۔ عقائد انسانی دل و دماغ ان غیبی ہستیوں اور اشیاء تک رسائی فراہم کرتے ہیں۔ جس سے انسان مادیت اور روحانیت میں توازن قائم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ مقصد زندگی کے قریب تر رہتا ہے۔ مادیت آج جس طرح ان عقائد پر بری طرح اثرات مرتب کر رہی ہے۔ اقبالؒ نے کہا:

محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

عقائد میں ایمان بالقدر نہ صرف مادیت کے منفی رجحان کے سدباب میں اہم کردار ادا کرتا ہے بلکہ قناعت کی لازوال دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

۲۔ عبادات:

عقائد کی صورت میں نظام دینیہ کے بنیادی نظریات کو دل و دماغ سے تسلیم کرنے کے بعد ان پر عمل کرنے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسلامی تصور عبادت میں بندہ اپنے آپ کو پوری زندگی یا زندگی کے ہر لمحہ میں اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا بندہ و ملازم سمجھتا ہے۔ یہ تصور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام پر کاربند رکھتا ہے۔ یہی تصور معاشرے میں ذمہ داری کے احساس کو زندہ رکھتا ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح عبادت کے لئے ترک دنیا کو اسلام مسترد ہی نہیں کرتا بلکہ اسے گناہ قرار دیتا ہے، محض زبانی اور تنہائی میں اللہ اللہ کرنا ہی عبادت نہیں بلکہ اصل اور اعلیٰ بندگی یہ ہے کہ جو مصروفیات اور اشیاء ذکر اللہ سے غافل کرنے والی ہیں۔ ان میں مستغرق ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت سے غافل نہ ہونا، انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مردان حق قرار دیا، فرمایا:

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ﴾[1]

ترجمہ: ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کرتی اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے۔

حاکم اقتدار کی مصروفیت میں بھی یہ یاد رکھے کہ میں بھی کسی کا بندہ ہوں۔ یہ بھی کہ لوگ اگر مجھے جوابدہ ہیں تو میں بھی اللہ تعالیٰ کو جوابدہ ہوں۔ مگر جج فیصلہ سناتے ہوئے عدل وانصاف کرے اور اپنی ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھے۔ امراء و سادات اور تجّار مال و منال کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اس میں اپنی مرضی کے بجائے رب کی منشاء سے تصرف کریں۔ فوجی سربراہان اپنی قوت کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے صرف کریں۔ مزدور، محنت کش اور ملازم اپنی سخت مصروفیت میں بھی اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی رزاقیت پر یقین رکھیں۔ یہ ہے اصل بندگی کہ لذات دنیا اور مادیت کے مواقع دستیاب اور وافر ہوں تو بھی اللہ کی یاد اور آخرت کی جوابدہی بندے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھ دے۔

عبادت کی مقصدیت پر بحث کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ

"و ذالک ان العبادۃ ھی الغایۃ المحبوبۃ للہ والمرضیۃ لہ وھی التی خلق الخلق لھا، و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"[2]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ عبادت ہی اللہ تعالیٰ کا ایسا محبوب اور پسندیدہ مقصد ہے جس کے لیے مخلوق کو پیدا کیا گیا اور جن وانس کو ہم نے اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا۔

الغرض! اسلام پوری زندگی کو نظام الٰہی کا کاربند بنانا چاہتا ہے۔ اسی پابندی کو عبادت قرار دیتا ہے۔ عقیدے کی اصلاح کے فوراً بعد شہادتین کے اقرار سے بندہ یہ اعلان عام کر دیتا ہے کہ میں ایک خاص ہستی کا بندہ ہوں۔ اس کی وفاء و اطاعت پر کاربند رہنے کے معاہدے کا اعلان کرتا ہوں۔ جس نظام کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنانا چاہتا ہوں، اس کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کے نمائندہ خاص محمد الرسول اللہ ﷺ سے لینے کا پابند ہوں۔ اس اقرار کے بعد اسلام بندے سے چند بنیادی اعمال کا تقاضا کرتا ہے۔ ان اعمال کو فرض عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ یہ عبادات نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہیں۔ ان عبادات کا مقصد انسان کی تربیت اور کردار سازی ہے۔ ان عبادات سے معاشرے کو تنظیم اور تعمیر سے اعلیٰ مقاصد کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر ان عبادات کو ارکان اسلام کا درجہ دیا گیا۔ ذیل میں عبادات کا

۱۔ النور: ۳۷

۲۔ ابن تیمیہ، فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (طائف: مکتبہ الصدیق)، ص ۳

فرداًفرداً اس اعتبار سے جائزہ لیا جائے گا کہ زندگی پر اس کے کیا اثرات ہیں، اور یہ بھی کہ مادیت کن صورتوں میں اس نظام بندگی کو متاثر کرتی ہے۔

الف: نماز:

دینی نظام میں معاشرے کو ظاہری اور عملی طور پر خوبصورت اور منظم کرنے کے لئے نماز بنیادی اور انقلابی کردار ادا کرتی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے جتنا اس کے قیام پر زور ڈالا اتنا کسی دوسرے عمل پر زور نہیں دیا۔ قرآن مجید نے تین سو سے زائد مرتبہ نماز کا ذکر کیا ہے۔ ہر نماز کے لئے آذان کی صورت میں اعلان کیا جاتا ہے جس میں ہر خاص و عام کو اس کی دعوت دی جاتی ہے۔ نماز فرد اور معاشرے کی اصلاح تنظیم اور تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ ذیل میں اس کے انفرادی و اجتماعی نظام کا مطالعہ اور اس پر مادیت کے اثرات کا مطالعہ کریں گے۔

ا۔ ذکر الٰہی:

انسان فطرتاً بھلکڑ ہے۔ عموماً بھول جانے کی عادت، تساہل و سستی اور مال و زر کے حصول میں مصروفیت کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ جس سے اس بات کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ زندگی کے اصل مقصد سے غافل ہو جائے۔ اس لئے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ ایسا نظام قائم کیا جائے جو انسان کو عبادت الٰہی کی بار بار یاد دہانی کرائے۔ تو خالق نے اس کے لئے نماز کا نظام قائم کیا۔ اس کی ادائیگی کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی، فرمایا:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾[1]

ترجمہ: اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔

رات کی پر سکون نیند کے بعد علی الصبح یہ یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ، "الصلاة خير من النوم"، نیند کیا خوب چیز ہے پر اس نعمت کا خالق تمہیں اپنے ذکر (نماز) کی طرف بلاتا ہے جو نیند سے اعلیٰ ہے۔ دن کے وقت جب انسان ہنگامہ خیز مصروفیات میں جت جاتا ہے تو نماز ظہر اسے پھر یاد الٰہی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ پھر عصر، مغرب اور عشاء کی صورت میں وقفہ وقفہ سے یاد دہانی کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، کہ تو مال و منال، دنیا اور اپنے نفس کا بندہ نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا بندہ ہے، آ کہ اس سے ملاقات کا وقت ہے۔ یہ مت سوچ کہ کچھ دیر کے لئے دنیوی کاروبار کو

ا۔ طٰہٰ: ۱۴

روکنے سے کوئی نقصان ہو گا۔ تمہارا نماز کی طرف آنا ہی اصل کامیابی ہے۔ اس کی گارنٹی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اعلان کے ساتھ دی جاتی ہے کہ: " حي علی الفلاح "کامیابی کی طرف لوٹ آؤ۔

۲۔ کردار سازی:

نماز کا ایک اہم مقصد انسان کی کردار سازی ہے۔ یہ معاشرے کے مسلّم تشخص کی اولین نشانی ہے۔ زینت دنیا اور مادیت جب فرد اور معاشرے کے فکر و عمل میں بگاڑ پیدا کرتی ہے تو معاشرے میں ہر قسم کی برائی پنپنے لگتی ہے۔ حکمران اقتدار میں آکر ظلم اور بددیانتی کرتا ہے۔ افسران حکومت ذاتی مفاد پر ملکی سلامتی کو قربان کرتے ہیں۔ تجارت میں دھوکہ دہی کو کاروباری حکمت عملی سمجھا جاتا ہے۔ والدین اولاد اور اولاد والدین سے جھوٹ بولتے ہیں۔ ہر طرف مادیت اور مفاد کی جنگ جاری ہے۔ جس سے فرد و معاشرہ سخت بے چین ہے۔ اس کا حل صرف نماز ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [1]

ترجمہ: اور نماز کے پابند رہو، کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

مادیت نماز کے نظام کو متاثر کرنے کی بنیادی وجہ ہے۔ آج نماز نہ ادا کرنے والے سے وجہ پوچھی جائے تو وہ کاروبار اور دیگر مادی مصروفیات کا بہانا بناتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس قدر مصروفیت سے وقت نکالنے سے اسے مالی و مادی نقصان کا خطرہ ہے۔ اس خیال کو قرآن حکیم نے مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى﴾ [2]

ترجمہ: اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

مطلب یہ ہوا کہ نماز اصل میں رزق میں اضافہ کا بنیادی سبب ہے۔

۳۔ پابندیٔ اوقات اور فرض شناسی:

پابندیٔ وقت کا فرد اور معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ہوتا ہے۔ قدرت ایزدی نے اس کسلان و سستان فطرت انسان کے لئے ایک دن و رات میں مقررہ اوقات پر پانچ نمازوں کا نظام مقرر کیا ہے۔ انسان کبھی نیند اور کبھی

۱۔ العنکبوت: ۴۵

۲۔ طٰہٰ: ۱۲۴

مرغوب مادی دھندے کے باعث اور کبھی نماز کی زحمت کو بوجھ سمجھنے کی وجہ سے سستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کاہلی کے باعث وہ اپنے معمولات میں اوقات کی پابندی نہیں کرپاتا جس کی وجہ سے وہ متعدد نقصانات کا شکار رہتا ہے۔ نماز کی پابندی اسے اس خسارے و نقصان سے بچاتی ہے۔ پانچ نمازوں کو مقررہ وقت پر پڑھنے کی عادت انسان کو پابندیٔ اوقات کا عادی بناتی ہے۔ مسلسل پابندیٔ نماز سے فرد باقی معمولات کو ان اوقات کے تحت منظم کرلیتا ہے۔ گویا وہ صبح جلدی اٹھتا ہے تو کام جلدی شروع کرتا ہے۔ اپنے کچھ کام نماز کے اوقات سے قبل ختم کرتا ہے اور بعض کا آغاز نماز کے بعد کرتا ہے۔ یوں نماز کی فکر سے اپنے کام بروقت مکمل کرتا ہے، ساتھ ہی اس مقدس فکر کے باعث اس کو امداد خداوندی بھی حاصل رہتی ہے۔

نماز کی پابندی فرد اور معاشرے میں فرض شناسی کے احساس کو زندہ رکھتی اور اسے جلا بخشتی ہے۔ فرض نماز کی پابندی سے فرد میں باقی فرائض کی پہچان اور ان کو ادا کرنے کی ذمہ داری کا احساس تازہ رہتا ہے۔ مادیت وہ ایک بیمار سوچ ہے جو فرد کے لئے خالق و رازق کی ہستی کو دھندلا کر دیتا ہے۔ اس کمزوری سے شیطان فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ انسان کو فقر سے خوفزدہ کرنے، زیادہ مال کمانے کی فکر میں لگاتا ہے۔ جس سے پہلے تو وہ زیادہ کمانے کی لگن کے باعث نماز سے غافل ہوتا ہے پھر زیادہ مال کے حصول کے لئے ناجائز وسائل، منکرات اور فواحش کا سہارا لیتا ہے۔ قرآن نے انسان کو اس خطرے سے بھی خبردار کیا۔

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾[1]

ترجمہ: شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

۴۔ معاشرے کی تنظیم:

نماز دینی نظام کی ترویج و ترقی کے لئے جہاں فرد کے لئے راہ ہموار کرتی ہے وہاں معاشرے کو نظام کی لڑی میں پرونے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اسلام فرد اور معاشرے کے کردار کی اکائی کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس کا حصول قیام نظام صلوٰۃ کے بغیر ناممکن ہے۔ جماعت کی نماز معاشرے کو اجتماعیت کے مضبوط و مربوط مرکز پر جمع کرتی ہے۔ پانچ وقت ایک چھت کے نیچے جمع ہونے والے افراد نہ صرف ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کی ضروریات و حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ ہر معاملے کا فیصلہ اور ہر ضرورت مند کی مدد مل جل کر کی جاتی ہے۔ نماز دل و دماغ میں حقیقی عدل و مساوات کی روح پھونک دیتی ہے۔ کندھوں سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر

۱۔ البقرة: ۲۶۸

عملی طور پر یہ برابری کی تربیت کرتی ہے۔ یہاں اعلیٰ وادنیٰ کا فرق مٹ جاتا ہے۔ وزیر اعظم جب عام شہری کے ساتھ برابر کھڑا ہوتا ہے تو شاہ و گدا کا فرق مٹ جاتا ہے۔ دینی نظام میں عدل و مساوات خاصا اہم ہے اور یہ نماز کے بغیر ممکن نہیں۔ امام کی اقتداء میں پڑھی جانے والی نماز معاشرے کو سیاسی طور پر منظم ہونے کی تربیت دیتی ہے۔ ایک قائد کی صدا پر سب لوگ لبیک کہتے ہیں۔ شریعت نے امام کی اقتداء کا سخت حکم دیکر اس کے حق کو تسلیم کروایا اور ضعفاء اور معذوروں کے باعث لمبی قرءآت سے روک کر رعایا کے حقوق کا تحفظ کی تربیت کا اہتمام کیا۔ غلطی سے کوئی بالاتر نہیں، ہر کسی کو اصلاح کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ اس کی تربیت نماز میں امام کی غلطی پر "سبحان اللہ" کہہ کر کی گئی۔

معاشرے کا یہ نظم صرف اس وقت قائم رہ سکتا ہے جب فرد اور معاشرہ ذاتی اور مادی فوائد سے بالاتر ہو کر نظام اسلام کی پیروی کریں۔ البتہ جب مادی فوائد کے باعث کوئی نماز ہی ترک کردے گا تو پورا کا پورا نظام داؤ پر لگ جائے گا۔ آج جو مادی اعتبار سے بہتر ہے وہ دوسرے کے برابر بیٹھنا تو درکنار انہیں سلام کرنا گوارہ نہیں کرتا۔ مادی فوائد کے باعث ہر سطح پر اجتماعیت کا فقدان ہے، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی و مسلکی گروہ بندی کے پیچھے یہی مادیت کا جن کار فرما ہے۔ حکمران عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں اور رعایہ حکومت کو گالیاں۔ ہر کوئی اپنی غلطی کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے۔ کوئی غلطی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ان تمام مسائل کا حل دینی نظام میں اور اس نظام کی بنیاد نماز ہے۔ یہی فلاح انسانیت کا آغاز ہے اور اسی پر انجام، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"ان اول ما افترض اللہ علی الناس من دینھم الصلاہ ، وآخر ما یبقی الصلاہ،واول ما یحاسب بہ الصلاہ"[1]

ترجمہ: دینی احکام میں جو چیز سب سے پہلے اللہ نے فرض کی وہ نماز ہے، اور وہ آخری چیز جو باقی رہنے والی ہے وہ بھی نماز ہے اور سب سے پہلے جس کا حساب ہوگا وہ بھی نماز ہے۔

ب: زکوۃ:

مال و متاع انسانی معاش کی بنیاد ہے۔ اس لئے نظام دینیہ میں اس کے لئے اصلاحات و تعلیمات تفصیل سے بیان کی گئی۔ مادہ پرست معاشرہ اس نظام کی بنیاد سود پر رکھتا ہے، جبکہ اسلام معاشی مسائل کے لئے سود کے مقابل زکوۃ کے نظام عطا کرتا ہے۔ اس کو رکن اسلام کا نام و مقام عطا کیا۔ عبادات دو قسم کی ہیں، بدنی اور مالی۔ بدنی عبادات

۱۔ المنذری، عبد العظیم بن عبد القوی، الترغیب والترھیب، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، ص: ۱/۱۸۷

میں نماز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جبکہ مالی عبادات میں زکوٰۃ کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ قرآن مجید نے اکثر مقامات پر ان کا حکم اور ذکر ساتھ ساتھ کیا، مثلاً۔

﴿وأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ ﴾[۱]

ترجمہ: اور نماز قائم کیا کرو اور زکوۃ دیا کرو۔

انسان فطرتاً دو چیزوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ ایک اپنی جان سے اور دوسرا اپنے مال سے۔ نماز کی صورت میں جب وہ اپنا سر اپنے رب کے سامنے پیش کر دیتا ہے کہ (اے میرے رب! حاضر ہے گردن میری، ذبح کر دیں تو بھی آپ کا ہوں، لوٹا دیں تو یہ تیری ہی امانت ہے۔) زکوٰۃ کی صورت میں جب وہ دوسری بڑی محبت کو رب کی چاہت پر قربان کر دیتا ہے، تو وہ رب کا بندہ ہونے کا بنیادی ثبوت فراہم کر دیتا ہے۔ نماز اُخروی زندگی کی تیاری کے لئے رواں دواں رکھتی ہے۔ یہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ زکوٰۃ اس سفر میں جدوجہد کے راستے میں آنے والی مادیت کی دیواروں کو گرا کر اس کی راہ ہموار کرتی ہے۔ زکوٰۃ دینی نظام کی ترقی اور مادیت کا قلع قمع کرنے کے لئے جو کردار ادا کرتی ہے، اس کا تجزیہ ذیل میں کیا جائے گا۔

ا۔ مادیت کا علاج:

مال اور متاع سے محبت کا زیادہ ہونا فرد اور سوسائٹی کے لئے برائیوں اور خرابیوں کا بڑا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اسی کو مادیت اور اس کے اثرات کا نام دیا جاتا ہے۔ جب مال کی محبت اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دین کی محبت پر فوقیت حاصل کرنا شروع کر دیتی ہے، تو فساد فی الارض کا یہیں سے آغاز ہوتا ہے۔ سابقہ قوموں کے زوال کی تاریخ میں اس کی بے شمار امثلہ ملتی ہیں۔ معاصر معاشروں میں کبھی اس قسم کے مناظر عام نظر آتے ہیں۔ مادیت کے بین الاقوامی کلچر نے بالواسطہ یا بلاواسطہ تقریباً تمام معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ آج ملک کی خارجہ پالیسی مادیت کے زیر اثر نظر آتی ہے۔ مظلوم کشمیریوں کی آواز اقوام عالم کو اس لئے سنائی نہیں دیتی کہ انڈیا سے ان کے مادی مفادات وابستہ ہیں وغیرہ۔ نیچے آجائیں تو ملکی سیاست ہو یا تجارت، ان پر بھی مادیت کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ ملک ذمہ داران افراد کی کرپشن کی کہانیاں زبان زد عام ہیں۔ تجارت میں ملاوٹ دھوکہ دہی کے سینکڑوں ہتھکنڈے مادی فکر کا نتیجہ ہی ہیں۔ مال کی حرص نے انسان کو ظالم، بے رحم اور قاتل بنا کر رکھ دیا ہے۔ کرپشن، دھوکہ دہی، لوٹ مار، قتل وغارت اور اغواء برائے تاوان وغیرہ کے مسائل مادیت کے ہی تحائف ہیں۔

۲۔ البقرۃ:۲۷۷

زکوٰۃ ان مسائل کا مکمل اور جامع حل رکھتی ہے۔ معاشرے کو اس قسم کے مسائل سے بچا کر مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔ زکوٰۃ دلوں سے مال کی محبت خطرناک جذبات کو ختم کر کے ان میں پاکیزہ جذبات اور رحیمانہ اوصاف پیدا کرتی ہے۔ اس اعتبار سے زکوٰۃ اس بامسمّٰی ہے۔ جب خلوص نیت سے بہترین چیز اللہ تعالیٰ کے راہ میں دی جاتی ہے تو اس سے معاشرہ کئی خرابیوں سے بچ جاتا ہے۔ زکوٰۃ باطنی اصلاح کے بعد ظاہری اور عملی اعتبار سے بھی معاشرے کی ترقی اور مضبوطی کا سامان مہیا کرتی ہے۔

۲۔ جذبہ ایثار:

لفظ انسان 'انس' سے ماخوذ ہے۔ ایثار وجذبہ ایثار، انس و محبت سے معمور فرد، انسان ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ یہی انسانیت کا معیار ہے، جو اس معیار سے گرتا ہے فطرت اسے انسانیت سے خارج کر دیتی ہے۔ نظام دینیہ میں زکوٰۃ جذبہ ایثار کو ہر اعتبار سے قائم دائم رکھنے کی راہ ہموار کرتی ہے۔ مادیت مال کی محبت کو اس نہج پر لے جاتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے مال پر قبضہ اور حصول کے لئے ہر ناجائز حربہ استعمال کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ اس ظالمانہ جذبات واحساسات کو ختم کر کے اس کے مقابل ایثار کا وہ باکمال جذبہ پیدا کرتی ہے کہ جس سے وہ اپنے محبوب مال کو بھی ضرورت مندوں میں بے لوثی کی بناء پر تقسیم کرتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے فرد اور معاشرے خدا کو اعلیٰ انسان اور بندۂ خدا ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ بندہ زکوٰۃ دے کر اپنی محبت اور چاہت کو رب کی محبت وچاہت پر قربان کرنے کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کو انہی مقاصد کے حصول کے لئے فرض کیا۔ زکوٰۃ سے معاشرے میں ایثار کا کلچر پروان چڑھنے کے علاوہ فقراء ومساکین کی امداد ودلجوئی ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم و ترد الى فقرائهم)) [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔

۳۔ نصرت دین:

دینی نظام کی سرفرازی اور بالادستی کے لئے زکوٰۃ بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ دینی نظام ہی اصل میں فلاح انسانیت کی ضامن ہے۔ اس نظام کے تحفظ و نصرت کا انحصار زکوٰۃ پر ہے۔ اسلام نے نصرت دین کے لئے جہاد کے ساتھ سب سے زیادہ زکوٰۃ وصدقات کا مطالبہ کیا ہے۔ فرمایا:

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، ح ۱۳۳۱

﴿وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾[۱]

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرو۔

مذکورہ آیت میں مال سے جہاد کو جان سے جہاد سے پہلے ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کیا۔ جان سے جہاد تحفظ و نصرت دین کے لئے بجا طور پر اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کو ممکن بنانے کے لئے مال بنیادی ضرورت ہے۔ جہاد کے لئے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے سے مادیت کا سدباب کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے مصارف زکوٰۃ میں جہاد فی سبیل اللہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا ترقی اور ایمان کی علامت ہے، جبکہ مادیت کی فکر تنزلی اور نفاق کی علامت ہے۔ آپ ﷺ کے دور میں بھی منافق اسی غزوہ کے لئے چندہ دیتے تھے، جہاں سے انہیں مال غنیمت کی توقع ہوتی تھی، جہاں ایسا نظر نہ آتا وہ بہانے بنا کر مال صرف کرنے سے گریز کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے معاشروں میں مادیت پروان چڑھتی ہے۔ اس کے باعث معاشرہ متعدد مسائل و مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ فقر، بے روزگاری، بدکاری، جوا، شراب نوشی، جھوٹ، ناجائز قبضہ اور حرام خوری وغیرہ معاشرے کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی نظام کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ کر کے مسلم معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں زکوٰۃ اہم محرک ہے۔

۴۔ معاشی و معاشرتی مسائل:

اسلام کا دینی نظام دین و دنیا کی یکجائی کا حکم دیتا ہے۔ انسان دنیا کی ظاہری چمک اور مال و زر کی طرف جلدی مائل ہو جاتا ہے، جس کے باعث عقبیٰ فراموش ہو جانے کا خدشہ بھر جاتا ہے، حب مال کا اضافہ اور متعدد معاشی و معاشرتی فتنوں کا باعث بنتا ہے۔ زکوٰۃ جہاں مادیت کے جن کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، وہاں متعدد معاشی و معاشرتی مشکلات سے بچانے کا ذریعہ بھی ہے۔ جن معاشروں میں زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی، وہاں فقر و فاقہ، غربت و افلاس اور بے روزگاری عام ہو جاتی ہے۔ آج پاکستان ہی نہیں بلکہ اکثر ممالک ان مسائل کی زد میں ہیں۔ مادیت زدہ دنیا میں امیر امیر سے امیر تر اور فقیر و غریب مزید غربت کی دلدل میں پھنس رہا ہے۔ اسی مادیت نے دنیا کو سودی نظام کا تحفہ دیا جس نے عالمی طاقتوں کی معیشت میں بھی بونچال برپا کر دیا۔ دوسری طرف اس مادہ پرستی نے معاشرتی مسائل و مشکلات کا ایک پہاڑ کھڑا کر دیا ہے۔

۲۔ التوبۃ: ۴۱

غربت وافلاس زدہ معاشرے کے افراد ایک طرف بے روزگاری کے باعث چوری چکاری پر مجبور ہیں، جس کی وجہ سے معاشرہ بدامنی کا شکار ہے۔ سٹریٹ کرائم اور ڈاکہ زنی نے جہاں عوام کا جینا مشکل کر دیا ہے۔ وہاں حکومت کے لئے بھی مسائل کھڑے کر دیتے ہیں۔ حکومتیں آج امن و آمان قائم کرنے میں بے بس نظر آتی ہیں۔ مادیت نے عصر حاضر کے مردوں کو کیا عورتوں کو بھی متاثر کیا۔ عورت اپنے شوہر کی کمائی پر قناعت نہیں کرتی۔ وہ اصل ذمہ داریوں کو فراموش کر کے نوکری کی تلاش میں نکل پڑی۔ معاشرے کی شیطانی آنکھ نے اس کو تاڑا اور اس کا شکار شروع کر دیا۔ الا ماشاء اللہ کچھ ادارے ایسے ضرور ہیں جو ان خواتین کو تحفظ بھی دیتے ہیں، مگر خواتین کی اکثریت آج بے توقیری کا شکار ہے۔ بدکاری اور بے حیائی کے علاوہ مخلوط معاشرے کی خرابیاں بھی اسی مادیت کا شاخسانہ ہیں۔ قرآن نے اس کی نشاندہی بہت پہلے کر دی تھی۔

﴿أَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾[۱]

ترجمہ: اور اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

فرد اور معاشرتی فلاح کا اصل راز انفاق فی سبیل اللہ کو قرار دیا، یہ بھی نشاندہی کر دی گئی کہ مادیت سراسر ہلاکت کا راستہ ہے۔

ج: روزہ:

نماز و زکوۃ کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تربیت کے بعد تربیت کا اگلا اور سخت مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا مقصد فرد و معاشرہ کو اعلیٰ مقصد کے لئے تیار کرنے کے لئے سخت ٹریننگ سے گزارا جائے۔ یہ اعلیٰ مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ یہی تقویٰ وہ مرکز ہے جس کے گرد سارا دینی نظام گردش کرتا ہے۔ ہر عمل کی اصل منزل یہی ہے۔ قرآن مجید نے کثرت سے اس کا تقاضہ کیا ہے۔ روزہ انسان پر چند جائز چیزوں کو بھی حرام کر کے دن بھر بھوکا پیاسا رہنے وغیرہ کا پابند بناتا ہے۔ یہ پابندی تیس دن تک مسلسل رہتی ہے۔ اس مسلسل ٹریننگ سے بندے کی گناہ کے خلاف لڑنے کی صلاحیت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ مادہ پرست افراد اس اعزاز سے محروم رہتے ہیں۔ مادہ پرستانہ سوچ کے مالک افراد روزے کی پابندیاں مادی فوائد کے خلاف سمجھتے ہوئے روزے کی روحانی تربیت سے محروم رہتے ہیں۔ ذیل میں چند اہم اثرات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ البقرۃ:۱۹۵

۱۔ اطاعت و بندگی میں اعلیٰ معیار:

دینی نظام میں روزے کو اس اعتبار سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ روزہ اس نظام کی روح کو زندہ و قائم رکھنے میں آکسیجن کا کام کرتا ہے۔ روزہ معاشرے کو بندگی و اطاعت پر قائم رکھنے کے لئے بے مثال روحانی قوت فراہم کرتا ہے۔ بصیرت کو اس قدر تیز کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور اطاعت کا احساس ہر وقت اور ہر جگہ رہتا ہے۔ اس قوی و عزیز کی موجودگی کا یہ احساس کسی بھی نافرمانی سے رکنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ یہ احساس جوں جوں ترقی کرتا ہے بندگی اور اطاعت میں اسی قدر شدت آتی جاتی ہیں۔ آخر وہ مرحلہ آجاتا ہے کہ بندے اور خالق میں محبت کا وہ لازوال رشتہ قائم ہو جاتا ہے، جسے کسی دوسری چیز کی محبت نہیں توڑ سکتی۔ اس اعلیٰ نعمت سے وہی محروم ہو سکتا ہے جس کے دل میں زینت و متاع دنیا گھر کر لیں اور مال و دولت کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر غالب آئے۔ اس قسم کے مادہ پرستوں کی لاتعداد مثالیں ہیں۔ ہمارے وطن عزیز میں رمضان میں زیادہ مال حاصل کرنے کے لئے ذخیرہ اندوزی، مہنگائی اور ملاوٹ کا بازار گرم ہوتا ہے۔ یہ مادہ پرستانہ فکر و عمل روزے کے اصل مقاصد سے دور رکھتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ یا تو روزہ رکھتے ہی نہیں اگر رکھ بھی لیں تو اس کے مقاصد کے حصول میں رکاوٹ برقرار رہتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَن لَم يَدَعْ قَولَ الزُّورِ وَالعَمَلَ بِهِ وَالجَهلَ، فَلَيسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أن يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ﴾[۱]

ترجمہ: جو جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا اور ہٹ دھرمی نہ ترک کرے، تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔

جھوٹ جہاں ہر برائی کی بنیاد ہے وہاں مادہ پرستی کے باعث وقوع پذیر ہونے والے ہر غلط کام کے تحفظ کا واحد سہارا ہے۔ اس لئے اس کو روزہ کی اعلیٰ ترین تربیت کے خلاف قرار دے کر اس کی موجودگی میں روزہ کی عبادت کو مسترد کر دیا۔

۲۔ کردار سازی:

باقی عبادات کی طرح روزہ بھی کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ معاشرے میں تقویٰ کے شعور کو

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم، ح ۲۲۵۱۔

اجاگر کرتا ہے۔ اس شعور کے اجاگر کرنے کے باعث برائی کے رجحانات میں کمی واقع ہوتی ہے، شر وفساد کے دروازے بند ہونا شروع ہو جاتے ہیں، مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات آج ہمارے معاشرے کے کردار کو ہر اعتبار سے متاثر کر رہے ہیں۔

مادیت زدہ افراد اولاً روزہ رکھنے کی زحمت نہیں کرتے، اگر روزہ رکھ بھی لیں تو اس کے تقاضے نہیں پورے کرتے۔ اس طرح نہ صرف وہ روزے کے ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ روزے سے مطلوب کردار سازی کا سنہری موقع بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔ روزہ اللہ تعالیٰ کا وہ احترام پیدا کرتا ہے جس سے انسان تنہائی اور اجتماع دونوں میں یکسانیت سے دوہرا کردار اور منافقانہ طرز زندگی سے محفوظ رہتا ہے۔ روزے سے محروم معاشرہ اعلیٰ کردار سے محروم ہو جاتا ہے۔ فرض شناسی اور احساس ذمہ داری ہو یا پابندیٔ وقت اور صبر و تحمل، یہ خوبیاں روزہ پیدا کرتا ہے جبکہ دنیا پرست ان اعلیٰ خوبیوں سے محروم رہتا ہے۔ بازاروں میں اور سڑکوں پر رمضان میں عام دنوں سے زیادہ جھگڑے اور لڑائیاں دیکھنے میں آتے ہیں۔ تعصب، نفرت، بے رحمی اور خود غرضی جیسی برائیوں سے صرف روزہ روکتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((الصّوم جُنّة))[۲]

ترجمہ: روزہ ڈھال ہے۔

کردار کو مسخ کرنے والی ہر برائی کے حملے سے بچا کر اعلیٰ کردار پر فائز کرنے میں روزہ فعال کردار ادا کرتا ہے۔

۳۔ تقویٰ و طہارت:

روزہ سے محرومی معاشرے کی خیر و برکت اور تقویٰ و طہارت سے محرومی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزوں کے لئے رمضان کا مہینہ مقرر کیا ہے۔ ہر چیز جس طرح اپنے موسم میں پھلتی پھولتی ہے یوں رمضان المبارک بھی نیکی اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہوتا ہے۔ مادہ پرست مال و دنیا کی محبت کے باعث رمضان کے اس نیکیوں کے بہار کے موسم سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسے بھی لوگ دیکھے اور سنے گئے ہیں جو رمضان کے روزہ کا وقت گزارنے کے لئے کئی فلمیں اور ڈرامے دیکھتے اور ٹی وی و اخبار پر وقت گزارتے ہیں۔ کچھ لوگ روزہ رکھ کر عید کی اچھی تیاری کے لئے عوام سے رشوت لینے کا عمل تیز کر دیتے ہیں۔ لوٹ مار اور چوری چکاری بھی عروج پر چلی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا غصہ روزہ رکھنے کے بعد زیادہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے لوگ ان سے بچتے پھرتے ہیں۔ یہ مادیت کے اثرات کے باعث ہے۔

۲۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، ح ۲۷۰۵

۴۔ محبت و شفقت:

روزہ معاشرے سے اعلیٰ و ادنیٰ اور فقیر و غنی کا فرق مٹا کر سب کو ایک مرکز پر اکٹھا کر دیتا ہے۔ امراء و مساکین اور ننگ و بھوک سے متاثر لوگوں کے لئے شفقت و رحمدلی پیدا ہوتی ہے۔ عام صدقات ہوں یا فطرانہ ہر فرد دوسرے پر خرچ کر کے محبت و شفقت کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ مادیت کے اثر کے باعث اس کمال انسانی جذبہ کے پروان چڑھنے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ جس کے اثرات مختلف اشکال میں نمودار ہوتے ہیں۔ بے رحمی، مہنگائی، لڑائی جھگڑا، بے حسی، بے توقیری اور ذاتی فوائد کو اجتماعی فوائد پر ترجیح دینا وغیرہ کی وہ مادی اشکال ہیں جو روزے کے نظام و مقام کو متاثر کرتی ہیں۔ نتیجتاً اس معاشرہ میں محبت و رحمدلی کی جگہ نفرت و حقارت لے لیتی ہیں۔ طبقاتی تقسیم کی طرف معاشرے کو دھکیل دیا جاتا ہے۔ معاشرے کے عام اختیار مادہ پرستوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ فقراء کی اکثریت کے مسائل سے غافل مال اور محلات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ کہیں کبھی کسی بھوکے کی آواز و شکویٰ کوئی ان تلک پہنچا دے تو کہتے ہیں کہ اگر انہیں روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں کھاتے۔ یا پھر ہر بندے کے پاس موبائل فون ہے تو غربت کہاں وغیرہ۔

۵۔ حج:

حج پورے نظام دینیہ کا جامع ہے۔ یہ صاحب ثروت مسلم افراد پر زندگی میں ایک مرتبہ ادا کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ حج تمام عبادات کی روح کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ جس طرح کلمہ طیبہ کو بار بار پڑھنا افضل عبادت ہے، یوں حج میں لبیک اللھم لبیک۔۔۔ کا کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حج میں نماز کی اہمیت و افادیت بھی ہے وہ اس طرح کہ جیسے نماز کے خاص ارکان، طریقہ اور مختلف مواقع کی دعائیں ہوتی ہیں یونہی حج میں بھی مناسک اور ادعیہ ہوتی ہیں۔ زکوٰۃ کی طرح حج میں بھی مال خرچ کرنا ثواب ہے۔ یونہی روزہ میں جس طرح جہاد کے لئے مجاہد گھر بار سے دور جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے یونہی کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے جانے والا بھی وطن سے بے وطن ہو کر جب منیٰ پہنچتا ہے تو اپنا سر رب ذوالجلال کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ جو جذبات احساسات مجاہد کے جہاد پر روانہ ہوتے وقت ہوتے ہیں وہی جذبات حاجی کے ہوتے ہیں۔

الف۔ فلسفہ حج:

مادیت پرستی اور اس کے اثرات سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لیے حج مؤثر اور انقلابی کردار ادا کرتا ہے۔ اعلیٰ لباس پہننے والے، عالی شان محلات میں رہنے والے اور پر تعیش زندگی بسر کرنے والے اغنیاء کو ان آسائشوں

سے حج الگ کر دیتا ہے۔ پہننے کے لئے نہایت سادہ لباس (جو دو ان سلی چادروں پر مشتمل ہے) پہن کر اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ ایک فقیر کی طرح ننگے سر اور خالی ہاتھ اپنے رب کے سامنے پھیلاتے ہیں۔ لاکھوں میں دنیا کے ہر خطے سے حاضر ہونے والے لوگ حاضری کے ایک مقصد کا اعلان کرتے ہیں کہ "لبیک اللھم لبیک"، ایک جیسا لباس، ایک منزل کی طرف رواں دواں ایک جیسے ظاہر و باطن کے ساتھ یہ مجمع کمال مساوات و اخوت اور سادگی کا مظاہرہ پیش کر رہا ہوتا ہے۔ یہاں نہ کسی مالدار و غنی کا پتہ چلتا ہے نہ کوئی مادی برتری کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک فقیر کی طرح سادہ لباس، سادہ رہائش اور سادہ خوراک، اس انداز سے دنیا کے ہر رنگ و نسل کے لوگ یکساں انسانیت کی لڑی میں پروئے نظر آتے ہیں۔ انسانیت کا رشتہ انہیں مادیت کے تمام رشتوں سے پختہ، اعلیٰ اور مقدس دکھائی دیتا ہے۔

ب۔ مادیت کے عبادات پر اثرات:

مادیت نے عبادات کے نظام کو کمزور کرنے کے علاوہ اصل نقصان یہ کیا کہ، دلوں سے اللہ کا خوف نکال دیا۔ اس کے بعد حب الٰہی اور حب رسول ﷺ کا رشتہ کمزور کیا۔ پھر دلوں میں دنیا اور اس کے مال کی محبت کو بھرا۔ جب اکثریت کی فکر و عمل کا محور دنیا اور اس کا مال بنا تو توکل کا آخری روحانی خزانہ بھی لٹ گیا۔ انسان نے رزق کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ جب شیطان نے اسے سرگرداں پایا کہ راہ ہدایت سے ہٹ چکا ہے تو اس نے رہے سہے دینی اعمال سے بھی روکنے کے لئے اسے بتایا کہ نہ صرف یہ مشکل ہیں بلکہ ان پر تمہارا سرمایا اور وقت بھی ضائع ہو گا Time is money کا تصور دیا۔ آج بڑی کمپنیاں اپنے ملازمین کو کم وقت میں زیادہ پیسہ کمانے کی تربیت دیتی ہیں۔ مادیت کی اس دوڑ میں افراد و معاشرہ کو افراط و تفریت کا شکار ہے۔ کوئی زیادہ پیسہ کمانے کے چکر میں ہے تو کوئی کما لینے کے بعد اس کے کم ہونے کے خوف میں مبتلا ہے۔ ہمارے معاشرے کے اکثر افراد اس لئے حج نہیں کرتے کہ کافی پیسہ خرچ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہ اتنا عرصہ کاروبار سے دور ہو جائیں گے۔ مکہ میں ایسے بھی تاجر موجود ہیں جنہوں نے زندگیاں گزار دیں لیکن حج نہ کیا۔ جب ان سے پوچھا گیا تو کہتے ہیں کہ کہ حج کا موقع تو اصل میں کاروبار اور پیسہ کمانے کا موقع ہوتا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جو حج کرتے ہی نہیں، حج کرنے والے ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ فریضہ محض مادی فوائد کے لئے ادا کرتے ہیں۔ خاندان میں ناموری مقصود ہوتی ہے، یا پھر سابقہ زندگی کے غلط تاثر کا محو کرنے کے لئے نام کے ساتھ حاجی کا اضافہ ہو تو لوگوں کا اعتماد بڑھ جائے گا۔ کاروبار اچھا اور زیادہ ہو گا، سیاست کریں گے تو لوگ اعتماد کر لیں گے اور ووٹ ملیں گے، معاشرے میں عزت و احترام حاصل ہو گا وغیرہ۔

الغرض! مادیت زدہ افراد پیسہ اور وقت کا حساب و کتاب کرنے کے بعد حج کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ مادی فائدہ ہو تو کر لیا نہ ہو تو چھوڑ دیا۔ روانگی اور واپسی پر خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ فخر کے ساتھ واقعات اور

عبادات کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کا حج جمعہ کو ہو جائے تو حج اکبر کے باعث حاجی اکبر بن بیٹھا ہے۔ کسی دوسرے حاجی کو قریب نہیں پھڑکنے دیتا۔ سبحان اللہ اسلام نے توحج کو دینی و دنیوی فوائد کا منبع قرار دیا۔ یہ روحانی اور مادی فوائد کا جامع ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ)) [1]

ترجمہ: حج و عمرہ کو کثرت سے کیا کرو بلاشبہ یہ فقر اور گناہوں کو مٹاتے ہیں۔

حج میں حجر اسود کو چوم کر بندہ اللہ تعالیٰ سے کئے عہد کی تجدید کرتا ہے۔ صفاء و مروہ کی سعی اس عہد کی تجدید ہے کہ (جس طرح ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے دنیا و مافیہا کی ہر چیز کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی خاطر وادیٔ ویران میں بسیرا کیا تھا) میں بھی اسی راہ کا راہی ہوں۔ حج روحانیت پر مادہ پرستی کے جدید غلبہ میں ابراہیمیت کی روحانیت پر جیت اور نمرودیت و مادیت کی حزیمت کا فلسفہ یاد کرنے اور حاصل کرنے کا جذبہ و فکر عطا کرتا ہے۔ منٰی میں کنکریاں مار کر اس بات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ مادیت کے خلاف جنگ جاری رکھوں گا۔ منٰی میں قربانی اور حلق رأس مادیت کے تابوت میں آخری کیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ حجاج کرام کا کفن پوش لشکر جرار روحانیت کی سربلندی اور مادیت کے خلاف جنگ کا مظہر ہے۔ حج امراء و اغنیاء پر فرض ہے، حجاج کا سفر درحقیقت مادیت سے روحانیت کا سفر ہے۔

۳۔ جہاد اور مادیت:

جہاد دینی نظام کے تحفظ اور بقاء کا ضامن ہے۔ اسلام کی سربلندی کے لئے جو کردار جہاد کا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ)) [2]

ترجمہ: اسلام کے کوہان کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اسلام نے بڑی شدت سے جہاد کا مطالبہ کیا۔ اس کا مقصد دنیا سے غیروں کے نظام کو ختم کر کے نظام الٰہی نافذ کرنا ہے۔ جہاد دین کی سربلندی کے علاوہ مظلوم اور محکوم کی مدد کا مستند ذریعہ بھی ہے۔ شہوات و ملزات دنیا جس طرح دوسرے صالح اعمال سے روک کر دینی نظام کو متاثر کرتے ہیں۔ یونہی مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات نے

۱۔ النسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب الخراسانی، السنن، (الحلب: امکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۹۹۶ء) کتاب مناسک الحج، باب فضل المتابعۃ بین الحج والعمرۃ، ح ۲۶۳۱، حسن صحیح (آلبانی)

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلوٰۃ، ح ۲۶۱۶، صحہ الترمذی

جہاد کو بھی متاثر کیا۔ کشمیر، فلسطین اور شام کے مظلوم، دنیائے اسلام کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔ مسلم ممالک مادی نقصان کے خوف سے لڑنا تو درکنار ان کے حق میں بات کرنے سے خائف ہیں۔ اہل مغرب نے جہاد کو دہشت گردی قرار دیا، مغربی میڈیا نے اس کی اتنی گردان پڑھی کہ مسلم معاشرے کے با اثر افراد نے بھی جہاد کی سرپرستی ترک کر دی۔ مادی مغربی تسلط اور غیر مسلم طاقتوں کے گٹھ جوڑ سے آج جہادی نظام مکمل پابندی کا شکار ہے۔ اس پابندی کے پیچھے دنیا کے مادہ پرستوں کا ہاتھ ہے۔ جہاد کو مغربی مادہ پرستی کے نظام کے لئے بڑا خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر باقی دنیا کے مادہ پرست جہاد کو دنیاوی اور مادی فوائد کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آج جہاد کے نام لیوا افراد کو پابند سلاسل رکھا ہے۔ جہاد کے لئے مال جمع کرنے پر پابندی، بلکہ جہاد کا نام لینا بھی آج قابل سزا جرم تصور کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک میں دنیا کے خالق و مالک کے نظام کی جگہ مادہ پرستوں کا نظام رائج ہے۔ مادیت کے اس نظام نے معاشروں کے لئے کئی خوفناک مسائل کو جنم دیا۔ آج انسانیت سسک سسک کر جی رہی ہے۔

جس طرح باقی عبادات مادیت کے سدباب کا ذریعہ ہیں، جہاد مادیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ مجاہد جب جہاد کے لئے روانہ ہوتا ہے تو پہلے اپنے مال اور پھر اپنی جان دونوں کو راہ خدا میں قربان کرنے کے جذبہ سے سرشار ہوتا ہے۔ جو جہاد کرتا ہے وہی دنیوی زندگی اور اس کے مال کو فروخت کرکے آخرت کی زندگی خریدتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ [۱]

ترجمہ: تو جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ خدا کی راہ میں جنگ کریں۔

آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے مادیت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور اسی کو مقصد زندگی بھی تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے کے لئے کیسے آمادہ ہوسکتے ہیں۔ جب کہ باری تعالیٰ نے جہاد کو بندگی کے پرکھ کی کسوٹی قرار دیا۔ غزوہ تبوک اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کا اعلان کیا تو ایک طرف فصل اور پھل بھرپور اوراتارنے کے لئے تیار تھے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

۲۔ النساء: ۷۴

کے حکم پر جہاد کے لئے کوچ کرنا تھا۔ سفر بامشقت اور بعید تھا۔ گرمی اپنے عروج پر تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہا مادی فوائد پر جہاد کو ترجیح دی۔

الغرض! جہاد اپنی تمام اقسام کے ساتھ عصر حاضر میں پابند سلاسل ہے۔ جہاد بالنفس ہو یا جہاد بالمال، جہاد باللسان ہو یا بالقلم مادہ پرست بین الاقوامی غنڈے اور دنیا پرست مسلمان جہاد کا نام تک نہیں لینے دیتے اور نہ جہاد کے لئے آمادہ ہیں۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ ارشاد ہے:

((لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِن أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلٰى اَمرِ اللهِ قَاهِرِينَ لِعَدُوِّهِم))[1]

ترجمہ: میری امت میں ایک جماعت اللہ کے حکم پر جہاد جاری رکھے گی یہ اپنے دشمن پر غالب رہیں گے۔

آج دنیا کے ہر خطہ میں خون مسلم بہایا جارہا ہے۔ شام ہو یا عراق، کشمیر یا افغانستان ہر عمر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ پھر ان مظلوموں کی داد رسی کرنے کے بجائے آج انہیں شدت پسند اور دہشت گرد کہا جاتا ہے۔ مادہ پرستوں نے ۹/۱۱ کے بعد افغان طالبان کو مشورہ دیا کہ جہاد کو چھوڑیں، بڑی طاقتوں کی مان کر چلیں، آپ نے ایک نسل روس کے ساتھ لڑ کر مروادی اب اگلی نسل کی فکر کریں، آپ کو ڈالر بھی ملیں گے اور پروٹوکول بھی۔ اچھی طرح سوچ وبچار کے بعد جواب دیا کہ ہم دنیوی مال کی خاطر جہاد نہیں ترک کریں گے۔ دشمن کتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہو ہم اس سے لڑیں گے اور ان شاء اللہ جیتیں گے۔ اس لئے کہ یہ ہمارے رب کا وعدہ ہے کہ وہ مجاہدین کی مدد ونصرت کرتا ہے۔ آج وقت اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ مادہ پرست ہار گئے اور نہتے ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے فتح یاب ہو رہے ہیں یہ کہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ افغانسان میں شکست کھا کر فرار کی راہ تلاش کر رہا ہے، یہ ہے مندرجہ بلا حدیث نبویہ کی ثابت شدہ سچائی۔

۴۔ نظام عدل اور مادیت:

عدل وقضاء نظام اسلام کی صحیح تنفیذ اور معاشرے کے نظم وضبط کے برقرار رکھنے کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تشریح وتوضیح کا بنیادی ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا سرچشمہ قرآن وسنت ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اس نظام کی تنظیم کے لئے تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ اس کو عملی صورت بھی دی۔ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم منتخب کرنے کے لئے جب انٹرویو لیا تو پہلا سوال یہی تھا کہ اہل یمن میں کس

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ، باب قولہ لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خالفھم، ح ۴۹۵۴

طرح فیصلہ کروگے۔ فرمایا: کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت کے مطابق۔ یہ تربیت اس حکم کے باعث تھی کہ:

﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾[1]

ترجمہ: اور جو اللہ نے نازل فرمایا اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا۔

مخلوق کے لئے خالق کا دیا ہوا نظام ہی عدل و مساوات کا ضامن ہے۔ جس معاشرے میں یہ نظام نہ ہو گا وہ ظلم کی تصویر بن جاتا ہے۔ اس کے ذمہ دار وہ مادہ پرست ہوتے ہیں جو کسی مادی فائدے کے لئے قضاء و عدل پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ چاہے کتنا ہی بڑا مسلمان اور حاجی و نمازی ہونے کا دعویٰ کریں اسلام انہیں قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فاطمہ مخزومیہ کے بارے فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا تھا کہ پہلی اقوام کی تباہی کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کے نظام عدل و قضاء کا دوہرا معیار تھا۔ کمزور کو سزا دیتے اور اشرافیہ کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جس کے باعث وہ معاشرے صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ آج بھی مادہ پرستانہ رجحانات کئی اشکال اور حربوں سے عدل و قضاء کے اسلامی نظام میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا، قائداعظمؒ نے قرآن و سنت کو اس کا نظام قرار دیا۔ قائداعظمؒ کی رحلت کے بعد مادہ پرست قوتوں نے پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ پہلے اس کے آئین کو اسلامی اصولوں پر قائم نہ ہونے دیا۔ پھر ۱۹۷۱ء کا آئین اگرچہ کسی حد تک اسلامی تھا بھی تو اس کو نافذ نہ ہونے دیا۔ ضیاء الحق شہید کے دور میں اس کے نفاذ کے لئے اگر کچھ اقدامات ہوئے بھی تو مغربی دباؤ کے باعث بعد میں آنے والوں نے اس کو ختم کر دیا۔

مادہ پرست افراد ہر سطح پر آج نظام عدل و قضاء کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ عام آدمی تھانہ اور کچہری کے نام تک گھبراتا ہے۔ رشوت کا استعمال عصری عدالتی نظام پر سب سے زیادہ اثر انداز ہو رہا ہے۔ جو زیادہ

۱۔ المائدۃ:۴۹

۲۔ المائدۃ:۴۵

پیسہ لگاتا ہے مقدمہ جیت جاتا ہے۔ بااثر اور اچھا وکیل کرنے سے بات اب آگے چلی گئی ہے۔ یہ بات زبان زد عام ہے کہ اچھا وکیل کیا کرنا، جج ہی کر لیا جائے۔ بااثر افراد اور ارباب حکومت عدلیہ کو اپنے غلط عزائم اور مخالفین کو کچلنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ عدلیہ کے لئے منتخب لوگ بسا اوقات سیاسی سہاروں کے باعث آگے بڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی یہ نظام متاثر ہوتا ہے۔

آج اکثر مسلم ممالک میں بالعموم اور وطن عزیز میں بالخصوص اسلام کے خالص نظام عدل و قضاء کے فقدان کے باعث معاشرے متعدد مسائل کا شکار ہیں۔ بااثر طبقہ قانون سے بالاتر ہے۔ عوام عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ مروجہ قانون اور اس کے نفاذ کے ذمہ دار ادارے عوام کے لئے تحفظ کے بجائے خوف کی علامت بن چکے ہیں۔ وطن عزیز کا نظام عدل آدھا تیتر آدھا بٹیر کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ یہ نظام عوام کو حقیقی انصاف فراہم کرنے سے بے بس ہے۔ مزید بر آں اللہ تعالیٰ نے نظام دین کے نفوذ پر جن برکات اور انعامات کا وعدہ کیا ہے اس سے بھی محروم ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر اہل دنیا اس نظام کو نافذ کرتے ہیں وہ میرا وعدہ ہے کہ میں ان پر ہر طرف سے رزق کے دروازے کھول دوں گا۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾[1]

ترجمہ: تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا ہے) اپنے اوپر سے پاؤں کے نیچے سے کھاتے ہیں۔

سعودی عرب آج اس کی مثال ہے۔ ایک وقت تھا کہ جب یہ لوگ بھوک و افلاس کے باعث حاجیوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ جب دینی نظام عدل نافذ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین سے رزق کے دروازے کھول دیئے۔ وطن عزیز ہر موسم اور معدنیات سے مالا مال ہونے کے باوجود آج معاشی ابتری کا شکار ہے۔ وجہ کی کھوج لگائی گئی تو معلوم ہو کہ پاکستان کی تخلیق کے بعد اس کا اقتدار جن ہاتھوں میں رہا وہ ہاتھ مادیت زدہ تھے۔

۵۔ دعوت دین اور مادیت:

نظام دینیہ میں دعوت دین ایک فرض کی حیثیت رکھتی ہے۔ معاشرہ کی دینی اصلاح اور نظام کی ترویج و تنفیذ میں دعوت دین کا اہم کردار ہے۔ دعوت دین کی بڑی ذمہ داری سابقہ امتوں میں انبیاء کی ہوا کرتی تھی۔ تاہم جب سے نبوت کا سلسلہ محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوا تو یہ ذمہ داری امت کے ہر فرد کو فریضہ کے طور پر تفویض کر دی گئی۔ فرمایا:

۱۔ المائدۃ:۶۶

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[1]

ترجمہ: جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

جہاں ذمہ داری دی وہاں ساتھ ہی " خیر الأمۃ "کا خطابِ اعزاز بھی عطا کیا گیا۔ مسلمان آج آسمانی مذاہب کے بالعموم اور اسلام کے بالخصوص وارث ہیں۔ اس وراثت کی بقاء وتحفظ اس کی دعوت میں ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں مسلم معاشروں نے جس طرح دوسرے شعبوں کو متاثر کیا وہاں دعوت دین کو بھی متاثر کیا۔ دنیا کی محبت وقت کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے، جس کی وجہ سے آج عام آدمی کے پاس دعوت دین کے لئے وقت ہی نہیں۔ چند ایک کے علاوہ ہمارے اکثر علماء(جو دعوت دین کے اصل ذمہ دار ہیں) آج مال پیسہ بنانے میں مصروف ہیں۔ کچھ دوسرے مساجد کو اپنی آمدن کا ذریعہ بنانے کے باعث دعوت دین سے غافل ہیں۔ چند لوگ ایسے بھی ہیں جو محض اس لئے دعوت دین سے دور ہیں کہ انہیں " مولوی "کا طعنہ دیا جائے گا۔ کاروباری طبقہ تجارتی مصروفیات ، پیسہ اور تجارت کی دھن میں مگن ہیں۔ ان کے پاس بھی دعوت کا وقت نہیں۔ علماء کا ایک بڑا طبقہ مادہ پرستانہ طرز زندگی اپنائے ہوئے ہیں، جس کے باعث یا تو وہ برائے نام دعوت دین دیتے ہیں یا پھر دین کے ان پہلوؤں کو چھپاتے ہیں جن کے باعث ان کے مفاد زد میں آتے ہیں۔ ایسے میں چند ایسے لوگ بھی ہیں جو دین کو اس کی اصل صورت میں پیش کرتے ہیں تو بین الاقوامی مادہ پرست ان پر قید وبند اور مظالم کے پہاڑ گراتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک حفظہ اللہ وغیرہ اس کی اہم مثال ہیں۔

المختصر! اسلامی عبادات کا مقصد معیاری انسانیت کی تیاری ہے۔ یہ عبادات انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی رہنمائی اور صفات محمودہ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ عبادات معاشرے میں تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت پیدا کرتی ہیں۔ یہی زندگی گزارنے کا اصل دستور وطریقہ ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ آج انسانیت کی اکثریت اس نظام سے بیزار ہورہی ہے۔ انسان اور اس کے لئے قائم کردہ دینی نظام کے درمیان مادیت حائل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومتی اور نجی شراکت سے دینی نظام کے نفاذ میں حائل مادی رکاوٹوں کو ہٹایا جائے تاکہ معاشرے اصل اور اعلیٰ معیار زندگی سے مستفید ہوں۔

۲۔ آل عمران: ۱۱۰

فصل دوم

مادیت کے اخلاقی نظام پر اثرات

اخلاق کا معنی و مفہوم:

اخلاق، خلق سے ماخوذ ہے، خَلق کے "خَ" کو مفتوح پڑھیں تو اس سے معنی و مراد ظاہری "صورت اور شکل ہو گا۔ خَلَق کو اگر "خُ" کے ضمہ کے ساتھ پڑھیں تو اس سے معنی و مراد اندرونی یعنی باطنی اور نفسیاتی کیفیت و صورت ہو گی۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی فرد خَلق اور خُلق دونوں اعتبار سے صالح ہے تو اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ وہ آدمی ظاہری صورت کے ساتھ ساتھ باطنی طور پر بھی صالح ہے جس طرح ہر انسان ظاہری صورت میں دوسروں سے مختلف ہوتا ہے یونہی وہ باطنی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ امام راغب اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

((هُوَ مَا اكتَسَبَہُ الِانسَانُ مِن الفَضلِ بِخُلُقِہٖ)) (۱)

ترجمہ: یہ فضیلت کا وہ اکتسابی عمل ہے جو انسان اپنے اخلاق سے حاصل کرتا ہے۔

اسلام کا نظامِ اخلاق:

یوں تو اخلاق کو ہر زمانے اور ہر قوم میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اسلام نے نہ صرف اخلاقیات کی نشاندہی کی بلکہ اسے نظام کا درجہ دیا۔ اسلام کے اخلاقی نظام کو کئی اعتبار سے دوسری اقوام کے اخلاقی اقدار پر برتری حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اقوام کے ہاں اچھے اخلاق کی بنیاد انسانی عقل و شعور اور تجربات پر ہے۔ بطور خاص جدید مغربی مادی معاشرے تو ہر اچھائی اور برائی کا فیصلہ عقل، رائے عامہ اور اکثریت کی بنا پر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اخلاقی نظام پورے کا پورا اسی اصول پر قائم ہے جیسے وقت کے ساتھ رائے عامہ بدلتی ہے۔ ان کے ہاں اخلاقی قدار بھی بدلنا شروع ہو جاتے ہیں۔۔ مغربی تہذیب کی بنیاد چونکہ مادیت پر ہے اس لیے جس طرح باقی اقدار پر اثر انداز ہے یونہی اس نے اخلاقی اقدار کو بھی اپنے تابع کر لیا۔ مادہ پرستی کے نئے رنگ میں رنگے یہ معاشرے اپنے ہی مذہب کے عطا کردہ اخلاقی اقدار کو فرسودہ قرار دیتے ہیں۔

اسلام مکمل نظامِ حیات فراہم کرتا ہے۔ یہ اس ہستی کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے جو زندگی کا خالق ہے۔

ا۔ الاصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمد الراغب، المفردات لالفاظ القرآن، (دمشق: دار القلم، ۱۴۳۰ھ)، ص:۲/۱۶۰

اس نظام اخلاق میں اچھائی اور برائی کے تعین کا اختیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے پاس ہے۔ اسلام اچھے اور برے اخلاق کے حوالے سے ایک پختہ اور مستقل نظام فراہم کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ ہر انسان سے یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس نظام کو اپنایا جائے۔ اپنی عقل اور خواہش کو بھی اس کا تابع کیا جائے۔

اسلامی نظام اخلاق متعدد مراحل پر قائم ہیں۔ اسلام پہلے مرحلہ میں فرد کی اخلاقی تربیت سے آغاز کرتا ہے۔ اس اخلاقی تربیت کے لیے اخلاقی تعلیمات کا اہتمام کیا۔ ان تعلیمات میں ایک طرف رزائلِ اخلاق کی نشاندہی کرکے ان سے دور رہنے کا حکم دیا مثلاً جھوٹ، ظلم، تکبر، شراب نوشی، زنا، جوا، غیبت، حسد، قتل، بدگوئی اور لڑائی جھگڑا وغیرہ۔ اسلام نے ان رزائلِ اخلاق سے نہ صرف روکا بلکہ ان کے مرتکبین کے لیے دنیا اور آخرت میں سزا مقرر کی۔ ان کے مقابلہ میں اخلاقِ حسنہ کی نشاندہی کرکے ان کو اپنانے اور عام کرنے کا حکم دیا۔ ان پر اجر وانعام کا وعدہ کیا گیا۔ ان محاسنِ اخلاق میں سچائی، دیانتداری، وفاء، ایثار، عفوودرگزر اور ایفائے عہد وغیرہ شامل ہیں۔ ان صفات کے حامل شخصیت کو کامل مؤمن اور مطلوب بندہ قرار دیا۔ فرمایا:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)) (۱)

ترجمہ: ایمان کے اعتبار سے کامل مؤمن وہ ہے جس کا خُلق اعلیٰ ہے۔

شخصی اور فردی اصلاح کے بعد دوسرا اہم مرحلہ خاندان کی اخلاقی اصلاح کا ہے۔ خاندانی واخلاقی تربیت کی بنیاد اسلام کے حقوق وفرائض پر رکھی۔ شوہر کے بیوی اور بیوی کے شوہر پر حقوق وفرائض مقرر کرکے معاشرے کی بنیادی اکائی کو منظم کر دیا۔ اس تنظیم کا اہم مقصد اخلاقی تربیت کے لیے ساز گار ماحول پیدا کرنا ہے۔ اس کے بعد والدین پر اولاد کے حقوق مقرر کیے۔ اولاد کی اخلاقی تربیت والدین کی ذمہ داری قرار دی۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾(۲)

ترجمہ: مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔

اولاد کے بعد بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک اور بیوی کو شوہر کا خیر اندیش ہونے کا حکم دیا گیا۔ جب شوہر اور بیوی اپنے اپنے حقوق وفرائض کا خیال رکھتے ہیں تو ان کی اولاد ایک مہذب اور اعلیٰ اخلاقی ماحول میں تربیت حاصل کر کے بڑے ہوں گے۔ جب یہ بلوغت اور سمجھداری کی عمر کو پہنچتے ہیں تو اسلام انھیں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دے کر ان کی اخلاقی تربیت کو ایک نئی جہت دیتا ہے۔ خاندان کے ہر فرد کو یہ حکم دیتا ہے کہ والدین کے علاوہ

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب الرضاعۃ، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا، ح ۱۱۶۲

۲۔ التحریم:۶

قرابت داروں سے بھی حسن و احسان اور صلہ رحمی سے پیش آئیں۔ فرمایا:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ﴾(۱)

ترجمہ: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ۔

خاندانی اخلاقی تربیت کے بعد اسلام نے اخلاقی تربیت کے لیے معاشرے کا رخ کیا۔ اس کا آغاز پڑوسیوں سے کیا گیا۔ پڑوسیون کے حقوق و فرائض مقرر کیے۔ ان کے حقوق و فرائض کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک باہمی احترام اور محبت کا حکم دیا۔ فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ)) (۲)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھائی رکھے۔

اس کے بعد اسلام عام مسلمانوں سے عدل و مساوات، اخوت اور رحمدلی سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے۔ اس سے معاشرے کا اخلاقی معیار بلند ہو جاتا ہے۔ فرمایا:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) (۳)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے باقی مسلمان محفوظ رہیں۔

یہ اسلام کی وہ سنہری تعلیمات ہیں جن سے مسلم معاشرے اخلاقی اعتبار سے مثالی ہوتے ہیں۔ اسلام کا اخلاقی دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ دنیا کا ہر فرد اس میں سما سکتا ہے۔ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف اچھے برتاؤ کا حکم دیتا ہے بلکہ ان کی عبادت گاہ، مذہبی راہنماؤں اور مذہبی کتب تک کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ یہ اسلام کی وہ اخلاقی قدریں ہیں جن کے باعث دوسری اقوام اسلام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے رواداری، ہمدردی اور احترام انسانی کے اخلاق کو دنیا میں ترویج دیا۔ اس کے علاوہ ان معاملات میں خود غرضی، لالچ، حسد و غیبت اور تمسخر وغیرہ بداخلاقیوں سے منع کیا۔

۱۔ النساء:۳۶

۲۔ ابنِ ماجہ، السنن، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، (بیروت: دار الرسالہ العلمیہ، ۲۰۰۹ء) کتاب الادب، باب حق الجوار، ح ۳۶۷۲

۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، ح ۱۰

اسلام کی ان اخلاقیات میں اس قدر اعلیٰ درجے کی روحانی قوت تھی کہ عرب معاشرہ (جو صدیوں سے جوا، شراب اور بدکاری و بدکرداری کا عادی تھا) میں محض چند سالوں میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ خود رسول اکرم ﷺ ان اعلیٰ اخلاق کا محور تھے۔ آپ ﷺ کے اخلاق اس قدر اعلیٰ تھے کہ کئی لوگ محض آپ ﷺ کے اخلاق سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ خود ہی اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((انما بعثتُ لا تمم مکارم الاخلاق))[1]

ترجمہ: بلاشبہ مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

صبر و تحمل، رواداری، عفوو درگزر اور رحم دلی آپ ﷺ کے اخلاق کی نمایاں خوبیاں تھیں۔

اخلاق قرآن و سنت کی نظر میں:

قرآن و سنت سے حاصل ہونے والی اخلاقی تعلیمات کا اصل مقصد حق و باطل اور نیکی و بدی کی وضاحت کرنا ہے تا کہ انسان کو از خود راہ ہدایت کی اتباع پر آمادہ کیا جائے۔ جبری اطاعت حکمت الٰہیہ کے منافی ہے۔ وگرنہ، "حی علی الفلاح" کی جگہ زلزلہ کا جھٹکا نماز پڑھانے کے لیے کافی ہے۔ فطرتِ انسانی کو اللہ تعالیٰ نے خیر و شر جاننے اور ترک و اختیار کی صلاحیت سے مسلح کر دیا ہے۔ سچائی، رحم دلی اور انصاف کو دنیا کا ہر فرد اور معاشرہ پسند کرتا ہے۔ جب کہ جھوٹ، فساد اور عہد شکنی وغیرہ عالمی سطح پر ناپسندیدہ اخلاق ہیں۔

اسلام کا عطا کردہ اخلاقی نظام عالم گیر مسلمہ حقیقت ہے جسے ساری دنیا جانتی اور مانتی ہے۔ قرآن مجید میں اس لیے اچھائی اور نیکی کو "معروف" کا نام دیا اور برائی اور گناہ کو "منکر" سے موسوم کیا۔ معروف یعنی وہ چیز جو لوگوں میں اچھائی اور خوش خلقی کے طور پر مشہور ہو جب کہ منکر اس غلط رویے اور خُلق کو کہا جاتا ہے جس کا ہر کوئی منکر ہو۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کی توضیح یوں فرمائی:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[2]

ترجمہ: (مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

ا۔ سنن ترمذی، حدیث: ۲۰۰۴، / مسند احمد، امام احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرہؓ، حدیث: ۸۹۳۹۔ صحیح الالبانی، ح ۴۵

۲۔ آلِ عمران: ۱۱۰

پھر اس معروف و منکر کی پہچان کرنے والی صلاحیت انسانی فطرت میں پیوست کر دینے کی خبر دی ۔ فرمایا:
﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾(۱)

ترجمہ: پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔

پورا قرآن مجید اخلاق حسنہ کو اپنانے اور خلق سئیہ سے اجتناب کی تعلیمات و احکامات پر مشتمل ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ برتاؤ کے اچھے اصول و ضوابط کیا ہیں۔ نیز وہ کون سے اخلاق ہیں جو اللہ اور خَلق کے ساتھ روا نہیں رکھے جاسکتے ہیں۔ خود قرآن کہتا ہے کہ محمد ﷺ ان اخلاق کا پیمانہ ہیں۔ فرمایا:
﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾(۲)

ترجمہ: اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔

اسلام نے عقائد و عبادات کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اخلاق کو دی ہے۔ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے دین کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: "مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا۔" حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق نظام دین کی بنیاد اور روح ہیں۔ انھی اخلاق کی تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام شروع ہونے والا سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہوا۔ خلق حسنہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ))(۳)

ترجمہ: مؤمن کے ترازو میں قیامت کے دن خلق حسنہ کے علاوہ کوئی اور چیز وزنی نہ ہو گی۔

ان محاسن اخلاق کی بنا پر ہی انسان کو اشرف المخلوقات کا خطاب مِلا۔ قرآن و حدیث نے اخلاق کو دو بنیادی اقسام میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ اخلاقِ حسنہ　　　۲۔ اخلاقِ سیئہ

اچھے اخلاق کی نشاندہی کرنے کے بعد قرآن و سنت نے ان پر عمل کرنے کا حکم دیا اور ان پر عمل کی صورت میں جزا کا وعدہ کیا۔ ان اخلاق کی خلاف ورزی پر گناہ و سزا مقرر کی۔ اسی طرح بُرے اخلاق کی نشاندہی کرتے ہوئے ان سے باز رہنے کا حکم دیا۔ بد اخلاق افراد کے لیے سخت سزا اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ فرمایا:

۱۔ الشمس:۸

۲۔ القلم:۴

۳۔ الترمذی، السنن، ح ۲۰۰۲، حدیث حسن

((وَإِنَّ اللَّهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ)) [1]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ بے حیائی اور برائی کی بات کرنے والے سے نفرت کرتا ہے۔

مادیت کے اخلاقیات پر اثرات:

مغرب سے چلنے والی مادیت کی ہوا نے ایک وباء کی طرح انسانی اخلاق واقدار کو بالعموم اور اسلامی اخلاقی اقدار کو بطور خاص کمزور کرنا شروع کیا۔ کلیسا کی پسپائی کے بعد عالمی قوت جن ہاتھوں میں آئی وہ اقوام مذہب کی بغاوت کے باعث اخلاقی اقدار سے عاری تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اقوام کی تاریخ کشت وخون اور بد کرداری و بد اخلاقی سے معمور ہے۔ خود غرضی اور مفاد پرستی پر مبنی یہ معاشرہ دنیا بھر میں اپنی مادہ پرستانہ سوچ کو تیزی سے پھیلا رہا ہے۔۔ اس کلچر نے دنیا کو کئی مسائل ومشکلات کی اماجگاہ بنا دیا ہے۔ جو اقوام جس قدر ترقی یافتہ ہیں وہ اسی قدر مسائل کا شکار ہیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

"انه قد انتشر فی هذا الوقت مِن امراض القلوب الكثير بين الناس كالحسد، و البخل ، والظلم، ومرض الشبهات والشكوک، ومرض الشهوات وغيرها"[2]

ترجمہ: آج لوگوں میں دل کی کئی امراض پھیل چکی ہیں مثلاً حسد، بخل، ظلم، شکوک وشبہات، کا مرض اور شہوات وغیرہ

ایسی صورتِ حال معاشرہ کو اس وقت درپیش ہوتی ہے جب وہ فطرت انسانیہ خالصہ کو ترک کر کے اپنے احساسات وجذبات ونظریات کو حیوانی جذبات کے تابع کر دیتے ہیں۔ حیوان مطلق اپنی ضروریات یعنی بھوک پیاس مٹانے کے لیے کسی قائدہ، اصول اور اخلاق کی پرواہ نہیں کرتے نہ ان کے ہاں حلال و حرام کا کوئی ضابطہ اخلاق ہوتا ہے۔ جب کہ انسان اپنی ضروریات وحاجات اور مادی فوائد کی تکمیل کے لیے فطرتِ خداوندی کے عطا کردہ ضابطہ اخلاق کا پابند ہوتا ہے۔ یہی اخلاقی ضابطے، انسانی معاشروں کی بقاء وترقی اور امن وآشتی کے ضامن ہوا کرتے ہیں۔

انسانی معاشرے کی ابتری کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب اس پر حیوانیت غالب آجاتی ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں معاشرہ جنگل کے قانون کا سماں پیش کرتا ہے۔ آج ہمارا معاشرہ اس کی عکاسی کر رہا ہے۔ انسان پر جب حیوانی حس غالب آجاتی ہے تو وہ اخوت، ایثار اور احسان کے جذبات کو فراموش کر دیتا ہے۔ حیوانیت و درندگی اس پر غالب آجاتی ہے۔ وہ اپنے فوائد کے لیے فساد و ظلم کی انتہا تک چلا جاتا ہے۔ آج پاکستانی معاشرہ

ا۔ الترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق، ح: ۲۰۰۲ ، حدیث حسن

۲۔ ابن تیمیہ، امراض القلوب وشفاؤھا، ص ۲

بالخصوص اور باقی دنیا بالعموم اسی مسئلہ سے دوچار ہے۔ ایک طرف ہم مادیت کی دوڑ میں مغربی اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کے شوق میں اپنی چال بھی بھول رہے ہیں۔ تو دوسری طرف معاشی و معاشرتی مسائل نے ہمیں اخلاقی انحطاط و گراوٹ کا شکار کر دیا ہے۔

اخلاقی پستی کے مادی اسباب:

انسان فطرتی اور طبعی طور پر بد اخلاقی اور بگاڑ کی وجہ نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس فطرت سلیمہ پر تخلیق کیا۔ کوئی سلیم الطبع آدمی اس فطرت کے خلاف نہیں چلتا۔ معاملہ خراب وہاں سے ہونا شروع ہوتا ہے، کہ جب فطرت سلیمہ مادی بیماریوں کا شکار ہو کر مسخ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ذیل میں ہم ان اسباب و وجوہات کا جائزہ لیں گے۔ جو مادیت کے باعث آج ہمارے معاشروں کی اخلاقی پستی کا باعث ہیں۔

(الف)۔ دنیا کی محبت:

اخلاقی پستی کی اصل وجہ آخرت کے مقابل میں دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ عصر حاضر میں دنیا پرستی یا مادہ پرستی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی بنیادی وجہ جدید ایجادات و آسائش دنیا ہیں۔ سہولیات و آسائشِ زندگی کی آج جو بھرمار ہے وہ کبھی پہلے نہ تھی۔ نت نئی ایجادات نے انسانی زندگی کی ترجیحات اور مقاصد کا رُخ بدل کر رکھ دیا ہے۔ دنیوی زینت و آسائش کے حصول نے معاشروں کے اخلاق کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ آج معاشرے دنیوی مال کی طرف دوڑ میں نہ صرف اخلاقی اقدار کو فراموش کر رہے ہیں بلکہ اخلاقی زوال و پستی کی طرف تیزی سے گر رہے ہیں۔ دنیا سے محبت نے اکثریت کو اندھا، گونگا اور بہرا کر دیا ہے۔ مال و زر کے حصول میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو مسمار کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حلال و حرام، گناہ و ثواب اور اچھا اور بُرا سب کی کچھ اہمیت نہیں رہتی۔ نتیجتاً ایسے معاشرے اخلاقی طور پر مردہ ہو جاتے ہیں۔ بد دیانتی، غبن، ملاوٹ، منافع خوری، ظلم و زیادتی اور بدعہدی وغیرہ نے آج معاشرے کی اخلاقی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ قرآن حکیم نے انسان کو ابتداء ہی سے اس خطرہ کی نشاندہی کرتے ہوئے خبردار کر دیا تھا۔ فرمایا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا، وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴾[۱]

ترجمہ: مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو (۱۷) حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔

۱۔ الاعلیٰ:۱۶

(ب)۔ مظاہر پرستی:

مادیت نے مظاہر پرستی کو جنم دیا۔ اس مظاہر پرستی کا شکار عام لوگوں کے علاوہ دین سے وابستہ طبقہ بھی ہو گا۔ عام افراد برتری، شہرت اور حصول عزت کے لیے بڑی گاڑی، عالیشان مکان اور اونچی کرسی کے حصول میں ہر اخلاقی قدر کو پامال کرنے لگے۔ یہ لوگ اس دھن میں لگے ہیں کہ گاڑی، مکان اور اقتدار کی کرسی ہی درحقیقت بڑا انسان بننے کی بنیادی معیار ہے۔ دین دار طبقہ تسبیح، ٹوپی، داڑھی، سبیلیں اور حج وغیرہ کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ نیک اور صالح آدمی کا معاشرتی مقام حاصل کر لے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے علماء بھی موجود ہیں جو ان ظاہری اعمال پر نجات و فلاح کے فتوے دیتے ہیں۔ عوام جب یہ دیکھتی ہے کہ کچھ دینی محافل کا اہتمام کرنا، غریبوں کو کھانا کھلانا، بزرگوں کے نام پر خرچ کرنا، دینی مراکز کی تعمیر اور ترقی کا اہتمام کرنے میں اگر نجات ہے تو پھر اخلاقی نظام کی مشکل تعلیمات کی پیروی و احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس طرح یہ لوگ ظاہر دکھلاوے کے محض چند اعمال کو جنت کا ضامن سمجھتے ہیں۔ اس طرح انھیں اخلاقی بے راہ روی کا جواز مل جاتا ہے۔ اس جواز کی ضرورت درحقیقت انھیں دنیا پرستی اور بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہ طرز عمل یہود، بنی اسرائیل کا تھا۔ جو اپنے آپ کو نیک، پارسا اور اللہ والا ظاہر کرتے تھے۔ تاہم دنیا پرستی کے باعث وہ بے حیائی اور بداخلاقی کے اندھیروں میں گھرے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود وہ دعویٰ کرتے کہ:

﴿ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ ﴾[۱]

ترجمہ: کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

(ج)۔ مغرب کی تقلید:

اخلاقی پستی کا اہم سبب مغرب کی اندھا دھند تقلید ہے۔ مغرب کی معاشی، سیاسی اور سائنسی برتری سے باقی معاشرے بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر ہوئے۔ مغربی تہذیب کی اساس مادیت پر ہونے کے باعث وہ تو ویسے ہی اخلاق سے عاری ہیں۔ ان کے مقلدین کا اخلاقیات سے عاری ہونا تو ایک لامحالہ امر بن جاتا ہے۔ مغربی تقلید سے بداخلاقی اور بدکرداری کا جو کلچر آج دنیا میں رائج ہے اس نے دنیا کو بدامنی اور بے چینی کا مرکز بنا کر رکھ دیا ہے۔ انسان اخلاق حسنہ کو انسانی عظمت اور فلاح کا ضامن قرار دیتا ہے۔ اس لیے اسلام بداخلاق لوگوں کی پیروی اور دوستی سے منع کرتا ہے: فرمایا

۱۔ المائدہ:۱۸

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾[1]

ترجمہ: مومنو! ان لوگوں سے جن پر خدا غصے ہوا ہے۔

(د) واضح نصب العین کا فقدان:

مسلم معاشروں میں اجتماعی نصب العین کا فقدان، اخلاقی انحطاط کی ایک اور بنیادی وجہ ہے۔ جب من حیث القوم نصب العین واضح ہوتا ہے تو معاشرہ منظم ہوتا ہے اور اس کا نصب العین ہی اس کا مقصد اصلی ہوتا ہے۔ بصورت دیگر قوم گروہوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ دوسری اقوام کو مداخلت کا موقع مل جاتا ہے۔ وہ اقوام اپنی فکر کو عام کرتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں مسلم اقوام غیر اسلام افکار و نظریات کو اپنا نصب العین بناتے ہیں۔ آخر کار معاشرہ تقسیم در تقسیم کے باعث دست و گریباں ہو جاتا ہے۔ آج مسلم معاشرے انھی خرابیوں کا شکار ہے کوئی مغربی نظام کا نعرہ لگاتا ہے تو کوئی سوشل ازم کی بالادستی چاہتا ہے۔ کوئی "میرا جسم میری مرضی" کے نعرے کے پیچھے بد اخلاقی اور مسلم معاشرے کی اخلاقی تباہی کے نعرے اور فکر کو عام کر رہا ہے۔ واضح نصب العین ہو بھی کیسے سکتا ہے جب قوم چار سے پانچ اقسام کے نظام ہائے تعلیم سے دوچار ہو۔ جس قوم کا نہ معاشی نظام، نہ سیاسی نظام اور نہ ہی تعلیمی نظام اپنا ہو، تو اس قوم کا نہ نصب العین ہوتا ہے نہ ہی وہ آزاد ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے رخصت کے وقت امت مسلمہ کو واضح نصب العین عطا کرتے ہوئے نصیحت فرمائی تھی کہ

((تَرَكتُ فِيكُم اَمرَينِ لَن تَضِلُّوا مَا تَمَسكتُم بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِی))[2]

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

(ہ)۔ برقی ذرائع ابلاغ:

اخلاقی انحطاط کا ایک بڑا اور جدید ذریعہ برقی ذرائع ابلاغ ہیں۔ عصر حاضر میں اخلاق اور کردار کی تباہی کا تیز ترین ذریعہ یہی ہے۔ برائی، بے حیائی اور اخلاق کش پروگرام ہر وقت اور آسانی سے دستیاب ہیں۔ اس کے پیچھے بھی مادیت کا جن کار فرما ہے۔ ٹی وی چینل اور سوشل میڈیا پیسہ کمانے کی دوڑ میں جھوٹ، برائی، فحاشی اور عریانیت کو عام کر رہے ہیں۔ سرکاری اور پرائیویٹ ٹی وی چینلز شتر بے مہار ہو چکے ہیں۔ ہر ایسا پروگرام اور خبر چلائی جاتی ہے جو

۱۔ الممتحنۃ:۱۳

۲۔ الحاکم، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، ح۳۱۹

معاشرے کے اخلاق و کردار کی تباہی کا باعث ہے۔ آج معاشرے میں خوف، بداعتمادی، بدنظمی، جھوٹ اور دونمبری عام ہے۔ وطنِ عزیز کے حالات کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے گویا دنیا کی خرابیوں کا مرکز ہو۔ مادیت کا پرچار کیا جاتا ہے۔ جس سے عوام میں حرص، لالچ، خودغرضی اور مادی برتری کے منفی رجحانات عام ہورہے ہیں۔ پھر گشتی فون پر ٹی وی اور سوشل میڈیا کے روابط کو منسلک کر کے طوفان بدتمیزی برپا کر دیا ہے۔ بچوں، خواتین اور بالخصوص نوجوانوں کو جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ معاشرہ فحاشی، عریانی، زنااور بدکاری کا شکار ہو کر تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ وطن عزیز کے زمہ داران اور اربابِ اختیار اور والدین بھی مکمل ذمہ داری سے کام نہیں لے رہے۔ اگر ہم نے اس بد اخلاقی کا سدِباب نہ کیا تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قصوروار ٹھہر اکر سخت سزا کے حقدار ہوں گے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہو گا۔

مغربی مادی کلچر مسلم معاشرے پر مسلط کیا جارہا ہے۔ مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرہ کو ترویج دیا جاچکا ہے۔ مردوزن کے اس اختلاط کے باعث دونوں کا تشخص مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ نہ مرد مرد رہے اور نہ عورت عورت رہی۔ آج مغرب زدہ لوگ دین اور دینی طبقہ کا سرِ عام مذاق اڑاتے ہیں۔ قرآن ان کے بارے میں بھی خوب بیان کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾[2]

ترجمہ: اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے خدا کے رستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔

ان شرپسند افراد نے مادی برتری کے باعث ہر چیز پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اسلامی تہذیب جس کی اصل شناخت شرم و حیا تھی اس کو ختم کر کے عریانیت و بے حیائی اور نسوانی جسم کی نمائش کے کلچر کو عام کیا جاچکا ہے۔ حیوانی،

۱۔ آلِ عمران:۱۷۷

۲۔ لقمان:۶

شہوانی اور جنسی جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں پر جنسی تشدد کے واقعات میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔

رزائلِ اخلاق اور مادیت:

کسی بھی مہذب معاشرے کی پہچان اعلیٰ اخلاقی نظام کے مرہونِ منت ہوتی ہے۔ مادیت کے علمبردار مغربی تہذیب نے بجا طور پر انسان کو مادی اعتبار سے راحت و سکون اور آسائش کا بے شمار سامان مہیا کیا۔ ترقی کا مغربی پیمانہ یہ ہے کہ فرد کے پاس ذاتی گھر، گاڑی، ملازمت و کاروبار ہو۔ ملکی ترقی کا ان کے ہاں معیار سرمایہ کا اضافہ انڈسٹری کی ترقی اور خواتین کو مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کرنے میں ہے۔ دین سے بیزار مغربی مادہ پرستوں کے ہاتھ میں جب سیاسی قوت، سائنسی برتری اور کثیر مال آگیا تو انھوں نے خود کو اخلاقی پابندی سے آزاد کرالیا۔ نتیجتاً آج مغربی معاشرہ مادی اعتبار سے عروج پر ہونے کے باوجود اخلاقی پستی و گراوٹ کا شکار ہے اور باقی دنیا اس کے اقتدار پر مجبور ہے۔ اس کا اعتراف مغربی مفکر سیموئل وی ہن کرتے ہوئے کہتا ہے:

> "To be a successful, you must be like us. The values of non-western socities are at best alie and hostile to the values and practices of western. Still they have the way to cross us."(1)

> ترجمہ: کامیابی کے لیے آپ کو ہماری طرح کا ہونا پڑے گا۔ غیر مغربی اقوام کی تمام تر اقدار و روایات کی مخالفت کے باوجود وہ (ترقی) کے لیے ہمیں فراموش نہیں کر سکتے۔

آج وطن عزیز کا ہر شعبہ مغرب زدہ ہو چکا ہے۔ ایک طرف ہم زبانی اس کی مخالفت کرتے ہیں تاہم عملاً ان کے پیرو ہیں۔ اخلاقی مسائل سے آج بھی اسی بنا پر دوچار ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ مادیت کے مسلط کردہ نظام کے باعث جن اخلاقی رزائل کا شکار ہے ذیل میں ہم ان کا جائزہ پیش کریں گے۔

اخلاق رزیلہ

جھوٹ اور مادیت	بخل	ریاو شہرت
غرور و تکبر	ناپ تول میں کمی	ملاوٹ
بد دیانتی	تنگ نظری	عیب جوئی

(2) Samoil Pu, The Clash of Civilization..., London, 1997, P.79

تصنع و نقالی
تنگ ظرفی
چغلی
فحاشی
حرص ولالچ
خود پسندی
غیبت
اسراف و تکلف
مایوسی و پست ہمتی
حسد
فساد و نفاق
قتل
حیلہ بازی
وعدہ خلافی
فرقہ واریت
رشوت
مذہبی منافرت
قبائلی تعصب
ذخیرہ اندوزی
احسان فراموشی
غصہ و چیرہ دستی
فحاشی و بدکاری اور نافرمانی وغیرہ۔

طوالت سے بچنے کے لیے ذیل میں سے ان میں سے چند اہم پر بحث کریں گے۔

جھوٹ اور مادیت:

جھوٹ کو عربی میں "کذب" کہتے ہیں۔ جھوٹ کی دو بنیادی اشکال ہیں۔ ایک قولی اور دوسری عملی ہے ۔ جھوٹ بولنے کی وجوہات میں اہم ترین تین ہیں کسی کی عداوت و مخالفت میں یا پھر عادتاً جھوٹ بولنا۔ ان میں اہم اور بنیادی وجہ مادی فائدہ ولالچ وحرص کی خاطر جھوٹ بولنا ہے۔ قباحت کے اعتبار سے جھوٹ کے دو بڑے درجات ہیں۔ بدترین شکل یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولے۔ مادہ پرستوں کے علاوہ فرقہ واریت پھیلانے والے لوگ دینی معاملات میں بڑی جرات کے ساتھ جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجوہات مادہ پرستی اور دنیوی برتری ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾[۱]

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))[۲]

ترجمہ: مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والا اپناٹھکانا جہنم سمجھے۔

۱۔ الانعام: ۲۱

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ، ح ۱۱۰

قباحت کے لحاظ سے دوسرا درجہ مالی فوائد اور اقتدار و اختیار کے حصول کے لیے جھوٹ بولنا ہے۔ ایوان اقتدار میں جھوٹ، عدالتوں میں جھوٹی گواہی دینا، لین دین اور تجارت میں جھوٹ، حتیٰ کہ مذاق میں جھوٹ بولنے کا رواج عام ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی برتری قائم کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کا رواج بھی عام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَن اَدَّعَى مَالَيسَ لَہُ فَلَيسَ مِنَّا))[1]

ترجمہ: جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں، تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

الغرض! جھوٹ کی کھوج میں ہمیشہ ہمیں ظاہری، مادی اور مالی فوائد کا ناجائز حصول ہی ملتا ہے۔ ہر جھوٹ بولنے والے کا مقصد مختصر وقت میں زیادہ فوائد کا حصول ہوتا ہے۔ اس لیے وہ لوگوں سے جھوٹ بولتا اور تیزی سے آگے نکلتا ہے۔ تھوڑی اور عارضی کامیابی کو اصل کامیابی سمجھتا ہے۔ حقیقت میں وہ بڑی ناکامی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بتا دیا ہے کہ لوگوں کو دھوکہ دے کر آگے نکلوگے تو سامنے میں ہوں گا۔ میں حد سے بڑھنے والوں کو گرفت میں لے لیتا ہوں:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾[2]

ترجمہ: بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہے۔

غرور و تکبر:

تکبر کے لیے ہمیں خود کے بڑا ہونے کا دعویٰ کرنا۔ یہ دعویٰ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا۔ فرمایا: ﴿العزیز الجبار المتکبر﴾ اس کے بعد تکبر کا دعویٰ آدم کے وقت شیطان نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ تکبر کے پیچھے سچائی ہے اس لیے یہ خوبی کہلایا جب کہ شیطان کے تکبر میں جھوٹ تھا اسلیے وہ گناہ قرار پایا۔

کائنات میں تکبر صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ اس کے علاوہ تکبر حرام اور قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔ آج ہمارا معاشرہ تکبر کی وباء سے متعفن ہے۔ تکبر کی ہر ادا کے پیچھے مادیت کارفرما ہوتی ہے۔ متکبر کسی ظاہری یا باطنی کمال پر مادی برتری ظاہر کرنے کے لیے اتراتا ہے۔ حسن شکل و آواز، صحت، مال و جائیداد، گاڑی، گھر اور فیکٹریوں و کاروبار وغیرہ پر گھمنڈ کرنا آج عام ہے۔ تعلقات، رشتہ داریاں اور سلام اور دعا سلام میں ان ہی باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان حال من قال لاخیہ المسلم یا کافر، ح ۲۱۹

۲۔ المؤمن: ۲۸

حالانکہ جس شخص کو نعمتیں دستیاب ہوں اسے زیادہ جھکاؤ اور عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔یہی شعار قرآن مجید نے اہلِ ایمان کے لیے بیان فرمایا:

﴿وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾[1]

ترجمہ:اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے۔

تکبر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے دور کر کے اس کو لعنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔وہ مخلوق پر برتری کے گھمنڈ کے باعث ان کی نفرت کا نشانہ بنتا ہے۔اس طرح متکبر شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے بد معاملگی کے باعث بدترین بداخلاقی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔اس لیے ان کا انجام خوف ناک ہے۔فرمایا:

﴿فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾[2]

ترجمہ:پس اب تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔

بددیانتی:

بددیانتی کو خیانت بھی کہا جاتا ہے۔اس کا متضاد امانت اور دیانت ہے،دیانت اور امانت وہ عظیم الشان اخلاقی اقدار ہیں جو فرد اور معاشرہ کی ترقی میں لازمی اور ہمہ وقت بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔اسلام نے اس لیے بددیانتی کو ہر خیر سے محرومی کا سبب قرار دیا ہے۔فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا دِينَ لِمَن لاَ اَمَانَةَ لَہُ))[3]

ترجمہ:اس کا دین ہی نہیں جو امانتدار نہیں۔

محرومی کی حد یہ ہے کہ اگر کسی کا ایمان نہیں تو اس کے پاس اور کیا خوبی ہو سکتی ہے۔نعمت ایمان اگر نہیں تو کوئی اور چیز نعمت ہو ہی نہیں سکتی۔مادیت کی دوڑ اور مقابلہ میں آج ہر سطح پر بددیانتی و خیانت عام ہے۔جس کی وجہ سے ظلم وجور کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔فراڈ،دھوکہ دہی،کرپشن،ملاوٹ اور سمگلنگ معاشرہ اور معیشت کو گھن کی طرح کھوکھلا کر رہی ہے۔اعلیٰ حکومتی افراد سے لے کر ایک ادنیٰ ملازم وڈرائیور تک اکثریت اسی بددیانتی پر کمربستہ ہے۔یہ رزاق کی رزاقیت پر بداعتقادی کا مظہر ہے۔انسان خود کو اپنا رازق بنانے جا رہا ہے۔نظر کی بددیانتی ہو یا کھانے اور تعلیم کا معاملہ ہو،دو نمبری اور بددیانتی عام نظر آتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔السجدہ:۱۵

۲۔النحل:۲۹

۳۔ابنِ حبان، صحیح ابن حبان، کتاب الایمان، ح۱۹۴

((مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) (۱)

ترجمہ: جو بھی شخص مسلمانوں میں سے کسی کا سربراہ بنایا جائے بس وہ اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ بددیانتی کا معاملہ روا رکھے ہوئے ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دیتے ہیں۔

فرقہ واریت:

فرقہ کا معنی ایک گروہ یا جماعت ہے۔ اس کا ایک معنی جدا اور الگ کرنے کے بھی ہیں۔ فرقہ سے مراد انسانوں کا ایک گروہ جو خاص تہذیب و تمدن سے منسلک ہو اور اپنے آپ کو مذہبی، مسلکی اور سیاسی، سماجی اور معاشرتی اعتبار سے دوسروں سے الگ سمجھتا ہو۔ جب دنیا تفرقہ بازی، گروہی اور نسلی تقسیم کا شکار ہوئی تو وہ دو بنیادی مسائل سے دوچار ہوئی۔ ایک یہ کہ وہ معاشی اعتبار سے تنزلی کا شکار ہوئی دوسرا یہ کہ ظلم و جور عروج پر چلا گیا۔ نبی اسلام ﷺ کی آمد ستائے ہوئے معاشرے کے لیے ابرِ رحمت ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس اہم مشن سے سرفراز کیا ان میں اہم مذہبی اور گروہی فرقہ بندی کا خاتمہ تھا۔ آپ ﷺ کو اس کے اعلان کا عام حکم ملا۔

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (۲)

ترجمہ: کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے۔

اس آیت میں مختلفات سے اجتناب کرتے ہوئے مشترکات کی دعوت دینے کو اسلام سے ضابطہ اور مزاج کے طور پر متعارف کرایا۔ دوسرے مقام پر تفرقہ حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (۳)

ترجمہ: اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔

عصرِ حاضر میں مذہبی منافرت اور فرقہ واریت نے دنیا کو بالعموم اور مسلم معاشرے کو بالخصوص ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کیا۔ وطن عزیز پاکستان پچھلی کئی دہائیوں سے پہلے فرقہ واریت اور پھر مذہبی تفرقہ کا شکار

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب من استرعیٰ رعیتہ فلم ینصف، ح ۷۱۵۱

۲۔ آلِ عمران: ۶۴

۳۔ آلِ عمران: ۱۰۳

رہا اور یہ معاملہ فساد و نفاق تک جا پہنچا۔ فرقہ واریت کا اصل محرک یہی مادیت ہے۔ ہر فرقہ کا سرپرست اپنے لوگوں کو دوسروں کے خلاف منظم کرتا ہے اور اکسانے کا بنیادی مقصد مادی فوائد کا حصول ہے۔ وگرنہ اسلام میں تفرقہ اور اس کی دعوت حرام اور کفر ہے۔ آج اپنے فرقہ کی سربلندی کے لیے اور غلط مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک آدم علیہ السلام ایک دین اور ایک قبلہ کے پیرو باہم دست و گریباں ہیں۔ ان آئمہ کرام کے نام پر دھڑوں میں تقسیم ہیں جو خالص دین کے پیرو تھے۔ آپ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الأُمَّةُ سَتَفتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّ سَبعِينَ، ثِنْتَانِ وَّ سَبعُوْنَ فِى النَّارِ، وَ وَاحِدَةٌ فِى الجَنَّةِ، هِىَ الجَمَاعَةُ۔ وَفِى رِوَايَتٍ مَا اَنَا عَلَيهِ وَاَصحَابِى)) [1]

ترجمہ: اور میری یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنت میں ہو گا اور یہی جماعت ہوں گے، ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ اس راہ پر ہوں گے جن پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

فرقہ واریت کی مکروہ ترین اور خطرناک ترین صورت دین کی بنیاد پر تفرقہ پیدا کرنا ہے۔ اس کے ذمہ دار لوگ بدترین اور ناقابل معافی ہیں۔ قرآن مجید نے ان لوگوں سے واضح طور پر خبردار کرتے ہوئے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ﴾ [2]

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں۔

جس کا نبی اسلام سے اگر کوئی تعلق نہیں تو اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟۔

ملاوٹ:

ملاوٹ کے لیے شرعی اصلاح "غش" مقرر کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی آفت ہے جس کی تباکاریوں کا شکار معاشرے کا ہر فرد ہوتا ہے۔ ملاوٹ یا غش سے مراد گھٹیا کو اچھے سے ملانا ہے اور پھر سب کو اعلیٰ ظاہر کرنا۔ آج کھانے پینے اور پہننے کی غرض یہ کہ ضروریاتِ زندگی کی سب ہی چیزوں میں ملاوٹ کا عام چرچا ہے۔ ملاوٹ ایک گھناؤنا اخلاقی

۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، ح ۴۵۹۷، صححہ الالبانی

۲۔ آلِ عمران: ۱۵۹

جرم ہے جس کے پیچھے مادیت کارفرما ہوتی ہے۔ زیادہ مال کمانے کی حرص و لالچ پر مادی تصور نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ عصرِ حاضر میں ملاوٹ ایسے باریک اور ماہرانہ انداز و طریقہ سے کی جاتی ہے کہ اس کا پتہ چلانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ بنی اسرائیل کی طرح حیلہ سازی شرعی جواز اختراع کیے جارہے ہیں۔ مفتیان سے سود تک کے جواز کے فتوے حاصل کیے جارہے ہیں۔

لفظ (غش) ملاوٹ سے زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ اس کا ایک معنیٰ دھوکہ دہی ہے۔ یہ دھوکہ معاملات و تجارت دونوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی کئی صورتیں ہیں۔ تجارت کے علاوہ مشورہ میں دھوکہ، امتحانات میں دھوکہ، شادی بیاہ میں دھوکہ، وغیرہ وفانہ کرنا اور ملازمت و ذمہ داری میں دھوکہ نبی اسلام نے ہر ملاوٹی اور دھوکہ دینے والے کو اسلام سے خارج کر دیا۔ فرمایا:

((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)) (۱)

ترجمہ: جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

ملاوٹ اور دھوکہ دہی چاہے لین دین میں ہو یا معاملات میں اسلام نے اسے کبائر میں شامل کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔

غش اور ملاوٹ کے باعث آج وہ بازار میں جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ملاوٹ زدہ خوراک کے باعث لوگ مر رہے ہیں۔ ہسپتالوں میں گنجائش ختم ہو چکی ہے۔

بخل و اسراف و تبذیر کی ترویج:

بخل سے مراد ضرورت سے کم خرچ کرنا ہے جب کہ اسراف سے مراد مال کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا ہے۔ تبذیر کہتے ہیں مال کو ناجائز کاموں اور حرام کاریوں میں صرف کرنا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جب دنیا میں بسایا تو اس کے ساتھ اس کی ضروریات کا بھی انتظام فرمایا۔ پھر ان ضروریات سے استفادہ کرنے کے اصول و ضوابط بھی مقرر کیے۔ ان اصولوں پر کاربند رہنے کا سخت مطالبہ کیا۔ اطاعت پر انعام اور خلافی پر سخت گناہ و سزا کا اعلان کیا۔

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب قول انبی ﷺ من غَش فلیس منا، ح ۲۸۳

۲۔ الانفال: ۲۷

معاصر معاشرے مادہ پر مستانہ روش کے باعث ان معاشی بداخلاقیوں کا تیزی سے شکار ہو چکے ہیں۔ والدین، اقرباء اور مستحقین پر خرچ کرنے میں بخل سے کام کیا جاتا ہے۔ مادی برتری اور دکھلاوے کے لیے اسراف کی ہر حد پار ہو چکی ہے۔ گھر بنیادی ضرورت ہے لیکن برتری اور شہرت کی خاطر بڑے اور عالی شان بنگلے، بڑے شہروں اور اہم و مشہور مقامات پر بنانے کا رواج عام ہے۔ کھانا پینا ضرورت ہے لیکن آج ان بنیادی ضرورتوں میں بھی اسراف و تبذیر عام ہے۔ مذہبی محافل ہوں یا دعوت ولیمہ ہو محفل نعت ہو یا مہمانوں کا کھانا ہر جگہ اسراف عام ہے۔ اس اسراف کے دینی و روحانی مسائل و نقصانات اپنی جگہ پر لیکن سماجی و طبی نقصانات ہمارے معاشرے کو بری طرح متاثر کر رہے ہیں۔ آج کھانے پینے کے بڑے بڑے بت خانے دنیا میں عام ہیں۔ کھانا کھانا ایک سماجی ضرورت کا روپ دھار چکا ہے۔ کے ایف سی مکڈونلڈ، فوڈ سٹریٹ اور بڑے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانا اور کھلانا اپنے آپ کو اشرافیہ میں شامل کرنے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ منگنی، مہندی اور بر تھ ڈے پر ہونے والی فضول خرچی سے ہم واقف ہیں۔ اسی موقع پر اگر کوئی فقیر یا سوالی چاہے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ان کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ مادہ پرستوں کی تنگ ظرفی کی انتہا دیکھیے ایک طرف وہ یتیم و مسکین اور بھوکے سے پہلو تہی کرتے ہیں جب کہ دوسری طرف اسراف و تبذیر کی ہر حد پار کر چکے ہیں۔ اسلام نے اسراف و بخل سے بچتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾[۱]

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ خدا بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اسراف و تبذیر کا دائرہ تمام اشیاء ضروریہ تک پھیلا ہوا ہے۔ پانی کا استعمال ہو یا لباس و رہائش، موبائل فون اور اس کا استعمال اور اشیاء ضروریہ میں اسراف کے مقابلے کا سماں نظر آتا ہے۔ خواتین اس معاملہ میں مردوں سے زیادہ کردار ادا کر رہی ہیں۔ بخل کی مذمت پر قرآن مجید میں سولہ مقامات پر ذکر آیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم﴾[۲]

ترجمہ: جو لوگ مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں۔

۱۔ الاعراف: ۳۱

۲۔ آلِ عمران: ۱۸۰

بخل بیمار سوچ کی علامت ہے۔ اس کے باعث معاشرہ حقوق و فرائض میں کوتاہی کرتا ہے۔ پھر ظلم عام ہو جاتا ہے۔ شکوہ شکایت عام ہو جاتی ہے۔ خیرات رُک جاتی ہے۔ فقر و خود غرضی عام ہو جاتی ہے۔ پورا معاشرہ بیمار ہو جاتا ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

((وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ)) (۱)

ترجمہ: بخل سے بڑی بیماری کیا ہو سکتی ہے۔

قتل و قتال:

قتل سے مراد یہ ہے کہ کوئی کسی انسانی جان کو اپنے زورِ بازو سے کسی بھی شکل ناحق زندگی سے محروم کر دے۔ اسلامی احکام کے جن پانچ ضروریات کے تحفظ کو لازم ٹھہرایا ہے وہ تحفظ دین، تحفظ نفس نسل، عقل اور مال کا تحفظ ہے۔ ان میں دین کے بعد جان کے تحفظ کو اسلام نے دوسرے نمبر پر رکھا۔ قتل کو اسلام نے جرم عظیم قرار دیا۔ فرمایا:

﴿مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾(۲)

ترجمہ: جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔

اسلام میں قتل کی تین بنیادی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ یہ قتل عمد، قتل شبہ اور شبہ العمد ہیں۔ ان میں قتل عمد کو کبائر گناہوں میں شرک کے بعد دوسرے نمبر رکھا گیا ہے۔ تمام آسمانی مذاہب میں قتل کو بدترین گناہ وجرم قرار دیا۔ آج دنیا مذہب و مسلک کے نام پر قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ ۲۰۱۹ء میں جرمنی میں ۵۰ سے زائد نمازیوں کو مسجد میں قتل کر دیا گیا۔ ۱۱/۹ کے بعد امریکہ کے صدر نے سلیبی جنگوں کی مسلمانوں کو دھمکی دی۔ پھر عراق، لیبیا اور افغانستان میں کروڑوں جانوں کا ناحق قتل کیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں روھنیا مسلمانوں کے قتل و غارت کے ذمہ دار بدھ مت کے مذہبی افراد ہیں۔ ہندو آج کشمیر اور انڈیا میں مسلمانوں کا قتل عام مذہب ہی کے نام پر کر رہے ہیں۔ گزشتہ بہتر سال سے چھ لاکھ پچاس ہزار کشمیریوں کے قتل پر دنیا خاموش ہے۔ اس کے بعد دنیا میں جو بادشاہ یا با اختیار ہے وہ اپنے زیر دستوں اور مخالفوں پر ظلم و قتل و قید کے پہاڑ گرا رہا ہے۔ ان تمام مظالم کے پیچھے مادیت کا مکروہ جذبہ کار فرما ہے۔

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب قصۃ عمان والبحرین، ح ۴۳۸۳

۲۔ المائدہ: ۳۲

سیاست دان مخالف کو زیر کر کے اقتدار حاصل کرنے کے لیے قتل عام کر رہے ہیں۔ ارباب اختیار رائے مخالف پر اس قدر غصہ کھاجاتے ہیں کہ مخالف کو صفحہ ہستی سے مٹادیتے ہیں۔ سیاسدان اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر کرپشن کرتے، باخبر ملاوٹکرنے، جائیداد کے تنازع پر بھائی بھائی کو اور بیٹا والدین کو قتل کر رہا ہے۔ مادیت کا جادو سر چڑھ کر بول رہاہے۔ موٹر سائیکل کا مطالبہ مسترد ہونے پر ایک نوجوان نے والدین کے علاوہ پانچ بہن بھائیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ مادیت انسانی نہیں حیوانی جذبہ ہے۔ اس لیے جب یہ جذبہ انسانی فطرت میں شامل ہو جاتا ہے وہ معاشرے میں درندوں کی طرح چیر پھاڑ شروع کر دیتا ہے۔

وطنِ عزیز میں قبائل و صوبائی تعصب کے باعث قتل کے لرزہ خیز واقعات آئے روز کا معمول ہیں۔ معمولی بد اخلاقی سے شروع ہونے والے تنازعات قتل و غارت کے لامتناہی سلسلہ تک لے جاتے ہیں۔ غصہ، چغلی، حسد اور بعض حسی بداخلاقی قتل و غارت گری کی راہ ہموار کرتی ہے۔ قتل کے معاصر اسباب درج ذیل ہیں۔

(الف)۔ حسد:

مادی دوڑ کے اس زمانے میں ہر فرد دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں جب ناکافی و تاخیر کا شکار ہوتا ہے تو اس کے دل میں حسد جنم لیتاہے۔ حسد ایک خطرناک اخلاقی بیماری ہے۔ حاسد قتل کرنے تک کے جرم سے گریز نہیں کرتا تو باقی کیالحاظ کرے گا۔ انسانی تاریخ کا پہلا قتل جو قابیل سے سرزد ہوا تھاوہ بھی حسد کی بناپر تھا۔ اسی لیے حاسد کے شر سے پناہ کاحکم دیا گیا۔

(ب)۔ جاہلیت:

قتل کی دوسری معاصر وجہ جاہلیت ہے۔ جاہلیت سے مراد ضد اور غلط بات پر ڈھٹائی اختیار کرنا ہے۔ آج قتل عام کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے۔ بازاروں میں اور شاہراہوں پر معمولی تنازع کے باعث انانیت و جاہلیت کی بناپر قتل کر دیا جاتاہے۔

(ج)۔ منشیات:

منشیات عصرِ حاضر میں قتل عام خاص کر اقرباء کے قتل کی بڑی وجہ ہے۔ نشے میں دھُت نشئی حواس باختہ ہو کر بیوی بچوں، والدین کو قتل کر دیتاہے۔

(د)۔ ذرائع ابلاغ:

ایسی خبریں، ڈرامہ اور فلمیں دکھائی جاتی ہیں جن میں انواع و اقسام کے جرائم کے طریقے اور قانون سے بغاوت و فرار کو بہادری کی علامت کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اس سے جرائم و پیشہ افراد اور نوجوان نسل کو قتل کی ترغیب اور طریقے مل جاتے ہیں۔

(ہ)۔ تفاخر:

قتل کرنے کی یہ وجہ آج عام ہے۔ لوگ اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں جانتے نہیں ہم فلاں خاندان سے یا فلاں گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا پھر ہمارا تعلق و رشتہ فلاں اعلیٰ عہدیدار سے ہے۔ ہم نے اتنے قتل کیے ہیں والعیاذ باللہ۔ یہی نہیں بلکہ باپ دادا کے قتل کے انتقام کے قصے نئی نسل کو سنانا۔

(و)۔ آتشی اسلحہ کا پھیلاؤ:

نوجوان نسل میں اسلحہ کا عام ہونا، قتل غارت گری کی معاصر وجوہات میں سے ایک ہے۔ جذباتی عمر میں غصہ اور جلد بازی کے باعث خود کو یا دوسروں کو مارنے کا رواج عام ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے خاندانوں کے نوجوانوں میں اس کی نمائش کا کلچر عام ہے۔ اس نمائش کے ذریعہ مادی اور سماجی برتری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(ز)۔ ریاکاری و طلب شہرت:

ریاکاری اور شہرت کی طلب بھی اخلاقی گراوٹ کی علامت ہے۔ ریاکاری اور شہرت کا تعارف جو علماء نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ "نیک اعمال لوگوں میں دکھلانے کے لیے کرے جس کا مقصد ان میں کوئی مقام و مرتبہ یا مادی فائدہ حاصل کرنا ہو۔ اگر یہ نیک کام لوگوں کے سامنے کرے جب وہ اسے دیکھ رہے ہوں تو یہ ریا ہے۔ تاہم اگر وہ صالح کام ان کے سامنے نہ کیا ہو لیکن وہ اس کے بارے میں لوگوں کو بتائے یہ (السمہ) یعنی شہرت کی طلب ہے۔ قرآن مجید اہل ایمان کو قبیح عادات سے سختی سے روکتا ہے۔ حکم ہوا۔

﴿يَأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ﴾(۱)

ترجمہ: مومنو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کردینا۔ جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے مال خرچ کرتا ہے۔

ا۔ البقرہ: ۲۶۴

ریاکاری اور شہرت طلبی کا بنیادی سبب معرفت الٰہی کا فقدان ہے۔ نتیجتاً بندہ رب کی عبادت کا حق نہیں ادا کر سکتا۔ اس لیے کہ اس کے دل میں مادیت رچ بس گئی ہے۔ اس کا ہر قول و فعل اس کے تابع ہونے کے باعث للّٰہیت سے عاری ہے۔ ہم یہودیت، ہندومت، عیسائیت اور اسلام سے وابستہ مذہبی طبقہ کے ایسے افراد کی بڑی تعداد ہے جو ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ مذہب کے بڑے وفادار ہیں ان کے بغیر مذہب کی بقاء کو خطرہ ہے در حقیقت ان لوگوں کی تمام مذہبی خدمات مادیت کے گرد گھومتی ہیں۔ ہندوؤں میں برہمن، عیسائیوں میں رہبان (پادری) یہود میں احبار اور مسلمانوں میں علماء سو کے کے کارناموں سے کون واقف نہیں؟ یہ دین کی ڈھال کے پیچھے عوام کو لڑاتے اور ان کا مال لوٹنے میں لگے رہتے ہیں۔ قرآن مجید نے بتایا کہ یہ لوگ کثرت میں رہے ہیں۔

﴿إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾[1]

ترجمہ: (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے۔

نماز، حج، تلاوتِ قرآن مجید اور صدقات جیسے عالی شان اعمال صالحہ کو ریاکاری اور سستی شہرتی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ ریاکاری اور تصنع کے باعث کچھ اور بداخلاقیوں کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک خود پسندی ہے جس کا شکار ہماری نوجوان نسل کی بڑی تعداد ہو چکی ہے۔ میں اور میری کا کلچر عام ہے۔ خود پسندی فساد کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے کہ خود پسندی کا شکار فرد اپنے آپ کو عقل کل اور اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھتا ہے۔ اپنے مقابل صحیح رائے کو بھی غلط سمجھتا ہے۔ آج سیاست اور سیاسی شور میں اس قسم کے مناظر عام دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ریاکاری و شہرت پسندی کے باعث ایک اور برائی جنم لیتی ہے اور وہ ہے تصنع و نقالی۔ آج ہمارا معاشرہ بالعموم اور نوجوان بالخصوص اس اخلاقی بیماری کا شکار ہیں۔ خود کو اعلیٰ طبقہ کا فرد دکھانے کے لیے تصنع کے کئی انداز اپنائے جاتے ہیں۔ بالوں کی کٹنگ سے لے کر الیک سلیک تک تصنع اور بناوٹ کے ساتھ خود کو اعلیٰ طبقہ کا فرد شو کیا جاتا ہے رشتہ لینے دینے، محفلوں میں یا دعوتوں اور شادیوں میں تصنع اور نقالی کے مناظر عام نظر آتے ہیں۔ جہاں گفتار و کردار سے تصنع پورے عروج پر نظر آتی ہے۔ کوئی اپنی گاڑی کی تو کوئی اپنی کوٹھی اور لباس کی تعریف کرتا اور سننا پسند کرتا ہے۔ متوسط طبقہ کے لوگ اعلیٰ طبقہ کی نقالی کرتے ہیں تاکہ انھیں اشرافیہ میں شمار کیا جائے۔ جو مادی طور پر کچھ بہتر ہو بھی جائے تو وہ احسان فراموش بن جاتا ہے۔ سادے والدین کو لوگوں کے سامنے نہیں کرتے کہ ان کی بدنامی ہو جاتی ہے۔ غیریت، رشتہ دار اور اپنے محسنوں کو فراموش کر دیتے ہیں۔

۱۔ توبہ: ۳۴

وعدہ خلافی اور مادیت:

ہمارا معاشرہ جن اخلاقی برائیوں کا شکار ہے ۔ ان میں ایک بُرائی وعدہ خلافی بھی ہے۔ چند اور محدود مادی فوائد کی خاطر وعدے کیے اور توڑے جاتے ہیں۔ آج وعدہ کرنا اور توڑنا فیشن سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اب یہ کہاوت ہی بن گئی ہے کہ "وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے" لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ وعدہ خلافی کا کلچر آج ہمارے معاشرے میں ہر سطح پر چھایا ہوا ہے۔ سیاست دان اقتدار میں آنے سے قبل عوام سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ ادھار لینے والا وعدہ خلافی کرتا ہے۔ سرکاری معاملات میں "ٹال دو" پھر آجانا، کل آپ کا کام ہو جائے گا۔" کے الفاظ کے ساتھ وعدہ خلافی کا کلچر عام ہے۔ رشتہ دینے اور لینے میں وعدہ خلافی عام ہے۔ والدین اولاد سے اور اولاد والدین سے وعدہ خلافی کا خوفناک کھیل کھیل رہے ہیں۔ مادہ پرستی نے جو مخلوط معاشرہ قائم کیا ہے اس میں نور علی نور یہ کہ مرد عورتوں کو شادی اور وفا کا وعدہ کرتے ہیں۔ حوس پوری ہو جائے تو سارے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور سارے وعدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اب عورتیں بھی چالاک ہو گئی ہیں۔ وہ بھی بہتر سے بہترین کے سفر میں وعدے اور قول و قرار سے مکر جاتی ہیں۔ نکاح کے معاہدہ سے بڑا عہد کیا ہو سکتا ہے مگر آشنا سے مل کر شوہر کو قتل کر دینا اور بھاگ جانا، آئے روز کی خبر ہوتی ہے۔ کہاں جائیں، کس پر اعتبار کریں۔ معاشرہ چکرا کر رہ گیا ہے۔ اسلام نے نیکی اور اصلاح کے معاہدے کو پورا کرنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴾[1]

ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔

جس معاشرے میں وعدہ خلافی عام ہو گئی وہاں اعتماد کا فقدان ہو گا۔ منافقت پروان چڑھتی ہے۔ نفسا نفسی اور مادہ پرستی عام ہو جاتی ہے۔ انسان میں انس و محبت کی جگہ درندگی اور وحشت جگہ لے لیتی ہے۔ آج انسان نما درندے ہر جگہ موجود ہیں۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے وعدہ خلافی کو منافق کی علامت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ))[2]

ترجمہ: اور جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلافی کرتا ہے۔

۱۔ بنی اسرائیل: ۳۴

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، ح ۳۳

سرکاری آفیسر تعیناتی کے وقت طے شدہ ملازمت کے اوقات اور ذمہ داریوں کو دیانت کے ساتھ پورا کرنے میں وعدہ خلافی کا ارتکاب کرتا ہے۔ڈاکٹر صاحب سرکاری ہسپتال اور ذاتی ہسپتال میں مختلف انداز وبرتاؤ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ وعدہ خلافی کا علی الاعلان مظاہرہ دیکھنا ہو تو سیاسی جلسوں و تقریبات، نجی محفلوں، ولیمہ کے اوقات دیکھ لیں۔وقت سات بجے کا لکھا ہے تو مراد نو بجے لیا جاتا ہے۔حد تو یہ ہے کہ مذہبی تقریبات و محفل نعت اور تعلیمی اداروں میں ہونے والی تقریبات میں بھی اسی قسم کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔جدید تحقیق وقت کو انسان کا سب سے قیمتی سرمایا قرار دیتی ہے۔جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وہ ناقابل معافی جرم کرتے ہیں۔عبداللہ ابن الحصماء کا انتظار آپ ﷺ نے تین دن کیا۔جب ملا تو آپ ﷺ نے سخت الفاظ میں احساس دلاتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے ہمیں بہت اذیت دی۔ وعدہ خلافی سے وقت جیسی قیمتی چیز کی ناقدری ہی نہیں ہوتی بلکہ ایسا شخص عنداللہ سخت احتساب وعقاب کا لازمی سامنا کرے گا۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو وعدے کا پابند بنانے کے لیے عملی تربیت دیتا ہے۔ بروقت نماز ہو یا روزہ رکھنے و افطاری کے اوقات کی پابندی ہو۔حج اور اس کے مناسک ان سب کو وقت کے ساتھ منسلک کرکے عہد کی پابندی اور وقت کی قدر کی تربیت دیتا ہے۔فرمایا:

((لَا دِينَ لِمَن لَا عَهدَ لَہٗ))(۱)

ترجمہ:اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پابند نہیں۔

فحاشی و بدکاری:

فحاشی ہر ایسی برائی کو کہتے ہیں جس کا تعلق انسانی جسم کے پردے کھولنا یا پھر اس کے متعلق گفتگو کرنا ہو۔ ابن منظور فحاشی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

((اَلفَوَاحِشُ هوَ كل مايَشتَدُ قُبحُہُ مِن الذُّنُوبَ وَالمعَاصِی))(۲)

ترجمہ: فاحش ہر اس گناہ اور معصیت کو کہا جاتا ہے جس میں شدت ہو۔

۱۔ابنِ حبابن، ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی، الصحیح ابن حبان، (بیروت: موسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۳ء) کتاب الایمان، ح ۱۹۴

۲۔لسان العرب، محمد بن مکرم بن علی الافریقی، دار الصادر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ابن منظور، حرف: ف

مشرکین مکہ کعبہ کا ننگے جسم اس لیے طواف کرتے تھے کہ ان کے جسم پر کپڑوں میں چھوٹے سے چھوٹے حرام کا شائبہ رہتا ہے۔ جب کہ اللہ کے دربار میں ہر شائبہ سے پاک ہو کر پیش ہوا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس قول و عمل کو فحاشی قرار دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ﴾(۱)

ترجمہ: خدا بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا۔

فحاشی کا تعلق قول سے ہو یا عمل دونوں مکروہ ہیں۔ اسلام نے اسی لیے فحش گفتگو اور فحش حرکات دونوں سے روکا ہے۔ فحاشی دراصل زنا و بدکاری کا راستہ و دروازہ کھولتی ہے۔ مغربی معاشرہ ترقی یافتہ ہونے کے باوجود فحاشی کے باعث بدکاری کا شکار ہے۔ پھر وہ تمام مشکلات و مصائب (جو اس گناہ کے مرتکب سابقہ اقوام ہوئیں) کا سامان کر رہے ہیں۔ مسلم معاشرے میں بھی آج فحاشی و عریانیت کا سیلاب غیرت، حیاء اور انسانی اقدار کو بہا کر لے گیا ہے۔ خواتین کا لباس فحاشی کا بڑا سبب ہے۔ بازار تعلیمی ادارے اور تقریبات میں خواتین ایسے لباس زیب تن کرتی ہیں کہ ان کا تن بدن ہر کوئی تول رہا ہوتا ہے۔ میڈیا کے مختلف ذرائع فحاشی کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ نکاح سے فرار اور زنا رواصرار وبائی مرض کی طرح پھیل رہا ہے۔ مخلوط معاشرت کا کلچر یونیورسٹیوں اور دفاتر سے پیدا ہو رہا ہے۔ جہاں خواتین زرق و برق اور عریاں لباس پہن کر مردوں کا آسان شکار کرتی ہیں۔ یہاں روابط قائم کیے جاتے ہیں۔ پھر گناہ کے لیے مطلوب تخلیہ اور رابطہ کا کام موبائل یعنی گشتی فون سے لیا جاتا ہے۔ فحش گانے و رقص اور عریاں تصاویر و فلمز یہ سب فواحش آج عام ہیں۔ زنا و بدکاری پر معاملہ ختم نہیں ہوتا بلکہ معاملہ شراب و قتل تک جا پہنچتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے بدکاری کے بعد گناہ کو چھپانے کے لیے خواتین، بچوں اور بچیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ تعدد ازدواج کی اجازت اسلام نے اسی حکمت کے تحت دی کہ کسی کے پاس زنا جیسے بدترین گناہ کا کوئی جواز باقی نہ رہے۔ دوسری طرف زنا کی اسلام نے سخت ترین سزا مقرر کی ہے۔ دنیا میں قتل اور آخرت میں آئے روز عذاب میں اضافہ ہے۔

﴿ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ﴾(۲)

ترجمہ: اس کو دونی سزا دی جائے گی۔

فحاشی اور بے پردگی کے باعث ایک بڑی خرابی جو آج نوجوان نسل میں عام ہو رہی ہے وہ ماں باپ کی نافرمانی ہے۔ نوجوانوں کی عمر ویسے بھی جذباتی ہوتی ہے۔ اس عمر میں دُور رس فیصلوں کی صلاحیت بہت کمزور ہوتی ہے۔ اسی

۱۔ الاعراف: ۲۸

۲۔ الاحزاب: ۳۰

لیے اسلام نے والدین، بڑوں اور اہلِ ذکر کی اطاعت اور اُن سے مشاورت کا حکم دیا ہے۔ آج نوجوان نسل باقی فیصلوں کے علاوہ اپنے رشتے کے انتخاب کے لیے والدین کی رائے کے خلاف جاتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کی نافرمانی کرتے، لڑتے اور گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ پھر اپنے ہی کیے ہوئے فیصلوں پر پچھتاتے ہیں۔ والدین اور بزرگوں کی نافرمانی کا رواج عام ہو گیا ہے۔ آج والدین اولاد سے خوفزدہ ہیں۔ بزرگوں کے احترام کی خوب صورت روایت کے باعث گھروں میں جو سکون اور رشتوں کے احترام ہوا کرتا تھا آج وہ معدوم ہوتا جا رہا ہے۔ رشتوں کو بھی مادیت کی نظر لگ گئی۔ بڑے تو درکنار بچے بھی والدین میں سے اچھا اسے کہتے ہیں جو انھیں پیسے اور چیزیں لے کر دیتا ہو۔ رشتوں میں تعلق اور لحاظ کی وجہ بھی یہی ہے۔ جس سے مادی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ اچھا بھی ہے اور رشتہ دار بھی ورنہ لوگ سگے کے ساتھ بھی اجنبی بن جاتے ہیں۔

المختصر! اچھا اخلاق فرد اور معاشرے کو ہر شعبہ میں کامیابی اور سر بلندی کے اعلیٰ مقام تک پہنچانے کی سیڑھی ہے۔ اچھا اخلاق ہی تکمیل ایمان کی نشانی ہے۔ جہاں رزائل اخلاق ہوں گے وہاں سے ایمان اٹھ جاتا ہے۔ معاشرے کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ صحیح کو غلط اور ظلم کو انصاف سمجھا جانے لگتا ہے۔ خالص دین و ایمان کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مندرجہ بالا رزائل اخلاق سے مکمل طور دوری نہ اختیار کی جائے۔ فرمایا:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))(۱)

ترجمہ: ان میں کامل ترین مؤمن ایمان کے اعتبار سے وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔

اَب ضرورت اس امر کی ہے کہ فرد اور معاشرہ رزائل اخلاق کے باعث آج جن زمینی و آسمانی آفات کا سامنا کر رہے ہیں۔ اُن سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کرے۔ ارباب اختیار کو ایسا نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے کہ جس کے باعث معاشرہ موجودہ مسائل سے نجات حاصل کر لے۔ یقیناً رزائلِ اخلاق سے بچنا آسان نہیں اس لیے تو سلام نے اس سے بچنے کو جہاد بالنفس کا درجہ دیا ہے۔ اس مجاہدے کے ساتھ فرد اور معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ رزائلِ اخلاق سے اجتناب کے لیے ضابطہ اخلاق مقرر کریں اور اس پر کاربند ہو جائیں۔ یہ صرف اور صرف تب ممکن ہو گا جب عقیدہ توحید و رسالت اور آخرت کو دل و دماغ میں راسخ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم نہ ہو جائے۔ اُن مکارم الاخلاق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں۔

۱۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراءۃ علی زوجھا، ح ۱۱۶۲ حدیث حسن

فصل سوم

مادیت کے دینی و اخلاقی نظام پر اثرات کا تدارک

باب سوم کی پہلی اور دوسری فصل میں ہم نے مادیت کے دینی اور اخلاقی نظام پر اثرات کا تفصیل سے مطالعہ کیا۔ اس فصل میں ان اثرات کا سدِ باب اور تدارک قرآن و سنت اور اقوال علماء سے پیش کریں گے۔ جدید مادیت حیات انسانی کے ظاہری ترقی اور فلاح و بہبود پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔ اس لیے اس کے مادہ پرستانہ کلچر میں معاشروں اور افراد کے کردار و گفتار میں ہمیشہ ظاہری و مادی ترقی کو ہی مقصد زندگی اور کامیابی کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ مادہ پرستوں کی گفتگو اور ان کے رویے اس کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں۔ روحانی اعتبار سے یہ لوگ مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ روحانی کمزوری اصل تباہی ہے۔ سابقہ اقوام کے مادہ پرستوں کے واقعات و نشانات کو قرآن مجید نے بیان کر کے اسی بات کی وضاحت کی۔ قوم شعیب علیہ السلام ہو یا قوم صالح علیہ السلام ہو، نمرود و قارون و فرعون وہامان یہ سب مادی اعتبار سے کامیاب ترین ہونے کے باوجود تباہی اور انجام سے خلاصی نہ حاصل کر سکے۔ دوسری طرف روحانی اعتبار سے کامیاب لوگوں کی مثال بھی دیکھیے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان پیروکارں نے مالی و مادی اعتبار سے انتہائی کمزور مگر روحانی اعتبار سے اس قدر مضبوط کہ بڑے بڑے مادہ پرستوں کو للکارتے اور سرِ میدان شکست سے دوچار کرتے تھے۔

اسلام نے مادیت کو ضرورت تک محدود رکھتے ہوئے۔ غیر ضروری مادی اشیاء کو بھی روحانی بالیدگی کے لیے صرف کرنے کا حکم و تربیت دی۔ فرمایا:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ﴾[1]

ترجمہ: اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

مادیت انسانی بقاء و دوام اور ابدی و اخروی زندگی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے تقویٰ کی طاقت اور قوت درکار ہوتی ہے۔ اسلام نے اسی لیے دینی اور اخلاقی نظام کی بنیاد اسی تقویٰ پر رکھی۔ اسی لیے اہل ایمان سے بطور خاص اور عامۃ سے بھی اسی تقویٰ کا مطالبہ کیا۔ فرمایا:

۱۔ البقرہ:۲۱۹

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾[1]

ترجمہ:لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت بر آری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو)۔

اسلام نے اسی تقویٰ کی تعلیمات دیں۔ آپ ﷺ اپنے خطبات میں اکثر "اتقواللہ" کے الفاظ دہراتے تھے۔اسی کو زندگی کا اصل مقصد قرار دیا اور اسی میں دنیوی مسائل کا حل ہے۔مادیت کے باعث انسان کے گمراہ ہونے کے خطرات سے بھی تقویٰ اور ایمان بچاتا ہے۔ اسلام نے محاسبہ نفس کے ساتھ ساتھ دلوں کی زندگی کے اسباب تلاش کرنے کا حکم دیا۔ پھر یہ بھی کہ دنیوی زندگی مختصر ہے اس کے سدِباب وسامان کو بھی اتنی اہمیت اور قوت دینے کی تعلیم دی۔ آخرت ہمیشہ کے لیے ہے اس لیے اس کو اس حساب سے ترجیح دینا ہے۔ انسان کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے آخرت کے لیے کیا ذخیرہ کیا۔ آج اگر ہم مادیت کی تباہ کاریوں سے بچنا چاہتے ہیں تو تین چیزوں کو زندگی کا اصول و نصب العین بنالیں۔ پھر اسے ہر وقت یادرکھیں۔

- میرے پیدا کرنے اور دنیا میں پہنچنے کا اصل مقصد کیا ہے؟
- دنیا کی ناپائیداری اور خاتمہ۔
- آخر میں نے مرنا ہے اور رب کو حساب دینا ہے۔

اگر یہ تین اصول ہماری زندگی میں کسی لمحہ میں بھی فراموش ہوتے ہیں تو ہم غافلین میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ خطرات بڑھنے لگتے ہیں۔ ان خطرات وہلاکتوں سے بچانے میں نہ مال کام آتا ہے نہ جاہ۔ اس کی بڑی مثال کروناوائرس ہے۔ جس نے وقت کے مادہ پرست فرعونوں اور قارعونوں کو کان پکڑوادیئے۔

ان تین اصولوں سے غفلت فرد اور معاشرے میں کئی خطرناک مفاسد کا باعث بنتی ہے۔ ان میں چند اہم مفاسد درج ذیل ہیں۔

۱۔النساء:۱

(الف) اللہ کی ناراضگی؛

سب سے اہم یہ کہ انسان اپنی اور اپنے رب کی نظر میں گر جاتا ہے۔ فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾[1]

ترجمہ: یہ لوگ بالکل چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

(ب): اخلاص کا خاتمہ:

دنیا سے محبت اور اس میں کھو جانا انسان کی نیت میں سخت بگاڑ پیدا کرتا ہے۔ جس کے باعث اس کے تمام اعمال صالحہ بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَوَّلَ مَن تُسجَرُ بِهِمُ النَّار ثَلاَثَۃٌ:رَجُلٌ تَعَلَّمَ لِیُقَالَ عالم وَقَرا القُرآنَ لِیُقَالَ قَارِی،وَرَجُلٌ قَاتَلَ فِی اَرضِ المَعرَکۃِ حَتّیٰ قُتِلَ لِیُقَالَ جرِیٌ،وَرَجُلٌ اَنفَقَ فِی اَبوَابِ الخَیرِ لِیُقَالَ جَوَّادٌ))[2]

ترجمہ: "وہ تین کہ جن پر جہنم کی آگ کو سلگایا جائے گا یہ ہیں ایک وہ شخص جو علم اس خاطر حاصل کرے کہ اسے عالم اور قرآن اس لیے پڑھے کہ اسے قاری کہا جائے دوسرے وہ کسی معرکہ میں لڑے اور مار دیا جائے اس لیے کہ اسے بہادر کہا جائے اور تیسرا وہ جو نیکی کی راہ میں خرچ کرے تاکہ اسے سخی کہا جائے"

(ج): اخوت دینیہ کا خاتمہ:

اہل ایمان میں یہ رشتہ تعلقداری محبت، ایثار اور خلق حسنہ کا سب سے عظیم ذریعہ ہے۔ مادیت وغفلت اس کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ وہ اس طرح کہ مادیت مال کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی منفی سوچ پیدا کرتی ہے جس کے باعث حسد، بغض، قطع تعلقی اور نفرت عام ہو جاتی ہے۔ پھر چھوٹی برائی سے لے کر قتل عام تک بات پہنچ جاتی ہے۔

۱۔ الاحزاب:۱۷۹

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب الدھر، باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ، ح ۲۳۷۲، حسنہ الترمذی

(د): دلوں میں خوف اور وحشت کا گھر کر لینا:

فقیر کو امیر ہونے کی پریشانی اور غنی کو فقیر ہو جانے کا خوف گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہ وحشت غافل کے دل و دماغ میں رچ بس جاتی ہے جس کے باعث ہر وقت وہ اسی پریشانی میں رہتا ہے کہ اس کا مستقبل بڑا تاریک ہے اور وہ بڑا ہی بدنصیب ہے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ))(۱)

ترجمہ: "دنیا جیسا بڑا مقصد بن گیا تو اللہ تعالیٰ اس کا معاملہ مشکل کر دے گا اور فقر کو اس کی دونوں آنکھوں میں رکھ دے گا۔"

(ہ): گناہوں اور بدکرداری کا شکار ہونا:

غافل شخص دنیوی مفاد کے نقصان کے خوف کے باعث گناہوں کے ارتکاب میں جلدی کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر یہ موقع مال بنانے کا نکل گیا تو پھر کب آئے گا۔ اسی بہانے وہ موقع پاتے ہی رشوت، سودخوری، زنا و شراب اور منافع خوری و ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔ عزت و دین تک فروخت کر دیتا ہے۔

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ﴾(۲)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا۔

مادیت کے دینی نظام پر اثرات کا تدارک

انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا کیا۔ آغاز کا انجام اس امتیاز کو برقرار رکھا۔ انسان کا تعلق معاشرہ سے ہے۔ معاشرہ ایسے ادارے کو کہا جاتا ہے جس کے نظام کو دل و دماغ سے قبول کرتے ہوئے عملی طور پر اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے ایسے معاشرے کو امت کا نام دیا۔ امت ملکی، لسانی، قومی اور علاقائی تعلق سے بالاتر عالمی معاشرہ ہے۔ یہ معاشرہ آفاقی قانون کا تابع ہوتا ہے۔ ایک خدا، ایک

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، ح ۲۴۶۵، صحح الترمذی

۲۔ النحل: ۱۰۷

رسول اور دین کی وحدت کی بنا پر اخوت کے بندھن میں بندھا ہوتا ہے۔ اس کے افراد خالق و مالک کے عطا کردہ قانون کے تابع ہوتے ہیں۔

خود خالق نے انسان کے لیے نظام تخلیق کیا پھر سب کو اس نظام کے تابع رہنے کا حکم اور تعلیم دی۔ عقائد و عبادات اصل نظام فطرت ہیں۔ جب کوئی معاشرہ صحیح عقائد کو اپنانے کے بعد عبادات کے نظام کے تابع ہو جاتا ہے۔ تو ایسا ہی معاشرہ دنیوی و اخروی مسائل سے نجات پا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس معاشرہ کی طرف مبعوث کیا تھا وہ ہر اعتبار سے تنزلی کی حدیں پار کر چکا تھا۔ اس معاشرہ کو جب آپ ﷺ نے اسلامی عقائد و عبادات کے نظام میں لایا تو یہ معاشرہ دنیا کا قائد بن گیا۔ اسلام نے اسی نظام کو انسان کی فلاح و بقاء کا ضامن قرار دیا۔

مادیت کے سدِ باب میں عقائد و عبادات کا کردار

اللہ تعالیٰ نے توحید کی صورت میں خود کو نظام کائنات کا ناظم اعلیٰ اور بلا شرکتِ غیرے قادر مطلق قرار دیا۔ شراکت کو ممنوع قرار دیا تا کہ نظم میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو۔ فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾[۱]

ترجمہ: اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین وآسمان درہم برہم ہو جاتے۔

یونہی باقی عقائد اس نظام کی حکمت کے لیے انسانی دل و دماغ کو عملی نظام کے لیے آمادہ اور ہموار کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، اور زکوٰۃ و حج اور جہاد عملی نظم و ضبط تربیت کے عکاس ہیں۔ نماز، بروقت، پانچ پوری اور جماعت و صف بندی، نظم کی تربیت پیدا کرتی ہیں۔ وغیرہ، یونہی دن رات اور موسموں کا بدلنا اور خاندانی نظام اور والدین اور اولی الامر کی اطاعت یہ سب معاشرے کو ایک نظام پر چلنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

عصر حاضر میں انسانی بے چینی:

جدید مغربی تہذیب نے مادی زور پر بڑی سحر انگیزی سے پوری دنیا کو قابو کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ سائنسی برتری و ترقی ہے۔ جدید سائنس اسرار کائنات سے مسلسل پردے اٹھا کر انسان کو حیران و متاثر کر رہی ہے۔ صنعتی ترقی اور ایجادات کے باعث زندگی کو آسان کر دیا۔ بیماریوں کے لیے ادویات اور ملکی دفاع کے لیے آلات بھی روز

۱۔ الانبیاء:۲۲

بروز مادی طور پر ترقی کرنے والا دور جدید کا انسان انسانی جذبات و اقدار اور اخلاقیات سے عاری ہو چکا ہے۔ اس تمام ترترقی کے باوجود انسان اصل مسائل و مشکلات سے جان نہ چھڑا سکا۔ نہ ہی سائنس ان کا کوئی حل دے سکی۔ آج انسانیت بے چین ہے۔ معاشرہ امن وامان اور فرد طمانیت کے لیے ترس رہا ہے۔ قتل وغارت، لوٹ مار اور کرپشن کے مجرم دندناتے پھرتے ہیں۔ جو معاشرہ جتنا زیادہ ترقی یافتہ ہے اتنا ہی مسائل کا شکار ہے۔ غرضیکہ آج علمی اور سائنسی اعتبار سے انسان جتنا ترقی کر چکا ہے اتنا کبھی پہلے نہ ہوا۔ تاہم جو جرائم اور بے چینی آج ہے یہ تاریخ انسانی میں پہلے کبھی نہ ہوئی۔ یہ ہے وہ اصل انسانی بے چینی جس کا حل جدید سائنس کے پاس ہے نہ مفکرین کے پاس۔ ایسی صورتِ حال میں سہولیات زندگی اور جدید ترقی کا کیا فائدہ۔ آج دنیا سکون کے لیے تڑپ رہی ہے۔ حتیٰ کہ دنیا میں کسی بھی مذہب کے پاس اس کا حل نہیں۔ اس کا حل نہ سوشل ازم کے پاس ہے نہ کمیونزم کے پاس اس کا کوئی تدارک ہے۔ بے چین انسان مادی خداؤں کی طرف بھاگتے ہیں کہ شاید ان کی مشکلات کا حل نکل آئے لیکن وہاں جا کر ان کی مشکلات اور بے چینی میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔ تمام مذاہب انسان کی بے چینی کو ختم کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر جب انھیں اس کا اصل سبب نہیں ملتا تو یہ بے بس نظر آتے ہیں۔ آخر اسلام آگے بڑھتا ہے اور ان کی بے چینی کا مداوا کرتا ہے۔ کرونا کی عالمی وبائی مرض کے دوران ہم نے ترقی یافتہ ملکوں کے اعلیٰ طبقے کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے دیکھا۔ انتہا یہ تھی کہ امریکہ کے صدر ٹرمپ نے بھی قرآنی آیات سے دم کروایا۔

اصل پناہ گاہ اسلام:

آج انسان مشکلات اور بے چینی کے باعث خودکشیاں کر رہے ہیں۔ انسان انسان سے خوف زدہ ہے۔ بے چینی کے ماحول میں سسکتی انسانیت اور مردہ دلوں کو بھرپور زندگی کی طرف اور دلوں کو پھر سے زندہ کرنے کا نسخہ کیمیا بتاتا ہے فرمایا:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾[۱]

ترجمہ: سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔

اسلام بنی نوع انسان کو مکمل رہنمائی دیتا ہے چھوٹی سے چھوٹی مشکل اور بڑے سے بڑے مسئلے کا حل دیتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کے سامنے اسلام کو اصل شکل میں پیش کیا جائے۔ رکاوٹ یہ ہے کہ تفرقہ بازی کے باعث ہر فرقہ اسلام کے بنیادی احکامات وہدایات وتعلیمات کی تشریح اپنے اپنے حساب سے کرتا ہے۔ یہی

۱۔ الرعد:۲۸

توضیح اکثر اوقات ٹکراؤ کی صورت میں اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے علماء بالخصوص اور عامۃ المسلمین اس دینِ خالص کی طرف لوٹ آئیں جو محمد الرسول اللہ ﷺ لائے تھے۔ اس کی وہی قدر کریں جو صحابہ کرام نے کی۔ اس کو ملاوٹ سے پاک رکھیں۔ یہ اس وقت تک ممکن نہ ہو گا جب تک ہمارا رویہ اور برتاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ویسانہ ہو جائے کہ جس کو قرآن نے قائم کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ﴾[1]

ترجمہ: اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں۔

یہ ہے وہ اصل رویہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پہلے سننا پھر ان پر من وعن عمل کرنا اور پھر بھی سر کو جھکا کر یہ التجا کرنا کہ اے اللہ! تیرے احکامات کو سننے اور ان پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی ہوتی ہو تو معافی چاہتے ہیں۔ اسی رویہ کے حامل لوگ نظام دین کو اپناتے اور اس کے ثمرات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس قسم کا معاشرہ صحیح معنوں میں ایک فلاحی معاشرہ کہلاتا ہے۔ اسے نبوی ﷺ اور اسلامی معاشرہ کہا جاتا ہے۔ اس کا اقدار و نظام اس قدر مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتا ہے کہ کوئی بیرونی چیز چاہے وہ کتنی بھی خوب صورت و طاقت ور کیوں نہ ہو اس نظام پر کسی قسم کا اثر نہیں کر سکتی اور نہ ہی اسے مرعوب کر سکتی ہے۔ اسلام ایسا دین ہے جو ایک مکمل نظام بھی فراہم کرتا ہے۔ اس نظام کا خالق وہی ہے جو دن رات، بارشوں، پہاڑوں، دریاؤں، ستاروں اور سورج کا نظام چلاتا ہے۔ جس حسنِ لطافت سے وہ اس نظام کو چلا رہا ہے جس میں کوئی کمی، بگاڑ اور ٹکراؤ نہیں نظر آتا۔ جس ہستی نے کائنات کو چلانے کے لیے اتنا خوب صورت نظام قائم کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو پیدا کر کے اس کو نظام نہ فراہم کرے یا پھر کسی اور نظام کے سپرد کر دے۔

اسلامی نظام کا قیام:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو نظام مقرر کیا اس کا نام "شریعہ" رکھا جس کا معنی کھلا، واضح اور صاف راستہ۔ اس سے مراد وہ اصول و ضوابط و احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول و نبی کے ذریعے بنی نوع تک پہنچاتا ہے۔ یہ اصول و ضوابط ایک نظام کی صورت میں انسان کے ہر شعبہ زندگی کو اپنے احاطے میں لیتے ہیں۔ اسلام سختی سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسی نظام کے تحت زندگی بسر کی جائے۔ اس نظام کا کمال یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر اور عالمگیر بھی ہے۔ فرمایا:

ا۔ البقرہ:۲۸۵

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾[1]

ترجمہ: پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے بابرکت اور جہاں کے لیے موجبِ ہدایت۔

اس نظام کا بنیادی مقصد معروفات کو پروان چڑھانا اور منکرات کا راستہ روک کر معاشرے کو مادی و روحانی اعتبار سے ترقی عطا کرنا ہے۔ پھر اس نظام کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کا اہتمام وانتظام بھی کر دیا۔ فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[2]

ترجمہ: بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس نظام سے رہنمائی لینے کے لیے اہم ذرائع کو علی الترتیب بیان کر دیا تاکہ کوئی فرد اور گروہ ذاتی رائے کو اس میں شامل نہ کر سکے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل اور دیگر مادہ پرست اپنی رائے کو شریعت میں شامل کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾[3]

ترجمہ: اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی
منفعت) نہ حاصل کرو۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے شریعۃ اللہ کو سب سے زیادہ خطرہ مادیت اور مادہ پرست افراد سے درپیش رہا ہے۔ اس بگاڑ کی اصل وجہ بھی مادیت ہی بنی۔ شریعت اسلامیہ انسانی تاریخ کی آخری شریعہ و نظامِ فطرت ہے۔ اس لیے اس کے تحفظ کے مزید بہتر اہتمام کے لیے اس کے ذرائع کی نشاندہی کر دی۔ انہی ذرائع کو اس نظام کی بنیاد اور ماخذ قرار دیا۔ ذیل میں ان کا تعارف پیش خدمت ہے۔

- **ماخذِ اوّل (قرآن مجید)**

۱۔ آلِ عمران:۹۶

۲۔ الحجر:۹

۳۔ البقرہ:۶۱

اسلامی نظام زندگی کا پہلا ماخذ اور بنیادی کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے۔ قرآن حکیم مالک ارض و سماء اور شہنشاہِ کل کائنات کا حتمی شاہی فرمان ہے۔ جس کی توضیح و تشریح کے لیے نظام رسالت قائم کیا گیا۔ اس نظام کی نگرانی خود کی۔ انسانی طبع کے مطابق اس کو تعلیمات سے آگاہ کیا۔ نبی ورسول ﷺ کو اس نظام پر چل کر خود اسوہ بننے کا حکم دیا پھر بندوں کو اس اسوہ کی اطاعت کا حکم دیا۔ فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور یہ (قرآن) تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور (لوگو) تم سے عنقریب پرسش ہوگی۔

اس کے بعد اس نظام پر سختی سے کاربند رہنے کا شاہی فرمان جاری کیا۔ فرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

قرآن حکیم میں عقائد و عبادات کے ساتھ ساتھ حلال و حرام اور حقوق و فرائض کو بڑی وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ دینی نظام میں قرآن کو وہی حیثیت حاصل ہے جو کسی ملک میں دستور کو حاصل ہوتی ہے۔ نظام دینیہ میں کسی بھی حکم کو اخذ کرنے کے لیے مرجع اوّل کی حیثیت قرآن ہی کو حاصل ہے۔ جب آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو انھیں اسی بات کی تلقین کی۔ قرآن حکیم نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بنیادی اصول و ضوابط کو مجملہ بیان کر دیا۔ اس کے اصول و ضوابط پر عمل کرنے کی راہ ہموار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو فہم و فراست اور قوت ارادی کی صلاحیت سے آراستہ کر دیا۔ خلیفۃ اللہ اور احسن تقویم کا مقام عطا کر کے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نظام کے سامنے سر نہ جھکانے کی غیرت عطا کی۔

- **ماخذِ دوم (سنتِ نبویہ)**

سنت کے لغوی معنیٰ طریقہ وراہ کے ہیں۔ اصطلاح شریعہ میں سنت سے مراد نظام دینیہ کا وہ طریقہ و طرز زندگی ہے جس کو آپ ﷺ نے اپنی زندگی کا معمول بنایا۔ نظام زندگی کو اپنانے کا حکم آپ ﷺ نے امت کو دیا۔

۱۔ الزخرف: ۴۴

۲۔ المائدہ: ۴۴

آپ ﷺ کا وہ طرز زندگی آج احادیث نبویہ کی صورت میں محفوظ و محصون ہے۔ یہ قرآن حکیم کی آیات کے اختصار کی توضیح اور عملی تفسیر ہے۔ قرآن حکیم کے نظام دین کا دوسرا بڑا آماخذ ہے۔ سنت و حدیث کی حجیت پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر موجود ہے۔ فرمایا:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾[1]

ترجمہ: خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔

پھر فرمایا:

﴿ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ﴾[2]

ترجمہ: اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا رستہ پالو گے۔

عصرِ حاضر میں مسلم و غیر مسلم معاشرے جن مسائل سے دوچار ہیں ان کا حل قرآن و سنت کی اتباع میں ہی مضمر ہے۔ خود رسول اکرم ﷺ نے انھی مسائل کا شکار معاشرہ بلکہ اس سے گیا گزرا معاشرہ جب اس نظام کے تابع کیا تو وہ خیر القرون بن گیا۔ ضرورت اس بات کی ہے ہمارا معاشرہ درست رویہ کے ساتھ ساتھ احادیث صحیحہ ہی سے رہنمائی حاصل کرے۔ اس کی موجودگی میں کسی چیز کو دین میں حجت کا مقام نہ دے۔ اس لیے کہ ذلالت سے بچا کر کامیابی تک پہنچانے کی ضمانت اسی میں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمرَينِ لَن تَضِلُّوا مَاتَمَسَّكتُم بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَ سُنَّتِی)) [3]

ترجمہ: ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے جب تک تم انھیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے۔ یہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

- **ماخذِ سوم (اجماع)**

کتاب و سنت کے بعد اجماع کا درجہ آتا ہے۔ امام زرکشی نے اس کی جامع تعریف بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

((ھو اتفاق مجتھدی امۃ محمد ﷺ بعد وفاتہ فی حادثۃ علی امر من الامور فی عصر من الاعصار))[4]

۱۔ النساء: ۵۹

۲۔ النور: ۵۴

۳۔ امام حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، ح ۳۱۹، حدیث حسن

۴۔ االزرکشی، محمد بن بھادر عبد اللہ، بحر المحیط فی اصول الفقہ، (کویت: وزارت الاوقاف والشوءن الاسلامیہ، ۱۴۱۳ھ)، ص: ۶/ ۳۷

ترجمہ: اجماع نام ہے نبی ﷺ کے بعد کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ پر کسی بھی زمانے میں امت محمدیہ کے مجتہدین کا متفق ہونا۔

امام صاحب کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع کا کوئی زمانہ مقرر نہیں بلکہ یہ تاقیامت جاری و ساری رہے گا۔ اجماع امت کتاب و سنت کے بنیادی اور اصل ماخذ کے بعد تیسرا درجہ رکھتا ہے۔ اجماع کے ماخذ دینیہ ہونے پر قرآن و سنت میں کئی صورتیں وارد ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَنْ تَجْتَمِعُ أُمَّتِی عَلَی ضَلَالَةٍ))(۱)

ترجمہ: میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہہ یوں بیان کی ہے۔

((اجماع ھذا الامۃ حجۃ ، لان اللہ تعالیٰ اخبر عنھم بانھم یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر))(۲)

ترجمہ: اس امت کا اجماع حجت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرمایا ہے۔ کہ یہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ حرام پر متفق ہو جائیں۔

- **ماخذِ چہارم (قیاس)**

اجماع کے بعد شرعی احکام کے اخذ کے لیے چوتھے درجے کا ماخذ و ذریعہ قیاس ہے۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ قیاس کی تعریف لکھتے ہیں کہ:

"ھو حمل الفرع علی اصل فی حکم جامع بینھما"(۳)

ترجمہ: اس سے مراد کسی فرع کو اصل پر کسی ایسے حکم پر محمول کرنا جو ان دونوں میں مشترک ہو۔

قیاس کے بارے میں بعض علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ کتاب و سنت کے بعد تیسرے درجہ پر ہے۔ اس کی توجیہہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اجماع اور اجتہاد دونوں کی بنیاد قیاس پر ہے۔ کسی بھی نئے مسئلہ کو اجتہاد و اجماع کے درجہ تک پہنچنے کے لیے قیاس کے مرحلہ سے گزرنا ضروری ہے۔ اجتہاد سے کسی مسئلہ کے حل کے لیے علماء پہلے نئے مسئلہ کو قرآن و سنت کے حکم پر قیاس و محمول کرتے ہیں پھر اگلے مرحلہ پر اس کا حل کی جدوجہد کرتے ہیں۔ یونہی کسی نئے

۱۔ ابنِ ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب فی السواد الاعظم، ح ۳۹۵۰، صححہ الالبانی

۲۔ ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم، الفتاویٰ، (سعودیہ: وزات الشؤن الاسلامیہ، ۱۴۱۸ھ)، ص: ۲۸/ ۱۲۵

۳۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، (بیروت، مؤسسۃ الریان)، ۲۰۰۲ء، ص: ۲/ ۱۴۵

پیش آمدہ مسئلہ پر مجتہدین اجماع اتفاق کا مرحلہ اس وقت شروع ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قیاس سے آغاز نہ کریں۔ اس طرح قیاس عام ہوا جب کہ اجماع و اجتہاد اس کی فروع ہیں۔ قیاس پر قرآن مجید کی یہ آیت واضح ترین دلیل ہے۔ فرمایا:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ﴾(۱)

ترجمہ: اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔

مسلم معاشرہ میں متنازع فیہ وہی چیز ہو سکتی ہے جس کے بارے میں قرآن و سنت میں واضح حکم نہ ہو۔ اس صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع سے قیاس، اجماع اور اجتہاد کی طرف اشارہ ہے۔ ان تمام پر آپ ﷺ کی سیرت میں کئی مثالیں موجود ہیں۔

- ## ماخذِ پنجم (اجتہاد)

نظام دینیہ کے اصل ماخذ قرآن و سنت ہی ہیں۔ اجتہاد ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اجتہاد تب شریعت کے ماخذ کا درجہ حاصل کرتا ہے جب قرآن و سنت کے اصول و ضوابط کے مطابق امت کی رہنمائی کرے۔ اجتہاد لغوی معنی کے اعتبار سے جد وجہد کا نام ہے۔ ایسی جد وجہد جو قرآن و سنت کے اصل معانی کو سمجھنے اور اس کے اصل منشاء تک پہنچنے کے لیے کی جائے۔ علامہ شاطبی اجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"اجتہاد سے مراد شرعی احکام کو معلوم کرنا اور پھر ان احکامات کو نئے حالات پر منطبق کرنے کے لیے اعلیٰ درجے کی کاوش کرنا۔(۲)

شرعی احکام کی درست تشریح میں اجتہاد سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ معاشرے کو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں افتراق اور گروہی تقسیم سے بچ جاتا ہے۔ عصر حاضر میں اجتہاد کے فقدان کے باعث امت فرقہ بندی کا شکار ہے۔ آج ڈھونڈے سے بھی اجتہاد کا نہ کوئی قابل اعتبار ادارہ نظر آتا ہے اور نہ امت مسلمہ اسے کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ حالانکہ انسانی زندگی بدلتے حالات کے ساتھ کئی قسم کے نئے مسائل کا سامنا

۱۔ النساء:۵۹

۲۔ الموافقات، ص:۸۹

کرتی ہے۔ ان مسائل کا حل اگر شریعت سے نہ لیا جائے تو معاشرے کا تعلق دین سے ٹوٹ جاتا ہے۔ مادی زندگی کے لیے جتنا پانی اہم ہے، ایمان اور روحانیت کی بقاء کے لیے اس سے زیادہ اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اجتہاد کے فقدان کے باعث آج ہم تفرقہ بازی کا شکار ہیں۔ جس نے فساد، نفرت اور قتل وغارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

المختصر: اس بحث کا مدعا یہ تھا کہ جس نظام دینیہ سے اسلام کا تعلق ہے اسی کو اصل نظام سمجھا جائے۔ گروہی و تفرقہ بازی کی تعلیمات کو اسلامی نظام سمجھا جائے نہ اس کا ترجمان، اس لیے کہ ان کی بنیاد محض مادی منفعت پر ہے۔ تفرقہ بازی اور ملاوٹ نے خالص نظام اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آج امت فرقہ واریت کے باعث ہر شعبہ میں تنزلی کا شکار ہے۔ دین کو اصل صورت میں نہ پیش کرنے کے باعث آج امت فکری، معاشی اور عسکری اعتبار سے پارا پارا اور کمزور ہو چکی ہے۔ اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ اکثریت حقیقی اسلام سے ناآشنا ہو گئی۔ نوجوان نسل اس سے بد ظن ہونے کے علاوہ دور ہو رہی ہے۔ ضروت اس بات کی ہے کہ امت اگر اپنی عظمت رفتہ حاصل کرنا چاہتی ہے تو پھر اسی خالص نظام اسلامی کو اسی طرح اپنانا ہو گا جیسے ہمارے اسلاف نے اپنایا۔

دینی نظام پر مادیت کے اثرات کا تدارک

دینی نظام سے مراد "نظام اسلام" ہے۔ یہ خاص اور معروف اصطلاح ہے۔ لفظ نظام دنیا کے اکثر مذاہب کے ساتھ منسلک ہوتا ہے جس سے مراد اس مذہب کے نظریات اور عملیات کے زئیات وکلیات ہوتے ہیں۔ اسلامی نظام کا تعلق بھی اسی طرح عقائد وعبادات اور ان کی جزئیات وکلیات سب کے ساتھ ہے۔ عقائد اسلام کو اسلامی نظام کی شاندار عمارت کی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کی عالی شان عمارت کا انحصار انھی عقائد کے مرہونِ منت ہے۔ جتنا یہ عقائد پختہ ہوں گے اتنا ہی یہ عمارت مضبوط ہو گی۔ مسلم معاشرے کی فلاح و بہبود میں عقائد اسلامیہ کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ عقائد اسلام کا شرعی اور اخلاقی دونوں احکامات کا جزو لاینفق ہیں۔ عقائد پورے نظام اسلام کے لیے انجن کا کام کرتے ہیں۔ عقائد درحقیت انسان کے سامنے صراطِ مستقیم کے اصل حقائق کو سمجھنے کا ذریعہ ہیں۔ اس خالق کائنات اور مالک کل کے وجود کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد اور خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کے علاوہ موت ومابعد الموت اور نبوت ورسالت کی اہمیت کا ادراک / علم حاصل ہوتا ہے۔ اس نظریہ وعقیدہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ پوری انسانیت کو اپنے اندر سمو کر ان کی فکر کو یکجا کر دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے اپنے اولین خطاب میں اس کی عمومیت کو واضح کر دیا:

﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾[1]

ترجمہ: جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔

اس میں نہ کسی علاقہ، قبیلہ اور نہ کسی خاص قوم کا ذکر کیا گیا۔ یہ رہنمائی فرمائی کہ یہ نیا نظام عالمگیر ہمہ گیر ہے جو بلاامتیاز پوری انسانیت کے لیے ہے۔

مادیت کے سدِ باب میں عقائد کا کردار:

عقائد کو شرعی اصطلاح میں ایمانیات بھی کہا جاتا ہے۔ ایمان اس پختہ عقیدہ کو کہا جاتا ہے جس میں تصدیق بالقلب کے بعد یہ عقیدہ اقرار اللسان کے مرحلے تک پہنچے اور ترقی کرتا ہوا عمل بالجوارح تک کی معراج حاصل کر لے۔ عقائد اسلام کے چھ ارکان قرآن وسنت نے بیان کیے ہیں حدیث جبرائیل علیہ السلام میں آپ ﷺ نے اس کی وضاحت کر دی، فرمایا ایمان یہ ہے کہ:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))[2]

ترجمہ: "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتب، اس کے رسل اور آخرت کے دن پر اور تو ایمان رکھے اچھی اور بری تقدیر پر"

مسلم معاشرہ جب ان ایمانیات کو دل و جان سے تسلیم کر لیتا ہے تو مادیت کے خطرہ سے معاشرہ محفوظ رہتا ہے۔ ایمانیات کا یہ کردار اس کے چند اثرات کے باعث ہوتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

احکام دینیہ کی تصدیق:

احکام دینیہ کی اکثریت عقل کے موافق ہوتی ہے جن کو ماننا عام آدمی کے لیے آسان ہوتا ہے۔ تاہم ان احکام میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عقل کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس موقع پر کمزور ایمان والے لوگ ان سے پہلو تہی کرتے اور جان چھڑاتے ہیں۔ اس طرح کی مثال آج جدید تعلیم حاصل کرنے والے کئی افراد ہیں جو اکثر اسلام اور اسلام کے شعائر پر انگلی اٹھاتے رہتے ہیں۔ ایمان راسخ انسان کو اسلامی نظام کی کلیت پر ایمان کی صلاحیت و قوت عطا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ معراج کی تصدیق اہم مثال ہے۔ مشرکین مکہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ بات پیش کی کہ "آپ کیا کہیں گے اس شخص کے بارے میں جو رات ورات مکہ سے

۱۔ العلق:۲

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب الایمان، باب ماجاء فی وصف جبرائیل علیہ السلام، للنبی الایمان والاسلام، ح ۲۶۱۰، حسنہ الترمذی

شام اور شام سے آسمان اعلیٰ سے ہو کر واپس آجائے۔" آپ نے فرمایا عقل نہیں مانتی لوگوں نے کہا یہی تو تمھارے دوست محمد ﷺ دعویٰ کرتے ہیں۔ جواب دیا ہاں اگر محمد ﷺ کہتے ہیں تو میں اس کی دل وجان سے تصدیق کرتا ہوں۔ یہ مادیت پر روحانیت کی برتری کی عظیم الشان مثال ہے۔ عقائد پر ایمان رکھنے والا مادیت کو روحانیت پر کبھی ترجیح نہیں دیتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال بھی اس سلسلہ میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ایک طرف لختِ جگر اسماعیل علیہ السلام ہیں تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس:

ایمانیات فرد اور معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور اس کے حاضر وناظر ہونے کا شعور پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ایمانیات کا مقصد اعظم ہے۔ یہ شعور انسان کو دنیا اور اس کی زینت سے محبت کو اسلام کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ انسان دنیوی دھندے میں ڈوبا ہوا ہو یا عبادات میں مصروف ہو، اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس معاشرے میں مادیت وروحانیت کے فطری توازن کو کبھی بگڑنے نہیں دیتا۔ اسی توازن کو برقرار رکھنا فطرت کا تقاضہ بھی ہے۔ فرمایا:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾(۱)

ترجمہ: پروردگار ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخشیو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

اللہ تعالیٰ کی قربت کا یہ احساس ہر خیر کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ انسانیت کو وہ معراج عطا کرتا ہے کہ پوری دنیا اس کے سامنے مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ معراج کی انتہا یہ ہے کہ بندہ زمین پر ہوتا ہے اور دل و نظر خدائے برتر کا دیدار کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی معراج کو آپ ﷺ نے احسان کا نام دیا۔ فرمایا:

﴿الْإِحْسَانُ، أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ﴾(۲)

ترجمہ: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے تو تیری کیفیت یہ ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔

طمانیت وتسکین:

۱۔ البقرہ:۲۰۱

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب الایمان، باب ماجاء فی وصف جبرائیل علیہ السلام للنبی الایمان والاسلام، ح ۲۶۱۰، صحیح الترمذی

جس قلوب واذہان میں عقائد رچ اور بس جاتے ہیں انھیں طمانیت وتسکین کی لازوال دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ سکون قلبی کی اس دولت کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی اور نہ یہ مال ومتاع اور کثرت مال واولاد سے آسکتی ہے۔ اس دولت کے حاصل ہو جانے کے بعد کسی بھی چیز کی کمی کا احساس باقی نہیں رہتا۔ یہ بات مشاہدہ کی صورت میں ہمارا تجربہ بن چکی ہے کہ مال ومتاع دنیا میں جوں جوں بڑھتا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ مسائل ومشکلات اور تفکرات سے معاشرے میں بے چینی، بد سکونی اور بد کرداری کو فروغ حاصل ہوا۔ انسانی فکر کا دھارا ہی بدل گیا جس کے پاس مال کم ہے اس نے اپنے آپ کو بدنصیب سمجھا اور جس کے پاس مال کی کثرت ہے وہ اسی کو خوش قسمی سمجھتا رہا۔ پھر جب اچانک داعی اجل آیا تو کف افسوس ملتا ہے اور کہتا ہے۔

﴿مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۜ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ﴾[1]

ترجمہ: (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام بھی نہ آیا، (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔

عقائد انسان کو ہر مشکل و آسانی میں سنبھالا دیتے ہیں۔ راہ میں آنے والی ہر مشکل گھاٹی کو آسانی سے عبور کرنے کی ہمت دیتے ہیں وگرنہ ہم نے کئی مادہ پرستوں کو دیکھا کہ مال کی کثرت کے باوجود پر سکون اور بے چینی کے باعث خودکشی تک کر لیتے ہیں۔ عقائد میں تقدیر پر ایمان انسان کو ایک طرف مادیت سے بچاتا ہے تو دوسری طرف احساس کمتری اور بد سکونی سے محفوظ رہتا ہے۔ فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ﴾[2]

ترجمہ: (یعنی) جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ خدا سے آرام پاتے ہیں۔

بندہ مؤمن اپنے رزق اور زندگی سے مطمئن رہتا ہے۔ وہ رب سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ مال و جان میں کمی بیشی کو رب کی مرضی سمجھتا ہے اور پھر اس کی رضا پر راضی اور خوش رہتا ہے۔ اللہ پر توکل کرتا ہے جو معاملات اس کے کنٹرول میں نہیں وہ انھیں اللہ کے سپرد کرتا ہے۔

عزت وبرتری کا احساس:

۱۔ الحاقہ: ۲۸۔۲۹

۲۔ الرعد: ۲۸

جن دلوں کی زینت ایمان بن جاتا ہے ان دلوں میں اس کے مقابل کوئی دوسری چیز جگہ نہیں لے سکتی۔ آج اقتدار، گاڑی، گھر اور کثرت مال کو عزت کا معیار جاننے والے مادہ پرستوں کی کثرت ہے۔ جن کے پاس ہے وہ دوسروں کو کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں اور جن کے پاس نہیں وہ کف افسوس ملتے ہیں۔ ان جیسا بننے کے لیے ان کی چاکری کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ تعلقات کی وابستگی کی تشہیر کرکے عزت کی کوئی راہ نکالتے ہیں۔ فرمایا:

﴿أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾[1]

ترجمہ: کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو عزت تو سب خدا ہی کی ہے۔

مؤمن کی نظر میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی معزز نہیں۔ اس لیے اس کے ساتھ تعلق کو وہ اپنی عزت کی علامت سمجھتا ہے۔ وہی عزتوں اور ذلتوں کا مالک ہے۔ بندہ مؤمن کا یہ احساس اس کو حرام خوری اور مالی کرپشن سے روکتا ہے۔ غربت و برتری کا یہ احساس بندہ مؤمن کو نہ صرف مادہ پرستی سے روکتا ہے بلکہ مادہ پرستوں کو مرعوبیت سے بھی بچاتا ہے۔ ہمارے اسلاف اس کی خوب صورت مثال ہیں۔ جب ان کا مقابلہ قیصر و کسریٰ کے مادہ پرستوں سے ہوا تو وہ نہ ان سے مرعوب ہوئے نہ خوفزدہ ہوئے۔ انھوں نے اللہ کی مدد سے مادہ پرست متکبرین کو تہ تیغ کرکے اس حقیقت کو ثابت کیا کہ عزت تو بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال نہتے افغان طالبان اور مادیت اور مادہ پرستوں کے سرخیل اور امریکہ کی ہے۔

خلق خدا سے اچھا برتاؤ:

مادہ پرستی معاشرے میں خود غرضی، لالچ، جھوٹ، دھوکہ دہی، زنا، فحاشی، ملاوٹ، رشوت، چوری اور قتل وفساد وغیرہ کی بے شمار برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور خوف آخرت مادہ پرستانہ کلچر کو روکنے اور اس کی تباہ کاریوں سے روکنے میں کلیدی کردار ادار کرتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال دور جاہلیت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

﴿وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾[2]

ترجمہ: اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔

۱۔ النساء:۱۳۹

۲۔ آلِ عمران:۱۰۳

یہ عقائد ہی تھے جن کی بنا پر اس معاشرے میں انقلاب برپا ہوا اور یہ معاشرہ دنیا کے لیے قابل تقلید مثال بن گیا۔ عرب کے بڑے بڑے مادہ پرستوں، ابوجہلوں اور ابولہبوں کے برج الٹ گئے اور توحید پرستوں بلال رضی اللہ عنہ، وَہیب رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، جیسے بے سروسامان مؤمنوں کی سرفرازی و سربلندی سے مادیت کی شکست اور ایمان کی جیت کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے رکھ دیا۔

بندہ مؤمن اپنے ساتھ ہونے والی کمی بیشی کا ذمہ دار لوگوں کو نہیں قرر دیتا نہ انھیں مارتا اور قتل کرتا ہے بلکہ وہ اسے اللہ کی تقدیر سمجھتا ہے۔ وہ لوگوں کے قصور معاف کرتا ہے۔ اپنی ذات سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے۔ ایثار، اخوت، عفو، رحم دلی اور برداشت کے جذبوں سے سرشار ہوتا ہے۔ بھلا ایسا بندہ بھی خلق خدا سے بدسلوکی کر سکتا ہے۔ وہ تو خود کو مشکل میں ڈال کر دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[1]

ترجمہ:(اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا غصہ و پیار اور محبت و نفرت اپنے نفس کے بجائے رب ذوالجلال کی پسند اور ناپسند کے تابع ہو جاتی ہے۔

اجتماعیت:

انسان فطرتاً خود پسند اور خود غرض ہے۔ اس کا تعلق ان ضروریات کے ساتھ ہے جو اس کی زندگی کی بقاء کی ضامن ہیں۔ انسان کی بنیادی طور پر ضرورتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک جسمانی اور دوسری روحانی، عقائد ان کے بیچ توازن پیدا کرتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے شخصیت میں توازن کو برقرار رکھنے کا انتظام کرتے ہیں۔ جب فرد اور معاشرے کے لیے دنیوی مادی فوائد زیادہ اہم ہو جائیں تو مفادات کا ٹکراؤ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ٹکراؤ معاشرے کو فرقوں اور گروہ بندی کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مادیت نے انسانیت کو تقسیم کر کے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جب کہ روحانیت نے انسان کو اجتماعیت کی مضبوط بنیاد فراہم کی۔ ایک رب کو ماننا، انبیاء پر ایمان، آخرت پر یقین وغیرہ ایسے نظریات ہیں جو ہر فرق سے بالاتر کرتے ہوئے انسانوں کو ایک نظریاتی وحدت میں پرو دیتے ہیں۔ جس کے بعد ایک متحد معاشرہ اور قوم وجود پاتی ہے۔ تب انسان دنیاوی فلاح اور اخروی نجات سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اسلام تو ہے ہی اتفاق کا دین اس میں کسی طرح کے افتراق کی گنجائش نہیں۔ کامیابی و سرفرازی بھی اسی میں ہے۔ فرمایا:

۱۔ الحشر:۹

((يَدُ اللَّهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ))[1]

ترجمہ:۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

اختلاف و تفرقہ کے نقصان کی ایک مثال وطن عزیز خود بھی ہے۔

مادیت کے اثرات سے عقائد کے تحفظ کے وسائل

حالات و واقعات کی تبدیلی اور شبہات و فتنوں کے ظہور کے وقت ایمانیات کو خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ مادیت اور مال و جاہ کی حوس، عقائد کے ضعف اور بد امنی و بے چینی کا باعث بنتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے عقائد و ایمانیات کے تحفظ کے چند وسائل کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ ہم مختصراً ان کا ذکر کرتے ہیں۔

- **دعا:** عاجزی اور خلوص سے یہ دعا کرتا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین حق کی رہنمائی کے ساتھ اس پر ثابت قدم رکھے۔
- **ثابت قدمی:** مشکل و آسانی دونوں صورتوں میں ثابت قدمی کا عملی مظاہرہ کرنا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ چاہے کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہو جائیں ان کو ادا کرنا اور منہیات چاہے کتنی ہی مرغوب کیوں نہ ہوں ان سے دور رہنا، کیوں کہ:

  ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[2]

  ترجمہ: خدا مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے۔
- **اسوہ حسنہ کی پیروی:** ہر حال اور ہر معاملہ میں اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کرنا، فرمایا "علیکم بالسنتی" کہ میری سنت پر کاربند رہو۔
- **اللہ تعالیٰ کا ذکر:** کثرت سے اللہ تعالیٰ ذکر کرنے سے بھی عقائد میں خلل نہیں آتا۔ "فاذکروا اللہ کثیراً" کا حکم قرآن نے دیا۔ ابن عباس فرماتے ہیں:

  ((الشیطان جاثم علی قلب ابن أدم فاذا ذکراللہ خَنَسَ))[3]

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ح ۲۱۶۶، صححہ الترمذی

۲۔ ابراھیم: ۲۷

۳۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، ح ۲۲۲۱، صححہ (البانی)

ترجمہ: شیطان ابن آدم کے دل میں نقب لگاتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس سے محفوظ رہتا ہے۔

- **صبر کرنا:** مشکلات اور فتنوں کے دور میں دین پر قائم رہنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ فرمایا:

((تعوذ باللہ من الفتن))[1]

ترجمہ: فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرو۔

- **رفاقت صالحہ:** صالحین اور بھلے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور اہل فن اور بدکاروں کی صحبت سے دوری اختیار کرنا بھی عقیدہ و ایمان کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ فرمایا:

((الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ))[2]

ترجمہ: ہر بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

- **اللہ کا خوف:** اللہ کا خوف اور اس کی پکڑ کا ڈر بھی عقیدہ و ایمان کو بگڑنے سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾[3]

ترجمہ: کیا یہ لوگ خدا کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے (سن لو کہ) خدا کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تحذیر بندے کو فکری اور عملی طور پر راہِ راست سے ہٹنے نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ سے بے خوفی کے بنا فکر میں بگاڑ کی وجہ سے بد عملی کی راہ ہموار ہوتی ہے اور پھر انتہا یہ کہ بندہ غلط نظریات و عملیات کو بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سمجھتا ہے۔

مادیت کے سدِ باب میں عبادات کا کردار

عقائد کا تعلق روح سے ہے جب کہ عبادات کا تعلق مادی جسم سے ہے۔ مادہ پرست سمجھتے ہیں کہ روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں جن لوگوں نے یہ تصور پیش کیا وہ دنیا داری میں پھنس گئے اور ان کی روحانی ترقی رُک گئی۔ جنھوں نے روحانیت کو اپنایا وہ اس راہ پر چل دیئے جو دنیا کے بار و باہر گزر جاتی ہے۔ انھوں نے ترک دنیا ہی کو

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب عرض مقعد المیتِ من الجنۃ اوالنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ، ح ۲۸۶۷
۲۔ الترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب النظر فیمن یحبہ، ح ۲۳۷۸ ، حسنہ الترمذی
۳۔ الاعراف: ۹۹

روحانی کمال قرار دیا۔ جسم اور روح کے اس تضاد نے انسان کے سامنے زندگی کے مقاصد پیش کر دیے۔ ایسی صورت میں انسان حیران و پریشان ہے کہ کسے اپنائے اور کسے چھوڑے۔ اسلام نے مسئلہ کا حل دیا۔ روح اور جسم کی دوئی کو ختم کرکے اس کی یکتائی کا تصور پیش کیا۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"یہ جسم روح کا قید خانہ نہیں کارخانہ ہے۔"[1]

جسم کے بغیر روح کیسے ترقی کر سکتی ہے۔ روح جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر تیزی سے ترقی کے مراحل طے کرتی ہے۔ روحانی ترقی کا یہ نظام فرد و معاشرہ سب ہی کے لیے ہے۔ روح و مادہ کی تفریق کو مٹانے کے لیے اسلام نے جو نظام مقرر کیا روح اور مادہ کے امتزاج اور توازن کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ مادیت کے تدارک اور سدِ باب میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اس نظام کا تعلق چند مراحل سے ہے جو ذیل میں پیشِ خدمت ہیں۔

کلمہ شہادت:

اس نظام کے عملی مرحلے کا آغاز کلمہ شہادت سے ہوتا ہے۔ یہ کلمہ عقائد و عبادات کے بیچ پُل کا کام کرتا ہے۔ اس کلمہ کا اقرار بندے کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ دینی نظام کے نظریہ کو اپنانے کے بعد اب میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ میں عملاً بھی اسی نظام کو اپنانے جا رہا ہوں۔ یہ اعلان ہے برات کا ہر قسم کے دنیوی نظام ہائے زندگی سے پھر یہ بندہ مصداق بن جاتا ہے۔ سماعت و اطاعت کا۔

﴿وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾[2]

ترجمہ: اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔

اس نظام سے وابستگی کے بعد فرد اور معاشرہ اس کے لیے جان، مال، وطن اور اولاد تک کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس وابستگی کے بعد اطاعت و عبادت کا دائمی مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے پوری زندگی اور عبادات و معاملات سبھی کو عبادات کا درجہ دیا ہے۔ قرآن و سنت کے مطالعہ سے عبادات کی دو بنیادی اقسام ملتی ہیں۔

(الف): پہلی قسم ان تمام انواع و اقسام کے شرعی اعمال کی ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے جائیں۔ ان میں ہر اچھائی اور نیکی کا سرانجام دینا اور برائی سے رکنا اور روکنا سبھی شامل ہیں۔

۱۔ مودودی، اسلامی نظامِ زندگی، ص:۳۷۸

۲۔ البقرہ:۲۸۵

(ب): دوسری قسم وہ مخصوص عبادات ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں۔ جن کا مقصد بندے کو رب کے ساتھ جوڑے رکھنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وہ احترام بندے کے دل میں زندہ رکھتا ہے جو اسے اللہ کی اطاعت پر آمادہ رکھے اور برائی سے رکنے میں مددگار ہو۔ دنیاداری کو دینداری پر غالب نہیں آنے دیتا۔ قرآن مجید نے ان عبادات کی جو تعداد گنوائی ہے وہ کچھ یوں ہے۔

ا)۔ ذکر اللہ اور تفکر سے مادیت کا علاج:

کائنات کے نظام کار میں غور و فکر سے عقل انسان کو متوجہ کرتی ہے کائنات کے خالق، مالک اور مدبر کی طرف جس کے بعد انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ادراک کے بعد اس کی عظمت و جلالت کا احساس راسخ ہو جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے دل سے آمادہ ہوتا اور ہر وقت اور ہر نعمت پر اس کا ذکر و شکر کرتا رہتا ہے۔ انعامات کو دیکھ کر وہ ہر گھڑی اپنے رب پر فدا ہو رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ والہانہ محبت ہر وقت اس کے ذکر کا باعث بنتی ہے۔ ہر محب اپنے محبوب کا ذکر پسند کرتا اور کثرت سے کرتا ہے۔ پھر یہ محبت بھی یک طرفہ نہیں۔ فرمایا:

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾[1]

ترجمہ: سو تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ اور میرے احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔

محسن کا ذکر ہمیشہ اس کے شکر کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ یہ طرز فکر و عمل محبوب و محب میں کسی کو بھی حائل نہیں ہونے دیتی۔ رشتہ اتنا نازک ہے کہ کوئی چیز چاہے وہ زرہ برابر ہو اس رشتہ میں تناؤ پیدا کرتی ہے۔ خالق کی طرف سے جو بندے سے محبت ہے اس میں نہ کوئی شریک تھا، نہ ہے اور نہ ہو گا۔ اس کا خطرہ ہمیشہ بندے کی طرف سے رہا ہے کہ وہ اپنا لگاؤ اور توجہ جو خالق کے لیے ہے کسی اور سے وابستہ نہ ہو جائے۔ دنیا اور اس کا مال و متاع جب بندے کی محبت اور توجہ کو اپنی طرف موڑ لیتا ہے تو بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے خارج ہو جاتا ہے۔ اب وہ دنیا پرستی اور مادہ پرستی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ یہ خودکش حملہ آور ہے جو اپنی اور معاشرے کی تباہی کا سامان لیے سرگردان ہے۔ اس خطرناک تخریب کار سے دوری اختیار کرتا ہے اور اس کی اطاعت سے بچنا ہی مسئلہ کا حل ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا﴾[2]

۱۔ البقرہ: ۱۵۲

۲۔ الکھف: ۲۸

ترجمہ:اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔

جدید صنعتی اور سائنسی ترقی نے ایسا سامانِ دنیا تیار کر لیا ہے جو ہر اعتبار سے انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نکال کر مادہ پرستی کی طرف لے جا رہی ہے۔ علاج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو نور العین بنائیں تو ہر چیز اصلی شکل میں نظر آئے گی۔

۲)۔ مطالعہ قرآن:

قرآن مجید کا مطالعہ و تلاوت انسانی دل و دماغ کو روشن کرتی ہے۔ قرآن مجید بندے اور رب کے تعلق اور مقام کو واضح کرتا ہے۔ وہ بندے کو بتاتا ہے کہ تمھاری بقاء، محلات، اقتدار، مال و دولت اور سامانِ چین دنیا میں نہیں بلکہ رب کے ساتھ منسلک رہنے میں ہے۔ مال و اسباب پر بھروسہ نہ کیا جائے، اللہ وحدہ لاشریک پر توکل میں تمھاری اصل بقاء ہے کہ:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾[1]

ترجمہ:جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے (۲۷)اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی۔

جاہ و مال دنیا جتنا زیادہ کیوں نہ ہو اس کی بنیاد فنا پر ہے۔ ایمان و تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی بنیاد بقاء پر ہے۔ یہ حقیقت قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ قرآن حکیم کا ایک نام "الذکر" ہے۔ یعنی یاد دہانی، انسان کا دنیا اور اس کی زینت میں کھو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اس خطرہ سے بچانے کے لیے قرآن مجید کی تلاوت اسے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے حساب کی یاد دہانی کا ذریعہ ہے۔ انھیں لوگوں کے بارے اللہ فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ﴾[2]

ترجمہ:جو لوگ خدا کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ اس تجارت (کے فائدے) کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔

صبح کو انسان ضروریات زندگی کے لیے خواہشات و توقعات لے کر نکلتا ہے۔ صبح کی تلاوت اس کی خواہشات و توقعات کی درست رہنمائی کرتی ہے جب دن بھر کی محنت کر کے وہ گھر لوٹتا ہے تو زیادہ مال کے باعث اس میں لالچ و

۱۔الرحمٰن:۲۶۔۲۷

۲۔الفاطر:۲۹

تکبر اور کمی کے باعث مایوسی کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایسے میں قرآن کی تلاوت درست رہنمائی فرما کر دونوں خطروں سے محفوظ کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

((عَلَیکَ بِتَلَاوَتِ القُرآنِ فَاِنَّہٗ نُورُلَّکَ فِی الاَرضِ وَ زُخراً لَکَ فِی السَّمَاءِ))[1]

ترجمہ: تلاوت قرآن کو لازم رکھو یہ زمین میں تمھارے لیے روشنی و نور ہے اور آسمان میں تمھارے لیے خزانہ ہے۔

یہ مقاصد تب حاصل ہوں گے جب ہم قرآن مجید کو سمجھ کر اور فکر و تدبر سے پڑھیں گے۔ مادیت کے اثرات جب معاشرے کے لیے دلدل بن جائیں تو نجات قرآن مجید کی طرف رجوع میں ہے۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

"ان جماع امراض القلب ھی امراض الشھوات والشبھات، والقرآن شفاء للنوعین"[2]

ترجمہ: دل کے امراض کی بنیاد شہوات اور شبہات ہیں اور قرآن ان دونوں کے لیے شفاء ہے۔

۳)۔ دعا:

دعا کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر چیز سے توجہ کو ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا، اس کو پکارنا اور دنیا و آخرت کی خیر طلب کرنا۔ دعا درحقیقت فکر و عمل کو بام عروج عطاء کرنے کے ساتھ ساتھ ظاہری اسباب پر انحصار سے بالاتر کر دیتی ہے۔ ظاہری اسباب یا تو متکبر یا پھر مایوسی کا شکار کر دیتے ہیں۔ جب کہ دعا خود اور اپنے طرح کے دوسرے لوگوں پر انحصارِ بے کار سے بچا کر خالق الاسباب پر انحصار کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ اس طرح دعا مادیت کی فکر کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے۔ بندہ رب پر انحصار کرتا اور مطمئن ہوتا ہے۔ اسی بنا پر دعا کو عبادات میں مرکزی حیثیت دی گئی۔ فرمایا:

((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))[3]

ترجمہ: دعا ہی اصل عبادت ہے۔

تمام عبادات کا مقصد بندے کو رب سے جوڑنا ہے جب کہ دعا اس مقصد کا نچوڑ ہے۔ اس میں بندہ رب سے براہِ راست بات کر رہا ہوتا ہے۔ دعا میں بندہ ضروریات زندگی کے لیے اللہ سے استدعا کرتا ہے۔ اور مال حرام سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔

۱۔ نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، کتاب الوصایا، باب وصیۃ رسول ﷺ، ح۱۱۳۰۷

۲۔ ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن ابی بکر، الداء والدواء، (ریاض: مکتبہ المعارف)، ص۱/۱

۳۔ الترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، ح۳۳۷۲، صحیح الترمذی

((اَللّٰھُمَّ اکْفِنِی بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ))[1]

ترجمہ: اے اللہ! اپنے حلال رزق کے عطیہ سے اپنے حرام سے غنی فرمادے

۴)۔ اقامت صلوٰۃ (نماز):

اقامت صلوٰۃ کا مطالبہ قرآن حکیم نے باقی عبادات سے زیادہ کیا ہے۔ اسی کو دنیوی خیر اور اُخروی نجات کا ضامن قرار دیا ہے۔ یہ مادیت کے اثرات کے تدارک میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زینت و ہنگامہ خیز دنیا میں بسنے والے انسان کو غفلت سے بچا کر ہر روز پانچ وقت رب کی یاد دلاتی ہے۔ اس کے اثرات فرد و معاشرہ دونوں کے لیے مستفید ہوتے ہیں۔ نماز کا تعلق براہِ راست معاشرے کے اخلاق و کردار کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾[2]

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

نماز مادیت اور اس کے باعث پیدا ہونے والی تمام خرابیوں کے تدارک میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ خود غرضی، لالچ، رشوت، حرام خوری، کم تولنا اور تمام ناجائز ذرائع کا سدِباب کرتی ہے۔ اکثر نمازیں دن کے پہر میں لانے کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ معاشی و مادی مصروفیات کے باعث بندہ ذہنی اور جسمانی طور پر زیادہ کے حصول میں متغرق ہو جاتا ہے۔ اسی دوران وہ صدا "اللہ اکبر" سنتا ہے تو اس کے دل و دماغ میں رب کی یاد تازہ ہوتی ہے اور دنیا کے مفاد پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ کاروبار روزگار ترک کر کے بے سروسامانی کی تصویر بن کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اس طرح مادیت پر روحانیت فتح یاب ہوتی ہے۔

۵)۔ روزہ:

نظام اسلام میں روزے کی اساسی مقصدیت مادیت، خود غرضی اور نفس کا قلعہ قمع کر کے ایثار اخوت اور مساوات کے اعلیٰ جذبات کو ترویج دینا اور پروان چڑھانا ہے۔ لذات و سہولیات انسان میں غفلت و مال و متاع کے حصول کی خواہشات بڑھا دیتی ہے۔ اور ان لذات و شہوات کا توڑ روزہ ہے۔ رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کی تربیت کا مہینہ مقرر کر دیا ہے۔ اس میں جائز خواہش سے رک کر ناجائز اور گناہ کے کاموں سے پرہیز کی طاقت کو کئی گنا بڑھایا جاتا ہے۔ خود بھوکا رہ کر بھوکوں کے لیے رحم اور ایثار کا جذبہ تازہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں اس ماہ

۱۔ ابن حنبل، المسند م، (مسند الخلفاء الراشدین)، ح ۱۳۱۹

۲۔ العنکبوت: ۴۵

کے متعدد اسماء میں سے ایک "شھر المواسات" ہے یعنی غمخواری کا مہینہ۔ ہم اس ماہ میں مادہ پرستی اور خدا پرستی کے مناظر عروج پر دیکھتے ہیں۔ مادہ پرست ذخیرہ اندوزی اور مہنگائی کر کے اس ماہ کو پیسہ جمع کرنے کا موقع سمجھتے ہیں۔ خدا پرست اس ماہ سے مال اللہ کی راہ میں لٹا کر اعلیٰ روحانی درجات حاصل کرتے ہیں۔

۶)۔ زکوٰۃ و حج:

زکوٰۃ مادیت کے اثر و رسوخ کو کم کرنے میں مؤثر دوا کی حیثیت رکھتی ہے۔ مادہ پرستوں کا سب سے اہم ہتھیار سودی نظام ہے۔ زکوٰۃ اس نظام کے لیے پیغام موت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾[۱]

ترجمہ: خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔

حج جامع العبادات ہے۔ حاجی گھر، کاروبار، مال، اقرباء و اعزاء اور اہل خانہ کو الوداع کر کے بے وطن ہوتا ہے۔ مال خرچ کرتا ہے، اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر قرب خداوندی حاصل کرتا ہے۔ سادہ لباس و خوراک اور معمولی رہائش یہ سب چیزیں مادیت و دنیا پرستی کو ختم کرتی ہیں۔ حج کا اجتماع ہونے کے باعث اس بات کا عالمی اعلان ہے کہ شیطانیت و ظلم کے خلاف ہم ایک ہیں۔ اس موقع پر حجاج اخوت، مساوات اور محبت و ایثار کے جو عظیم الشان جذبات و احساسات لے کر لوٹتے ہیں وہ مادیت کے خلاف تحریک کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

۷)۔ جہاد اور امر بالمعروف:

جہاد کی اہم ترین اقسام میں جہاد بالنفس اور جہاد بالمال ہے۔ جو لوگ مال اور جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم﴾[۲]

ترجمہ: خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں۔

جہاد اور جذبہ جہاد مادیت کی بیماری کا اصل علاج ہے۔ مادہ پرستانہ نظام کو ترویج دینے والوں کو کوئی بات پیار سے سمجھ نہ آئے تو جہاد بالسیف ان کے ظالمانہ نظام کا قلعہ قمع کرتا ہے۔ فرائض دینی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو عظیم الشان درجہ حاصل ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ البقرہ:۲۷۶

۲۔ التوبہ:۱۱۱

((اَلاَمرُبِالمَعرُوفِ وَالنَّهیُ عَنِ المُنکَرِالَّذِی اَنزَلَ للّٰہُ بِہٖ کُتُبُہٗ وَاَرسَلَ بِہٖ رُسُلَہٗ، مِنَ الدِّینِ))[1]

ترجمہ: وہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی کتب نازل فرمائیں اور رسل مبعوث فرمائے وہ دین ہے۔

عصر حاضر کے مذکورہ موجود فتنوں کے تدارک اور مالی بے ضابطگیوں اور مادیت کے نظام دین پر اثرات کا تدارک امر بالمعروف ہی سے ممکن ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلم معاشرہ اس شعبہ میں کمزور ہے۔ اسی لیے فتنے عام او رمسائل ابھی زیادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ))[2]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور نیکی کا حکم کروگے اور برائی سے روکوگے وگرنہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے سزا و عذاب نازل کرے گا پھر تم دعا کروگے لیکن قبول نہ ہوگی۔

آج زلزلہ اور طاعون کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو چکا، دعائیں کیا آذانیں بھی دی جارہی ہیں، مسلم کیا، کافر بھی سجدوں میں گر پڑے، امت کے ذمہ داروں کو اس معاملہ کو سنجیدہ لینا چاہیے۔ امر بالمعروف کو نظام کے طور پر نافذ کرنا چاہیے۔

مادیت کے اخلاقی نظام پر اثرات کا تدارک

اخلاقی بگاڑ نے آج معاشروں کو جس طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اس سے حکمران، رعایا، دانشور، والدین، اولاد، آجر واجیر اور شوہر وبیوی، غرض ہر فرد حیران وپریشان ہے۔ معاملے کے حل کے لیے بڑی بڑی تجاویز اور لمبی تقاریر کی جاتی ہیں۔ عام آدمی سے لے کر ارباب اقتدار واختیار تک سبھی بے بس نظر آتے ہیں۔ پریشانی یہ ہے کہ نئی نسل میں صحیح وغلط اور خیر وشر کے پیمانے ہی بدل کر رہ گئے ہیں۔ آج قوم شعیب علیہ السلام ، قومِ صالح علیہ السلام اور قومِ لوط علیہ السلام کی سب بداعمالیوں اور بداخلاقیاں ہمارے معاشروں میں موجود ہیں۔ اگر ان کا

۱۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، (ریاض: الریاسۃ العامۃ البحث والافتاء)، ص:۲۲

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ماجائ فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، ح:۲۱۶۹

تدارک نہ ہوا تو وہ وقت دور نہیں کہ ان اقوام پر اترنے والے عذاب ہم پر نہ نازل ہو جائیں جن کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں فوری اور اشد ضرورت ہے اس امر کی کہ خرابی و بیماری کی نزاکت کو سمجھ کر اس کے تدارک کے لیے جامع حکمت عملی اختیار کی جائے۔

نظام اسلام سے بہتر اور آزمودہ حکمت عملی اور کیا ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے اسی حکمت عملی کے تحت عرب معاشرے کی اصلاح کی۔ دورِ جاہلیت ایسا دور تھا جب کثرت مادہ کو باعث فضیلت اور مادیت کو کلچر کے طور پر اپنا لیا گیا تھا۔ اس کلچر کے باعث اس معاشرے میں اخلاق اور اخلاقی اقدار ناپید تھیں۔ اسلام کے نسخہ کیمیا نے وہ کام کیا کہ بیماروں کو طبیب بنا دیا۔ ذیل میں عصرِ حاضر کے اخلاقی بگاڑ کے تدارک پر چند نکات پیش کئے جائیں گے۔

ا)۔ عقائد و عبادات:

اسلام نے عقائد سے انسان کے نفس و شخصیت کی اصلاح کا آغاز کیا۔ توحید کے ساتھ عقل انسانی کو جلا بخشی، صحیح اور غلط اور ثواب و گناہ میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا کی۔ توحید کو اچھائی کا سرچشمہ اور شرک کو ظلم عظیم اور نجس قرار دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ شرک کی بنیادی وجہ مادیت رہی۔ جس قوم پر شرک کا دروازہ کھلا اس میں کوئی اچھائی رہی نہ اخلاق اور نہ کردار۔ ایسے لوگوں کا کلچر گندگی، بے حیائی اور برائی بن گیا۔ انم المشرکون نجس کی صورت اختیار کر گیا۔ ایسے معاشرے کی اصلاح اور اخلاقی تربیت اسلام نے پاکیزہ عقائد سے کی۔ جو اخلاقی مسائل آج ہمیں درپیش ہیں ان کا واحد حل انھی عقائد کی تجدید و ترویج میں مضمر ہے۔ توحید و رسالت کا عقیدہ مادہ پرستی و حوس پرستی سے بچا کر انسان کو اخلاقی عظمت کی طرف لے جاتا ہے۔ فرشتوں پر ایمان انسان میں یہ احساس بیدار رکھتا ہے کہ یہ میرے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں۔ جس پر میرا احساب ہو گا۔ ہر وقت ساتھ رہتے ہیں، معزز بھی ہیں جن کی موجودگی کا احساس کسی بھی بد اخلاقی میں بڑھنے سے روکتا ہے۔ عبادات کی مقصدیت بھی انسانی عظمت کو بحال و برقرار رکھتا ہے۔ اس کا تعلق بھی اخلاقی بحالی سے ہے۔

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الاَخلَاقِ))[1]

ترجمہ: بلاشبہ مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

بے حیائی اور برائی انسانی کردار و اخلاق کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا تدارک نماز میں ہے۔ زکوۃ مادیت اور س کی تباہ کاریوں کا بہترین تدارک اور سدِ باب ہے۔ روزہ اخلاق کی معراج ہے۔ اور حج و جہاد اخلاق حسنہ کو عالمی

ا۔ ابن حنبل، المسند، (مسند ابی ہریرہ)، ح ۸۹۳۹

تحریک میں بدلنے کا کام کرتے ہیں۔ دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی خلق حسنہ میں ہے۔جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہونے والوں میں اکثریت کن لوگوں کی ہو گی ؟ فرمایا:

((تقوی اللہِ وحُسنَ الخُلق))[1]

ترجمہ: اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والے اور اچھے اخلاق والے لوگ ہوں گے۔

۲)۔ اسوہ حسنہ کی پیروی:

اسوہ حسنہ کی پیروی سے مراد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیھم کے اخلاق وطرزِ زندگی کو اپنانا۔ اولادِ آدم کے لیے زندگی گزارنے کا اعلیٰ ترین معیار اور مقصد کا پیمانہ آپ ﷺ کا اسوہ ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[2]

ترجمہ: اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔

مادیت نے معاشروں میں جو بگاڑ پیدا کر دیا ہے اس کی اصلاح وتدارک کے لیے اسوہ رسول ﷺ نسخہ کیمیا ہے۔

۳)۔ توبہ:

توبہ و استغفار گناہ کے اعتراف کرنے ، اس سے شرمندگی اور معافی کا رویہ فرد و معاشرے میں پیدا کرتا ہے۔مادہ پرست اپنی غلطی پر ڈٹ جاتا ہے۔توبہ و استغفار معاشرے میں بد اخلاقی اور برائی سے رجوع کے رویہ کو پیدا کر کے اصلاح اخلاق کی راہ ہموار کرتا ہے۔ قرآن مجید نے توبہ کو دونوں جہانوں کی کامیابی کا ضامن قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿تُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[3]

ترجمہ: سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

توبہ میں اخلاقی اصلاح کی وہ طاقت ہے کہ جو بد اخلاقی و گمراہی و ذلالت میں پھنسے مایوس افراد کو روشنی کی راہ دکھائی دیتی ہے۔ فرمایا:

۱۔ ایضاً، ح:۹۶۹۴، ص:۴/۶۶۰

۲۔ القلم:۴

۳۔ النور:۳۱

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾[1]

ترجمہ: (اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

۴)۔ ذکر الٰہی:

مادیت خود غرضی کو جنم دیتی ہے اور خود غرضی بد اخلاقی کو جنم دیتی ہے۔ ہر قسم کی برائی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ معاشرہ درجہ بدرجہ ظلم و قتل کا شکار ہونے لگتا ہے۔ ایسی صورت میں ذکر اللہ اس کا بہترین علاج ہے۔ ویسے تو تمام عبادات اللہ کا ذکر ہیں۔ ذکر کی افادیت کی خاطر مختلف مواقع کی ادعیہ واذکار مقرر کر دیے تا کہ بندے کو ہر نئی کیفیت میں یادالٰہی کے ساتھ گناہ و بداخلاقی کی طرف جانے کی راہ کو فکری اور عملی طور پر مسرور کر دیا جائے۔ ذکر الٰہی کی طرف انسانی طبقہ کو راغب کرنے کے لیے اس کی عظمت کو اجاگر کر دیا۔ فرمایا:

﴿وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ﴾[2]

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔

۵)۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

برائی و بداخلاقی کا کلچر دیکھا دیکھی معاشرے میں عام ہو جاتا ہے۔ اولاد والدین کو دیکھ کر جھوٹ بولتے ہیں، طلبہ ء اساتذہ اور ہم جماعتوں سے برے اخلاق اٹھاتے ہیں۔ بازار اس معاملہ میں سب سے آگے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے بازاروں کو "شر الاماکن" کہا۔ اس انداز سے بڑھنے والی بد اخلاقی و بد کرداری کا تدارک اور سدِ باب امر بالمعروف میں ہے۔ اس کی ذمہ داری امت کے ہر فرد پر ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مرحلہ وار ترقی کرتے ہوئے ایک نظام کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ یہ نظام معاشرے کی ترقی و بقاء اور اتحاد کا ضامن بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نظام کے قیام کی ذمہ داری ارباب اختیار و حکومت کے سپرد کی ہے۔ فرمایا:

۱۔ الزمر: ۵۳

۲۔ النور: ۳۱

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔

۶)۔ حقوق و فرائض:

بد خلقی کی عموماً فوری وجہ حقوق و فرائض میں کوتاہی ہوتی ہے جب کسی کا حق مارا جاتا ہے تو شکوہ شکایت سے آغاز ہوتا ہے فرائض میں کوتاہی سے بھی رویوں میں منفی جذبات ابھرتے ہیں اور دھیرے دھیرے معاشرہ میں بد اخلاقی، بے لحاظی اور عدم برداشت واحترام بڑھنے لگتا ہے۔ اس بد اخلاقی کا دروازہ بند کرنے کے لیے حقوق و فرائض کا نظام مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ ان حقوق و فرائض کے نظام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر بندوں کے حقوق لاگو کیے اور بندوں پر اپنے حقوق۔ فرمایا:

((فَإِنَّ حَقُّ اللهِ عَزَّوَ جَلَّ عَلى العِبَادِ اَن يَّعبُدُوهُ وَلَا يُشرِكُوا بہٖ شَيا ءً، وَحَقُ العِبَادِ عَلى اللهَ عزوجل اَن لَا يُعَذِبَهُم مَن لَا يُشرِك بِہٖ شَياءً))[2]

ترجمہ: بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اسی کی ہی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں جب کہ بندوں کے اللہ عزوجل پر یہ حق ہے کہ جو شرک نہ کرے اس کو عذاب نہ دے۔

حدیث میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ جس معاشرے میں حقوق و فرائض کا خیال رکھا جائے گا وہاں شکوہ شکایت نہ ہوگی۔ جب شکوہ شکایت نہ ہوگی تو فتنہ فساد کا راستہ از خود بند ہو جائے گا۔

۷)۔ نظامِ عدل:

مادیت کے پیدا کردہ مسائل نے آج معاشرے کا اخلاقی طور پر دیوالیہ کر دیا ہے۔ معاشرے کو طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اعلیٰ طبقہ ڈنکے کی چوٹ پر ہر قسم کی بد اخلاقی کا مظاہرہ کر رہا ہے باقی معاشرہ ان کی اندھی تقلید میں لگا ہے۔ ان مسائل کا حل شرعی نظام عدل کا سرکاری سطح پر نافذ کرنا ہے۔ اس نظام کے تحت کمزور کو اس کا حق او

۱۔ آلِ عمران:۱۰۴

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التوحید، باما جافی دعا النبی امتہ الی توحید اللہ تبارک وتعالیٰ، ح۷۳۷۳

رمظلوم کو انصاف حاصل ہوتا ہے۔ بداخلاقی معاشرے میں بے چینی، افراتفری اور لوٹ مار کو ترویج دیتی ہے۔ نظام عدل اس کا تدارک کرتا ہے۔ اس نظام میں یہ صلاحیت ہے کہ معاشرے کو ظلم کے اندھیروں سے نکال کر انصاف کی راہ پر ڈالتا ہے۔ یہی نظام عدل قومی اتحاد، ترقی اور استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بھی مرضی ہے اور انبیاء کی بعثت کا بھی مقصد یہی ہے۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[1]

ترجمہ: ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا۔ اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور مسلم تاریخ کا ایسا یادگار دور ہے جسے مسلم و غیر مسلم سبھی سراہتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کے نظام عدل و قضاء کو ساری دنیا میں پذیرائی حاصل ہے تو اس کی وجہ آپ کا بے لاگ نظام عدل اور نظام جزا و سزا ہے۔

المختصر! مادیت عصر حاضر کی غالب ترین تہذیب کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ تمام تر معاشی اور سائنسی ترقی کے باوجود مادی کلچر نے انسان کی راحت و چین کو برباد کر دیا۔ مادیت کا رسوخ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اس کے باعث نظام دین و نظام اخلاق بھی متاثر ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں معاشرے کو اپنی بقاء کا خطرہ لاحق ہے۔ اس کے تدارک کے لیے فرد، معاشرے، والدین، اساتذہ اور ارباب اختیار کو اپنا فطرتی کردار و فرض ادا کرنا ہو گا۔ وگرنہ وہ وقت دور نہیں کہ گمراہ سابقہ اقوام کی طرح یہ بھی انجام بد سے دوچار نہ ہو جائیں۔ فرد اپنے ساتھ دوسرے کی خیر کی بھی فکر کرے، معاشرہ ایثار و اخوت کا شعار اپنائے، والدین بچوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتے ہوئے ان کی تربیت کریں، ارباب اختیار نظریہ اسلام و پاکستان کو مدِ نظر رکھ کر قانون سازی کریں۔ اس کا نفاذ کریں، ایسا نظام تعلیم و نصاب مرتب کیا جائے جو نوجوانوں کی بہترین دینی و اخلاقی تربیت کا ذریعہ ہے۔

۱۔ الحدید: ۲۵

باب چہارم

مادیت کے معاشی اور معاشرتی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک

فصل اول: مادیت کے معاشی سرگرمیوں پر اثرات

فصل دو: مادیت کے معاشرتی سرگرمیوں پر اثرات

فصل سوم: مادیت کے معاش اور معاشرت پر اثرات کا تدارک

فصل اول

مادیت کے معاشی سرگرمیوں پر اثرات

معاش اور اس کی اہمیت:

انسان ضروریات زندگی میں دوسرے حیوانات کی طرح محتاج و ضرورت مند ہے۔ ان ضروریات کے حصول کی طلب اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں رکھ دی ہے۔ وہ پیدا ہوتے ہی دودھ کے لیے چلا کر ضریات کے حصول کی جدوجہد کا آغاز کرتا ہے، پھر جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی ہے اس کی ضرورت اور جدوجہد کے زاویے بدلتے رہتے ہیں۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ معاشی اعتبار سے خوش حال ہو۔ انسان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہر قسم کے خزانوں سے مالا مال کر دیا۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم ہی نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے سامان معشیت پیدا کئے۔

انسان کا دنیوی وجود دو اہم ضروریات کا محتاج ہے۔ ان میں ایک روحانی ضرورت ہے۔ جس کی تکمیل کے لیے ادیان، کتب سماویہ اور رُسل مبعوث کیے۔ دوسری ضرورت معاش ہے۔ اس کے لیے وسائل زمین میں رکھ دیئے۔ ان وسائل کی رہنمائی فرمائی اور استفادہ حاصل کرنے کا حکم دیا۔ معاشی خوشحالی فرد اور معاشرے کی فلاح و بہبود میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ:

"اگر فرد آسودہ حال ہو گا تو اس کے عادات و اطوار اچھے ہوں گے۔ اخلاقی و دینی اعتبار سے بھی وہ معیاری انسان ہو گا۔ اچھے لوگوں کی تمام خوبیوں کا مالک ہو گا۔"[2]

آج جن معاشروں کی معیشت کمزور ہے وہ معاشرے اخلاقی و دینی پستی کا شکار ہیں۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ انسان دونوں اعتبار سے ترقی کرے۔ خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے آپ کو "رب الناس" و "رب

۱۔ الاعراف: ۱۰

۲۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص: ۲۲۲

العالمین" کے طور پر بار بار متعارف کرایا۔ ربوبیت کی صفت منشاء خداوندی میں یہ اصول نمایاں نظر آرہاہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی مادی او رروحانی دونوں ترقیاں چاہتے ہیں۔ دینی ترقی کے لیے زبردست مقابلے اور مسابقت کی تعلیم وتحریص دی۔ فرمایا:

﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: (بندو) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی (طرف) جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے۔

مادی ترقی کے لیے اصول وضوابط بیان کیے۔ ان وسائل کے حصول کے لیے تدبر سے کام لینے کی تعلیم بھی دی اور تسخیر کی خبر دے کر تمام راستے ہموار کر دیئے۔

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾[2]

ترجمہ: اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔

مادیت و روحانیت کا امتزاج:

اسلام نے مقصد زندگی عبادت الٰہیہ کو قرار دیا۔ ساتھ ہی ساتھ ضروریات زندگی کو بھی اخذ کرنے کا حکم دیا۔ معاش اور معایش سے حاصل ہونے والے مال وزر سے محبت و لگاؤ انسانی فطرت میں رکھا پھر اس کی درست رہنمائی کے لیے تعلیمات نازل فرمائیں تاکہ انسان دنیوی محبت کے باعث مقصدِ زندگی سے غافل نہ ہو جائے۔ دین و دنیا اور روحانیت کا باکمال امتزاج ہے، جو ایک انسان کو دنیوی نعمتوں سے بہرہ مند کرنے کے ساتھ اُخروی نجات کا باعث بھی بنتا ہے۔ اس توازن کو جن اقوام نے بگاڑا وہ دونوں اعتبار سے گمراہ و ہلاک ہوئیں۔ جن لوگوں نے روحانی ترقی کے لیے ترک دنیا اختیار کیا، انھیں بھی قرآن مجید نے کہا بلکہ ان سے استفادہ حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ فرمایا:

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور چارپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ ان میں تمہارے لیے جڑاوّل اور بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔

۱۔ الحدید: ۲۱

۲۔ ابراھیم: ۳۳

۳۔ النحل: ۵

اور پھر فرمایا:

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾[۱]

ترجمہ: اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور (وہ تمہارے لیے) رونق وزینت (بھی ہیں) اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں۔

آیت کے آخری حصہ میں گاڑیوں، ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی فرمادیا کہ ابھی اور کیا کچھ آنے والا ہے اس کا تمھیں بھی علم نہیں۔ یہ مادی ترقی کی طرف اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رہنمائی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا اعلان فرمایا تو اس برتری کی دلیل مادی ترقی کو قرار دیا۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾[۲]

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی۔

اس سے بڑھ کر یہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد جب عملی برتری کا معاملہ آیا تو اس کی وجہ بھی مادی اشیاء کا علم ٹھہرا۔ فرمایا:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾[۳]

ترجمہ: اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔

اکثر انبیاء علیہم السلام کا کسی نہ کسی پیشہ سے وابستہ ہو کر اپنی ضروریات پورا کرنا بھی اس کی دلیل ہے کہ ترک دنیا منشاء ربانی نہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اس توازن وامتزاج کو برقرار رکھا تو وہ مادی اور روحانی دونوں اعتبار سے دنیا پر غالب ہوئے۔ آج اکثر مسلم معاشروں نے مادی ترقی کے اسلامی اصول کو ترک کیا تو وہ ہر اعتبار سے تنزلی کا شکار ہو گئے۔

اسلام نے دنیوی مادی ترقی کو دینی ترقی کے تابع کیا ہے۔ حتیٰ کہ مادی اسباب کو بھی روحانی ترقی پر قربان کرنے کا حکم دیا۔ زکوۃ اس کی اہم مثال ہے۔ آج پوری دنیا افراط وتفریط کا شکار ہے۔ جدید مغربی تہذیب، مذہب اور

۱۔ النحل:۸

۲۔ بنی اسرائیل:۷۰

۳۔ البقرہ:۳۱

اخلاق کو مادی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہے۔ دوسری طرف اجبار و رہبان و نام نہاد صوفیاء مادیت کو روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ جانتے ہوئے اس کی کلی نفی کرتے ہیں۔

اسلام کا معاشی ضابطہ

معیشت کا تعلق چونکہ معاشرے کے عبادات و معاملات دونوں کے ساتھ بڑا گہرا ہے اس لیے اسلام نے اس کے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ ان اصولوں کی پیروی سے معاشرہ بے چینی، بدامنی، بداخلاقی اور بدکرداری سے محفوظ رہتا ہے۔ چند اہم معاشی ضابطہ ہائے اخلاق درج ذیل ہیں۔

۱)۔ معاش پر دین کی برتری:

مال و متاع دنیا کی خواہش جب ضروریات سے تجاوز کر کے حرص و تاثیر کا درجہ اختیار کر لیتی ہے تو معاشرے کے فکر و عمل میں بگاڑ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ خیر و شر، ادنیٰ و اعلیٰ اور حق و باطل کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ مالک و خالق و مدبر کے مقرر کردہ مقاصد زندگی فراموش ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسوہ رُسل کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ فاسق و فاجر مادہ پرست معاشرے کے راہبر بن جاتے ہیں۔ ایسی اقوام کے انجام بد کے آثار دنیا میں جابجا موجود ہیں۔ قرآن نے عبادات و معاملات سب کو دائرہ اسلام میں شامل کرنے کے باوجود نمایاں امتیازی لکیر کھینچ دی جس سے دونوں میں فرق کرنا آسان ہی نہ ہوا بلکہ دینیات کو واضح برتری حاصل ہوئی فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[۱]

ترجمہ: مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور (خرید و) فروخت ترک کر دو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

تجارت اور کاروبار سخت مصروفیت کا کام ہے جہاں ایک بندہ ذہنی اور جسمانی اعتبار سے مکمل طور پر مصروف ہوتا ہے۔ اس مادی مصروفیت کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔ نماز جمعہ کے لیے ہر دن پانچ بار مؤذن حی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کا اعلان کر کے اسی بات کو باور کرا رہا ہوتا ہے کہ مادی و معاشی فوائد سے بڑا نفع نماز کا ہے لہٰذا ہر من پسند مصروفیت کو ترک کے اس کی طرف لوٹو کہ اصل کامیابی اسی میں ہے۔

۱۔ الجمعہ: ۹

۲)۔ حلال و حرام کا امتیاز:

شریعت اسلامیہ طلب معاش میں جائز وسائل اور طیب رزق کی شرائط کے ساتھ مال و متاع حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ زمین میں موجود وسائل و اسباب رزق کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیتی ہے تاہم اسلام اس پر حلال و جائز ذرائع سے حصول کی شرط عائد کرتا ہے۔ اسلام نے طلب معاش پر تعلیمات و احکامات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ریاست مدینہ میں اس کو نظام کے طور پر نافذ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ))[۱]

ترجمہ: کسب حلال کی طلب باقی فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

اسلام کسب حلال کو صالح معاشرے کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ حلال و حرام کے امتیاز کے لیے مفصل تعلیمات عطاء کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ))[۲]

ترجمہ: بلاشبہ حلال بھی واضح ہے اور بلاشبہ حرام بھی واضح ہے۔

رزق حلال صالح تربیت و صالح جسم اور اُخروی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مادہ پرستانہ معاشروں میں مسائل اور بے چینی کی وجہ حلال و حرام کے امتیاز کا فقدان ہی ہے۔ اسلام پوری انسانیت کو حرام سے اجتناب کرتے ہوئے حلال کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا﴾[۳]

ترجمہ: لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ۔

۳)۔ طلب معاش کے مقاصد:

اسلام نے انسان کے سامنے جو بنیادی اصول رکھ دیا وہ یہ ہے: فرمایا:

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾[۴]

ترجمہ: اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

۱۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، حدیث: ۲۷۸۱

۲۔ ایضاً، ح ۲۷۸۱

۳۔ البقرہ: ۱۶۸

۴۔ النجم: ۳۹

اس ضابطہ سے ہر قسم کے Short cut اور چور دروازے سے آگے نکلنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ طلب معاش کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ ایسا تب ہوتا ہے کہ جب ضروریات کی تکمیل کے لیے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیا جاتا ہے۔ کام کاج اور روزگار ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ برائی، بے حیائی اور بدکرداری سے بچاتا ہے۔ اپنے اور اہلِ خانہ کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا اور فرد و معاشرہ کی غربت و افلاس کا مداوہ بھی طلب معاش کے مقاصد میں سے ہے۔ ملکی دفاع، فلاح عامہ اور روزگار کے مواقع پیدا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ان ضروریات کی تکمیل بھی اہم مقصد ہے۔ اسلام نے مملکت پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ معیشت کی بہتری اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے لیے صنعت و حرفت کو فروغ دے۔

۴)۔ سود کی حرمت:

اسلامی نظام معیشت میں سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام نے سود کی ہر صورت و شکل کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے مقابل زکوٰۃ و صدقات کا نظام عطا فرمایا: فرمایا:

﴿ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ﴾[1]

ترجمہ: خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔

اسلام نے سود کی حرمت کا حکم محض اخلاقی بنیادوں پر صادر نہیں کیا بلکہ اس کی حرمت کی اصل وجہ اقتصادی تباہی اور سماجی اور سیاسی مضمرات بھی ہیں۔ بنی اسرائیل کے متعدد معاشرے سود کی تباہ کاریوں کا شکار ہوئے۔ آج عالمی نظام معیشت سود کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام کے باعث عالمی معیشت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ جس بھی ملک نے سود پر قرض لیا اسکی ترقی کی راہیں مسدود ہوئیں و۔ وطن عزیز اس کی ایک مثال ہے۔ سود خوری کے باعث ہر معاشرے میں چند افراد سرمایہ پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ سرمایہ چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ درست اور صحت مند معاشی سرگرمیاں محدود ہو جاتی ہیں اور معیشت تباہی کی طرف چل پڑتی ہے۔

۱۔ البقرہ:۲۷۶

۵)۔ اسراف و تبذیر کی ممانعت:

دین اسلام نے کسب مال کے بعد اس کے تصرف پر جامع اصول وضوابط مقرر کیے۔ بخل و اسراف سے بچتے ہوئے مال کو ضرورت کے عین مطابق خرچ کرنے کا حکم دیا۔ بخل و اسراف معاشی تنگی کا باعث بننے کے علاوہ معاشرے کے تمدن میں تخریب کا باعث بنتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا عَالَ مَنِ اقتَصَدَ))[۱]

ترجمہ: وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی

جہاں بخل فوری محتاجی کا باعث ہے تو اسراف مستقبل میں محتاجی کا باعث بنتا ہے۔ اسراف جائز اشیائے ضروریہ پر ضرورت سے زائد خرچ کرنا ہے، جب کہ تبذیر ناجائز کاموں اور حرام کردہ اشیاء پر مال خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾[۲]

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ۔

پھر فرمایا:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾[۳]

ترجمہ: اور فضول خرچی سے مال نہ اُڑاؤ۔

۶)۔ اصول تجارت:

تجارت کو اللہ تعالیٰ نے "فضل اللہ" قرار دیا۔ بعض روایات کے مطابق دنیا میں دوسرے پیشوں میں جتنا رزق رکھا ہے اس کا 80٪ فیصد رزق تجارت میں ہے۔ جہاں مال اور اس کی گردش زیادہ رہتی ہے وہاں برائی، کرپشن اور فساد کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ اسلام نے تجارت کے اصولوں کو اسی لیے نہایت وضاحت اور تفصیل سے بیان کر دیا۔ ان اصولوں پر کی جانے والی تجارت کو عبادت اور ایسے تاجر کو انبیاء و صدیقین کا ہمنوا قرار دیا: فرمایا:

۱۔ ابن حنبل، المسند، (مسند عبداللہ بن مسعود)، ح: ۴۲۶۹

۲۔ الاعراف: ۳۱

۳۔ بنی اسرائیل: ۲۶

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الاَمِين مَع النَّبِين وَالصِدِّيقِين وَالشُهُدَا))[1]

ترجمہ: صادق وامین تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین و شہدا کے ساتھ ہو گا۔

حدیث سے واضح ہوا کہ تجارت کا بنیادی اصول صداقت اور مانت ہے۔ گویا اشیاء کو فروخت کرتے ہوئے صداقت کا اس حد تک خیال رکھا جائے کہ ان کی خامیاں تک بیان کر دی جائیں۔ دیانت داری یہ ہے کہ اشیاء کی کمی بیشی اور ملاوٹ کے بغیر خریدار تک پہنچایا جائے۔ تجارت کے لیے ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ اس میں لین دین باہم رضامندی سے ہو۔ فرمایا:

﴿إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ﴾[2]

ترجمہ: اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے

اس کے علاوہ کم تولنا، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، دلالی اور دھوکہ دہی کے ہر حربے کو جرم اور گناہ کبیرہ قرار دیا۔ اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاجر کو باکردار، بااخلاق اور تجارتی احکامات سے آگاہ ہونا چاہیے۔ صالح تاجر داعی دین بھی ہوتا ہے۔ دنیا میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص اسلام، مسلم تاجروں کے کردار سے پھیلا۔ ہندوستان میں مسلمان ہونے والا پہلا ہندو مسلم تاجروں سے متاثر ہو کر مشرف با اسلام ہوا۔

۷)۔ حرمتِ ارتکاز:

گردش دولت معاشرے کے بقاء کے لیے اتنی ہی اہم ہے جتنا جسم کے لیے گردش خون۔ جب دل خون کو دوسرے اعضاء تک پہنچانے میں کنجوسی یا سستی کرے گا تو یہ اس کی اپنی بقاء کے لیے خطرہ بن جائے گا۔ اسی طرح جب دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جائے اور پورے معاشرے میں گردش نہ کرے تو ایسی صورت میں وہ کم ہوتے ہوتے ختم ہو جاتی ہے۔ معاشرہ معاشی اعتبار سے مردہ ہو جاتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرہ معاشی طور پر توانا رہے۔ اس لیے زکوٰۃ کو فرض کر دینے کے علاوہ صدقات وخیرات کی ترغیب دی۔ مالدار لوگ عموماً مختلف اشکال میں مال و دولت آپس میں لیتے دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مال و دولت انھی کے درمیان گھومتا رہتا ہے۔ معاشرے کی اکثریت کے پاس جب مال نہیں پہنچتا تو قوت خرید نہیں رہتی اس طرح امیروں کے کاروبار ماند پڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ و صدقات اس مسئلہ کا حل ہے۔ جب امراء سے دولت براہِ راست غرباء تک پہنچتی ہے تو وہ چھوٹے موٹے

۱۔ الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجاء وتسمیۃ النبی ایاھم، ح:۱۲۰۹، حسن، صحیح الترمذی

۲۔ النساء:۲۹

کاروبار پر لگاتے ہیں۔ مال خریدنے کے لیے امراء کی دولت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یوں معاشرہ میں صحیح معنوں میں پیسہ گردش کرتا اور بڑھتاہے۔ سود ارتکاز کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، جسے حرام قرار دیا جب کہ زکوٰۃ وصدقات اس کا توڑ ہیں۔ جن معاشروں میں زکوٰۃ وصدقات جتنا زیادہ ہوں گے وہ اتنے مضبوط ہوں گے۔ اسی لیے کثرت سے صدقات کا حکم دیا۔ فرمایا:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ﴾[1]

ترجمہ: اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

اس طرح پیداوار کو بڑھوتری ملتی ہے اور منصفانہ تقسیمِ دولت کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

۸)۔ حق تملیک و تصرف:

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ زمین اور اس کے وسائل کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اس زمین کے کسی ٹکڑے اور معاشی وسائل پر تصرف کا عارضی اور وقتی مالک ہو گا۔ یہ محدود تملیک و تصرف مالک حقیقی کے عطا کردہ اختیارات اور ضابطوں کے تحت ہو گی۔ ان حدود وقیود سے تجاوز ظلم، جرم اور باعث سزا و عقاب ہو گا۔ فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[2]

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کو ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

انسان کے تملیک اور تصرف میں اختیارات نہایت محدود ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ہم کچھ حاصل کرنے کے تمام ظاہری اسباب رکھتے ہوئے بھی محروم رہتے ہیں۔ بسا اوقات مایوس اور محروم افراد کو ناقابل یقین مال و اسباب حاصل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ﴾[3]

ترجمہ: اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔

۱۔ البقرہ:۲۱۹

۲۔ آلِ عمران:۱۸۹

۳۔ الطلاق:۳

الغرض:

اسلام نے طلب معاش کے تمام وسائل و اسباب کے بارے ایسے بنیادی ضابطے مقرر کیے کہ جن سے معاشی ضرورت کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی ترقی، امداد باہمی، ایثار و عدل اجتماعی اور اخوت و مساوات بھی معاشرے میں عام ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھیے سارا تجارتی قافلہ اہل مدینہ میں مفت تقسیم کر دیا۔ یہ خوبیاں آج کے سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت کے نظاموں میں مفقود ہیں۔

اسلامی معاشی سرگرمیاں اور ان پر مادیت کے اثرات

معاشی سرگرمیوں کا مقصد ضروریاتِ زندگی کے حصول کو ممکن اور آسان بنانا ہے۔ قرآن و سنت نے معاشی سرگرمیوں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی اشیاء و اجرت کو "مال" کا نام دیا ہے۔ انسانی معاشرہ کی دنیوی اور اخروی ترقی و فلاح و بہبود میں مال و اسباب کا گہرہ تعلق ہے۔ اسی بنا پر ہر انسان معززانہ طریقہ سے زندگی بسر کرتا ہے۔ معاشروں کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ شہر آباد ہوتے ہیں اور حکومتیں اپنا نظام چلاتی ہیں۔ مال کی اہمیت کی بنا پر اس کے تصرف میں حکیمانہ اور ذمہ دارانہ طرز عمل کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

(وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا)[1]

ترجمہ: اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لئے سبب معیشت بنایا

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ آیت کی توضیح میں فرماتے ہیں۔ کہ:

"ای لمعاشکم و صلاح دینکم، فلا توتوا السفهاء اموالکم التی تصلح بها امور کم"[2]

ترجمہ: یعنی "اپنی معاش اور اصلاح دین کے لیے جو مال اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ پس یہ مال جس سے تم اپنے مسائل حل کرتے ہو، ناسمجھوں کے ہاتھ میں نہ دینا۔

فرد سے لے کر ارباب اختیار کے انتخاب تک مالی اسباب کے تصرف میں ذمہ داری صرف ان لوگوں کو دینی چاہیے جو اہلیت رکھتے ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے قرآن مجید فرماتا ہے کہ انھوں نے جب عزیزِ مصر سے سرکاری مالی امور کا چارج مانگا تو اس کے لیے اہلیت کو بطور معیار پیش کیا فرمایا:

۱۔ النساء:۵

۲۔ القرطبی، محمد بن احمد بن ابو بکر، الجامع لاحکام القرآن، (بیروت: موءسسہ الرسلہ ۲۰۱۶ھ)، ج:۵: ۳۰/

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾[1]

ترجمہ:(یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔

مال و اسباب کی اسی اہمیت کی بنا پر اسلام نے اس کے ہر مرحلے کے بارے میں مکمل تعلیمات و احکامات عطا کیے۔ ان احکامات و تعلیمات کو اگر منظم کیا جائے تو تین جامع نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(الف)۔ پیدائشِ دولت

(ب)۔ تقسیمِ دولت

(ج):۔ صرفِ دولت

افراد سے لے کر معاشروں اور ممالک کی حکمرانوں تک آغاز تا انجام اسلام مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ دولت کے حصول، اس کی تقسیم اور صرف کے درست مناہج و ذرائع بتاتا ہے۔ یہ احکامات اس قدر وضاحت سے بیان کر دیئے کہ کسی بھی سطح پر مالی بے ضابطگی نظر نہ آئے۔ ساتھ ہی ساتھ ان محرکات کا ذکر بھی کر دیا جو کسی بھی طرح کی جذباتی کیفیت پر اس نظام میں بگاڑ کا باعث بن سکتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان ہی نکات کی روشنی میں اسلامی نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے اسلامی سرگرمیوں پر مادیت کے اثرات کا جائزہ پیش کریں گے۔

(الف): پیدائشِ دولت:

پیدائشِ دولت سے مراد یہ ہے کہ قدرتی وسائل اور انسانی خدمات کو محنت و مہارت کے ساتھ بروئے کار لا کر فرد اور معاشرے کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ انسانی تاریخ کے آغاز میں آبادی کے مختصر اور ضروریات کے سادہ اور کم ہونے کے باعث پیدائش و دلت کا مسئلہ زیادہ ٹیکنیکل نہ تھا۔ اس لیے پیدائشِ دولت کی سرگرمیاں اور وسائل بھی مختصر، سادہ اور کم تھے۔ جوں جوں آبادی بڑھتی گئی معاشی سرگرمیوں کا دائرہ بھی وسعت اختیار کرتا گیا۔ سائنسی ترقی نے آج معاشی سرگرمیوں کو بام عروج تک پہنچایا، پیدائشِ دولت کے کئی نئے وسائل متعارف کرا دیئے، کرنسی اور نوٹ وجود میں آئے، انٹرنیٹ نے کرنسی کو بھی ختم کرنا شروع کر دیا ہے۔ جدید مغربی معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہونے کے باعث پیدائش دولت میں زیادہ منافع کے حصول کے گرد گھومتا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت دنیوی و اخروی خیر و فلاح کے کمال توازن پر قائم ہے۔ اسلامی تعلیمات اس توازن کو قائم رکھنے میں اصول فراہم کرتی ہیں۔

۱۔ یوسف:۵۵

اسلام نے پیدائشِ دولت کے حدود و قیود مقرر کر دیئے۔ ان میں اہم درج ذیل ہیں۔

۱)۔ پیدائش دولت کے لیے ایسی خدمات و وسائل کو بروئے کار لایا جائے جو فرد اور معاشرے کے لیے مفید اور بنیادی ضروریات سے متعلق ہوں۔

۲)۔ ممنوعہ اور نجس وسائل و اشیاء کو پیدائشِ مال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

۳)۔ دولت اور روزگار کے وسائل پیدا کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو اور نہ ہی کسی پر اس کی وسعت سے زائد بوجھ ڈالا جائے۔ فرمایا:

((يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا))[1]

ترجمہ: آسانی پیدا کرو مشکلات نہ کھڑی کرو۔

انفرادی فوائد پر مشتمل روزگار کے وہ وسائل جو اجتماعی طور پر نقصان دہ، مضر صحت اور چھوٹے تاجروں کی بے روزگاری کا باعث بنے، ان سے احتراز کیا جائے۔

۵)۔ پیداشِ دولت کی جستجو اس اعتدال پر قائم ہو کہ فرد اور معاشرہ دینی و دنیاوی دونوں ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہو سکے۔

۶)۔ پیدائشِ دولت کے لیے حرام اور غیر قانونی پیشے، ذرائع اور اشیاء کو نہ اختیار کیا جائے۔ اس لیے کہ آجر واجیر کے علاوہ معاشرہ کے باقی افراد بھی متاثر ہوتے ہیں۔

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَشَاهِدَيْهِ))[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے والے اس کو لکھنے والے اور اس کے گواہ سب پر لعنت فرمائی۔

۷)۔ وسائل معاش کی ترقی کے لیے اسلام نے آجر و اجیر کو باہمی اخلاص اور خیر اندیشی و خیر خواہی اور اس پر احتساب کی نوید بھی دی۔ فرمایا:

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا، ح ۶۱۲۵

۲ ۔ الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاءَ فی اکل الربا، ح ۱۲۰۶، صححہ الالبانی

((أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ،))[1]

ترجمہ: خبردار تم میں سے ہر کوئی نگران اور ہر کسی سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔

پیدائشِ دولت کے ذرائع:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں بسانے کے ساتھ ساتھ اس کی خواہشات وضروریات کی تکمیل کے اسباب وسائل بھی تخلیق فرما دیئے۔ ان کے حصول کے لیے سعی و کوشش کرنے کا حکم دیا۔ یہ بھی سمجھایا کہ زمین و آسمان اور اس کے اندر تمام اشیاء کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ خلیفۃ اللہ ہونے کے باعث ان اشیاء پر انسان تصرف و تملیک قطعی طور پر عارضی ہے۔ یہ ایک نظام ہے جس کا اصل مقصد اخروی فلاح ہے۔ دنیوی مفاد کبھی بھی اخروی مفاد پر برتر نہیں ہونا چاہیے۔۔ فرمایا یاد رکھو کہ:

((اِنَّ الدُّنیَا خُلِقَت لَکُم وَاَنتُم خُلِقُوا لِلاٰخِرۃِ))[2]

ترجمہ: دنیا تمھارے لیے اور تم آخرت کے لیے پیدا کئے گے ہو۔

اس اصول کو مدِ نظر رکھ کر دنیا کی نعمتوں، اسباب اور وسائل کو جتنا اور جس طرح چاہو حاصل اور خرچ کر سکتے ہو۔ دنیا کے وسائل کو ہم تمھارے کنٹرل میں دے رہے ہیں۔ فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾[3]

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔

کھاؤ پیو رب کی فرمانبرداری کرو۔ سجدہ شکر بجالاؤ ایسا نہ ہو کہ دنیوی سبز باغ کو دیکھ کر تم کسی دھوکے کا شکار ہو جاؤ کیوں کہ:

((اِنَّ الدُّنیَا حُلوۃٌخَضِرَۃٌوَ اِنَّ اللہ مُستَخلِفَکُم فیھا، فَینظُرَ کَیفَ تَعمَلُون))[4]

ترجمہ: بلاشبہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمھیں اس میں نیابت عطا کرتے ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کس طرح کے اعمال کرتے ہو۔

۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارہ، باب مایلزم الامام من حق الرعیۃ، ح۲۹۲۸، صححہ الترمذی

۲۔ البیھقی، ابی بکر احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، شعب الایمان، ح۱۲ / ۱۵۳

۳۔ البقرہ:۲۹

۴۔ النووی، عیسیٰ بن شرف الدین، ریاض الصالحین، باب التقویٰ، (کویت: مکتبہ اسلامیہ)، ح:۷۰

حدیث مبارکہ میں دنیا کو میٹھی اور سرسبز قرار دیا۔ جب کسی چیز میں یہ دونوں خوبیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو وہ آنکھوں کو بھلی لگتی ہیں۔ پھر دل میں اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد انسانی فطرت اس کی طلب میں اندھی، بہری ہو جاتی ہے۔ اس کے حصول کو مقصد زندگی کے طور پر اپنا لیتی ہے۔ دنیا میں چونکہ حلاوت و حسن صورت دونوں فطرتاً موجود ہیں اس لیے اس بات کا قوی امکان ہے کہ انسان اس کے باعث دھوکہ کھا جائے۔ دنیا اور اس کے متاع کو اصلی مقصد زندگی اور نصب العین بنا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے۔ دنیا جس کا خود انجام فنا ہے۔ تو اس کی چمک دمک اور مال کو کیسے بقا حاصل ہو سکتی ہے۔

﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ﴾[1]

ترجمہ: پس تمھیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔

اس حقیقت کو نصب العین بنانے کے بعد اسلام نے پیدائشِ دولت کے ذرائع اور اس کی سرگرمیوں کو اپنانے کی کھلی چھٹی دی۔

﴿ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیؤ اور بے جا نہ اڑاؤ کہ خدا بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں پھیلے ہوئے پیدائشِ دولت کے ذرائع کو اگر جمع کیا جائے تو اس کی درج ذیل صورتیں بنتی ہیں۔

(الف): قدرتی وسائل　　　(ب): زراعت

(ج): تجارت وصنعت و حرفت　　　(د): ذرائع نقل و حمل

(الف)۔ قدرتی وسائل:

معاشی سرگرمیوں کا انحصار قدرتی وسائل پر ہے۔ معدنیات کی ہزاروں اقسام (جس میں سونا، چاندی، سیسہ، نمک، گیس، کوئلہ اور تیل وغیرہ شامل ہیں) قدرت کی طرف سے عطا کردہ انعامات ہیں۔ آج عالمی معیشت اور انسانی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ﴾[3]

۱۔ القمان:۳۳

۲۔ الاعراف:۳۱

۳۔ الانبیاء:۳۰

ترجمہ: اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔

دور جدید میں پانی معاشی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ بارش پھر چشمے، ندیاں، دریا، ڈیم و تالاب یہ سب پینے کے علاوہ زراعت، صنعت، جانوروں اور ان کی ضروریات میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پن بجلی آج کے دور میں پیدائش دولت کا بڑا ذریعہ ہے۔ کروڑوں افراد کا روزگار اس سے وابستہ ہے۔ چراگاہیں اور جنگلات بھی قدرتی وسائل اور پیدائش دولت کا ذریعہ ہیں۔ یہ اور ان کے علاوہ جتنے بھی پیدائشِ دولت کے قدرتی وسائل ہیں اسلام نے ان کو فلاح عامہ کے پیش نظر ہر قسم کے تسلط و قبضہ سے آزاد عوامی ملکیت میں دے دیا۔

اس کا جامع ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ عبس میں کیا۔ آغاز میں کہا "فلینظر انسان الی طعامہ (۲۴) اس آیت میں "طعامہ" سے ساری معیشت اور پیدائش دولت کی طرف اشارہ فرمایا، پھر کہا ہم نے پانی عطا کیا، زمین کو شق کر کے اس میں سے ہر قسم کے نباتات پیدا کیے وغیرہ وغیرہ آخر میں فرمایا:

﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ﴾[۱]

ترجمہ: (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے لیے بنایا۔

مادی اشیاء کے ذکر کے فوراً بعد فرمایا کہ یہ سب تو سامانِ دنیا ہے اس میں گم نہ ہو جانا کہ اس کے بعد آخرت نے بھی آنا ہے جہاں مادی اشیاء کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ﴾[۲]

ترجمہ: تو جب (قیامت کا) غل مچے گا۔

سبحان اللہ، مادیت اور روحانیت کے اس خوب صورت امتزاج کے بیان کے بعد روحانیت کو مادیت پر کتنی خوبصورتی سے ترجیح دی۔

(ب)۔ زراعت:

زراعت پیدائش دولت کا وسیع شعبہ ہے۔ دنیا کی اکثر معاشی سرگرمیوں کی بنیاد ہے۔ کھیت اور کھیت سے

۱۔ عبس:۳۲

۲۔ عبس:۳۳

منڈیوں اور پھر ملوں ور فیکٹریوں سے ہوتے ہوئے عام آدمی تک پہنچتے پہنچتے زرعی پیداوار کئی مراحل سے گزرتی ہیں۔ ہر مرحلہ میں لاکھوں لوگوں کا اس سے روزگار وابستہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے زمین کا اصل مالک اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ انسان کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں جب تم مردہ بیج بوتے ہو تو تم سوچو کہ اس کو اگاتا کون ہے؟

﴿أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ﴾[1]

ترجمہ: کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں؟

سورۃ زخرف میں اس سوال کا جواب پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور جس نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا۔ پھر ہم نے اس سے شہر مردہ کو زندہ کیا۔ اسی طرح تم زمین سے نکالے جاؤ گے۔

آیت بتاتی ہے کہ مادی دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش اپنی جگہ مگر عقل والو! اس میں کھو کر آخرت کو فراموش نہ کر بیٹھنا۔ دیکھو تو جس طرح تم مردہ بیج کو کھیت کے قبرستان میں دفناتے ہو تو ہم اس مردہ سے زندہ پودا نکالتے ہیں یونہی تمھیں بھی قیامت کو اٹھایا جائے گا۔ (کذالک تخرجون) مادیت سے روحانیت کے سفر کی کیا شاندار مثال ہے۔

﴿ كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴾[3]

ترجمہ: اسی طرح تم زمین سے نکالے جاؤ گے۔

(ج)۔ تجارت و صنعت و حرفت:

انسان نے اپنی ضرورت کے لیے جب ذراعت کا آغاز کیا تو فطرت نے اُسے اوزار و ہتھیار کی تیاری کا علم عطا کیا۔ آبادی میں اضافے اور علمی ترقی نے صنعت و حرفت کو وجود بخشا۔ چھوٹے ہتھیاروں سے بڑی مشینوں تک کے اس سفر نے انسان کے لئے پیدائش دولت کا نیا دروازہ کھول دیا۔ دولت کے زیادہ اور تیز تریں حصول کا آج اس سے بڑا کوئی اور ذریعہ نہیں، صنعت و حرفت نے تجارت کو وجود دیا۔ قرآن مجید بتاتا ہے۔ صنعت و حرفت کا آغاز ابنیاء کرام سے ہوتا ہے۔

۱۔ الواقعہ: ۷۲

۲۔ الزخرف: ۱۱

۳۔ الزخرف: ۱۱

ابتدائی الات آدمؑ نے متعارف کرائے۔ نوح
نے بحری جہاز بنایا۔ ایوب کے لئے اللہ تعالیٰ نے
لوہے کو اس طرح نرم کر دیا کہ وہ بڑی مہارت سے اس سے ہر چیز بنا لیتے۔ فرمایا:

﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک (طرح) کا لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے۔ پس تم کو شکر گزار ہونا چاہیئے۔

فراعنہ مصر کا دور بھی صنعتی اعتبار سے خاص شہرت رکھتا ہے یوں ہی انبیاء کرام کسی نہ کسی صنعت و حرفت کے بانی تھے۔ نبی اکرم تجارت کیا کرتے تھے۔ قرآن میں جابجا صنعت و حرفت کا ذکر ملتا ہے۔ آج صنعت و حرفت انسانی تاریخ کی بلند تریں سطح پر پہنچ چکی ہے۔ اس نے پیدائش دولت کی کئی نئی راہیں متعارف کرا دیں ہیں۔

(د)۔ ذرائع نقل و حمل:

کھیتوں کی پیداوار دور دراز علاقوں سے معدنیات اور خام مال اور سامان تجارت کو علاقائی اور بین الاقومی مارکیٹ تک پہنچانے کا کام بھی پیدائش دولت کا اہم ذریعہ ہے۔ قدیم دور میں جانوروں سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ مشین کی ایجاد نے اس میں وسعت پیدا کرنے کے علاوہ رفتار میں بھی اضافہ کر دیا۔ اس کی جانب سورۃ النحل کی آیت ۸ میں لطیف اشارہ موجود ہے۔ فرمایا "ہم نے تمہاری سواری کے لیے گھوڑا، گدھا اور خچر پیدا کیا"۔ آیت کے آخر میں فرمایا:

﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں۔

اس سے مراد آج کی جدید زرائع نقل حمل ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید نے نقل حمل کے متعلق سب سے زیادہ بحری جہازوں کا ذکر کیا۔

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور اس لیے بھی (دریا کو تمہارے اختیار میں کیا) کہ تم خدا کے فضل سے (معاش) تلاش کرو تاکہ اس کا شکر کرو۔

۱۔ الانبیاء:۸۰
۲۔ النحل:۸
۳۔ النحل:۱۴

آج دنیامیں سب سے زیادہ تجارت بحری جہازوں کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔"وبتسعوا من فضلہ "سے تجارت ہی کی طرف اشارہ ہے۔

ہ)۔ پیدائش دولت پر مادیت کے اثرات:

اسلام کا معاشی نظام اشتراکیت اور سرمایاداریت کی افراط و تفریط کے بیچ اعتدال کی راہ ہے۔اسلام اپنے اپنے پیروکاروں کومال کمانے اور طلبِ معاش میں شتر بے مہار نہیں چھوڑتا۔جائز و ناجائز کی تعلیم و تربیت اور حلال حرام کے احکام مقرر کرتا ہے۔ان تعلیمات و احکامات کی بنیاد فرد کے مفادات کے ساتھ ساتھ معاشرے کی فلاح و ترقی پر قائم کی گئی ہے۔قرآن مادیت وروحانیت کی راہوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾[1]

ترجمہ:اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اُس سے خدا کی رضا مندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجبِ برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔

پیدائش دولت میں جب سوداپنی تمام اشکال کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے تومادیت کا بڑادروازہ تقریباً بند ہو جاتا ہے۔بصورت دیگر مادیت اپنے پورے لاو لشکر کے ساتھ حملہ آور ہو کر پوری معیشت پر قابض ہو جاتی ہے۔جیسے آج ہو رہاہے۔مادیت نے انسان کو زیادہ کے شوق اور فقر کے حرف میں مبتلا کر کے پیدائش دولت کے ناجائز اور حرام زرائع اختراع لئے۔اس میں کچھ قدیم اور کچھ جدید ہیں۔چند نمایاں درجہ ذیل ہیں:

- ☆سود ورشوت
- ☆قحبہ خانے کینوز اور نائٹ کلب
- ☆ناپ تول میں کمی
- ☆جوااور لاٹری وغیرہ
- ☆ملاوٹ و جعلسازی
- ☆یتیم اور کمزور کا مال ہڑپ کرنا
- ☆شراب اور حرام کاروبار
- ☆ بت گری اور بت خانوں کی خدمات
- ☆جوااور جواخانے
- ☆بدزبانی اور غصب

ا۔الروم:۳۹

☆فلم وموسیقی کی صنعت ☆بیوٹی انڈسٹری

☆پورنوگرافی ☆فائیوسٹار ہوٹل

ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہی گناہ کئی نئے گناہوں کو جنم دیتے ہیں۔

"ان الماصی تزرع امثالها، وتولد بعضها بعضاً"[1]

ترجمہ: نافرمانی اپنی طرح کے گناہ بوتے ہیں اور ہر گناہ دوسرے گناہ کو جنم دیتا ہے۔

پیدائش دولت معاشی نقطہ آغاز ہے۔ بے لگام سرمایادارانہ نظام نے اس پر مندرجہ بالا صورت میں نقب لگا کر فطری نظام معیشت کو مسخ کر دیا۔ اس کو جدید سرمایادارانہ نظام کا نام دیا۔ یوں دنیا میں اس نظام کو زبردستی مسلط کر دیا گیا۔ اس کی بنیاد سود پر ہے۔ کاروباری ہو یا بینکنگ کا نظام، سود کی ہزاروں اشکال کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ شائد ہی کوئی فرد اس سے بچ پاتا ہو۔ سود کے جواز کی ایک ہی دلیل پیش کی جاتی ہے یہ:

﴿قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾[2]

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے۔

اسلام نے سود کی ظاہری اور باطنی قباحتوں کے باعث اس کو کبائر میں شامل کرتے ہوئے اس کی قباحت کو یوں بیان فرمایا:

﴿الرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ﴾[3]

ترجمہ: سود کی ستر اقسام ہیں اس کے کم ترین قسم کا گناہ اتنا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرے۔

لین دین میں "ربالفضل" تک کو حرام قرار دے کر سود کے آخری جواز کا راستہ بھی بند کر دیا فرمایا:

((الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، مَنْ زَادَ، أَوِ ازْدَادَ، فَقَدْ أَرْبَ))[4]

ترجمہ: ایک دینار کو دو دینار کے بدلے اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے اور ایک صاع کو دو صاع کے بدلے مت بیچو۔

۱۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الجواب الکافی لمن سئل عن دواء الشافی، (المغرب: دارالمعرفۃ)، ص ۱/۵۵

۲۔ البقرہ: ۲۷۵

۳۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارۃ، باب التغلیظ فی الربا، ح ۲۲۷۴

۴۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب بیع الطعام مثلاً بمثل، ح ۴۰۸۸

رشوت مادیت کے ناسوروں میں سے ایک ناسور ہے۔ جیسے دنیا میں نت نئی ایجادات و دریافت وجود میں آ رہی ہیں۔ ایک ہی چیز آئے روز نئی اور حیرت انگیز شکل میں تخلیق ہو رہی ہے، یونہی رشوت بھی نئی نئی اشکال میں وجود میں آ رہی ہے۔ روپیوں اور ڈالر کی رشوت، گاڑی، بنگلہ اور بیرونِ ملک سیر و سیاحت کا ٹکٹ۔ افسران و وزیر ان تحائف کی شکل میں رشوت لیتے ہیں۔ مذہبی و دیندار طبقہ، نذرانے کی صورت میں رشوت لے رہا ہے۔ غیر قانونی اور حق تلفی کہیں اور کہیں حق کے حصول کے لئے رشوت دی جاتی ہے۔ ایک سے پوچھا گیا کہ آپ کے کام جلد ہو جاتے ہیں کیسے؟ کہا، میں فائیلوں کو ٹائیر لگاتا ہوں تو تیز چلتی ہیں، دنیا میں بالعموم اور وطن عزیز میں خاص طور پر یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ نائب قاصد سے لے کر ملک کے اعلیٰ ترین عہدوں پر براجمان افراد رشوت کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ رشوت کا آغاز یہود نے کیا۔ قرآن بتاتا ہے کہ باقی تو درکنار یہ لوگ رشوت کی لالچ میں تورات کے احکام بھی بدل دیتے تھے۔

﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾[1]

ترجمہ: میری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو۔

تاہم ظالم و جابر سے اپنا حق اور مال و آبرو بچانے کے لیے رشوت دینے والا گناہ گار نہیں۔ پیدائش دولت کی ایک قبیح شکل، عصرِ حاضر میں پائے جانے والے قحبہ خانے، کسینوز اور نائیٹ کلب ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک مغربیہ میں ا نھیں قانونی طور پر اجازت حاصل ہے۔ مسلم ممالک میں چھپ چھپا کر مختلف ناموں کے پس پردہ یہ مکروح دھندہ جاری ہے۔ منی سینما گھر، بس اڈوں، بڑے شہروں کے تجارتی مراکز، بیوٹی پارلرز، کلب، قحبہ خانے اور فائیو سٹار ہوٹلز، نشہ و بدکاری کے سہارے روزگار دے اور حاصل کر رہے ہیں۔ بااثر افراد کی ملی بھگت سے چلنے والے برائی کے ان اڈوں کی خبریں ہمارے ہاں اکثر گردش کرتی ہیں۔

تجارت ایک مقدس پیشہ ہے تاہم مادیت نے اُن کو بھی آلودہ کر دیا۔ ماپ تول میں کمی، ملاوٹ و جعلسازی اور جوا اور لاٹری کی مختلف اقسام سے عام آدمی کی جیب کاٹی جا رہی ہے۔ چائے کی پتی سے لے کر ادویات تک ملاوٹ عام ہے۔ یتیم و کمزور کو لوٹ کر مال بنانے کا دھندہ عام ہے۔ پریشر گروپ اور کرائے کے بدمعاشوں کے ذریعہ شرفاو ضعفاء کو لوٹا جاتا ہے۔ بھتہ دیئے بغیر کوئی شخص کاروبار نہیں کر سکتا۔ کراچی کے ماضی کے حالات اس کی دلیل ہیں۔

۱۔ البقرہ: ۴۱

شراب ومنشیات کا کاروبار انرجی ڈرنک کے نام پہ کئی ایک مشتبہ اشیاء کے کاروبار کو بھی پیسہ بنانے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ نائیٹ کلب، بڑے ہوٹلز اور مادہ پرستوں کے تہوار، بازار اور محافل ان تجربات کے بغیر نامکمل سمجھی جاتی ہیں۔ فحاشی کے مختلف ذرائع بھی پیدائشِ دولت کا ذریعہ بنالیے گئے ہیں۔ فحش فلمی اور موسیقی کو آج صنعت کا درجہ حاصل ہے۔ امیر کن بیوٹی انڈسٹری ایک ماہ میں میک اپ کے سامان پر جتنا خرچ کرتی ہیں وہ پاکستان کے سالانہ بجٹ سے بھی زیادہ ہے۔

حد دیکھیں کہ پورنوگرافی پر مبنی فحاشی وبدکاری کو آج مغرب میں انڈسٹری کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے ممبران پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شرمناک واقعات کی وڈیوز بنائی اور نشر کی جاتی ہیں۔ جوا اور جوا خانے کو بھی تھوڑے وقت میں زر کثیر کمانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مغربی ملکوں کے علاوہ اسلامی ممالک میں بھی بڑے بڑے جوا خانے قائم ہیں کرکٹ میچ سے لے کر سیاست کے ایوانوں تک کے ہر شعبہ میں جوا عام ہے۔ ملائیشیا میں ایک طویل و عریض عمارت جوا کے لیے خاص ہے جہاں پوری دنیا کے بااثر افراد جوا کھیلتے ہیں۔ مادہ پرستی نے بددیانتی اور غصب کو فوری آمدن کے ایک ذریعہ کے طور پر متعارف قرار دیا۔ یہ عام آدمی سے لے کر اشرافیہ تک ہر کوئی بددیانتی پہ کمربستہ ہے۔ گاڑی کا ڈرائیور، گاڑی کی مرمت اور پیٹرول میں بددیانتی کرتا ہے تو اعلیٰ اقتدار میں بیٹھے افراد ملکی سرمایہ میں بددیانتی، غبن اور لوٹ مار کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ مادیت نے پیدائشِ دولت کے ہزاروں ناجائز دھندے متعارف کرائے جن میں چند اہم درج بالا تھے۔ باقی تمام انھی کے سایہ میں پروان چڑھتے ہیں۔ اسلام نے ان ذرائع کی حرمت کے علاوہ ناجائز خدمات کو بھی حرام قرار دیا۔ جیسا کہ سود اور شراب کے بارے میں فرمایا کہ:

((آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ»، وَقَالَ: «هُمْ سَوَاءٌ))[1]

ترجمہ: سود کھانے اور کھلانے والا، لکھنے والا اور گواہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

(ب): تقسیم دولت:

پیدائشِ دولت کے بعد تقسیم دولت کے بڑے اور اہم مرحلے کا آغاز ہوتا ہے۔ تقسیمِ دولت کا تعلق معاشرے کی اجتماعی معیشت کے ساتھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ تقسیمِ دولت میں اگر اجتماعی عدل کا خیال رکھا جائے تو پورا معاشرہ عدل وانصاف اور اس کے اثرات سے مستفید ہوتا ہے۔ تقسیمِ دولت کے غیر منصفانہ ہونے کے باعث مال چند

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب لعن رسول اللہ ﷺ آکل الرباء وموکلہ، ح ۴۰۹۳

امراء کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ عوام کی قوتِ خرید کم ہونے کی صورت میں اغنیاء کے کاروبار بھی ماند پڑنا شروع ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ روزگار کی صلاحتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ معاشرہ طبقات میں منقسم ہو جاتا ہے۔

اسلام کا معاشی نظام تمام مسائل کا حکیمانہ حل پیش کرتا ہے۔ اس کی بنیاد روحانیت اور مادیت کے خوبصورت توازن پر قائم ہے۔ دین کے ساتھ ساتھ معاشی سرگرمیوں اور رزق حلال کو بھی خصوصی اہمیت دی۔ آپ ﷺ نے خود دعا مانگی۔ فرمایا:

((اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ))[1]

ترجمہ: اے اللہ! اتنا حلال رزق عطا کر کہ حرام سے بچ جائیں اور اپنا ایسا فضل عطا فرما کہ ہر چیز سے مستغنی کر دے۔

اسلام نے تقسیمِ دولت پر ایک مکمل لائحہ عمل دیا ہے۔

تقسیمِ دولت کا بنیادی مقصد:

اسلام کے معاشی نظام میں تقسیم دولت کا اصل مقصد فلاح عامہ ہے۔ اس لیے اسلام اپنے پیروکاروں سے مطالبہ کرتا ہے کہ ضروریات سے زائد مال واسباب جو بھی ہے اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر تقسیم کر دو بصورتِ دیگر اگر تم مال جمع ہی کرتے ہو تو شریعت کی مقرر کردہ مال و جنس پر زکوۃ ادا کرو۔ زکوۃ کو بیت المال جمع اور تقسیم کرے گا۔ تقسیم کے لیے آٹھ شعبے مقرر کر دیئے۔ ان مستحقین اور فلاح کے کاموں پر اگر امداد پہنچے تو عوام معاشی فکر سے آزاد ہو جائیں۔ جدید مادہ پرستانہ نظام معیشت نے فرد اور معاشرے کو خود غرضی اور معاشی خود کفالت کا جو درس دیا اس نے ہر فرد کو خوف میں مبتلا کر دیا کہ اگر وہ بوڑھا یا معذور ہو گیا تو اس کی کفالت کون کرے گا۔ ایسے میں مادہ پرست بیمہ پالیسی اور انشورنس کی صورت میں سہانا خواب دکھا کر اس کو لوٹ لیتے ہیں۔ اسلام میں بیت المال معاشرے کی اجتماعی وانفرادی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے مسلم معاشرہ میں معاشی طور پر کبھی بھی عدم تحفظ کا احساس پیدا نہیں ہوتا، کرونا کے باعث بے روزگار ہونے والے لاکھوں لوگوں کی دادرسی کسی نے نہ کی۔ یہ مادہ پرستانہ معیشت کے باعث ہے۔ تقسیم دولت کے چند اہم اسلام ذرائع درجہ ذیل ہیں۔

☆زکوۃ خیرات	☆اجرت	☆وراثت
☆حادثات میں مالی امداد	☆مال غنیمت	☆وسائل کی تقسیم

ا۔ الترمذی، کتاب الدعوات، باب الدعاءلاداءِالدین، ح:۳۵۶۳، حدیث حسن صحیح

زکوٰۃ تقسیمِ دولت کا خوب صورت فطرتی نظام ہے جس کے تحت ہر علاقہ کے اغنیاء اسی علاقہ کے فقراء کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس صورت میں قوم معاشرتی اعتبار سے مستحکم ہونے کے ساتھ معاشی اعتبار سے بھی مضبوط اور ترقی یافتہ ہو جاتی ہے۔ ریاست مدینہ کے قیام کے بعد دو ہجری کو زکوٰۃ فرض ہوئی تو اہل مدینہ کے معاشی مسائل و مشکلات ختم ہونا شروع ہوئے۔ مدینہ کے آس پاس یہود نے سود کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ عام عوام کو سود کی بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا۔ جس کے باعث غربت و افلاس نے ڈیرے جما رکھے تھے۔ زکوٰۃ نے سود کے جن کو بوتل میں بند کر کے خیبر کے قلعوں تک محدود کر دیا۔ زکوٰۃ و صدقات عام ہوئے اور سود خوری مٹنے لگی۔

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾[۱]

ترجمہ: خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔

زکوٰۃ کے بعد تقسیمِ دولت کا دوسرا بڑا ذریعہ وراثت ہے۔ اسلام نے ترکہ و وراثت کو باقاعدہ قانون کی شکل دی پھر قانون پر عمل کرنے کا حکم بادشاہ کل کائنات نے خود جاری کیا۔

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾[۲]

ترجمہ: خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔

ویسے تو قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر فالتو چیز کو خرچ کرو تاہم پھر بھی اگر کوئی کسی شکل میں مال و زر کو جمع کر لیتا ہے تو اس دولت کو زندگی میں یا مرنے کے بعد اس کی اولاد و اقارب میں تقسیم کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح مال غنیمت اور مال فے بھی تقسیم دولت کے اہم شعبوں میں سے ہیں۔ اس مال کا سرچشمہ جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا حکم اور طریقہ قرآن میں نازل فرمایا:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ ۖ قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ﴾[۳]

ترجمہ: (اے محمد! مجاہد لوگ) تم سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ (کیا حکم ہے) کہہ دو کہ غنیمت خدا اور اس کے رسول کا مال ہے۔

۱۔ البقرہ:۲۷۶

۲۔ النساء:۱۱

۳۔ الانفال:۱

اسلام کے تقسیمِ دولت کے طریقہ کار میں یہ بات ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے کہ فقراء وغرباء کو اس کا اصل حقدار قرار دیا گیا۔ تقسیمِ دولت کا ایک عصری ذریعہ خدمات کے بدلے اجرت ہے۔ سرکاری و غیر سرکاری محکمے ملازمین کو بھرتی کرتے ہیں اور انھیں ہفتہ وار، ماہانہ یا روزانہ کی بنیاد پر اجرت (تنخواہ) دیتے ہیں۔ یہ تنخواہ آج تقسیمِ دولت کا بڑا ذریعہ ہے۔ حادثات میں مخصوص فنڈز اور خیرات کی تقسیم بھی تقسیمِ دولت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ جن علاقوں میں قدرتی آفات یا جنگوں کے باعث مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں وہاں کے لوگوں تک مال و اسباب کو پہنچایا جاتا ہے۔ اہلِ مکہ کو جب قحط کا سامنا ہوا تو آپ ﷺ نے غلہ اور نقدی روانہ کی۔ قریش اسلام اور نبی اسلام ﷺ کے دشمن تھے۔ اس کے علاوہ قدرتی وسائل بھی تقسیمِ دولت کا ایک ذریعہ ہیں ان پر عموماً حکومتِ وقت کی دسترس ہوتی ہے۔ ان وسائل پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کا برابر حق رکھا ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان وسائل کو میرٹ پر اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر حقداروں تک پہنچائیں۔ یہ تقسیم بلا امتیاز نسل و قوم، فرقہ و مذہب و علاقہ ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ))[1]

ترجمہ: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا بھی سونا ہو تا تو یہ میرے لیے تب مسرت کی بات ہوتی کہ میں اسے تین دنوں میں اس طرح خرچ کرتا کہ اس میں میرے پاس کچھ نہ بچ پاتا۔

تقسیمِ دولت کی ان اقسام کے علاوہ خرچ، وصیت، کفارہ صدقۃ الفطر، کفالت، صدقہ و خیرات اور وقف و ہبہ کی سینکڑوں صورتیں ہیں۔

تقسیمِ دولت پر مادیت کے اثرات:

اسلام کی نظر میں پیدائشِ دولت کو معاشی سرگرمیوں میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پیدائشِ دولت میں اگر فکری و عملی کوتاہی واقع ہو جائے تو تقسیمِ دولت کا نظام لازماً متاثر ہوتا ہے۔ اسلام امت مسلمہ سے اس بات کا سختی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان دونوں مراحل پر کڑی نظر رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جو پانچ لازمی سوال ہر فرد سے پوچھے جائیں گے ان میں سے دو یہ ہوں گے۔

((وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ))[2]

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقائق، باب اداءِ الدیون، ح۲۳۸۹

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص، ح۲۴۱۷، حسن صحیح

ترجمہ: اور اس کے مال کے بارے پوچھا جائے گا کہ کمایا کہاں سے اور کس کام میں صرف کا؟

اسلام چاہتا ہے کہ پیدائش کا دائرہ وسیع کر دیا جائے۔ چند افراد کی معاشی ترقی کتنی زیادہ کیوں نہ ہو بند گلی کی طرف جاتی ہے۔ اصل معاشی ترقی اس کو کہا جاتا ہے جہاں معاشی دوڑ میں آگے نکلنے والے گرے ہوؤں کا ہاتھ تھام کر اس دوڑ میں شامل کریں۔ تقسیمِ دولت میں "ارتکاز" بڑی رکاوٹ ہے۔ اسی لیے اسلام نے اسے کبائر میں شمار کیا۔ اسلام تقسیمِ دولت کے دائرے میں پورے معاشرے کو بالعموم اور سائل و محروم کو بالخصوص شامل کرتا ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام اس کا عکس ہے۔ اس نظام نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ دولت صرف انھی لوگوں پر تقسیم کی جاسکتی ہے جو اس کی پیدائش میں عملاً حصہ لے رہے ہوں۔ اس نظام کا ردِ عمل اشتراکیت ہے۔ ان کے ہاں دولت کی تقسم کا کوئی نظام سرے سے ہی نہیں۔ دولت پر صرف اور صرف حکومت کا قبضہ رہتا ہے۔ عوام سب محنت کرتے ہیں۔ بدلے میں روٹی کپڑا اور مکان کے علاوہ ان کے حصہ میں کچھ نہیں آتا۔ عصرِ حاضر میں سرمایہ دارانہ نظام عالمی طاقتوں کی پشت پناہی کے باعث غالب نظام کے طور پر دنیا پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد مادیت پر ہے۔ اس نظام میں دولت چند ہاتھوں تک محدود ہو جاتی ہے اور اکثریت بھوک سے مرتی ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ بتاتی ہے کہ:

"دنیا کی تمام دولت کا ۴۰٪ حصہ صرف ایک فیصد امیر ترین افراد کے پاس ہے باقی دنیا کے ۱۰٪ مالدار طبقہ دنیا کی ۸۵٪ فیصد دولت پر قابض ہے۔ دنیا کی آدھی آبادی صرف ایک فیصد دولت پر گزارا کر رہی ہے۔[1]

مادی فکر نے نظام وراثت کو سخت متاثر کیا۔ وڈیرے، جاگیر دار اور سرمایہ دار اپنی بیٹیوں کی شادی اس بنا پر نہیں کرتے کہ انھیں جائیداد اور مال میں حصہ دینا پڑ جائے گا۔ قرآن کے ساتھ نکاح کی قبیح رسم کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ آجر اجیر کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اپنی دولت میں اضافے کی خاطر کم اجرت دینا، زیادہ بوجھ ڈالنا اور حقارت آمیز رویہ کے واقعات زبان زد عام ہیں۔ حادثات و آفات میں حکومت اور چھوٹے بڑے فلاحی ادارے عوام سے چندہ و فنڈز جمع کرتے ہیں۔ اس موقع کو مال بنانے اور جیب بھرنے کا موقع سمجھا جاتا ہے۔ ۲۰۰۵ء کا زلزلہ ہو یا ۲۰۲۰ء کی کرونا وباء میں جمع ہونے والے فنڈز میں خورد برد کے واقعات اخبارات نے چھاپے۔ وسائل تقسیم میں اشیاء و خدمات سبھی شامل ہیں۔ قومی خزانہ ہو یا نوکریاں، پانی کی تقسیم ہو یا بجلی و گیس، سرکاری گندم کی خریداری ہو یا دوسرے قومی وسائل، ہر جگہ لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ سرکاری گندم گوداموں سے غائب کر دیجاتی ہے۔ مارچ

(1) The rich, redly do owth the world-5, December, 20006, 1

۲۰۲۰ء کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کے بااثر افراد نے آٹا و چینی ملی بھگت سے باہر پہنچا کر ملک میں قلت پیدا کی۔ حکومت اور عہدے کے حصول کا مقصد مال بنانا بن گیا ہے۔ مال بنانے کی اس مسابقت میں ان افراد کو نہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے نہ دین کا پاس صرف مال حکومت وہاں پیسہ لگاتی ہے جہاں سے اسے سیاسی و معاشی فوائد ہوں۔ پھر نور علیٰ نور یہ کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے بنکوں میں مذہب و مسلک کے بدلنے کے سرٹیفکیٹ جمع کئے جاتے ہیں۔ اسلام نے پہلے ہی باخبر کر دیا کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾[1]

ترجمہ: خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا دِينَ لِمَن لَا أَمَانَةَ لَهُ﴾[2]

ترجمہ: وہ دین دار نہیں جو امانت دار نہیں۔

الغرض: مادیت نے جس طرح تقسیم دولت کے نظام کو متاثر کیا ہے۔ اس سے دنیا میں معاشی ناہمواری و ناانصافی عام ہو چکی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف آوازیں بلند ہونا شروع ہو چکی ہیں۔ یہ نظام بھی ناکامی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

(د) صرفِ دولت:

صرف سے مراد مال و دولت کو خرچ کرنا۔ معاشی سرگرمیوں میں صرف دولت تیسرا اہم مرحلہ ہے۔ اسلام نے صرفِ دولت کے متعلق جامع احکامات و تعلیمات دی ہیں َصرفِ دولت کی مقدار کو ضرورت کے عین مطابق رکھنے کا حکم دیا۔ اس کو اقتصاد و اعتدال کی راہ قرار دیا۔ یہ بھی بتایا کہ معاشی مشکلات سے بچنے کا یہ اصل طریقہ ہے۔

﴿مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ﴾[3]

ترجمہ: وہ محتاج نہ ہو جس نے اعتدال کی راہ اختیار کی

---

۱ ۔ النساء:۵۸

۲ ۔ ابن حبان، الصحیح، باب الاسراف فی النفقۃ، ح۱۹۴، حدیث حسن صحیح

۳ ۔ ابن حنبل، المسند، (مسند عبد اللہ بن مسعود)، ح۴۲۶۹، حدیث حسن

اعتدال، بخل و اسراف کے درمیان کی راہ کو کہا جاتا ہے۔ ضرورت سے کم خرچ کرنا بنیادی طور پر ہے ہی محتاجی، ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا آنے والے دنوں میں محتاجی کا لازمی سبب بن جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اخراجات میں اعتدال کا حکم دیتے ہوئے کھلا خرچ کرنے میں محتاجی کا عندیہ دیا۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾[1]

ترجمہ: اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی دے ڈالو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔

صرفِ دولت میں اسلام نے ایک سادہ سا اصول دیا ہے وہ یہ ہے کہ اسراف اور تبذیر سے بچتے ہوئے مال و دولت کو جہاں چاہیں جیسے چاہیں خرچ کرسکتے ہیں تاہم اسراف، و تبذیر سے منع کیا۔ اسلام نے تبذیر کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾[2]

ترجمہ: فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔

صرفِ دولت پر مادیت کا اثر:

جائز اور حلال چیزوں پر اصولِ اقتصاد کی پابندی کرتے ہوئے صرفِ دولت پر کوئی قید و حد مقرر نہیں کی گئی۔ انسان صرف دولت سے تمام آسائشوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ معاملہ وہاں سے خراب ہونا شروع ہوتا ہے جہاں سے ہم اعتدال کی حد کو پھلانگ کر اسراف و تبذیر کی طرف نکل جاتے ہیں۔ صرف دولت میں مادیت کا یہ نکتہ آغاز ہے۔ آج ہم اسراف و تبذیر کے کئی مظاہر روزمرہ زندگی میں ملاحظہ کرتے ہیں۔

صرف دولت کے مادی پہلو

اسراف	تبذیر
گھریلو سامان	رسوم و رواج
محلات	شراب و منشیات

---

١ ۔ بنی اسرائیل:٢٩

٢ ۔ بنی اسرائیل:٢٦

جدید ملبوسات	محافل رقص و سرود
ولیمہ و دعوتیں	سونے چاندی کے برتن و پہناوے
جہیز و تحائف	غیر اسلامی تہوار
جدید سہولیات و ایجادات	قحبہ خانے و نائٹ کلب
نمود و نمائش	لاٹری و جوا و غیرہ

مادیت کی بنیاد چونکہ نفس پرستی پر ہے۔ نفس پرستی تعش کی طرف پہنچاتی ہے۔ تعش صرف دولت کا رُخ اسراف و تبذیر کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اس طرح بندہ انسانیت کی صف سے نکل کر شیطانیت کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی ہر حرکت و عمل سے اپنی اور باقی معاشرے کی تنگی اور تباہی کا سامان جمع کرتا ہے۔ معاشی سرگرمیوں کا اصل مقصد ضرورت پر صرف کرنا ہے۔ صرف دولت ہی فرد اور حکومتوں کی معاشی صلاحیت و سرخروئی کا پتہ دیتی ہے۔ صرف دولت اگر بے جا اور غیر ترقی یافتہ کاموں پر ہوتی ہے تو معاشرہ محتاجی اور حکومت کے بجٹ خساروں کی طرف سفر شروع کر دیتے ہیں۔

آج مادیت نے صرف دولت کے فطری نظام و ترجیحات کو بدل دیا۔ نتیجتاً معاشرہ افراط و تفریط کا شکار ہونے کے علاوہ طبقاتی تقسیم کا شکار ہو چکا۔ مال، مادہ اور مادی فوائد کے حصول کو مقصدِ زندگی بنا لیا۔ اس کے اہم مظاہر کی فہرست درج بالا ہے۔ گھریلو سامان اور عالی شان محلات کی تعمیر پر زر کثیر لٹایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مادی برتری کو آج عزت اور عقلمندی کا معیار بنا دیا گیا۔ بڑی کوٹھی اور سرمایا دار کی غلط بات کو بھی اس لئے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ کہ جناب چونکہ وہ ایک کامیاب اور تجربہ کار آدمی ہے۔ نت نئے ڈیزائن اور فیشن کے لباس زیب تن کرنے پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ Brands کی وباء اس سلسلہ میں قائدانہ کردار ادا کر رہی ہے۔ ہر محفل و دعوت، تہوار و شادی بیاہ پر لاکھوں روپے اس قسم کے ملبوسات پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ خواتین اس مقابلہ میں ہمیشہ آگے رہتی ہیں۔ ولیمہ اور دعوتیں وہ مواقع ہیں جہاں پیسے کو پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ہماری دولت و امارت کا چرچا ہو۔ مصنوعی ناک رکھنے کے لیئے مہنگے مارکیز اور فائیو سٹار ہوٹلز بک کیئے جاتے ہیں۔ سینکڑوں ڈشز سے ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مہمان بکریوں کی طرح کھانے پر جھپٹتے ہیں۔ آدھا کھاتے اور آدھا ضائع کرتے ہیں۔ وہیں دروازے پر بیٹھا فقیر ایک روٹی کی دُہائی دے رہا ہوتا ہے اور صاحب نظر اختصار سے دیکھتے ہیں اور ٹائی سیدھی کرتے ہوئے پاس سے گزر جاتے ہیں۔ دولت کے بے جا صرف کا ایک مظہر جہیز بھی ہے۔ والدین جہیز دینے کے لیے لاکھوں کے مقروض ہو جاتے ہیں۔ رشتہ دینے اور لینے میں اس بات کو اولین ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ جہیز و

تحائف کی صورت میں زیادہ فائدہ کہاں سے ہو گا۔ سرمایہ دار و افسران بالا ایک دوسرے کو تحائف میں مہنگی گاڑیاں اور بنگلہ پلاٹ وغیرہ پر خطیر رقم صرف کرتے ہیں۔ دورِ جدید کی سائنسی ایجادات و سہوالیات صرف دولت کا وسیع میدان ہیں۔ ہر خاص وعام ان تعیشات پر پیسہ خرچ کر رہا ہے۔ مقصد فخر وریاکاری اور نمائش دولت ہوتا ہے۔

صرف دولت کا رُخ جب ضرورت کے دائرہ و حدود کو توڑ کر اسراف تک پہنچتا ہے تو معاملہ بڑھتا ہوا تبذیر تک جا پہنچتا ہے۔ مسلمہ معاشرہ مادہ پرست غیر مسلموں کی اندھی تقلید میں ناجائز، حرام اور گناہ کے کاموں پر پانی کی طرح پیسہ خرچ کر رہا ہے۔ ساتا، چالیسواں اور قُل کی رسومات ہوں یا سالگرہ وغیرہ۔ بڑے کھانوں اور بڑے ہوٹلوں میں اہتمام کی دوڑ لگی ہوتی ہے۔ غمی کی رسموں میں شادی کا سماں نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ رقص و سرور کی محافل اور ان میں شراب و کباب کا اہتمام تبذیر کی خوفناک صورت ہے۔ اس قسم کی محافل سے بے حیائی اور بدکاری کی راہیں کھلتی ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾[1]

ترجمہ: اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان تو بے حیائی (کی باتیں) اور برے کام ہی بتائے گا۔

امراء و اشرافیہ یہ دیکھ بھی رہے ہیں کہ دنیا کے کئی خطوں میں بھوک و افلاس نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کی بجائے سونے چاندی کو جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ مہنگی گاڑیاں اور دوسرے ممالک میں بڑے محلات خریدنے میں مگن ہیں۔ امراء کے دولت کا ایک مصرف غیر اسلامی تہوار ہیں مثلاً بسنت، نیو ائیر نائیٹ اور ویلنٹائن ڈے وغیرہ۔ ان تہواروں پر کروڑوں صرف کئے جاتے ہیں۔ قحبہ خانے نائٹ کلب اور فلم بینی بھی عصرِ حاضر میں دولت کے بے جا صرف کا ذریعہ ہیں۔ اس سے مسلمہ معاشرے میں برائی کو ترویج ملتی ہے۔ دینی جذبات و احساسات ماند پڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آخر پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر ہلاک ہو جاتا ہے۔ تاریخ ان واقعات کی شاہد ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾[2]

---

۱ ۔النور:۲۱

۲ ۔الانفال:۳۶

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) خدا کے رستے سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لیے (موجب) افسوس ہو گا اور وہ مغلوب ہوجائیں گے۔

نمود و نمائش دولت خرچ کرنے کا رواج آج عام ہے۔ اعلیٰ طبقہ اس کی قیادت کرتا ہے باقی لوگ ان کی اقتداء میں خود کو اعلیٰ طبقہ میں شمار کرنے کے لیے مال کو بے جا صرف کرتے ہیں۔ ایک طرف خود کو خاص اور اعلیٰ دکھانے کے لیئے بڑی گاڑی، گھر اور دوسرے سامان زندگی پر پیشہ خرچ کیا جاتا ہے تو دوسری جانب زکوٰۃ دینے اور قربانی کے جانوروں پر بھی نمائش کے لیئے زیادہ سے زیادہ رقم خرچ کی جاتی ہے۔ لاٹری، جوا اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر بھی پیسہ خرچ کرنے کا رواج عام ہے۔ اس کی بنیادی وجہ بھی زیادہ مال کو حوس و حرص ہے۔

الغرض! سرمایا دارانہ مادی نظام نے عالمی سطح پر جو تسلط قائم کیا ہے، وہ جذباتیت اور زور بازو سے خود کو منوانے کی بنیاد پر ہے۔ وگرنہ اس نظام معیشت میں اگر فلاح انسانیت کا کوئی خاصہ ہوتا تو آج دنیا کی اکثریت غربت کی چکی میں نہ پس رہی ہوتی۔ اس نظام نے سود کو مسلط کر کے معاشی قتلِ عام کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ دنیا ان معاشی مسائل کی دلدل میں پھنسی جا رہی ہے۔ اس نظام سے جب بچنے کی دھائی دیتی ہے تو یہ بے اختیاری سے ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس نظام کا پرچار کرنے والے اکثر مغربی ممالک خود انجام بد کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ اور کئی مغربی ممالک ائی۔ ایم۔ ایف کے سودی قرضوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مٹھی بھر یہودی سود خوروں نے پوری دنیا کو اپنے جال میں پھنسا رکھا ہے۔

فصل دوم

مادیت کے معاشرتی سرگرمیوں پر اثرات

معاشرہ کا تعارف:

لفظ معاشرہ "معاشرت" سے ماخوذ ہے۔اس سے مراد مل جل کر رہنا۔انسانوں کے ایسے گروہ یا جماعت کو معاشرہ کہا جاتا ہے جو باہم مل جل کر منظم انداز سے زندگی بسر کریں۔فکری اور عملی اعتبار سے ان میں یکسانیت ہو۔ان کی عبادات و معاش کے اُصول واضح ہوں۔ایک امام کی قیادت میں یہ متحد ہوں، مملکت ان کے لیے مقدس ادارہ کی حیثیت رکھتی ہو۔اس کی وفاداری کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہوں۔باہمی معاملات افہام و تفہیم سے حل کرتے ہوں۔انسان کے معاشرتی جاندار و مخلوق ہونے میں چند بنیادی وجوہات درجہ ذیل ہیں۔انہی کی بنا پر معاشرہ وجود میں آتا اور بقاء کی جنگ لڑتا ہے۔

(الف) مذہبی وابستگی　　　　(ب) رشتہ داری

(ج) معاشی ضروریات　　　　(د) حفظ و بقاء

مذہب اہم ترین بنیادی مرکز ہے جس کے گرد لوگ جمع ہوتے ہیں۔مذہب سے انسان کی وابستگی ناقابل تسخیر ہوتی ہے۔مذہب مضبوط معاشرہ کی تخلیق میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں یکساں عقائد اور عملیات کا پیکر ہوتے ہیں۔اس طرز و طور کے لوگ جب کسی ایک علاقہ اور عملیات کا پیکر ہوں تو انہیں معاشرہ کہا جاتا ہے۔معاشرے کے قیام کی دوسری بنیادی وجہ قرابت داری ہوتی ہے۔خاندان کی ترقی کے باعث جب لوگ کنبوں اور قبائل تک پہنچ جاتے ہیں تو وہ ایک بڑے قبیلے کی صورت میں، پھر قبائل سے گاؤں، گاؤں سے قصبہ، شہر اور شہر سے صوبہ اور صوبے سے ملک یہ سب قرابت اور رشتہ داری کی بنیاد پر قائم ہونے والا معاشرہ کہلاتا ہے۔انسان چونکہ تنہا اپنی ضروریات کے حصول سے قاصر ہے۔مختلف حالات میں اسے دوسرے لوگوں کی مدد درکار ہوتی ہے۔اس باہمی تعاون کی بنا پر لوگوں کے اجتماع کو بھی معاشرہ کہا جاتا ہے۔کوئی انسان اندرونی خطرات اور بیرونی دشمن سے تنہا مقابلہ نہیں کر سکتا۔اس قسم کے حالات لوگوں کو یکجا کرتے ہیں جہاں وہ مل کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔اس طرح ایک معاشرہ وجود پاتا ہے۔قرآن حکیم بتاتا ہے کہ اس طرح معاشرے کا قیام منشاء خداوندی ہے۔

﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾[1]

ترجمہ: اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

"انسان بنیادی ضروریات، تحفظ نفس اور نسل کی بقاء کی خاطر معاشرے کا محتاج ہے"[2]

معاشرے میں جتنی بھی سرگرمیاں ہو رہی ہوتی ہیں ان کا فرد کے مفاد کے ساتھ پورے معاشرے کے فلاح و تعاون کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ماضی اور حال کے سبھی معاشروں کے تقابلی جائزہ کے بعد ہر غیر جانبدار آدمی اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلام سے بڑھ کر کوئی اور معاشرہ ایسا نہیں کہ جس نے معاشرتی سرگرمیوں کا ایسا نظام فراہم کیا کہ جس میں پورے معاشرے کی فلاح کی ضمانت پائی جاتی ہو۔

مسلم معاشرہ:

مسلم معاشرے کی بنیاد دین اسلام پر ہے۔ عقیدہ توحید پر قائم یہ معاشرہ کسی علاقے یا قوم تک محدود نہیں بلکہ ایک عالمی معاشرہ ہے۔ اس معاشرہ کا فرد بننا نہایت آسان اور سادہ ہے۔ محض شہادتین کا اقرار کسی بھی فرد کو اس معاشرے میں شامل کر دیتا ہے۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد خاندان پر ہے۔ اسلام اسی لیئے خاندان کی تنظیمی سرگرمیوں پر بہت زور دیتا ہے۔ حقوق زوجین اور والدین و اولاد کے حقوق مقرر کر کے پورے معاشرے کو مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔ ان حقوق کی تکمیل کے لیئے طبع انسانیت کو ہموار کر دیا۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾[3]

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ اُن کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔

تخلیق آدم کے اس فطرتی نظام نے فلاحی معاشرہ کو وجود بخشا۔ اس کی بقاء اور مضبوطی کے تعلیمات اور احکامات نازل فرمائے۔

---

۱ ۔ الحجرات:۱۳

۲ ۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص:۱۵۰

۳ ۔ الروم:۲۱

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[1]

ترجمہ: مومن تو آپس میں بھائی ہیں۔

حقوق و فرائض کے علاوہ، اخوت و مساوات، ایثار و رحم دلی اور اتحاد کی ترغیب اور افتراق کی ترہیب قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کی۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾[2]

ترجمہ: اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿يَدُ اللهُ عَلى الجَماعة﴾[3]

ترجمہ: جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَن شَذَّ شُذَّ فِى النَّارِ﴾[4]

ترجمہ: جو جماعت سے الگ ہوا اسے جہنم برد کر دیا گیا۔

ان تعلیمات کی روشنی میں جو معاشرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا اس کی خوبیاں درج ذیل ہیں:

مسلم معاشرے کی خوبیاں:

☆فطرتی نظام	☆وحدت فکر و عمل	☆معاشرتی آداب
☆عدل و مساوات	☆اخلاقیات	☆عالمگیریت
☆تحفظ حقوق و فرائض	☆اجتماعیت و اتحاد	☆شرف انسانیت

قرآن و سنت کے مطالعہ سے معلوم ہونے والی یہ وہ خوبیاں ہیں جنہیں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرہ میں نافذ فرمایا۔ مسلم معاشرے کی اولین خوبی یہ ہے کہ یہ معاشرے جس نظام کو مطابق جلتا ہے وہ کسی فرد یا جماعت کا بنایا ہوا نہیں بلکہ جس مالک نے انسان کو بنایا یہ نظام بھی اسی نے مقرر کیا۔ اسی بنا پر یہ معاشرہ روز بروز مضبوط

۱۔ الحجرات:۱۰

۲۔ آلِ عمران:۱۰۳

۳۔ الترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ، ح۲۱۶۶، حدیث صحیح

۴۔ الترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ، ح۲۱۶۷، حدیث، حسن

تر اور مطمئن ہوتا ہے۔ جبکہ جو معاشرے انسانوں کے بنائے نظامِ زندگی کو اپناتے ہیں وہ بے چین اور نامراد رہتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل آج کا مغربی معاشرہ ہے۔ اس معاشرے کی ایک اور اہم خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر فرد معاشرتی اداب کی دل و جان سے قدر کرتا اور ان پر عمل کرتا ہے۔ بڑے کا ادب ہو یا چھوٹے پر شفقت سفر ہو یا حضر، جاگنا ہو یا سونا، غم ہو یا خوشی، مجلس ہو یا تنہائی، کھانا پینا، عبادات ہو یا معاملات، اسلام ہر موقع و مناسبت کے اداب کو جو نظام عطا کرتا ہے یہ اس کے پابند ہوتے ہیں۔ مسلم معاشرے کو استحکام بخشنے میں جو کردار اخلاقیات کا ہے شائد ہی کسی اور کا ہو۔ دین اسلام کے پھیلنے میں اس کا بڑا کردار ہے۔ اخلاقیات فرد و معاشرے کی معراج اور تکمیل کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

﴿أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا﴾[1]

ترجمہ: اہل ایمان میں کامل مومن وہ ہے جو ان میں زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔

مسلم معاشرے کی جانی پہچانی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے ہر فرد کے حقوق کو تحفظ حاصل ہوتا ہے اس کے لیئے نظام عدل و قضاء کو وجود دیا گیا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب کو دیکھئے۔ مانگنے والے بوڑھے یہودی کا ہاتھ تھامتے ہیں۔ بیت المال سے مکافہ جاری کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ حقوق و فرائض کے امتزاج کی اس خوبصورت کیا مثال ہو سکتی ہے۔ حضرت علی خود عدالت میں پیش ہوئے۔ شرف انسانیت مسلم معاشرے کی پہچان ہے۔ حبشی غلام کو مؤذن رسول بنا دیا۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

اسلام کے علاوہ مشرق و مغرب کے ہر معاشرے میں انسان کی تذلیل و تحقیر کی اشکال پائی جاتی ہیں۔ کالے گورے کا فرق اور گائے کے سامنے انسان کو جھکانا انسانی تذلیل ہی تو ہے۔

وحدت فکر و عمل انسانی معاشرے کی وہ خوبی ہے جو اس معاشرے فلاح میں حائل ہر رکاوٹ ہٹانے میں مدد کرتی ہے۔ یہی خوبی معاشرے کو متحد رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اسلام کے عقائد و عبارات کے نظام میں وحدت کی تربیت کا انتظام موجود ہے۔ مسجد کی سطح پر جمع ہونا پھر عیدین اور حج کا اجتماع مسلم معاشرے کی واحدت کا

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب الرضاع، باب ماجاءفی حق المراۃ علی زوجھا، ح ۱۱۶۲

۲۔ بنی اسرائیل: ۷۰

مظہر ہیں۔ عدل و مساوات اس میں معاشرے کی مسلمہ خوبیاں ہیں۔ نماز حج اور روزہ اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ قانونی اور معاشرتی دونوں اعتبار سے عدل و مساوات کا علمبردار رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿كُلُكُم مِن آدَمَ وَ آدَمَ مِن تُرَابٍ﴾[1]

ترجمہ: تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنے۔

یہ رہی معاشرتی مساوات کی دلیل رہی قانونی مساوات تو اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَايمُ اللهِ لَوانَّ فَاطِمَة بنت محمد سَرَقَت لَقَطَعتُ يَدَهَا﴾[2]

ترجمہ: اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

عالمگیرت اسلامی معاشرے کی مشہور خوبی ہے۔ آج سرمایا دارانہ نظام نے امریکی، افریقی، ہندو، افغانی اور پاکستانی کا جو تصور دیا۔ انسانوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے لڑا دیا۔ مغربی ممالک افراد کے لیے جیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلم معاشرہ اس کا زبردست توڑ ہے۔ قرآن مجید نے اصلی خدا کا تعارف "رب العالمین" کے الفاظ میں کرایا۔ پھر جب نبی کی باری آئی تو بھی "رحمتہ العالمین" کے طور پر تعارف کرا کہ عالمی معاشرے کے قیام کا عندیہ دیا۔ ہر کلمہ گو اس معاشرے کا ممبر بن سکتا ہے۔

اجتماعیت و اتحاد بھی اس معاشرے کی اہم خوبی ہے۔ یہ اجتماعیت و اتحاد کسی دوسرے معاشرے کے خلاف نہیں بلکہ فلاح انسانیت کی عالمی تحریک کا نام ہے۔

فرمایا:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[3]

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔

معلوم یہ ہوا کہ اسلام جو معاشرہ قائم کرنا چاہیے وہ ایک ایسا فلاحی معاشرہ ہے جو اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق فلاح انسانیت کے لیئے عالمی سطح پر سرگرم عمل ہو۔ دوسروں کی فلاح پر اپنے فوائد کو قربان کرے۔

۱۔ الترمذی، السنن، ح ۳۹۵۵، حدیث حسن

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فضل الشام والیمن، ح ۳۹۵۶، حدیث، حسن

۳۔ آلِ عمران: ۱۰۴

مسلم معاشرے کی اقدار:

جب ایک معاشرہ اسلامی اصولوں اور تعلیمات پر استوار ہو جاتا ہے تو اس کی روایات و اقدار قائم کی جاتی ہیں۔ یہی روایات اس معاشرے کی پہچان بن جاتی ہیں۔ چند اہم اقدار درجہ ذیل ہیں۔

اسلامی اقدار

ایثار و قربانی	خیر اندیشی
باہمی تعاون	احسان
نیکی کی تلقین	اصلاح معاشرہ
حسن خلق	عفو
صلہ رحمی	رواداری

خود پر کسی کو ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔ اسلام نے ایثار کی صفت کو اہل ایمان کا شیوہ قرار دیا۔

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[1]

ترجمہ: اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔

اس ایثار کی تربیت کا آغاز خاندان سے ہوتا ہے۔ جہاں والدین اپنی ضروریات وراحت کو قربان کر کے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ انصار و مہاجرین کے مابین خدمات بھی اس کی اہم مثال ہیں۔

تعاون و امداد مسلم معاشرے کی ایک ایسی قدر ہے جو پورے معاشرے کے لیئے ایک چھت کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلم معاشرے کا ہر فرد ہر اعتبار سے خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ تاہم اس تعاون کو اسلام نے تقویٰ اور نیکی سے مسلک کیا ہے۔

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾[2]

ترجمہ: اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

۱۔ الحشر: ۹

۲۔ المائدہ: ۲

خیر اندیشی مسلم معاشرے کی معروف مشترکہ قدر ہے۔یہ جذبہ معاشرتی استحکام میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نبی ﷺ اسلام نے خیر اندیش کو خیر الناس قرار دیا۔

﴿خَيرُ النَّاسِ انفعهم للنَّاس ﴾[1]

ترجمہ:لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع دینے والا ہے۔

احسان بھی خوبصورت معاشرتی قدر ہے۔احسان سے مراد کسی زمہ داری کو خلوص نیت، وفاداری اور دلی محبت سے ادا کرنا۔ دوسروں کے حقوق اور قومی زمہ داریوں کو بوجھ نا جاننا بلکہ خدمت اور ثواب کی نیت سے انہیں ادا کرنا۔ قرآن مجید نے احسان کو عدل پر ترجیح دی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾[2]

ترجمہ:خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔

معاشرے کی درستگی واصلاح کے تین اہم اصول اس آیت میں بیان کر دیئے گئے۔ یہ عدل، احسان اور صلہ رحمی ہے۔ نیکی کی تلقین کو قرآن مجید نے نصیحت کا نام دیا ہے۔ قرآن نے اس قدر کو ضابط اخلاق کا درجہ دیا۔ اپنے اور بندوں کے مابین اور بندوں کے باہمی تعلق کی بنیاد اسی پر رکھی۔ فرمایا:

﴿تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[3]

ترجمہ:اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حق کی پیروی اور حمایت میں جن مصیبتوں اور مشکلات کا سامنہ جب حق پرستوں کو ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی تلقین کر کے ہمت باندھتے ہیں"۔(۴)

حسن خلق کو اسلامی معاشرے کے عبادات و معاملات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ الالبانی، ناصر الدین، السلسلہ الصحیحہ، ح۴۴

۲۔ النحل:۹۰

۳۔ العصر:۳

۴۔ مودودی، مولانا ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن)، ص:۶/۴۵۵

﴿اِنَّمَا بُعِثتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأخلاَقِ﴾[1]

ترجمہ: مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیئے معبوث کیا گیا ہے۔

اخلاق اسلامی معاشرہ کی وہ قوت ہے جو ہر شہ کو خیر میں بدل دیتی ہے۔ دشمن کو دوست بنا دیتی ہے۔ اسلام اس قوت کے بل بوتے پر دنیا میں پھیلا۔ حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے سے گفتگو قرآن کا درجہ عطا کر کے ہمارے لیئے مشعل راہ بنا دیا۔

﴿يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾[2]

ترجمہ: بیٹا خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔

نصیحت میں حسن خلق کا اس سے اعلیٰ کیا معیار ہو سکتا ہے۔ تحمل، عفو، ایثار وفاء، اخوت و صداقت اور عبادات و معاملات سبھی اخلاق اس معاشرہ کی اقدار ہیں۔

صلہ رحمی خاندانی نظام کی بقاء اور قوت کا سرچشمہ ہے۔ معاشرہ سے فسادات و منکرات کو بچانے میں یہ قدر و خلق اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسلام نے اس قدر کو فرد و معاشرہ کی ترقی کی بنیاد قرار دیا۔ فرمایا:

﴿مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ﴾[3]

ترجمہ: جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں اضافہ اور رزق میں برکت ہو تو صلہ رحمی اختیار کریں۔

مادیت کے اس مصروفیت کے دور میں رزق کی فراخی اور عمر میں اضافے کی یہ بہترین دوا ہے۔

اصلاح معاشرہ کا کام فرد اور انجمن کی صورت سر انجام دینا مسلم معاشرہ کا طرہ امتیاز ہے۔

اس معاشرے کا ہر فرد اس کی اصلاح کے لیئے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق سرگرم عمل رہتا ہے۔ جو قوت بازو رکھتا ہے وہ اس سے جو نہیں رکھتا وہ زبان سے برائی کو روکتا ہے، جو کچھ نہیں کر سکتا وہ خود کو برائی سے بچاتا ہے۔ عفو یعنی معاف کر دینا اور در گزر کرنا۔ یہ خوبی اسلامی معاشرہ کا خاصہ ہے۔ عفو فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھاڑ کے پھینکتا ہے۔ تنگ نظری کا خاتمہ کرتا اور معاشرہ میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ اسلام کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی لیئے اس خصلت پر اللہ تعالیٰ نے انعام کا اعلان فرمایا:

۱۔ ابنِ حنبل، المسند ا، (مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ،) ح:۸۹۳۹ ،، صحیح

۲۔ لقمان:۱۳

۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاخلاق، باب، من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، ح۵۹۸۶

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: ان کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟

مسلم معاشرے کی ایک قدر رواداری ہے۔ مسلم علاقوں اور ملکوں میں کئی ایک غیر مسلم اقلیتی اقوام بھی بس رہی ہوتی ہیں۔اسلام معاشرے کو ان کے ساتھ وسعت ظرفی اور کشادہ دلی سے پیش آنے کی تلقین کرتا ہے۔انہیں تمام بنیادی حقوق فراہم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ان اقدار کی قوت واثر اس قدر بے مثال ہے کہ آج چودہ سوسال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود ان اقدار نے مسلم معاشرہ اپنی اصل بنیادوں پر قائم ہے۔

مسلم معاشرے پر مادیت کے جدید اثرات

مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے باعث آج مسلم معاشرہ کئی نئے اثرات سے نبردآزما ہے۔ وہ اعلیٰ اقدار جن کی بنا پر ہزار سال تک دنیا پر راج کیا تھا آج کا مسلمان ان اقدار سے جان چھڑا کر جدید مغربی مادی معاشرتی اقدار کی طرف بھاگ رہا ہے۔اس کی وجہ مسلم معاشرے کی دین سے دوری ہے۔جب اسلامی سوسائٹی پر اسلام کا اثرورسوخ کمزور ہونا شروع ہوا تو اس میں ایسی خامیاں پیدا ہونا شروع ہوگئیں جنہوں نے اسلامی اقدار و اخلاق کو کمزور کرنا شروع کردیا۔ان میں سے چند اثرات درج ذیل ہیں:

مسلم معاشرہ پر مادیت کے اثرات

☆مبالغہ آرائی ☆بدظنی ☆دینی اصطلاحات کا غلط استعمال

☆عقائد وعبادات میں بگاڑ ☆غیبت وحسد ☆اسلام سے بیزاری

☆شیطانی ترغیبات ☆اسلامی اقدار کی فراموشی ☆دین میں ملاوٹ

☆عظمت رفتہ کی فراموشی

رسول اکرم ﷺ نے اُمت کو واضح طور سمجھادیا تھا کہ:

﴿خَالِفُوا اَليَهُودَ وَ النَّصارىٰ﴾[2]

۱۔النور:۲۲

۲۔ابی داؤد،السنن،کتاب الصلوۃ،باب الصلوۃ فی النعل،ح ۶۵۲ ، صححہ الالبانی

ترجمہ: یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو

مسلم معاشرے نے جب سے اس اصول کو فراموش کیا تو ان میں اغیار کے کلچر نے سرایت کرنا شروع کر دیا۔

مبالغہ آرائی:

امت کی ایک خامی مبالغہ آرائی ہے۔ معاشرتی سرگرمیوں کا تعلق چاہے جس شعبہ سے ہو اکثر لوگ بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ کسی کی خامی اور خوبی بیان کرنا ہو یا تاجر کا اپنی اشیاء کی تعریف کرنا ہو۔ عام اشیاء و اشخاص کی تعریف و تحقیر کا مسئلہ ہو، مبالغہ آرائی ہر جگہ معاشرے کو صداقت و اعتدال سے دور کرتی ہے۔ معاملات میں الجھاؤ اور معاشرتی مسائل و مشکلات کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾[1]

ترجمہ: خدا سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔

سیاست کے ایوانوں سے لے کر کھیل کے میدانوں تک یہ وبا پھیل چکی ہے۔ جس سے دین کی قدر میں کمی واقع ہوتے ہی مادیت نے دل کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

دینی اصطلاحات کا غلط استعمال:

اسلامی معاشرہ میں چند با اثر افراد نے مادی مقاصد اور ذاتی فوائد کے لیئے دین میں دین ہی کے نام سے نئی اصطلاحات ایجاد کرنا شروع کر دی ہیں۔ پھر نور علی نور یہ کہ ان کی تشریحات میں بھی من مانی کی گئی۔ نماز اور درود تک کو نہ بخشا گیا، حنفی، حنبلی، شافعی نماز، درود لکھی و درود تاج وغیرہ۔ محفل درود و ذکر، اسلامی قیادت اور انقلاب اسلام وغیرہ۔ ان کے دیکھا دیکھی دشمن اسلام نے بھی اصطلاحات گھڑنا شروع کر دیں۔ اسلاموفوبیا، مسلم دہشتگرد اور اسلام وغیرہ۔ ان اصطلاحات نے اسلام کا چہرہ مسخ کر دینے کے علاوہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا۔ اسلام کی آفاقی عظمت کو گرا کر مذاہب باطلہ کے ہم پلہ بنانے کی سازش کی گئی۔

غیبت و حسد:

معاشرتی خامیوں میں غیبت و حسد کی نئی صورتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ یہ خامی معاشرے کی وحدت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ ہمارے معاشرے کا ہر طبقہ غیبت و حسد و بغض و کینہ کا مرتکب ہے۔ خاندانی اجتماع ہو یا

۱۔ الاحزاب: ۷۰

معاشرتی، سیاسی ہو یا مذہبی، غیبت و حسد ہر محفل میں حسین رقاصہ کا کردار ادا کر رہی ہوتی ہے۔ اسلام نے غیبت کو سنگین جرم قرار دیا۔

﴿لَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا﴾[1]

ترجمہ: اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔

شیطانی ترغیبات:

انسان بسا اوقات خارجی خطرہ پر نظر کو مرکوز کرنے کے باعث اندورنی دشمن سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ یہی کمی و خامی آج کے مسلم معاشرے میں ہے۔ خارجی دشمن کے لیئے جدید اسلحہ تو ہم جمع کر رہے ہیں لیکن شیطانی اور اس کی ترغیبات کے فتنوں سے بچنے کے بجائے اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ کفر، شرک، بدعت، نافرمانی، ریاکاری، فحاشی اور عداوت کی مرحلہ وار جنگِ میں وہ انسانیت کے خلاف بر سرپیکار ہے۔ سبز باغ دکھاتا اور انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آغاز ہی میں اس سے خبر دار کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ﴾[2]

ترجمہ: منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا۔ جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں۔

کامیابیوں، اعلیٰ درجات و کثرت مال کی لالچ دے کر انسان کو غلط راہ پر لگاتا ہے۔ جب کوئی پھنس جائے تو بہانے سے کھسک جاتا ہے۔ فحاشی و عریانی، مخلوط معاشرہ، مالدار ہونے کا مظاہرہ اسراف و تبذیر و بخل، شراب و جوا اور سود ورشوت۔ ان شیطانی ترغیبات کے دلدل میں ہمارا معاشرہ دن بدن دھنستا جارہا ہے۔

دین میں ملاوٹ:

آج جس طرح مادی اشیاء میں اصلی و نقلی کا تصور پایا جاتا ہے۔ ہر اصل کی نقل اس مہارت بنائی جاتی ہے کہ عام آدمی اصل اور نقل میں فرق نہیں کر سکتا۔ بلکل اسی طرح آج بدعات و خرافات اور اختراعات کے باعث دین میں بھی اصل اور نقل کی سوچ ابھر رہی ہے۔ عام آدمی کو سخت مشکل کا سامنا ہے کہ اصل دین ہے کیا اور کونسا فرقہ

۱۔ الحجرات:۱۲

۲۔ الحشر:۱۶

دین حق کا پیرو ہے۔ ایک ہی دینی حکم پر ہر فرقہ مختلف مؤقف پیش کرتا ہے۔ ہر کوئی دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اصل میں صحیح میں ہوں۔

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾[1]

ترجمہ: سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو اُن کے پاس ہے۔

یہ آیت آج کے مسلم معاشرے کی عکاس ہے۔ فرقوں میں بٹا معاشرہ اپنے افکار کو دین کا ترجمان بنا کر اہلِ اسلام میں تفرقہ اور نفرت پیدا کر رہا ہے۔ اس روش نے بھی مسلم معاشرے کی مادیت کی طرف جانے والی راہ کو ہموار کرنا شروع کر دیا۔

بد ظنی:

باہمی اعتماد اور حسن ظن معاشرتی مضبوطی اور صحت کے لیئے سیمنٹ کا کام کرتی ہے۔ بد ظنی ایسا معاشرتی مرض ہے جو معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ آج ہمارا معاشرہ ہر سطح پر اس کی لپیٹ میں ہے۔ معاشرتی اجتماعیت اس کے باعث ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہے۔ شوہر بیوی پر، اولاد والدین اور والدین اولاد پر شک کرتے ہیں۔ لیڈر عوام پر اور عوام لیڈر پر، تاجر خریدار پر اور خریدار تاجر پر شک کرتا ہے۔ امام نمازیوں پر اور نمازی امام مسجد پر شک کرتے ہیں۔ بد ظنی اور شک معاشرے کو حقیقت پسندی سے دور لے جاتے ہیں۔ ایسا معاشرہ اپنے اکثر معاملات کی بنیاد ظنیت پر رکھتا ہے جس کی نتائج اکثر اوقات ناکامی کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾[2]

ترجمہ: اور ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہو سکتا۔

آج ہمارے اکثر معاشرتی مسائل معمولی اختلافات سے لڑائیوں جھگڑوں تک اور پھر قتل و غارت تک پہنچ جانے کی وجہ یہی بد گمانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اِيَّاكُم وَا لظَّنَّ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَكذَبُ الحَدِيثِ﴾[3]

ترجمہ: بد گمانی سے بچو بلاشبہ بد گمانی اعلیٰ درجے کی جھوٹی بات ہے۔

۱۔ الروم:۳۲

۲۔ یونس:۳۶

۳۔ الترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ظن السوء، ح ۱۹۸۸، حسن صحیح

عقائد وعبادات میں بگاڑ:

دنیا کا ہر مذہب معاشرتی اصلاحات کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے۔ ہر مذہب کی بنیاد عقائد اور عبادات پر ہوتی ہے۔ یہ عقائد و عبادات فرد اور معاشرے میں اصلاح کی مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ معاشرے کے لیئے اصل مشکل کا آغاز تب ہوتا ہے جب ان کے عقائد اور عبادات میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو جائے۔ مسلم معاشرہ آج خطر ناک حد تک اس بگاڑ کا شکار ہو چکا ہے۔ اعداء الاسلام پس پردہ اس بگاڑ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ اکثر اہل اسلام کا قرآن و سنت سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ عقائد و عبادات کو بدعات و خرافات سے آلودہ کر دیا گیا ہے۔ چند مشرکانہ عقائد اور بدعات کو عام مسلمان دین سمجھنے لگا ہے۔ خوشی و غمی کی محافل، اولیاء اللہ کے مزارات اور میلے ٹھیلے میں اس قسم کے مناظر عام نظر آتے ہیں۔ عقائد و عبادات میں بگاڑ نے اُمت کو فرقوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ باہم دست و گریباں کر دیا۔ برصغیر کے مسلمان اس بگاڑ کے زیادہ شکار ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خبردار کر دیا:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾[1]

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

دین سے بیزاری:

ایک اور قبیح رجحان ہمارے معاشرے کے اعلیٰ طبقہ میں عام رواج پا رہا ہے۔ وہ اسلام سے بیزاری کا رجحان ہے۔ یہ لوگ محض اس لیئے اسلام سے بیزاری اور لاتعلقی کا رویہ روا رکھے ہوئے ہیں کہ یہ ان کی مادی، معاشرتی اور سیاسی ترقی میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ جن لوگوں نے مغربی مادہ پرستوں کو اپنا آقا تسلیم کیا وہ ان کی خوشنودی سے اقتدار میں آتے ہیں۔ ان کی رضا کے لیئے وہ اسلام سے بیزاری اور لاتعلقی کا رویہ روا رکھتے ہیں۔ انہی لوگوں کے ذریعہ مغربی نظام کو مسلم معاشروں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ دلکش اور خوشنما نعروں کے سہارے اس نظام کو رائج کیا جاتا ہے۔ اسی نظام کے تحت دنیا میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تقسیم وجود پاتی ہے۔ اعلیٰ و مولیٰ کا تعین کثرت مال کی بنیاد پر اور ادنیٰ و غلام کا تعین قلت مال و اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ آج دنیا کی اکثریت چند مادہ پرستوں کے ہاتھوں یرغمال ہے۔ کوئی با

۱۔ آلِ عمران: ۸۵

کردار اور متقی شخص کبھی بھی اقتدار کے ایوان پر تک نہیں پہنچ سکتا۔ اکثریت کی بنیاد پر قائم ہونے والا نظام کیسے معاشرے میں عدل وانصاف اور تکریم انسانیت کو پزیرائی دلا سکتا ہے۔

﴿أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور اکثر نافرمان ہیں۔

نظام اسلام اس تکریم کی کارنٹی دیتا ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[2]

ترجمہ: کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

عظمت رفتہ کی فراموشی:

مسلم معاشرہ کی ایک اور خامی اسلامی اقدار کو فراموش کرنا ہے۔ یہ وہ اقدار ہیں جو مسلم معاشرے کی پہچان اور اس کے احسن تقویم ہونے کی ضامن تھیں۔ ان اقدار کے بغیر انسان جانور بلکہ درندہ بن جاتا ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾[3]

ترجمہ: یہ لوگ بالکل چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ اقدار جب خُلق میں رچ بس جائیں تو انسانی مقام کو خلیفۃ اللہ تک پہنچا دیتی ہیں۔ آج مسلم معاشرہ میں یہ اقدار ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے خاطر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اخلاقی اقدار کو کتاب وسنت کی شکل میں ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب رکھنے کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں رکھا۔ رسول اکرم ﷺ نے امت کو اس پر کاربند رہنے کی نصیحت فرمائی۔ یہ نصیحت زندگی کے آخری ایام میں حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی۔ اس موقع پر حقوق وفرائض کا ذکر کیا۔ معاشرتی معاشی اور سیاسی احکامات عطا فرمائے۔ کہ میں تم میں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت کی صورت میں اسلامی اقدار چھوڑے جا رہا ہوں۔

۱۔ آلِ عمران:۱۱۰

۲۔ التین:۴

۳۔ الاعراف:۱۷۹

﴿عَضُّوا عَلَيهَا وَ تَمَسَّكُوا بِالنَّواجِزِ﴾[1]

ترجمہ: اس پر مضبوطی سے ڈٹے رہو اور کچلیوں سے پکڑ لو۔

یہ سارا خطبہ ان اقدار کا خلاصہ ہے جس کے لیئے آپ ﷺ نے تیئیس برس محنت کی۔ ان ہی اقدار میں ملکی اور بین الاقوامی امن کا راز مخفی ہے۔ جب تک امت مسلمہ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر ہر اعتبار سے دنیا کی قیادت و امامت کے مرتبے پر فائز رہی۔ اسلاف کا طرز عمل چھوڑتے ہی اُمت کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ آج اُمت مسلمہ تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ دنیا کے جس بھی حصے میں مسلمان بس رہے ہیں ظلم و زلت ان کا مقدر بنتی نظر آرہی ہے۔ ہمارے ہی اسلاف تھے جن کا نام سُن کر قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ بحالی عظمت رفتہ کے لیئے ہر مسجد میں اجتماعی دعائیں بھی ہو رہی ہیں لیکن ظلم تھمتا ہے نہ ذلت کی رات کٹتی ہے۔ قرآن اصل حل بتاتا ہے۔

﴿وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾[2]

ترجمہ: اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

اس عظمت و امامت کی بحالی کے لیئے اسلاف کے اقدار و کردار کو اپنانا ہو گا۔ یہ مسئلہ دعاؤں سے زیادہ عملی تبدیلی کا ہے۔ اقبالؒ بھی شکوہ کرتے ہیں:

تجھے آباد سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا[3]

ہم وہ قوم تھے جس نے اقوام کی امامت کر کے دکھائی۔ آج ہم گمراہ اور مغضوب علیہ اقوام کے دست نگر ہو چکے۔ مادہ پرستوں کی غلامی میں نجات و فلاح کے راستے ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے مادی ترقی سے مرعوب ہو کر خود کو مغربی تہذیب کے مقابلہ میں کمتر سمجھا اور باقیوں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا۔

المختصر! یہ کہ عصرِ حاضر میں مسلم معاشروں کی یہ وہ خامیاں ہیں جنہوں نے خالص اسلامی نظام سے دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اُمت خوابِ غفلت میں سوتی رہے۔ دوسری اقوام جب ان سے آگے نکلی تو یہ اپنا راستہ بھول کر ان کے پیچھے دوڑ پڑے۔ اس دوڑ میں ہوا یہ کہ "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم"۔ انہی خامیوں نے مسلم معاشروں

۱۔ النووی، محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف، ریاض الصالحین، باب فی الامر بالمحافظة علی السنة وادبها، ح ۱۵۸

۲۔ آلِ عمران: ۱۳۹

۳۔ علامہ، ڈاکٹر محمد اقبال، بانگِ درا، خطاب بہ نوجوانانِ پاکستان۔

کو روحانیت کے دائرے سے نکال کر مادیت کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ اب پلٹ کر وہ اسلام کو دیکھتے ہیں اس کا راستہ دور اور کٹھن نظر آتا ہے۔ اس کے مقابل مادیت کی راہ آسان نظر آتی ہے۔ آج جس کو دیکھو وہ دعا اور نماز بھی اسی لیئے پڑھتا ہے کہ اس سے اس کو مادی فائدہ ہو اگر نہ ہو تو بد دل ہو جاتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔

مادیت کے معاشرتی سرگرمیوں پر اثرات

معاشرتی سرگرمیوں سے مراد وہ برتاؤ (Dealings) ہیں جن سے معاشرے کے افراد و طبقات باہمی معاملہ اور لین دین کرتے ہیں۔ ان معاشرتی سرگرمیوں کے کئی پہلو ہیں۔ اس کا اوّلین پہلو خاندانی نظام کی سرگرمیاں ہیں۔ فرد کا والدین سے تعلق بیوی اور بچوں سے تعلق اور بیوی کا بچوں اور ساس سسر سے تعلق۔ یہ رشتے باہمی محبت کے حقدار ہوتے ہیں۔ تاہم جب ان میں کوئی مادیت کی دوڑ میں لگ جاتا ہے۔ تو یہ رشتے فراموش یعنی (Ignore) ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان میں احساس محرومی بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً والدین دونوں ہی ملازمت یا کام میں مصروف ہوں یا ایک تو ان کے بچوں کو وہ شفقت و پیار نہیں ملتا جو کہ ان کے کھانے سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ایسی صورت میں بچوں کا والدین سے فطرتی تعلق کمزور پڑ جاتا ہے۔ پھر آج کو دور مادیت کا ایک عجیب اثر یہ بھی ہے کہ اگر بیوی کماتی ہے تو وہ شوہر کی ذرہ عزت نہیں کرتی۔ اسی بنا پر یہ رشتہ تناؤ کا شکار رہتا ہے یا پھر ٹوٹ جاتا ہے۔ ان تمام سر گرمیوں میں مادیت کا رنگ ہر طرف نظر آتا ہے۔ ماں جب بنی بنائی چیزیں بچوں کو کھلائیگی تو نہ بچوں کے دل میں ماں کی محبت پیدا ہو گی نہ ماں کی ممتا برقرار رہے گی۔ اس کے بعد معاشی سرگرمیوں کا دوسرا مرحلہ اقرباء ہیں۔ اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کا قرآن میں سختی سے حکم دیا۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ﴾[2]

۱۔ البقرۃ:۸

۲۔النساء:۹۰

ترجمہ: مگر جو لوگ ایسے لوگوں سے جا ملے ہوں جن میں اور تم میں (صلح کا) عہد ہو۔

مادیت رشتہ داروں کی باہمی سرگرمیوں اور تعلقات پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ شادی اور وفات پر نہ حاضر ہونے کی وجہ کاروباری اور نوکری کی مصروفیات بتائی جاتی ہیں۔ غریب رشتہ داروں سے ملنا اور ان کی دعوت کو قبول کرنا سٹیٹس کے خلاف سمجھا جانے لگا ہے۔ مہمان کو رحمت کے بجائے زحمت سمجھا جانے لگا ہے۔ زکوۃ کو بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد معاشرتی سرگرمیوں پر مادیت کے اثرات کی ایک بڑی وجہ ہمارا تعلیمی نظام ہے۔ جس تعلیم کے حصول کا بنیادی مقصد ہی پیسہ کمانا اور اعلیٰ ملازمت کا حصول ہو تو اس سے ایک فلاحی معاشرے کے قیام کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ اس کے بعد ہمارے رسم و رواج کی سرگرمیاں بھی مادیت کے باعث معاشرتی بگاڑ کا باعث ہیں۔ شادی بیاہ ہو یا سالگرہ اور چالیسواں ان پر اسراف و تبذیر کا کھلا مظاہرا کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ و امراء لوگوں کو مدعو کیا جاتا اور کمزور رشتہ داروں کو فراموش کیا جاتا ہے۔ اس کے باعث معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے۔ اور سماجی تعلقات متاثر ہوتے ہیں۔ عام سماجی اور معاشرتی تعلق اور دوستیوں کی سرگرمیاں بھی آج مادیت کی زد میں ہیں۔ ان تعلقات میں مادیت کو بنیاد حاصل ہے۔ اسی پر یہ تعلقات قائم ہوتے اور بگڑتے ہیں۔

امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ گناہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کا سکون تہ و بالا کر دیتا ہے

"و من آثار الزنوب والمعاصی: انها تحدث فی الارض انواع من الفساد فی المیاہ والھواء، والزرع، والثمار والمساکن، قال تعالی ظھرالفساد فی البرِ و البحرِ بما کسبت ایدی الناس"[۱]

ترجمہ: گناہوں اور نافرمانیوں کے اثرات یہ ہیں کہ یہ ہوا، پانی، کھیتی، پھل اور گھروں میں کئی اقسام کی بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کے باعث سمندر میں خشکی میں فساد واقع ہوا۔

مغرب سے درآمد شدہ مادیت کے باعث آج مسلم معاشروں پر جو اثر مرتب ہوئے ہیں وہ لاتعداد ہیں۔ ان میں سے چند اہم مظاہر درجہ ذیل ہیں۔

مادیت کے مظاہر

۱۔ ابن قیم، الجواب الکافی لمن سئل عن دواء الشافی، ص ۱ / ۶۴

☆عورت کی بالا دستی	☆عریانیت
☆مغرب کی اندھی تقلید	☆عورت کا آزاد گھومنا
☆بے پردگی	☆مخلوط تعلیم
☆مخلوط تقریبات اور ناچ گانا	☆کتے پالنا
☆محبت کی شادی	☆ٹی۔وی اور انٹرنیٹ
☆مخلوط محافل اور کھیلیں	☆ناچ گانا
☆بیوٹی پارلرز کی ترویج	☆سیلز گرلز
☆مساج سینٹر	☆آرٹ اکیڈ میاں
☆دکھلاوا	☆اولڈ ہومز

عورت کی بالا دستی:

مادیت نے عورت کے معاملہ کو دو انتہاؤں تک پہنچا دیا ہے۔جب مادہ پرستی نے مسلم معاشرت میں سرایت کی تو عورت کو حقوق سے محروم کرنا شروع کر دیا۔جو اسلام نے عطا کیئے تھے۔وراثت سے محرومی، بے توقیری، تعلیم اور اظہار رائے کی آزادی نہ دینا۔زبردستی کی شادی اور دوسری شادی میں رکاوٹ پیدا کرنا یا پھر جائیداد بچانے کی خاطر شادی نہ کروانا۔

اس قسم کے واقعات وحالات آج ہمارے معاشرے کا معمول ہیں۔عورت پر غیر فطری دباؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مادی مغربی کلچر کی طرف نکل پڑی، مغربی تہذیب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔اس کو سمجھایا کہ تمہاری حیثیت مردوں کے برابر کیا بلکہ ان سے بھی اوپر ہے۔Ladies First کا ایسا تصور دیا کہ جس نے عورت کو فریق مخالف کی حیثیت سے مرد کے سامنے لا کھڑا کیا۔یہ ہے دوسری انتہا جو جدید مغربی تہذیب نے فراہم کی۔عورت کو آزادی اور Laburty کے میٹھے نعرے سے عدم تحفظ کا شکار کر دیا۔ان میں عصمت ، حیاء اور پاکدامنی ناپید ہوتی جارہی ہے۔بڑے شہروں میں خواتین دفاتر اور کمپنیوں وغیرہ میں نوکریاں کرتی ہیں یہ ملازمت مادی حرص وحوس کا باعث ہے۔اب تو تجارت میں بھی خواتین بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔بااثر اور مالدار گھرانے کی خواتین شوقیہ اور دکھلاوے کے لیئے ملازمت کرتی ہیں۔حدیہ کہ مال کی حرص نے بنت حوا کو بس کنڈکٹر بنا دیا۔جب پیسہ ان کے

ہاتھوں میں آیا تو شوہر، بھائی اور باپ کی حیثیت اور وقار کمزور پڑ گیا۔ گھر اور خاندان کے فیصلوں کا اختیار مردوں کے ہاتھوں سے نکل کر عورت کے کنٹرول میں چلا گیا۔ بچوں پر کنٹرول کا مسئلہ ہو یا ان کے رشتوں کی بات یہ سب عورت طے کرتی ہے۔ جائیداد اور شوہر کے پیسے پر تصرف کا کنٹرول عورت کے ہاتھ میں چلا گیا۔ شوہر کی بے توقیری کے باعث اولاد میں بگاڑ اور بے راہ روی کا رجحان عام ہو گیا۔ مرد نے بھی اس ذلت کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا۔ عورت کی ناجائز فرمائشیں پورا کرنے کے لیئے رشوت اور حرام خوری کی راہ اختیار کر لی گئی۔ عورت نے اپنی فطرتی ذمہ داری ترک کر کے مردانہ ذمہ داریاں اپنے کنٹرول میں لے لیں۔ اس کے باعث معاشرتی مسائل و مشاکل بڑھنا شروع ہو گئے۔ تدارک نظر نہیں آتا۔ آئیگا بھی کیسے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی خبر پہلے ہی دے دی ہے۔

((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً))[1]

ترجمہ: وہ قوم کبھی سرخرو نہیں ہو سکتی جو اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دے۔

مغرب کی اندھی تقلید:

زندگی کے طور طریقے، وضع قطع، لباس و طرز معاشرت میں آج مسلم معاشروں کی اکثریت آنکھیں بند کر کے مغرب کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ جو فیشن یورپ سے چلتا ہے اسے رات ورات اپنایا جاتا ہے۔ ہئیر سٹائل کے نام پر مسلم تشخص کی دھجیاں اُڑائی جاتی ہیں۔ انبیاء کی سنت اور نبی اکرام کے طرز عمل اور تعلیمات کا مزاق اڑایا جاتا ہے۔ مغربی اور انڈین فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں کی تقلید میں سر کے بالوں کے ایسے انداز اختیار کیے جاتے ہیں جو خلقت فطری کو مسخ کر دینے والے ہیں۔ داڑی کے ساتھ جو کھلواڑ ہو رہا ہے وہ بھی مغربی تقلید کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مسلم نوجونوں میں یہ فیشن اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اس کے گناہ ہونے کا تصور ہی معدوم ہوتا جا رہا ہے۔ خواتین بھی اب مردوں کی طرح اور مردوں سے بال کٹوانے لگی ہیں۔ مردوں کا بالیاں چھلے پہننا، عورتوں کا بھنویں اور پلکیں بنانا۔ دھوکہ دہی کے لیے بال رنگنا وغیرہ۔ مرد عورتوں کی سی وضع اختیار کرتے اور عورتیں مردوں کے صورت اپنانے لگی ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ:

((لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ))[2]

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ الی کیسر و قصری، ح ۴۴۲۵

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب، اخراج المتشبھین بالنساء من البیوت، ح ۵۸۸۶

ترجمہ: کہ آپ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی۔

بے پردگی:

بے پردگی کو عصری تقاضہ سمجھ لیا گیا ہے۔بھائی، باپ اور شوہر مغربی کلچر کے پیچھے بھاگتی بہن، بیٹی اور بیوی کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔شاید کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر وقت کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ ان کے الفاظ ابھی لبوں تک نہیں پہنچتے کہ بات اور حالات بہت دور جا چکے ہوتے ہیں۔نبی اکرم ﷺ نے عورت کی عزت و عظمت کو بحال کرنے کا جو کام کیا تھا وہ سبوتاژ ہوتا نظر آرہا ہے۔قرآن نے عورت کی معاشرتی توقیر کے لیئے بڑی چادر اوڑھنے کا حکم و حکمت بتاتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

﴿ذٰلِكَ أَدْنىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾[1]

ترجمہ:۔یہ امر ان کے لئے موجب شناخت (وامتیاز) ہو گا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔

پھر ہوا یہ کہ بڑی چادر سے معاملہ دوپٹہ پر آگیا۔جب دو حاضر کی خاتون کو یہ بھی بھاری لگنے لگا تو اس کو سر سے اتار کر گلے میں ڈال لیا پھر کندھوں پر۔آخر مغرب نے بتایا کہ جناب آپ ماڈرن ہیں تو چادر و دوپٹے کے ساتھ کیا تعلق؟۔ تو خاتون اُٹھی اور اعلان عام کر دیا:

"لال دوپٹہ اُڑ گیا رے، میرا ہوا کے جھونکے سے"

پس پھر جو ہوا، اس کو آج ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں اور برداشت کر رہے ہیں۔

مخلوط تقریبات اور ناچ گانا:

شرم و حیاء اور غیرت پر قائم مسلم معاشرے نے جب جب مغربیت کی نقالی شروع کی تو انہوں نے خالص اسلامی اقدار کو فرسودہ رسمیں اور قدیم کلچر قرار دیا۔اس کا عملی مظاہرہ ہم مخلوط تقریبات اور ان میں ناچ گانے کے پروگراموں کی صورت میں دیکھتے ہیں۔شادی ہالوں اور دوسری معاشرتی و سماجی، سرکاری اور نیم سرکاری تقریبات و محافل میں خواتین کا باہم مردوں سے گھل مل جانا اب کوئی مسئلہ نہیں رہا۔شائد کوئی تقریب ایسی رہ گئی ہو جس میں ناچ

۲۔ الاحزاب:۵۹

گانے کا پروگرام نہ ہو۔ یہاں سے مرد و خواتین باہم خفیہ دوستی کرتے اور بے راہ روی اختیار کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس قسم کے تعلقات کو حرام و ممنوع قرار دیا ہے۔

﴿وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾[1]

ترجمہ: اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں ۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مرد کا عورت سے اور عورت کا مرد سے خفیہ دوستی رکھنا مراد ہے۔ آج اس بہتی گنگا میں سبھی یہی کر رہے ہیں۔ کئی شرفاء بھی ایسے دیکھے جو ساری عمر اپنی بیٹیوں کو پردہ کرواتے ہیں لیکن جب شادی و دیگر تقریبات کا موقع آتا ہے تو وہ مختلف رسموں کے بہانے ناچنے گانے اور غیر مردوں سے اپنی خواتین کے گھلنے ملنے کے سہولت کار بن جاتے ہیں۔

محبت کی شادی:

بے پردگی اور اختلاط مرد و زن (Mix Society) نے معاشرے کو ایک اور خطرناک ڈگر پر ڈال دیا ہے اور یہ Love Marriage ہے۔ یعنی محبت کی شادی۔ والدین اس وقت حیران اور پریشان ہو جاتے ہیں جب وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنا رشتہ خود تلاش کر کے ان کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اکثر والدین شرم کے مارے اور بدنامی سے بچنے کے لیے ان کے فیصلے قبول کر لیتے ہیں۔ جو والدین ڈٹ جاتے ہیں ان کی اولاد گھر سے بھاگ کر شادی کرتی ہیں۔ منگنیاں ٹوٹتی ہیں۔ دشمنیاں بنتی ہیں، قتل و غارت شروع ہو جاتا ہے۔ زندگی عدالتوں اور جیلوں کی نذر ہو جاتی ہے۔

تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ۸۰ فیصد سے زائد لوّمیریجز ناکام ہوئی ہیں۔ مغربی تہذیب کے اس قبیح فعل کو مسلم معاشروں تک پہنچانے میں سب سے اہم کردار ٹی۔ وی، فلموں اور انٹرنیٹ نے ادا کیا۔ آج موبائل نے اس بُرائی کو بامِ عروج پر پہنچا دیا ہے۔ نئی نسل قبل از وقت معلومات کے باعث تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ ویلنٹائن کے نام پر نوجوان نسل کو کھلی آزادی دے دی گئی۔

مخلوط محافل اور کھیلیں:

۱۔ النساء:۲۵

مادیت زدہ مغربی تہذیب نے ایک نیا کلچر جو متعارف کرایا ہے، وہ ہے مخلوط معاشرے کا کلچر۔ اس کلچر سے متاثر مرد و خواتین آفس سے لے کر کھیل کے میدان تک شانہ بشانہ چلیں گے۔ یہ کلچر پوری منصوبہ بندی سے پھیلایا جا رہا ہے۔ آج سرکاری و نجی تقریبات ہوں یا کالج اور یونیورسٹی کے فن فیئر۔ ہر جگہ مرد و زن کا اختلاط عام ہے۔ خواتین کی کرکٹ، ہاکی، میر تھن ریس ہو یا میوزیکل کونسرٹ نیم عریاں لباس کے ساتھ لڑکے لڑکیوں کو باہم کھیلایا اور نچایا جاتا ہے۔ اسلام تفریح اور آزادی کے خلاف نہیں۔ لیکن وہ ایسی آزادی و تفریح کے خلاف ہے جو معاشرے کو تباہی کو بھینٹ چڑھادے۔ معاشرے کے وہ ذمہ دار جو مغربی بیساکھیوں کے سہارے حکومت میں آتے ہیں اپنے آقاؤں کی خوشی اور ان کے ہاں پزیرائی کے لیے اس کلچر کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ وجہ مادی فوائد کا حصول ہے۔

بیوٹی پارلرز کی ترویج:

جب عورت کو معاشرے میں آزاد گھومنے کا اختیار حاصل ہو گیا تو ان میں ایک نئے تفسیاتی مقابلہ نے جنم لیا۔ یہ مقابلہ ہے ایک دوسروں سے بہتر دکھنے کا۔ لباس میں، شکل وصورت میں اور وضع قطع میں۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیئے بیوٹی پارلرز وجود میں آئے۔ یہاں بندے کو نیا رنگ روپ دیا جاتا ہے۔ مرد خواتین سے اور خواتین مردوں سے خدمات حاصل کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ امراء و متوسط طبقہ خوبصورت دِکھنے پر لاکھوں صرف کرتا ہے۔ یہاں عام انسان کو دولہا اور دلہن کے روپ میں ڈھالا جاتا ہے۔ ہمارے کئی دوست اس دھوکے کو اپنا مقدر سمجھ کر زندگی نبھا رہے ہیں۔ "ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔۔۔" یہی بیوٹی پارلرز دھوکہ دہی کے علاوہ فحاشی اور بے حیائی کی ترویج کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں۔

مساج سنٹر:

مادیت کے تعیشانہ طرز عمل اور بدمست ہاتھی نے جب بھی انگڑائی لی تو معاشرے کے لیے کسی نئی خرابی اور بربادی کی بنیاد رکھی۔ ان میں سے ایک نئی آفت مساج سنٹرز ہیں۔ جہاں خواتین مردوں اور مرد خواتین کا مساج کرتے ہیں۔ مساج کے ان مراکز پر عیاش اور بے دین امراء طبقہ کے افراد شیطانی تسکین کے حصول کے لیے جاتے اور دولت لٹاتے ہیں۔ وطن عزیز کے پوش علاقوں کے علاوہ دارالخلافہ میں ایسے مراکز پر جب چھاپے پڑتے ہیں تو معلوم ہوا یہ تو قحبہ گری میں بھی ملوث ہیں۔ مادیت کا کیا امتزاج ہے کہ ایک طرف پیسہ کمانے لیے یہ قبیح کاروبار شروع کیا جاتا ہے تو دوسری طرف زردار، مادی اور منفی راحت کے حصول کے لیے زر لٹا رہے ہیں۔

دکھلاوہ:

دکھلاوہ یعنی (Show Off) مادیت کا ایک اور قبیح مظہر ہے۔ یہ شو کرنا کہ میں کتنا امیر، باصلاحیت، طاقتور، خوبصورت اور با اثر ہوں۔ آج ہمارے معاشرے میں جنون کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ہر کوئی اسی خبط کا شکار ہے۔ اس خبط نے معاشرے کے کندھوں پر بوجھ بڑھا دیا۔ دوسروں پر خود کو برتر ثابت کرنے کے اس غیر فطری مقابلہ نے ہمارے معاشرے کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ معاشرہ حقیقت پسندی سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔ اس منفی مقابلہ میں کئی تو جان بھی گنوا بیٹھتے ہیں، مگر اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ اس کی وجہ ان کے دلوں اور دماغوں میں مغربی تہذیب کا راسخ ہونا ہے۔

﴿فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ﴾[1]

ترجمہ: سو وہ ان ہی کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں۔

خود کو معاشرے میں اعلیٰ ثابت کرنے کے لیئے گھریلو سامان فرج، گاڑی گھر وغیرہ اقساط پر لینا، شادی، سالگرہ اور دعوتوں میں قرض لے کر زیادہ خرچ کرنے کا رواج عام ہے۔ ہر کوئی دوسرے سے آگے نکلنے کی ضد بازی پر ڈٹا ہے۔ بڑے اور خوبصورت مکانات اور ان کی سجاوٹ پر کروڑوں خرچ کرنا۔ بلا ضرورت گاڑیوں کے برانڈ اور ماڈل کے بنا پر بدلنا۔ دکھلاوے کے یہ مناظر ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ مقصد مادی برتری قائم کرنا ہے۔

عریانیت:

مغربیت کے مذہب سے آزادی حاصل کرنے کے اہم مقاصد میں سے ایک عورت تک آزادی سے رسائی حاصل کرنا بھی تھا۔ مذہب اس میں رکاوٹ تھا۔ اس سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیا۔ اس معاشرے کے مکاروں نے عورت کے تقدس اور عظمت کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ فیشن، ماڈل اور ماڈرن کے میٹھے زہر آلود جال میں جکڑ کر اس کو بے لباس کرنا شروع کر دیا۔ لباس تقدس، عظمت و عزت اور تحفظ کا ضامن تھا۔ نت نئے ڈیزائینز اور فیشن شوز کے ذریعہ ننگے پن کو رواج دیا گیا جس کا مقصد عورت تک لذت اور سہولت کے حصول کے لیئے رسائی کی راہ ہموار کرنا تھا۔ مسلم معاشروں کے کمزور ایمان خاندانوں نے مادی برتری اور مرعوبیت کے باعث ان کی تقلید شروع کر دی۔ پہلے عبایہ کو ترک کیا، پھر چادر کا سائز کم کیا۔ بغیر بازو قمیض اور تنگ پاجامہ تک بات پہنچی۔ پینٹ شرٹ میں بھی یہ مرض پایا جاتا ہے۔ تنگ لباس اور نیکر شرٹ پہن کر گھر اور بازاروں میں عام پھرتے ہیں۔ عریانیت نے معاشرے کے

۱۔ الصافات: ۷۰

منفی جذبات کو جس طرح برانگیختہ کر رکھا ہے۔ اس سے خواتین تو در کنار، بچے اور بچیاں تک عدم تحفظ کا شکار ہو چکے ہیں۔ جب بھی انسان نے فطری تعلیمات کو فراموش کیا تو اس نے نقصان اُٹھایا۔ عریانیت باعث فساد و عقل و دین و جسم ہے۔ قرآن حکیم نے اپنے عالمی خطاب میں بلا امتیاز ہر فرد کو ایسا لباس پہننے کا حکم دیا جو پورے جسم کو چھپائے ہوئے ہو۔ فرمایا:

﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اے نبی آدم ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے۔

عورت کا آزاد گھومنا:

جدید مغربی تہذیب نے معاشرے کی بگاڑ کی بنیاد، آزادی نسواں کے نعرے پر رکھی۔ عورت کی آزادی کا ایسا مفہوم اور عنوان قائم کیا جو فطرت کے خلاف تھا۔ مغرب کے آزاد معاشرے نے جب دنیا پر اپنا تسلط قائم کیا تو مسلم خواتین بھی اس سے مئوثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ آج ہماری خواتین کی اکثریت تقریبات، بازاروں، اندرون و بیرون ممالک آزادی سے گھوم رہی ہیں۔ اس غیر فطری آزادی نے معاشرے کو کئی مسائل سے دوچار کر رکھا ہے۔ ڈیٹنگ، کلچر کو روب اختیار کر چکی ہے۔ امیر اور سرمایادار افراد بغیر نکاح کے خواتین سے دوستی رکھتے ہیں۔ انہیں کواٹر اور گاڑیوں تک کی سہولت دیتے ہیں۔ غیر ملکی دوروں میں وہ انہیں ہمراہ لیجاتے ہیں۔ بسا اوقات کرنسی اور منشیات سمگلنگ میں بھی یہ ان سے مدد لیتے ہوئے پکڑے جاتے ہیں۔ زینت و زیبائش کے ساتھ آزاد پھرنے والی یہ خواتین مردوں کا شکار کرنے اور شکار بننے کی غرض سے سرگرداں رہتی ہیں۔ اس چلن کی خواتین دنیا و آخرت کے خسارے سے دوچار ہو کر رہتی ہیں۔ ان کے بارے خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

﴿لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا﴾[2]

ترجمہ: نہ جنت میں داخل ہونگی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔

قرآن مجید میں ایسے بدکار معاشرے کے لیے سخت عذاب کی نوید سنائی ہے۔ فرمایا:

﴿يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ﴾[3]

ترجمہ: اس کو دوگنی سزا دی جائے گی۔

۱۔ الاعراف:۲۶

ا۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب اللباس وزینۃ، باب النساء القاسیات العاریات المائلات والممیلات، ح ۱۹۴۷

۲۔ الاحزاب:۷۰

مخلوط نظام تعلیم:

اکیڈ میاں، سکول، کالجز اور یونیورسٹی کی مخلوط تعلیم کی پیچھے اصلاً مادی نظریہ ہی کار فرما ہے۔ان اداروں کے ذمہ داران و مالکان یہ سمجھتے ہیں کہ اس نظام کے باعث زیادہ سے زیادہ طالبات اور ان کے پیچھے طلبہء داخلہ لیں گے۔اس سے ان کی ریونیو میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو گا۔بیرونی قوتیں اپنے مقاصد کے لیے مخلوط تعلیم کے نظام کو مسلط کرتی ہیں۔تعلیمی ادارے جو معاشروں کی اخلاقی و دینی تعمیر کا مرکز اور گھر ہوتے تھے آج اس مقولے کا مصداق ہو گئے کہ:

"گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

اس ماحول میں تعلیم پر خوب زور دیا جاتا ہے لیکن تذکیہ نفس و تعمیر سیرت کا کوئی نام و نشان نہیں۔ڈگری ہولڈرز تو بے شمار ہیں مگر انسان خال خال۔جس تعلیم کے ساتھ تربیت نہیں وہ نفع نہیں نقصان کا باعث بنتی ہے۔تعلیم کے عروج کے اس دور میں یہ ادارے اچھے افراد کی تخلیق سے بانجھ ہو چکے ہیں۔تعلیم کا مقصد مادی ترقی کے سوا کچھ نہ رہا۔مقصد زندگی سے توجہ ہٹا کر محض ضرورتِ زندگی پر مرکوز کر دی گئی۔آپ ﷺ نے دعا کے ذریعہ یہ سمجھایا کہ زندگی اور تعلیم کا اصل مقصد معرفت الہیٰ اور آخرت ہے۔

((وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا))[۱]

ترجمہ: اے اللہ! دنیا کو ہمارا اصل مقصد اور نہ حصول علم کی وجہ بنا۔

کُتے پالنے کا شوق:

باقی جانوروں کی طرح اللہ تعالیٰ نے کتوں کو انسان کی جان و مال کی حفاظت و خدمت کے لیئے تخلیق فرمایا۔مگر مغربی نقالی نے اس نظریہ کو یکسر الٹ کر دیا۔ہوا یوں کہ انسان کتوں کی خدمت اور انکے تحفظ میں لگ گیا۔اعلیٰ نسل کے کتے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیوں میں خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ان کتوں کے ناز نخرے اٹھانے کے لیئے درآمد شدہ غزائیں اور بہترین گوشت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ان کی رہائش کے لیئے ائیر کنڈیشن کا انتظام کیا جاتا ہے۔امراء کے بچے ان کے ساتھ کھیلتے اور گاڑیوں میں ساتھ سفر کرتے ہیں۔کتوں کی خوبیاں بیان کرنے میں گھنٹوں وقت صرف کیا جاتا ہے۔ڈاگ شو کے نام پر مقابلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ان کے پاسپورٹ بنتے اور ویزے لگتے ہیں۔

۳۔الترمذی، السنن، کتاب الدعوات، ح ۳۵۰۲، صحہ الترمذی

یہ ملک وملک ہوائی سفر کرتے ہیں۔ بعض لوگ تو معاشرے میں اپنے وقار کے اضافے کے لیے کتوں کا سہارا لیتے ہیں۔ والدین اور مہمان کے پاس نہ بیٹھنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جناب اب کتے کی سیر کا وقت ہو گیا اور میں اس کے ساتھ جاتا ہوں۔ یوں "احسن تقویم، اسفل سافلین" کے درجے پر جا پہنچا۔ ایسے بندے کو سمجھا کر دیکھ لیجیے۔ آپ کو مایوسی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا، وجہ سمجھنے کے لیئے تسلی بخش جواب قرآن دیتا ہے کہ:

﴿فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ﴾[1]

ترجمہ: تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔

کتا اپنے مالک کی ہر دم اطاعت کرتا ہے مگر انسان۔۔۔۔۔

ٹی۔وی، انٹرنیٹ اور موبائل:

مادیت کی گود میں پلنے والی جدید سائنس نے ٹی۔وی کو ایجاد کیا جس نے معاشرتی اقدار کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے۔ پیار و محبت، رحم دلی، مروت، احترام اور اطاعت کے جذبات واحساسات کو ناپید کر دیا۔ ٹی۔وی پر توجہ کے باعث بچے ماں باپ کی شفقت سے محروم ہوئے۔ ٹی وی کے متعلق مغربی مفکر کا اپنا کہنا ہے کہ

"Advertising enhances Matera lism because it is designed to arouse desires wich results parent-child conflict and unhappiness"[2]

ترجمہ: تشہیر بھی مادیت کو ترویج دیتی ہے اس لیے کہ یہ خواہشات کو برانگیختہ کرنے کے لیے بنائی جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں والدین اور اولاد میں ٹکراؤ اور پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے بیگانہ ہو گئی۔ ڈراموں، فلموں اور کارٹونز کے ذریعہ بچوں میں بگاڑ، بغاوت اور فحاشی پیدا کی جارہی ہے۔ غیرت وحیا کا اس وقت جنازہ نکل جاتا ہے جب والد اور بھائی اپنی جوان بیٹی اور بہن کے ساتھ بیٹھ کر فلمیں اور ڈرامے دیکھتے ہیں۔ بڑا بنگلہ، اچھی گاڑی اور اعلیٰ معیارِ زندگی ان ڈراموں میں دکھا کر نوجوان نسل کو مادیت کی ترغیب و تعلیم دی جاتی ہے۔ فحش پروگراموں کے ذریعہ مسلم معاشرے میں اخلاقیات واقدار کے خاتمے کا سوچا سمجھا منصوبہ جاری وساری ہے۔ انٹرنیٹ اور موبائل نے خاندان کی رونقیں لوٹ لیں۔ پاس ہو کہ بھی آج ہمارے بیچ دوریاں بڑھ گئیں۔ فحش سائیٹس اور فلموں نے نوجوان نسل کو ذہنی طور پر مفلوج اور جسمانی اعتبار

۱۔ الاعراف:۱۷۶

2 .M. Buijzin, P.M. valkenburg, applied developmental Psychology, 24, 2003, P.437

سے معزور کرنا شروع کر دیا ہے۔ ٹچ موبائل اور اس پر دی جانے والی نیٹ سہولیات نے آوارگی، فحاشی اور برائی کو تیز سے تیز تر کر دیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس کی قوم نے رب کی بغاوت اختیار کرتے ہوئے منکرات کا راستہ اختیار کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹا دیا۔

﴿ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾[1]

ترجمہ: یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔

ناچ گانا:

ناچ گانا مغربی تہذیب کی گھٹی میں شامل ہے۔ مسلم معاشروں کے چند نادانوں نے اسے درآمد کر کے ہمارے معاشرے میں پھیلا دیا۔ یہ صرف ناچ گانا ہی نہیں بلکہ معاشرتی بگاڑ کا ایک مکمل پیکج اور منصوبہ ہے۔ ہمارے نوجوان نے اس کے گروپ بنا لیے ہیں۔ یہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ناچ گانے کے پروگرام پیش کرتے ہیں۔ سرکاری اور نجی شعبہ جات اپنے پروگراموں اور تقریبات کے لیئے اعلیٰ داموں پر ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ اشرافیہ کی شادیاں ہوں یا بڑے ریسٹورانٹ یا ہوٹل ہوں، گانا اور میوزک ان کے کاروبار کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ تعلیمی اداروں میں ناچ گانے کے پروگرام بڑے اہتمام سے کیے جاتے ہیں۔ اس موقع پر اساتذہ چوکیداری کے فرائض انجام دے رہے ہوتے ہیں اور گانے بجانے والوں کو بڑا پروٹوکول دیا جارہا ہوتا ہے۔ جس قوم میں اساتذہ کی تذلیل اور سنگر کی تعظیم کی جائے اس معاشرے میں سنجیدہ اور باوقار افراد ناپید ہو جاتے ہیں۔ استاد کو ۱۵۰۰۰ روپے ماہانا تنخوا پر رکھا جائے اور سنگر کو ایک گھنٹہ کے چھ لاکھ دیئے جائیں۔ ایسے میں قوم کی سرفرازی کا خواب کیسے شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔ گانا اور موسیقی انسان میں منفی جذبات کو ابھارنے کا باعث ہیں۔ اس کی قباحتیں ہزار اور فائدہ ایک نہ دو۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

((فیا للعجب! ایّ ایمان و نورٍ وبصیرۃ وھدی و معرفۃ تحصل باستماع الاغانی))[2]

ترجمہ: حیرت ہے کہ ان گانوں کے سننے سے کونسا ایمان، نور، بصرت، ہدایت اور معرفت حاصل ہوتی ہے۔

ا۔ الانعام:۱۴۶

ا۔ ابن القیم الجوزیہ، مدارج السالکین، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ)، ص:۱ / ۴۸۶

سیلز گرلز:

سرمایہ دارانہ نظام نے صنعت کو بجا طور ترقی دی۔ پیداوار کی بھر مار لگادی اپنے مال کو فروخت کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ اختیار کیا۔ خریدار کو اپنی پیداوار کی طرف متوجہ کرنے کے لیے خوب رو نوجوان لڑکیوں کی خدمات لی جا رہی ہیں۔ انہیں سیلز گرلز کا نام دیا گیا۔ شرٹ اور پینٹ اکثریت کا یونیوفارم مقرر کیا گیا۔ یہ خواتین بڑے سٹوروں اور شاپنگ مالز پر مسکرا کر گاہک کا استقبال کرتی اور پراڈکٹس کا تعارف کراتی اور خریدنے کا ترلہ کرتی ہیں۔ بعض کمپنیاں اپنا مال بیچنے کے لیئے انہیں گلی گلی اور گھر گھر بھیجتی ہیں۔ عوام کو متوجہ کرنے اور زیادہ پیسہ کمانے کے لیئے آج ہر شعبہ میں نواجون خوبرو خواتین استعمال ہو رہی ہیں۔ ائیر ہوسٹس، صاحب کی سیکریٹری، کریڈٹ کارڈ فروخت کرنا ہو یا انشورنس کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا ہو، ہر جگہ نوجوان لڑکیاں سیلز گرلز کے طور پر کام کرتی ہیں۔ اس سب کے پس پردہ برائی کا بازار سر گرم ہے۔ ان خواتین کے لٹنے اور لوٹنے کے واقعات کی خبریں آئے روز کا معمول ہیں۔ یہ خواتین جب گھر سے نکلتی ہیں تو پہلے ان کا لباس چھین لیا جاتا ہے پھر حیا بھی اور بسا اوقات ان کے جسم کو بھی نوچ لیا جاتا ہے۔ اسلام نے عورت کے تحفظ اور وقار کی خاطر لباس، حقوق اور گھر سے باہر جانے کے حوالے سے مردوں سے زیادہ احکامات بیان کیے:

((إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ))[1]

ترجمہ: جب تم میں حیاء نہیں تو جو چاہو کرو۔

موجودہ مسلم معاشرے کی خواتین کا اصل مسئلہ یہی ہے۔

آرٹ اکیڈمیاں:

مغرب اور ہندو معاشرہ کی طرز پر آج مسلم معاشروں میں بالعموم اور وطن عزیز میں بالخصوص آرٹ اکیڈمیوں کا رواج عام ہو رہا ہے۔ یہ اکیڈمیاں گانا، ناچنا اور ایکٹنگ کرنا سیکھاتی ہیں۔ ہمارے بڑے شہروں میں یہ وبا عام ہے۔ بڑے شہروں میں چونکہ ہر چھوٹے شہر اور گاؤں کے لوگ روزگار کے حصول کے لیے آتے ہیں اور جب یہ اپنے علاقے میں لوٹتے ہیں تو وہ اس وبا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مغرب زدہ مادر پدر آزاد ہمارے ملک کی نوجوان

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء، ح ۳۴۸۴

نسل کا رجحان اس طرف بڑھ رہا ہے۔ بعض ٹی۔وی چینلز ان کے درمیان ناچ گانے کے مقابلے کراتے ہیں۔ آرٹ اکیڈمیوں سے اٹھنے والی شیطانی آوازیں ٹی۔وی کے ذریعہ ہر گھر تک پہنچتی ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے مقابلہ کا اعلان ہو تو (الاماشااللہ) اکثر احترام سے معذرت کرتے ہیں، تاہم گانے یا ناچنے کی سلیکشن کا اعلان ہو تو میلوں، میل قطاروں میں گھنٹوں انتظار کرنے والے ہر شہر میں ہزاروں دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھر حال ان لوگوں کی زلت ورسوائی کا حتمی اعلان فرمادیا ہے۔

﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ﴾[1]

ترجمہ: دیکھو یہ بلاشبہ مفسد ہیں، لیکن خبر نہیں رکھتے۔

فساد فی الارض کا کاروبار کر کے سمجھتے ہیں کہ وہ خلق خدا کی فرحت کا سامان کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ قرآن نے اس سوچ کو ان کے شعور کی کمزوری کی علامت قرار دیا۔

اولڈ ہومز:

مادیت کے اثرات نے جہاں معاشرے کے ہر فرد کو متوثر کیا وہاں بزرگ اور بوڑھے بھی اس کی زد میں آگئے۔مادہ پرستی کی دوڑ میں مغربی معاشروں کے جوانوں کے پاس جب بوڑھے والدین کی دیکھ بھال کا وقت نہ بچا تو انہوں نے انہیں بوجھ سمجھنا شروع کر دیا۔ آخر ان کے ہاں اولڈ ہومز کا تصور سامنے آیا۔ان قومی معماروں اور محسنوں کو بے آسرا و بے سہارا ان قید خانوں میں بند کر دیا گیا۔بلک بلک اور سِسک سسک کر ان کی زندگی کا سورج غروب ہو جاتا ہے۔ان کی دیکھا دیکھی ہمارے معاشرے کے مادہ پرستوں نے بھی اسی طرح والدین کو اولڈ ہومز جانے پر مجبور کرنا شروع کر دیا ہے۔اسلام نے ان کی خدمت واحترام کا حکم دیا تھا۔

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[2]

ترجمہ: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ))[3]

ترجمہ:۔بوڑھے مسلم کی تکریم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو تسلیم کرنے کی علامت ہے۔

ا۔ البقرہ:۱۲

ا۔ الاسراء:۲۳

ا۔ابوداؤد،امام ابوداؤد سلیمان، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلھم، ح:۴۸۴۳

"احسان" کے حکم سے اولاد کو والدین کی تاحیات خدمت اور اطاعت کا حکم دے دیا گیا۔ ایک سچا مسلمان اپنا تن، من اور دھن سب والدین پر فدا کر دیتا ہے۔ وہ کماتا، خرچ کرتا، سوتا جاگتا اور جیتا اور مرتا اپنے والدین کے لیے ہے۔ والدین کا احترام زندگی کی درست رہنمائی اور جینے کا گر اور مرنے کا سلیقہ سیکھاتا ہے۔ جو اولاد والدین کی نافرمانی کی داستان لکھتے ہیں یہی داستان اگلی نسل انہیں پڑھ کر سناتی ہے۔

الغرض! امت مسلمہ نے جب تک دین فطرت کو مشعل راہ بنائے رکھا وہ دینی، معاشرتی، معاشی و سیاسی اعتبار سے غالب رہے۔ یہ سربلندی اور برتری مشرق و مغرب میں غالب رہی۔ مسلمان مقتدیٰ بھی اور مقتدی بھی رہے۔ دین اور جہاد پر جیسے ہی ان کی گرفت کمزور ہوئی تو بے دین قوتوں نے انہیں دبوچ لیا۔ عزت کے ساتھ امامت بھی چھین گئی۔ یہ اس لیئے کہ قرآن نے انہیں جو سربلندی اور سرفرازی کا جو اصول دیا تھا اسے فراموش کر دیا۔ وہ اصول یہ ہے۔

﴿وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

جب سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا پر اپنا تسلط قائم کیا تو اپنے فکر و عمل کو دنیا پر مسلط کرنا شروع کیا۔ اس کی زد میں مسلم معاشرے بھی آئے۔ شروع میں کچھ مزاحمت تو ضرور نظر آئے تاہم اگلی نسل نے مادیت کے سامنے پسپائی شروع کر دی۔ آج مسلمان معاشرے بھی مادہ پرستوں کے ہمنوا ہو گئے۔ اس صورت حال پر ہر کوئی نوحہ کناں ہے۔

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا[2]

مادیت اور مفاد کی مسابقت میں چند سرمایہ داروں کی لڑائی میں اکثریت پس رہی ہے۔ مزے کی بات یہ کہ مادیت کے ناکامی کے اسباب بھی تیزی سے ظاہر ہونے لگے ہیں۔ مغرب میں اہل علم و دانش اسلامی نظام کی عظمت کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔ ایسی صورت میں مادیت پر مبنی معاشی نظامی نے دنیا کی معیشت اور معاشرت کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ مسلم معاشرے کو اشرافیہ بھی اسی دوڑ میں شامل ہیں۔ اگر مسلمہ معاشروں کے ذمہ داروں نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو دنیا اور آخرت کی ناکامی و شرمندگی مقدر بن جائے گی۔ مال و زر پر قائم دوستیاں دشمنیوں میں بدل جائیں گی۔

۱۔ آلِ عمران: ۱۳۹

۲۔ علامہ، ڈاکٹر محمد اقبال، بانگِ درا، نظم 'شمع'، بند نمبر ۳

﴿وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ﴾[1]

ترجمہ: اور جب وہ دوزخ میں جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے آدمیوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کرسکتے ہو؟

مایوسی کی بات نہیں مسئلے کا حل اسلام کے پاس موجود ہے۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ اُمت مسلمہ مغربی امامت کو چھوڑ کر امام الانبیاء کی امامت میں جُت جائے۔

۲۔ الغافر:۴۷

فصل سوم

مادیت کے معاش اور معاشرت پر اثرات کا تدارک

اسلام کی نظر میں معاش اور معاشرت کی اہمیت:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں میں ممتاز مقام عطا کیا ہے۔اس امتیاز کی بنیاد اس کی تین اہم خوبیاں ہیں۔ایک یہ کہ انسان ذاتی مفاد پر مفاد عامہ کو ترجیح دینے کی خوبی رکھتا ہے۔دوسری اہم خوبی علم ہے۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت عطا کی۔نت نئی چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے۔علم اور معلومات میں اضافہ کرتا اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کی تکمیل میں مگن رہتا ہے۔تیسری خوبی اس کا ذوق جمال ہے۔اچھا کھانا،صفائی وپاکیزگی اور خوبصورت رہائش اور لباس میں رغبت اس کا ثبوت ہیں۔اسلام نے معاشرے کو جسم اور افراد کو اس کے اعضاء قرار دیا۔تنہاء فرد کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ﴾[1]

ترجمہ:جو جماعت سے الگ ہوا وہ آگ میں گیا۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں[2]

((تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ))[3]

ترجمہ:باہمی محبت،رحم دلی اور شفقت میں اہل ایمان ایک جسم کی طرح ہیں۔

فطرت نے انسان کو مادی اور روحانی ضروریات فراہم کرنے کے بعد ان کے حصول کے لئے سعی و محنت کا حکم دیا۔انسان کی روحانی اور مادی ترقی کا دارومدار اسی محنت کو قرار دیا۔اس ترقی کے مظاہر معاش اور معاشرہ ہیں۔کسی بھی معاشرہ کی ترقی اور فلاح کا انحصار اس کی معاشی ترقی پر ہوتا ہے۔معاشی کمزوری معاشرے کے بگاڑ کا

۱۔الترمذی،السنن،کتاب الفتن،باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ،ح۲۱۶۷

۲۔ڈاکٹر،محمد اقبال،بانگ درا،نظم،'شمع اور شاعر'

۳۔البخاری،الجامع الصحیح،کتاب الخلق،باب رحمۃ الناس بالبھائم،ح۶۰۱۱

باعث بنتی ہے۔ خوش حال معاشرہ متحد، صالح اور نظریاتی معاشرہ ہوتا ہے۔ معیشت جس قدر فطرت کے اُصولوں کے مطابق ہوگی ترقی کرے گی۔ اس لیئے اس کے اصول مقرر کئے گئے۔

ہر فرد کو محنت کرنے کا حکم دیا۔ مشکل میں باہمی تعاون کی ترویج کا حکم دیا گیا۔ بغیر محنت کے حاصل ہونے والی دولت کو حرام قرار دیا۔ معاش میں افراط و تفریط معاشرے میں طبقاتی تقسیم پیدا کرتی ہے۔ جاگیرداروں، وڈیروں اور سیاسی پنڈتوں اور افسروں نے معیشت پر قبضہ کرنے کے بعد معاشرے کو بھی یرغمال بنالیا ہے۔ معاش ومعاشرت کی ان بیماریوں کی بروقت تشخیص نہ ہوئی تو امت کو ناقابل تلافی نقصان کا خدشہ ہے، عصری، مادی کلچر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ یہ ہماری معاش اور معاشرے دونوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچارہا ہے۔ فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مادیت کے سامنے کوئی بند باندھا جائے۔ مادیت کے اثرات کو کم یا ختم کرنے کے لئے کوئی راہ دریافت کی جائے۔ ذیل میں معاش اور معاشرت پر اس کے اثرات کا تدارک پیش کرنے کی سعی کی ۔

مادیت کے معاش پر اثرات کا تدارک

اسلام نے دنیوی زندگی کا اصل مقصد آخرت کی تیاری اور اعمالِ صالحہ کی صورت میں نیکی اور ثواب جمع کرنا قرار دیا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مسابقت کا حکم دیا۔

﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: (بندو) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی (طرف) جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے۔

اس مقصد کے لئے انسان کو بہر حال اس دنیا کے کمرہ امتحان میں کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے۔ یہاں انسانی جسم کو کئی ضروریات وحاجات سے منسلک کر دیا۔ ان ضریات و حاجات کے حصول کے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ انہیں شریعتہ اللہ کا درجہ دیا۔ ان قوانین کو بھی اللہ تعالیٰ نے بندے کی بندگی کو پرکھنے کا ذریعہ بنایا۔ دنیوی ضروریات وحاجات کی تکمیل کا ذریعہ چونکہ مال ہے۔ اس لئے اس سے متعلق مفصل احکام بیان کر دیے۔ معاملہ کسب مال کا ہو یا صرف و تقسیم کا اسلام مکمل معاشی نظام فراہم کرتا ہے۔ اس کی شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق اس کی جستجو کا حکم بھی دیا گیا۔ فرمایا:

ا۔ الحدید:۲۱

((طَلَبُ کَسبِ الحَلالِ فَرِیضَۃٌ بَعدَ الفَرِیضۃِ))[1]

ترجمہ: کسب حلال باقی فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

اسی کسب حلال کو قبولیت عبادت و دعا کی بنیاد قرار دیا اور غیر مشروع ذرائع سے حاصل کئے گئے رزق کو عبادات کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی عبادت کے مقصد کے لئے، وطن، گھر، اہل وعیال اور رشتہ داروں کو ترک کر کے پراگندہ حالت میں خانہ کعبہ حاضر ہو اور دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے، اس حال میں کہ اس نے حرام کھایا، پیا اور پہنا تو:

((فَأنّٰی یُستَجَابُ لِذٰلِکَ))[2]

ترجمہ: اس کی دعا وعبادت کیسے قبول ہو گی؟

سوال یہ ہے کہ وہ انسان جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطاء کر کے خیر و شر اور صحیح و غلط کی پہچان کو آسان بنایا۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو بخوبی سمجھتا ہے۔ یہ کیسے حصول رزق جیسے اہم معاملہ کے بارے اس قدر غیر ذمہ دار واقع ہو سکتا ہے کہ وہ چور دروازے سے مال و دولت حاصل کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ حرص ولالچ بتائی گئی۔

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾[3]

ترجمہ: (لوگو) تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔

پھر فرمایا۔

((يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي مَالِ))[4]

ترجمہ: ابنِ آدم کہتا ہے ہائے میرا مال ہائے۔

جب انسان دنیوی حلاوت و چمک کو قریب اور اہم ماننے لگتا ہے اور آخرت کو بعید اور او جھل، تو اس کے فکر و عمل ظاہری و دنیوی فوائد کے تابع ہو جاتے ہیں۔ آخرت کو فراموش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ روحانیت پر مادیت کو ترجیح دیتا ہے۔ خالق کائنات کے دستور کی جب خلافی ہوتی ہے تو بحر و بر میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ پھر نہ تخت بچتا ہے نہ

۲۔ الطبرانی، حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد، معجم الکبیر، (الریاض: دار الزایۃ)، کتاب الحلال والحرام، ص: ۱۱/۴۸

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا، ح ۲۳۴۰

۲۔ التکاثر: ۱

۳۔ الترمذی، السنن، کتاب الزھد، ح ۲۳۴۲

بخت، نہ ہی مال و عیال۔ ایسے شخص کو نہ آسمان سایہ دیتا ہے اور نہ زمین رہائش و تسکین۔ اس کی چیخ آسمانوں اور زمین میں گونجتی ہے۔

﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ﴾[۱]

ترجمہ: (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔

ایسے مادہ پرست کے لئے دنیا و آخرت میں خسارے کے سوا کچھ نہیں سابقہ فصول میں مادیت کے برے اثرات کا ذکر کیا گیا۔ یہاں ان کے تدارک اور سد باب پر بحث ہو گی۔

مادیت کے اثرات کا تدارک

- اسلامی نظم معاش کی بنیادیں
  - اسلامی نظم معاش کی تکون
    - ۱۔ کسب مال
    - ۲۔ تقسیم مال
    - ۳۔ صرف مال
  - حلال و حرام کا تصور
- عقائد کی پختگی
  - فرائض کی بجا آوری
  - فکر سلیم کی نشو و نما
  - اسلامی تجارتی ضابطہ اخلاق کی پاسداری
  - حکومت کی ذمہ داری
- سرمایہ دارانہ نظام کو چیلنج

اسلامی نظم معاش کی بنیادیں:

اسلامی نظم معاش چند بنیادی ضوابط پر قائم ہے۔ ان اصولوں کی پابندی دنیا پرستی اور مادیت کے سد باب اور تدارک میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ اصول نیکی اور بدی، صحیح و غلط اور گناہ و ثواب میں فرق و پرکھ اصل پیمانہ ہیں۔ ان کی توضیح ذیل میں پیش خدمت ہے۔

التقویٰ:

تقویٰ کا معنی "بچاؤ اور پرہیز" کے ہیں۔ اس سے مراد اپنے نفس کو ہر ایسے قول و عمل سے بچانا جو دنیوی اور اخروی زندگیوں کے لئے نقصان دہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے تقویٰ پر پوری قوت صرف کرنے کا حکم دیا ہے۔

۴۔ الحاقۃ: ۲۹

((فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ))[1]

ترجمہ: حتی الوسع اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

اللہ تعالیٰ نے اسی تقویٰ کو دنیاو آخرت کی ہر چیز کا سرچشمہ قرار دیا۔ فرد و معاشرہ جب تقویٰ اللہ پر کاربند ہو جاتا ہے، تو یہ مادیت و روحانیت میں فرق قائم کرنے کے علاوہ، دنیاداری اور مالی معاملات میں ہر قسم کی کرپشن سے بچاتا ہے، طاقت ور کو ظلم سے روکتا ہے۔ یتیم کا مال ہڑپ کرنے سے منع کرتا ہے۔ چھپ کر ملاوٹ اور ماپ تول میں کمی کے موقع کے باوجود اس سے باز رکھتا ہے۔ اس طرح تقویٰ مادیت اور اس کے باعث پیدا ہونے والی تمام خرابیوں کا تدارک کرتا ہے۔

عدل و احسان:

عدل و احسان پر قائم رہنے کا سختی سے حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾[2]

ترجمہ: خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

عدل و احسان کا حکم ادنی سے اعلیٰ تک ہر فرد کو دیا گیا۔ عدل واحسان کو ہر معاملہ کی بنیاد بنایا گیا۔ مسلم معاشرے کو حکم دیا کہ ہر معاملہ کو اسی کی بنیاد پر قائم کریں۔ عدل کے مقابل ظلم ہے۔ ظلم کو ہر سطح اور ہر معاملہ میں ممنوع قرار دیا۔ اسے حرام کا درجہ دیا۔ حدیث قدسی ہے۔ فرمایا۔

((يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي))[3]

ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کر دیا تو اب اسے تمہارے بیچ بھی ممنوع کرتا ہوں، تو باہم ظلم سے باز آجاؤ۔

قرآن و سنت نے جن معاملات میں عدل کا حکم دیا اور ظلم سے روکا، ان میں سے اکثر کا تعلق مالی معاملات ہی سے ہے۔ عبادات و معاملات سبھی کو عدل و احسان نے اپنے اندسمار کھا ہے، اللہ تعالیٰ خود عدل و احسان کے اصول پر قائم ہیں۔ کہ اگر بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے، یہ ہے عدل۔ احسان یہ ہے کہ اگر وہ ایک نیکی کرتا ہے

۱۔ التغابن:۱۶

۱۔ النحل:۹۰

۲۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم الظلم، ح ۶۵۷۲

تو دس لکھی جاتی ہیں، معاملات میں پورا تولنا عدل ہے اور جھکتا ہو یعنی زیادہ دینا احسان ہے۔ عدل پر احسان کو ترجیح حاصل ہے کہ:

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

عدل کے اصول پر قائم معاشرہ مادیت اور اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ معاشی معاملات میں جب آجر واجیر ایک دوسرے سے احسان کا معاملہ کرتے ہیں تو صحت مند معاشی سرگرمیاں پروان چڑھتی ہیں اور معاشرہ معاشی اعتبار سے مضبوط بنیاد پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

تعاون:

اسلام نے اہل اسلام کو جس بے لوث تعاون کا حکم و تعلیم دی اس کی ترویج بھی مادہ پرستی کے تدارک میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ فرمایا

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾[2]

ترجمہ: اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

معاشرہ میں امداد و تعاون جس قدر پروان چڑھتی ہے وہ معاشرہ اسی قدر مربوط و مضبوط ہوتا ہے۔ رشتہ مواخات کی بقاء میں باہمی تعاون کو خشت اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ خود غرضی، لالچ اور مال وزر کی بے جا خواہش کا سدباب ہوتا ہے۔ جائز وناجائز مال کو جمع کرنے کی حرص کو دلوں سے نکال کر اخوت اور انس پیدا کر کے انسانی عظمت کو قائم کرتا ہے تعاون، مادیت کا قلع قمع کرتا اور معاشرے کو معاشی ترقی سے ہمکنار کرتا ہے۔

مساوات:

مساوات اسلامی معاش کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ مساوات کی وسعت میں عبادات و معاملات سبھی شامل ہیں۔ من حیث الفرد مرد و خواتین سب برابر ہیں۔ عبادات و فرائض کی بجا آوری میں سب برابر ہیں۔ یونہی دونوں کی جان ومال کا تقدس بھی مساوی ہے، جزاو سزا میں بھی برابر ہیں، فرمایا

۳۔ آلِ عمران: ۱۳۴

۱۔ المائدہ: ۲

﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾[1]

ترجمہ: اور جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

پھر فرمایا

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ﴾[2]

ترجمہ: مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے۔

اسلام نے معاشی اعتبار سے مرد و زن کو یکساں حقوق عطا کر کے تقسیم دولت کا ایسا شاندار نظام کیا کہ جس سے مادیت کا کلچر ختم کرنے میں مدد ملتی ہی۔ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے کے بجائے معاشرے کے ہر فرد (مرد و زن) تک جب پہنچتی ہے تو ہر فرد کو معاشرے میں ذمہ دارانہ کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ہر کوئی اپنی صلاحیت کا بھرپور استعمال کر کے معاشرے کی مضبوط معیشت میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ جب معیشت پر مساوات کے اس فطرتی حق کو تسلیم کر لیا جاتا ہے تو مادیت کی راہیں مسدود ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اخوت:

اخوّت میں محبت و اپنائیت پائی جاتی ہے۔ مسلم معاشرے کا ہر فرد اس رشتہ کی لڑی میں پرویا ہوتا ہے۔ خوشی غمی، مشکل و آسانی اور فقر و غناء ہر حال میں یہ رشتہ اہل وسلام کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھتا ہے۔ ہر کوئی ایثار و قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رکھتا ہے۔ یہ جذبہ مادی فکر کو توڑنے اور اس کے مہلک محرکات سے معاشرے کو بچانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں مواخات مدینہ کی عملی مثال ہمارے سامنے ہے یہ رشتہ علاقے، خاندان اور زبان سے بالاتر عالمی رشتہ ہے۔ فرمایا

﴿الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ﴾[3]

ترجمہ: مومن مومن کا بھائی ہے۔

۲۔ الطہٰ: ۱۱۲

۳۔ النساء: ۳۲

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ حتیٰ یاذن اویترک، ح ۳۴۶۴

اس رشتہ کی عظمت یہ ہے کہ اس کے باعث دوسروں کے مال کو ناجائز ہتھکنڈوں سے کھانے کی بجائے ان پر لٹانے اور خرچ کرنے پر اکساتا ہے۔

اسلامی نظم معاش کی تکون:

اللہ علیم و حکیم نے انسان کو ایک خاص مقصد کے لئے اس دنیا میں بسایا۔ انسان کو اس مقصد پر توجہ مرکوز رکھنے کی تعلیم اور حکم دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت میں ضروریات و حاجات بھی رکھ دیں۔ ان ضروریات کے حصول کے لئے وسائل وافر مقدار میں پیدا کئے۔ ان وسائل کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر حکمت بالغہ سے پورے معاشی نظام کو اصل مقصد (یعنی عبادت) سے جوڑا۔ پھر معاش کو مکمل نظام کی صورت دی۔ اس نظام کو دین کے تابع کر دیا تا کہ انسان مادہ پرستی کی راہ نہ اختیار کرے۔ اس نظام کے تین اہم مراحل ہیں۔

ا۔ کسب مال ب۔ تقسیم مال ج۔ صرف مال

کسبِ مال:

معاشی اصطلاح میں اسے "پیدائش دولت" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد قدرتی وسائل اور انسانی ذہانت اور محنت کے امتزاج سے ضروریات زندگی اور روزگار کے مواقع کے حصول کو ممکن بنا کر ضروریات کی تکمیل کرنا ہے۔ کسب مال یا پیدائش دولت کا بنیادی مقصد اسلام نے معاشی فلاح عامہ کو قرار دیا۔ پھر اسے اُخروی فلاح کے ساتھ منسلک کیا۔ اس لئے پیدائش دولت کے لئے احکامات و تعلیمات دی گئیں تا کہ پیدائش دولت کا مقصد بنیادی ضروریات تک محدود رہے۔ نہ کہ مال جمع کرنے کی دھن میں لگ کر فرد و معاشرہ انجام بد سے دوچار ہو۔ کسب مال کو اسلام نے کسب حلال کا نام دیا۔

((طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ))[1]

ترجمہ: کسب حلال کی طلب ایک فریضہ ہے فرائض شرعیہ کے بعد۔

پیدائش دولت یا کسب مال اس وقت کسب حلال کا درجہ اختیار کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہو۔ کسب حلال کی بنیادی شرط کے علاوہ چند اہم شرائط درج ذیل ہے۔

ا۔ پیدائش دولت کے لئے نفع بخش اشیاء و روزگار کا انتخاب کیا جائے۔

۲۔ حرام اور مضر صحت اشیاء اور خدمات سے گریز کیا جائے۔

ا۔ ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، ح ۲۷۸۱

۳۔ فلاح عامہ کی ضامن ہو۔

۴۔ کسب مال کی جد جہد اعتدال پر قائم ہو، نہ کہ ترک دنیا تک معاملہ پہنچ جائے اور نہ حبِ دنیا میں غرق ہو کر ذکر اللہ اور فرائض شرعیہ سے غافل و محروم کر دے۔

۵۔ مال و دولت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھنا۔

۶۔ پیدائش دولت میں آجر و اجیر باہمی اخلاص اور دیانت پر معاملہ کریں۔

۷۔ پیدائش دولت میں حلال و حرام کے شرعی اصولوں کی پاسداری کرنا۔

۷۔ کسب حلال کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھنا جو حاصل ہو اس پر مطمئین ہونا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا۔ وغیرہ

قرآن مجید کی درج ذیل آیات کسب مال کی یہ شرائط بیان کرتی ہیں۔

۱۔ سورۃ الفجر:۲۰	۲۔ سورۃ النساء:۱۶۱، ۲۴، ۱۰	۳۔ سورۃ النساء:۲
۴۔ سورۃ التوبہ:۳۴	۵۔ سورۃ الاسراء:۶۴	۶۔ سورۃ الھمزہ:۲
۷۔ سورۃ المسد:۲		

پیدائش دولت پر سب سے اہم اور جو بنیادی اصول قرآن مجید نے عطا کیا، وہ یہ ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ﴾[1]

ترجمہ: مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کردے۔

صاحب جلالین نے ذکر اللہ سے مراد پانچ نمازیں قرار دیں۔ امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال کی لالچ اور اولاد کی آسائش میں ایسا نہ ہو کہ تم فرض نماز سے غافل ہو جاؤ۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ حصول مال کی حرص میں تمام فرائض یعنی نماز، زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ سے غافل ہو جانا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندگی کا معیار بھی اسی چیز کو قرار دیا

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾[2]

۱۔ المنافقون:۹

۲۔ النور:۳۷

ترجمہ: (یعنی ایسے) لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت۔وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔

کسب مال میں اس بنیادی اصول کا خیال رکھتے ہوئے حلال زرائع سے کوئی جتنا مال کمائے اسلام اسے منع نہیں کرتا۔ صحابہ کرام بھی تجارت کرتے تھے۔ تاہم جب اذان کی آواز سنتے تو کاروبار بند کر کے مسجد حاضر ہو جاتے ۔انب انی حاتم اور ابن جریر نے عنداللہ بن عمر سے روایت کی کہ

((انه كان فى السوق فاقيمت الصلوٰة فاغلقوا حوانيتهم ودخلوا المسجد ، فقال ابن عمر رضى الله عليه ، فيهم نذلت رجال لاتلهيهم تجارت ولا بيع ان ذكر الله))[1]

ترجمہ: آپ ایک موقع پر بازار میں تھے کہ نماز کے لئے ازان ہوئی،لوگوں نے اپنے ٹھیئے بند کر دیئے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ "یہ ہیں مردان کو حق کہ جنہیں تجارت اور خرید وفرخت بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

اسلام یہ چاہتاہے کہ بندہ مادی ضرورت اور روحانی تقاضوں کے بیچ توازن قائم رکھے۔روحانیت میں مسابقت خیر ہے تاہم اگر، مسابقت کا یہ رخ اس طرح دنیا کی طرف ہو جائے کہ روحانیت فراموش ہونا شروع ہو جاے تو یہ ناعاقبت اندیشی ہے۔اسی کومادیت ودنیاپرستی کہا گیاہے۔انہی پر قرآن مجید نے غفلت کی مہر لگائی۔

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾[2]

ترجمہ:یہی غافل ہیں۔

تقسیم دولت:

سرمایہ دارانہ نظام ہویاسوشل ازم یاجدید معاشی نظام، تقسیم دولت کاجوضابطہ اسلام نے مقرر کیاہے وہ کسی اور نے نہیں پیش کیا۔ اس کا بنیادی فرق یہ ہے کہ جدید نظامہائے معیشت تقسیم دولت میں مساوات کے داعی ہیں جبکہ اسلام تو تقسیمِ دولت میں انصاف کا داعی ہے۔یہی فطرت کا اصول ہے۔اسی اصول کو ہم ملک وملک رائج دیکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

۱ ۔ابوحاتم، سھل بن محمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، ص:۲/ ۱۳۵

۲ ۔ الاعراف:۱۷۹

﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ﴾[1]

ترجمہ: اور خدا نے رزق (ودولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔

انسان کا بنایا نظام معیشت آج مشرق و مغرب میں ناکامی اور زوال سے دوچار ہوتا جارہا ہے۔ جب پوری دنیا کے حالات یکساں نہیں تو روزگار کے مواقع یکساں ہیں اور نہ ہی انسانی صحت و صلاحیت یکساں ہے۔ لازماً کسب مال و پیدائش دولت کا بھی یکساں ہونا محال ہے۔ اگر پیدائش یکساں نہیں تو تقسیم دولت کا عمل کیسے یکساں ہو سکتا ہے؟ آج دنیا کے معاشی ٹھیکیداران کے نظام تقسیم دولت کے خراب نتائج ان کا منہ چڑا رہے ہیں۔ اسلام تقسیم دولت کی مساویانہ کے بجائے منصفانہ اصول فراہم کرتا ہے۔

۱۔ پیدائشِ دولت میں حلال و حرام کا فرق کرنا تقسیمِ دولت کا بنیادی اصول ہے۔

۲۔ جائز مصارف کے بعد بچی ہوئی دولت ارتکاز کا شکار نہ ہوا بلکہ اسلام کے عطا کردہ جائز ذرائع میں گردش کرتی ہے۔

۳۔ تقسیمِ دولت کے لیے زکوٰۃ کو فرض کر دیا۔ پھر زکوٰۃ کے آٹھ مصارف خود قرآن مجید نے متعین کر دیے۔

۴۔ زکوٰۃ و صدقات کے مصارف کی وسعت معاشرے کے تمام محروم طبقات کے علاوہ فلاح عامہ کے تمام امور اور منصوبوں کو سمالیتی ہے۔

۵۔ زکوٰۃ ملکی فلاح اور دفاع کے لیے بھی صرف کی جاسکتی ہے۔

۶۔ تقسیم دولت میں اقرباء پروری، لوٹ کھسوٹ، کرپشن اور تمام ناجائز اور غیر ترقی یافتہ منصوبوں پر مال کی تقسیم کو ممنوع قرر دیا گیا۔

۷۔ ارتکاز دولت کو حرام اور قابل گرفت جرم قرار دیا۔

۸۔ تقسیمِ دولت میں مفاد عامہ کا خیال رکھنا نہ کہ چند افراد کا۔

۱۔ النحل:۷۱

۹۔ تقسیمِ دولت میں معاشرے کی معاشی، سماجی اور اخلاقی ترقی کو بنیاد بنایا جائے۔ کسی ایسی مد میں مال صرف نہ کیا جائے جہاں افراد اور معاشرہ اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے زوال پذیر ہو رہا ہو۔

قرآن مجید جن اعمال پر سخت سرزنش کی اور عذاب کی وعید سنائی ان میں سے ایک مال جمع کرنا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کے نام پر نہ صرف کرنا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[1]

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو اس دن عذاب الیم کی خبر سنادو۔

دوسری طرف تقسیم دولت کو معاشرے کے عام اور بطور خاص سائل و مجبور و محروم تک پہنچانے کو قابل تعریف اور قابلِ ستائش عمل قرار دیا۔

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾[2]

ترجمہ: اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔

تقسیمِ دولت کی اس طرز کے کئی مقاصد ہیں۔ معاشرے میں اتفاق و اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق مٹ جاتا ہے۔ غربت و افلاس میں کمی آتی ہے۔ اخلاقی اقدار کو سربلندی حاصل ہوتی ہے۔ برائی اور بد اخلاقی مٹ جاتی ہے۔ خود غرضانہ مادی کلچر اور اس کی تباہ کاریوں سے معاشرہ بچ جاتا ہے۔ سود اور ارتکاذ دولت کا قلعہ قمع ہوتا ہے۔ دولت سے معاشرہ تیزی سے خوش حال ہوتا ہے۔ اسلام نے معاشرے کی تربیت کے لیے تقسیم دولت مثلاً زکوٰۃ، وراثت، صدقات غنائم اور مال فئے کے قوانین خود مقرر کر دیئے۔ اس قوانین سے تربیت حاصل کرنے والا معاشرہ لالچ، خود غرضی اور مادہ پرستی کو ترک کر کے ایثار و قناعت کو اپناتا ہے۔ تقسیم دولت کا اسلامی طرز عمل مادیت کے لیے ضرب کاری ہے۔ اس کی حکمت کے بارے میں فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾[3]

ترجمہ: تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

۱۔ التوبہ:۳۴

۲۔ الذاریات:۱۹

۳۔ الحشر:۷

صحت مند معاشرتی نظام کے لیے دولت کی گردش اتنی اہم ہے کہ جتنا جسم کے لیے گردشِ خون۔ خون اگر جسم کے تمام اعضاء تک نہ پہنچے مفلوج ہونے کا یقینی خطرہ ہوتا ہے۔ یونہی دولت اگر معاشرے کے تمام طبقات تک نہ پہنچے تو معاشرہ مفلوج ہو جاتا ہے۔

(ج) صرف دولت:

صرفِ دولت سے مراد مال و دولت کو ضروریات اور حاجات کی تکمیل پر خرچ کرنا ہو۔ صرفِ دولت کو معیشت میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کے صرف دولت میں مقرر کردہ چند اہم قواعد درج ذیل ہیں۔

۱۔ اعتدال و اقتصاد صرف دولت کا بنیادی قاعدہ ہے۔

۲۔ صرف دولت میں اسراف سے اجتناب کرنا۔

۳۔ تبذیر کی حرمت

۴۔ زکوٰۃ و صدقات میں خرچ کرنا۔

۵۔ بخل کی ممانعت

۶۔ فلاح عامہ میں صرف کرنا

۷۔ مفسدات اور فتنہ برپا کرنے کے لیے نہ خرچ کرنا وغیرہ

اسلام نے معاشی نظام میں صرف دولت کو بڑا نازک مسئلہ قرار دیا ہے۔ یہ ہے بھی نازک اس لیے کہ دنیا و آخرت دونوں زندگیوں کی کامیابی اور ناکامی اسی کی بنیاد پر ہے۔ دنیوی زندگی میں حکمت و اعتدال و اقتصاد سے خرچ کرنا فرد اور معاشرے کی خوش حالی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میانہ روی اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا۔" رہی آخرت تو اس کے حساب میں جو پانچ بنیادی سوالات ہیں ان میں بھی ایک صرف دولت کے بارے میں ہی ہے۔

((مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ))[۱]

ترجمہ: مال کہاں سے کمایا اور کس پر خرچ کیا۔

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص، ح ۲۴۱۷

مادیت اور اسکے اثرات کے تدارک اور سدِ باب کے لیے واحد تریاق اسلامی معیشت کے یہ اصول ہیں۔ ان اصول و ضوابط کا ذکر قرآن و حدیث میں جا بجا کیا گیا ہے۔ صرف دولت میں مادیت کی فکر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی تعلیم و تربیت یہ آیت فراہم کرتی ہے۔ فرمایا:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ [1]

ترجمہ: اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے۔

یہ آیت صرف دولت کا اصل اور دیرپا مفید مصرف کی رہنمائی کے بعد اس کا ثانوی مصرف ضروریات زندگی کی تکمیل بتاتی ہے۔ یہ نظام اسلامیہ کا ایسا متوازن قاعدہ ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ پھر اسلام صرف دولت میں دوسرا اہم قاعدہ اعتدال و اقتصاد کا بیان کرتے ہوئے اسکی حکمت بھی بیان کرتا ہے۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ [2]

ترجمہ: اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔

اگلا اہم اصول یہ ہے کہ اسلام مال کو جائز اور طیب چیزوں پر صرف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خبیث و حرام اور تعیشیات پر خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ اسراف و تبذیر سے منع کرتے ہوئے باقی معاملات میں مال خرچ کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب دی۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

((فَإِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا، فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ)) [3]

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ آپ کو مال عطا کرتا ہے تو اس کی نعمت و کرم کا اثر آپ پر نظر آنا چاہیے۔

اسراف و تبذیر و تعیشیات میں مال خرچ کرنے سے منع فرمایا نیز اقوام کا انجام بد بھی ذکر کر دیا جو تعیشات کے باعث اسراف و تبذیر کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔

۲۔ القصص: ۷۷

۲ ۔ الاسراء: ۲۹

۳ ۔ ابی داود، السنن، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، ح ۴۰۶۳، صححہ الالبانی

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت میں اترا رہے تھے۔ سو یہ اُن کے مکانات ہیں جو اُن کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم۔

کسب حلال کے بعد مال کے بہترین مصرف کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾[2]

ترجمہ: مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہوں اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرو۔

اسلام نے صَرفِ دولت کے بنیادی اصول تمام ہی اقوام کو یکساں طور پر عطا کیے۔ بنی اسرائیل کے مادہ پرستوں کے رویہ کے بارے میں قرآن بتاتا ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے متکبرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کا مزاق اڑایا۔

﴿لَّقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾[3]

ترجمہ: خدا نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا فقیر ہے۔ اور ہم امیر ہیں۔

الغرض! اسلام نے ذاتی اخراجات میں اسراف و تبذیر کی صورت میں حد تو مقرر کی تاہم صدقات وخیرات میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔

حلال و حرام کا تصور:

جدید مادی کلچر نے معاش اور معاشی نظام میں جو بگاڑ پیدا کیا وہ حلال و حرام کے تصور کو سرے سے ختم کرتا ہے۔ مادیت کی اندھی دوڑ میں مذہبی و اخلاقی ضوابط کو یکسر فراموش کر دیا گیا۔ مادہ پرستوں نے اگر کہیں دیکھا کہ مذہب ان کے آڑے آرہا ہے تو انھوں نے مذہبی احکامات کو بھی بدل دیا۔

۱۔ القصص:۵۸

۲۔ البقرہ:۲۶۷

۱۔ آلِ عمران:۱۸۱

((وَ يُحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللهُ))[1]

ترجمہ: وہ اسے حلال کرتے تھے جسے اللہ نے حرام کیا۔

آج عام فرد سے لے کر سبھی ممالک تک کی معیشت ناپختہ بنیادوں پر قائم ہے۔ دنیا کی معیشت پر مادہ پرستوں کا کنٹرول ہے۔ ان لوگوں نے لوٹ کھسوٹ اور مار دھاڑ کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ بھلا جس معیشت کی بنیاد ظلم اور چوری ڈاکے پر رکھی جائے وہ کیسے فرد و معاشرے کی فلاح و بہبود کی ضامن ہو سکتی ہے۔ اسلام نے روزِ اوّل سے ہی شرعی قوانین مقرر کر کے معاش کی اصلاح اور معیشت کا قبلہ درست کر دیا۔ اس کے بارے ہمہ گیر اور عالمگیر نظام عطا کیا۔ اس کی بنیاد حلال و حرام کی تفریق پر رکھی۔ حلال و حرام کو اس وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ کوئی اشکال و اشتباہ نہ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ))[2]

ترجمہ: حلال واضح اور یونہی حرام بھی واضح ہے۔

حلال و حرام کے بارے میں دین اسلام کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ اصلاً تمام ایشاء حلال و مباح ہیں ماسوائے ان چیزوں کے جن کی حرمت کی نشاندہی قرآن و سنت سے ثابت ہو۔ فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾[3]

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔

حلال و حرام کے اس نظریہ کو اسلامی نظم معاش میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نظم معاش کے تمام مراحل میں حلال و حرام کے اس تصوّر کی روح کو زندہ رکھنا مضبوط معیشت کی بنیاد قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ))[4]

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا وہی حلال اور جو حرام فرما دیا وہی حرام ہے۔

۲۔ مولانا جوناگڑھی، اعلام الموقعین، (مکتبہ قدوسیہ)، ص:۵۳

۳۔ البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرا لدینہ، ح:۵۲

۱۔ البقرہ:۲۹

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الحریر والذھب، ح۱۷۲۶، حدیث حسن

تاریخ شاہد ہے کہ جب جب انسان نے مادیت کو روحانیت پر ترجیح دی تو حلت و حرمت کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ بنی اسرائیل کے علماء سُو کے کردار کا ذکر قرآن مجید نے جابجا کیا جو مادی مفاد کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے اور کرنے کا فتویٰ دیتے۔ اس قوم نے مادیت کے بل بوتے پر کئی قارون اور فرعون اور نمرود پیدا کیے مگر ان کی مال و جاہ انھیں انجام بد سے نہ بچا سکی۔ ان کے واقعات امت مسلمہ کی تربیت کے لیے قرآن مجید میں پیش کئے گئے۔ حلال و حرام کے تصور کو زندہ رکھنے کے لیے روایات و احادیث وارد ہوئیں۔ حلال و حرام کو اسقدر توسیع دی کہ کوئی چیز اس سے خارج نہیں عبادات و معاملات سبھی کی قبولیت و عدم قبولیت اور صحیح اور غلط ہونے میں حلت و حرمت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عقائد میں حرام کو کفر و شرک قرار دیا۔ عبادات میں حرام کو بدعت، مردود اور باطل قرر دیا۔ معاملات میں حرام کو ظلم، فساد اور خبث قرار دیا۔ حقوق و فرائض میں محرمات کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ بندہ مقصدِ زندگی کو کسی بھی مرحلہ پر فراموش نہ کرے۔ نہ ہی پچھتانا پڑے۔ ابنِ قیم فرماتے ہیں۔

"فالعبد اذا اعرضَ عن الله واشتغل با لمعاصی ضاعت علیه ایام حیاتۃ الحقیقیۃ التی یجد غب اضاعتها یوم یقول: یا لیتنی قدمت لِحیاتی"[1]

ترجمہ: بندہ جب اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر لیتا ہے اور نافرمانی میں لگ جاتا ہے تو اس کی زندگی کے حقیقی ایام ضائع ہو جاتے ہیں جس کے ضائع ہونے کا انجام وہ اس دن پائے گا جب وہ کہے گا، اے کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کوئی اچھائی آگے بھیجی ہوتی۔

اسلام نے حلال و حرام کے تصور کو زندہ رکھنے کے لیے یہ تعلیم دی کہ اخروی حساب و احتساب اور جزاء و سزا کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ سب سے اہم یہ کہ حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کا اختیار نہ کسی بادشاہ وقت، حکومتِ وقت، ریاست، ولی، قطب، صحابی، تابعی اور نبی حتیٰ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی نہیں۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾[2]

ترجمہ: اے پیغمبر جو چیز خدا نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟

---

[1] ۔ ابن قیم، الداء ولدواء، ص:۵۹

۲ ۔ التحریم:۱

مادیت کے مفاسد پر قابو پانے کے لیے آج اسلام کے خالص تعلیمات و احکامات کے تصور کو اجاگر ضکر ضنا ضروری ہے۔

عقائد کی پختگی:

انسانی زندگی اور اس کے تصرفات پر جس چیز کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے وہ عقائد ہیں۔ عقائد ہی انسان کو مقصدِ زندگی سے وابستہ رکھتے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جس قدر عقائد میں رسوخ اور پختگی پیدا ہو گی، فرد اتنا تیزی سے دنیوی و اخروی فلاح کے قریب ہو جائے گا۔ تمام مذاہبِ سماویہ میں عقائد یکساں رہے ہیں۔ ان ہمہ گیر عقائد سے متصادم نظریات کو عقائدِ باطلہ و فاسدہ قرار دیا گیا اور ان سے اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے اقوامِ عالم کو عقائد اصلیہ کو اپنانے کی دعوت دی۔

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ۔

ان عقائد کا مقصد انسان کو انسان کی بندگی اور استبداد سے نکال کر فطری آزادی کا ماحول فراہم کرنا ہے۔ بعثت ختم الرسل کے موقع پر عرب سرداروں کے علاوہ دنیا کے سبھی علاقوں میں بادشاہوں نے عوام کو اپنا غلام بنا رکھتا تھا۔ جدید یورپ بھی حال ہی میں جاگیرداروں سے آزاد ہوا تو سرمایہ داروں نے پھر عوام کو اپنے جال میں پھنسا لیا۔ اسلام نے عقائد کی سربلندی کے ساتھ انسان کو عظمت و آزادی عطا کی۔ ان عقائد کے رسوخ سے مادیت کے باعث معاشرے میں پائی جانے والی مارا ماری اور ظلم و غبن و غربت اور حرص و حوس جیسی موزی بیماریوں کا تدارک ممکن ہو سکتا ہے۔ پختہ عقیدہ فرد و معاشرے کا اللہ تعالیٰ کی یکتائی، رزاقیت اور منعم حقیقی ہونے پر راسخ یقین عطا کرتا ہے جس کے بعد انسان حصولِ رزق کے لیے کسی غلط راہ پر نہیں چلتا۔ فرمایا:

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾[2]

ترجمہ: خدا جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔

۱۔ آلِ عمران:۶۴

۲۔ الرعد:۲۶

اس عقیدہ کے باعث وہ اشیاء واسباب کو اختیار کرتا ہے لیکن انھیں اپنا رازق نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حقیقی رازق جانتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو حصول رزق ومال کے ناجائز اسباب و وسائل کے اختیار کرنے سے روکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایسا انسان اپنے پاس موجود مال کا بھی خود کو عارضی مالک سمجھتا ہے۔ یہ نظریہ فرد اور معاشرے میں حرص ولالچ نہیں پیدا ہونے دیتا۔ یہ عقائد کمزور پڑ جائیں تو حرص وخود غرضی اور بخل مادیت کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ جیسا آج ہم اکثر معاشروں کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ سید قطب فرماتے ہیں کہ:

"فان العقیده تقرر فی نفس صا حبها، بان الله سبحانه و تعالیٰ هو المالک لهذا الکون وبما فیه و من فیه"[1]

ترجمہ: عقیدہ، صاحبِ عقیدہ کے دل میں اس بات کو راسخ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا مالک ہے اور اس میں پائی جانے والی ہر چیز اور فرد کا بھی۔

فرشتوں اور آخرت پر ایمان بھی مادیت کے تدارک میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہونے کے باعث انسان کو ہمہ گیر جہت نظام فراہم کرتا ہے۔ تمام ادیان سماویہ نے ہر دور میں انسان کے لیے یہ نظام قائم رکھا جس پر چل کر کئی اقوام نے کامیابی حاصل کی۔ بنی اسرائیل وہ پہلی قوم تھی جنھوں نے روحانیت پر مادیت کو ترجیح دی۔ نتیجتاً وہ مادیت کی طرف نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرنے کے بجائے مادی اشیاء کا مطالبہ کیا۔

﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا﴾[2]

ترجمہ: تو اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں، ہمارے لیے پیدا کر دے۔

مادیت میں کھو جانے کے باعث یہود کئی برائیوں کا شکار ہوئے۔ مال جمع کرنے کی حرص ان کے دل و دماغ میں بس گئی۔ ان کے کان ہدایت کے لیے بہرے اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ ان کے دلوں میں رحمت وشفقت کی جگہ نہ رہی۔ ظلم بد دیانتی، فتنہ وفساد عام ہو گیا۔

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ﴾[3]

۱۔ سیّد قطب، فی ظلال القرآن، (مصر: دار الشروق)، ص:۲/۲۷ ۵۷۲

۲۔ البقرہ:۶۱

۳۔ الاعراف:۱۷۹

ترجمہ:ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔یہ لوگ بالکل چارپایوں کی طرح ہیں۔

آخرمادیت نے انھیں خوفناک انجام سے دوچار کیا۔عزت وعظمت،سیادت وریاست ان سے چھن گئی۔ ذلت ان کا مقدر بن گئی۔

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾[1]

ترجمہ: اور یہ لوگ خدا کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے عقائد،ایمان وتقویٰ کو دلوں سے نکال کر دنیاومافیھا کی محبت کو بسالیا تھا۔بنی اسرائیل کے مادہ پرستوں نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول ﷺ ان کے مادی فوائد کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں تو انھوں نے ان کے خلاف قتل تک کی تدبیر اختیار کی۔اسلام روح اور مادہ میں کمال توازن قائم کرتا ہے۔روئے زمین کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کتاب وسنت میں بیان کردہ عقائد واخلاق اور دلائل احکام کی طرف لوٹیں۔مادہ پرستوں کے افکار ونظریات کو ترک کردیں۔

فرائض کی بجاآوری:

انسان کی تخلیق کا مقصد اوّل اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔اس مقصد کے حصول کے لیے خالق نے خود نظام عبادات مقرر کی۔ان عبادات کی مختلف صورتیں ہیں۔ان عبادات،فرائض اور نوافل کی طویل فہرست ہے۔ان میں چند عبادات کو فرائض کا مقام ومرتبہ عطا کیا۔ان کی مقصدیت انسان کو روحانی معراج اور مادی ترقی کی صحیح راہ پر گامزن کرنا ہے۔افرط وتفریط سے بچا کر اعتدال کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔اس مقصد کی تکمیل کے لیے نظام رسالت قائم کیا۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[2]

ترجمہ:اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔

۱۔ آلِ عمران:۱۱۲

۲۔ النحل:۳۶

لفظ طاغوت سے مراد ایسے بااثر افرادِ معاشرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مقابل اپنے من گھڑت نظام کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ مادیت اور سرمایہ داریت بھی طواغیت میں شامل ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ مادیت عصر حاضر کا طاغوت اکبر ہے۔ ہر شرک و شر، کفر و بدعت و معاشی برائی کے پیچھے اسی طاغوتی قوت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ فرض عبادات کو شریعت اسلامیہ نے متعدد اقسام میں منقسم کیا۔ ان میں سے ایک بدنی عبادت مثلاً نماز، دوسری مالی مثلاً زکوٰۃ، صدقات اور تیسری وہ فرض عبادت ہے جو بیک وقت مالی اور بدنی بھی ہے۔ مثلاً حج اور جہاد، اور چوتھی فرض کردہ عبادت روزہ ہے جس کا مقصد نفس انسانی کو منفی رجحانات سے روکنے کی تربیت کر دینا ہے۔ ان فرائض کا مقصد وہدف معاشرے کی اصلاح وفلاح ہے۔ ان کی تکالیف ومشکلات کو ختم کیا جاسکے۔ ان میں امن واطمینان عام ہو اور ظلم و جرم کا اختتام ہو تاکہ بندے دنیاو آخرت کی سعادت سے بہرہ مند ہوں۔ نماز پنجگانہ خیر و شر کے تصور کو زندہ رکھنے کے علاوہ ہر بے حیائی اور برائی سے بچانے میں اہم ذریعہ بنتی ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾[1]

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے۔

نماز وہ بصیرت عطا کرتی ہے کہ جس کے باعث فرد و معاشرے کو صحیح، صحیح اور غلط، غلط نظر آتا ہے۔ نماز کی پابندی کا حکم اسی لیے دیا گیا کہ یہ شعور بندے میں راسخ ہو کیوں کہ خدشہ ہے کہ دنیا کی حلاوت و سبزہ زاری اس کو زرداری نہ بنادے۔ زکوٰۃ مادہ پرستی کی فکر پر ضرب کاری ہے۔ مادیت کے فکر و عمل کی اصلاح و تدارک میں فعال کردار ادا کرتی ہے۔ روزہ مادیت کے پودے کو دل و دماغ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ مادہ پرستانہ فکر کی اصلاح کرتا ہے۔ مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ دنیا کی ہر چیر کا حل پیسہ ہی ہے۔ پیسہ ہو تو ہر چیز حاصل ہو جاتی ہے اور ہر مشکل ٹالی جاسکتی ہے۔ روزہ دل سے مال کی محبت نکال کر تقویٰ کو دل میں بساتا ہے۔ جو اصل حل ہے ہر مسئلے کا۔

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا﴾[2]

ترجمہ: اور جو اللہ کا خوف اختیار کرتا ہے وہ اس کے لیے راہ نکالتا ہے۔

حج اور جہاد ایک ہی وقت میں مالی و بدنی عبادات ہونے کے باعث فرد و معاشرے کو مادیت کی جکڑ بندیوں سے نکالنے کا بڑا ذریعہ ہیں۔ ان دونوں عبادات میں مال و جان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے بندہ مادیت پر روحانیت کی برتری کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ تمام عبادات کے پیچھے حکمت ربانی یہ ہے کہ بندوں کا امتحان لیا جائے کہ

۱۔ العنکبوت:۴۵

۲۔ الطلاق:۲

فرمانبردار کون ہیں اور کون نافرمان ہیں۔ یہ عبادات اگر صحیح معنوں میں ادا کی جائیں تو مادیت کے ظالمانہ کلچر کے خاتمہ اور تدارک کے لیے تریاق کا کام کریں گی۔ آپ ﷺ نے جاہلی کلچر کا علاج ان ہی سے فرمایا تھا۔

فکرِ سلیم کی نشوونما:

مادیت کے تدارک کا ایک ذریعہ فکر سلیم اور ذوق متین کی نشوونما بھی ہے۔ مادیت کی فکر و نظر نے دنیا کے اکثر معاشروں کو سنجیدگی، حقیقت پسندی اور فکر سلیم سے کوسوں دور کر دیاہ۔ اس کی جگہ تصنع، دکھلاوہ اور مصنوعی برتری کا منفی رجحان عام ہو چکا ہے، ان تمام خرافات کی اصل وجہ مادیت ہی ہے۔ فکر سلیم معاشرے کو مثبت سمت کی طرف رہنمائی کرنے میں خشت اوّل کی حیثیت رکھتی ہے، فکر سقیم معاشرے کے مثبت اخلاق کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ فکر سلیم، کی نشوونما اور بقاء کے لئے ضروری ہے کہ فرد و معاشرے کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ وہ غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اصلاح کے لئے ہمہ تن گوش ہو جائیں۔ فکر سلیم وہ ماں ہے جو خیرات کو جنم دینے سے کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ اسلام نے فکر سلیم کو نہ صرف اپنانے کا حکم دیا بلکہ غلط فکر رکھنے والے لوگوں (چاہے وہ کتنے ہی بااثر کیوں نہ ہوں) کی پیروی سے سختی سے منع فرمایا۔

﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ﴾[1]

ترجمہ: اور خدائے (برحق) ان کی خواہشوں پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں۔

فکر سقیم کے نتائج اور تباہ کاریوں سے زمین و آسمان میں بھونچال آجاتا ہے۔ فکر سلیم ہی فرد و معاشرے کی معراج ہے۔ اس کی پختگی انسان کو گمراہی سے بچاتی ہے، یہ حق و باطل میں امتیاز کی بنیاد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، والد کے علاوہ پوری نمرودی مادیت کے ساتھ ٹکراتے ہوئے کسی بھی مرحلہ پر نہیں ڈگمگائے۔ برملا اعلان کرتے ہیں کہ

﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾[2]

ترجمہ: میرا رب سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو تو اسے مغرب سے لا دکھا۔

عصر حاضر کی عالمی طاقتیں دنیا کی معیشت پر قبضہ کرنے کے بعد حق و باطل کے معیار کے ٹھیکیدار بھی بن گئے ہیں، تو کیا ہوا ان کا مقابلہ فکر سلیم و فلسفہ ءابراہیم علیہ السلام سے ممکن ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے، امت کے ذمہ

۱۔ المؤمنون:۷۱

۲۔ الفرقان:۵۴

دار ایسا تعلیمی نظام اور حالات پیدا کریں جن سے فکر سلیم کی نشو ونما ہو۔ دعوت کے ذمہ دار فکرِ سلیم کی ترغیب پر کام کریں۔ فکر سلیم کے بغیر مادیت پر قابو پانا ناممکن ہے۔

اسلامی تجارتی ضابطہ اخلاق کی پاسداری:

تجارت میں اللہ تعالیٰ نے رزق وروزگار کے سب سے زیادہ مواقع رکھے ہیں۔ تجارت کسب حلال اور طیب مال کا اہم ذریعہ ہے۔ اسلام نے تجارت کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیکر اس کے اختیار کرنے کا حکم دیا جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے؟ تو فرمایا۔

﴿عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ﴾[1]

ترجمہ: بندے کا ہاتھ سے کمانا اور ہر بیع مبرور

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نماز جمعہ کی تکمیل کے بعد اور حج کے بعد بھی تجارت کا حکم اور اجازت دی گئی۔ اسلام نے تجارت کی حساسیت کی بنا پر اس کو بندوں کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے اصولوں کی پاسداری کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ چونکہ تجارت کسب وصرف کا سب سے بڑا اور وسیع ذریعہ ہے اس میں تاجر مال بنانے کے لاتعداد ذرائع اختیار کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آج مادہ پرستوں نے تجارت میں بے شمار ناجائز اور ظالمانہ حربے اختیار کر رکھے ہیں۔ اسلام نے تجارت کو فرض عبادت کا درجہ دے کر اس کے اصول وضوابط مقرر کئے۔ ان ضوابط پر عمل کرنے سے ہی مادیت کا سد باب ممکن ہے۔ چند بنیادی ضوابط درج ذیل ہیں۔

۱۔ تجارت صرف طیبات میں ہو سکتی ہے نہ کہ حرام اور ممنوعات میں، فرمایا

﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾[2]

ترجمہ: اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔

طیبات سے مراد ہر وہ چیز یا چیزیں ہیں جو انسانی صحت و عمل کے لئے مفید ہیں جبکہ خبائث اس کا عکس ہیں۔

۲۔ بازار میں داخل ہوتے ہوئے دعا:

۱۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، ح ۲۷۸۳، صححہ الالبانی

۲۔ الاعراف: ۱۵۷

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) [1]

ترجمہ:ہیں کوئی معبود برحق ہے مگر اللہ اکیلا، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کے لیے ملک (بادشاہت) ہے اور اسی کے لیے حمد و ثناء ہے وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے، وہ زندہ ہے کبھی مرے گا نہیں، اسی کے ہاتھ میں ساری بھلائیاں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"

۳۔ پڑھی جائے۔ یہ دعا بنیادی طور پر تاجر کو یہ بات یاد دلاتی ہے کہ تجارت میں ناجائز ذرائع سے بہت منافع حاصل تو کر سکتے ہیں لیکن یاد رکھنا کہ حی و قیوم بادشاہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

احتکار سے گریز کرے:

آپ ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ)) [2]

ترجمہ: احتکار کا ارتکاب کرنے والا گناہ گار ہے۔

۴۔ تجارت میں جھوٹی قسم نہ اٹھائے۔ بلکہ حتی الامکان سچی قسم سے بھی اجتناب کرے۔ مادیت زدہ تاجر پیسے کی لالچ میں قسمیں اٹھا اٹھا کر مال فروخت کرتا ہے۔ دنیا کی لالچ میں وہ کسی اور کا کیا لحاظ کریگا جب وہ اللہ تعالیٰ کا بھی لحاظ نہیں کرتا۔

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ﴾ [3]

ترجمہ: قسم سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔

حکومت نے مقرر کردہ قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ تاجر حکومت کی کمزوری اور نظام کی دھینگا مشتی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناجائز منافع حاصل کرنے کے لیے کئی حربوں سے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ کبھی چینی اور کبھی آٹا سیکنڈل آئے روز خبروں کی زینت بن رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا دخل السوق، حد ۳۴۲۸، حسن صحیح

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب البیوع، ماجاء فی الاحتکار، ح ۱۲۶۷، حسن

۳۔ البقرہ: ۲۲۴

((مَنْ دَخَلَ فِيْ شَيْئٍ مِنْ أَسْعَارِ الْمُسْلِمِيْنَ لِيُغْلِيَهُ عَلَيْهِمْ فَاِنَّ حَقًّا عَلَى اللهِ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ أَنْ يُقْعِدَهُ بِعُظْمٍ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔))[1]

ترجمہ: جو شخص مسلمانوں پر مہنگائی کے لئے قیمت میں ردّ و بدل کرے، تو اللہ پر لازم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے آگ کے شعلوں میں بٹھائے۔

تاجر کے لئے ضروری ہے کہ وہ صدقہ و خیرات سے اپنے تزکیہ کا اہتمام کرے۔

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ﴾[2]

ترجمہ: اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے۔

صدقہ و خیرات لالچ و حرص کو ختم کر کے مادیت کا سدباب اور تدارک کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

ماپ تول کو پورا کرنا: اسلام نے ماپ تول میں کمی کو گناہ کبیرہ اور اسے موجب ہلاکت و تباہی قرار دی۔

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾[3]

ترجمہ: ماپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔

ماپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیا۔

﴿ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ﴾[4]

ترجمہ: اور ماپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔

۶۔ مسلمان تاجر کے لئے ضروری ہے کہ تجارتی مصروفیات کے باعث واجبات دینیہ سے غافل نہ ہو۔ ان واجبات میں فرائض دینیہ اور حقوق العباد سب شامل ہیں۔ اکثر تاجر مادیت کے طرزِ فکر و عمل کے باعث صبح و شام پیسہ جمع کرنے، گننے اور زیادہ منافع کے حصول کی فکر میں مستغرق ہو کر اسلام کے مقرر کردہ اعلی مقاصد حیات سے بے خبری اور لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ﴾[5]

۱۔ ابن حنبل، المسند، باب تعیین السعر، ح ۵۹۴۸

۲۔ المعارج: ۲۴

۳۔ المطففین: ۱

۴۔ الانعام: ۱۵۲

۵۔ النور: ۳۰

ترجمہ:(یعنی ایسے) لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت۔

یہ تجارتی ضوابط مادیت کے تدارک میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے تاجر کا مقام انبیاء، صدیقین اور شہداء کے برابر قرار دیا۔

حکومتی ذمہ داری:

ریاست مدینہ میں آپ ﷺ نے معاشی اصول و قواعد مقرر کرنے کے علاوہ ان کو بطور نظام ملک میں نافذ العمل کیا۔ پھر خود اس کی نگرانی بھی کی۔ ملاوٹ کرنے والے کو امت سے خارج کیا۔ شراب کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کی، کسب حلال کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ آج مادی دوڑ میں اکثریت زیادہ مال جمع کرنے کی دھن میں مصروف ہے۔ اس منفی دوڑ میں چوری، لوٹ، کھسوٹ، ملاوٹ، کم ماپنا تولنا اور دو نمبری عام ہیں۔ عوام چلّا رہے ہیں کہ انکو لوُٹا اور پیٹا جا رہا ہے۔ حکومت اور ارباب اختیار بے بس محض سیاسی بیان بازی پر کاروبار حکومت چلا رہے ہیں۔ ایسے میں حکومتی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اپنے اختیار کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر استعمال کریں۔ اسلام کا دیا ہوا معاشی نظام نافذ کریں۔ زکوٰۃ کے نظام کو قائم کریں۔ سود (جو کہ ہر معاشی خرابی کی جڑ ہے) کو مکمل ختم کریں۔

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بطور ادارہ قائم کیا جائے جو NAB کے اختیارات رکھتا ہو۔ یہ ادارہ معاشی کرائم پر نظر رکھے اور مرحلہ وار اس کی اصلاح کا طرز عمل اختیار کرے۔ پہلے مرحلہ میں ناصحانہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ دوسرے مرحلہ پر دعوت وارشاد کے شعبہ کو بھی یہ ذمہ داری دی جائے کہ وہ واعظ و نصیحت سے عام عوام کی اصلاح کے لئے مؤثر طریقہ اختیار کریں۔ حکومت ایسے لوگوں کی پشت پناہ ہو۔ اس کے بعد اگر پھر بھی حالات

۱۔ الحج:۴۱

ٹھیک نہ ہوں تو اوّل درجے کی سزاؤں کا قانون بنانا چاہئے۔ تیسرے مرحلہ میں دوسرے درجہ کی سزائیں اور جرمانہ وغیرہ کیا جائے۔ اگر چند افراد اب بھی باز نہ آئیں تو اوّل درجہ کی سزائیں دے کر مادیت کے جن کو بوتل میں بند کر دیا جائے۔

اب یہ بات حکومت کو یاد رکھنی چاہیے کہ سزاؤں اور واعظ سے ہی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ انسان کی تربیت کا درست راستہ خوف وخوشخبری کے بیچ کا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا﴾[1]

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

آپ ﷺ خود جب سربراہِ مملکت بنے تو یہ خوبیاں تنظیمی اعتبار سے اور بھی نمایاں ہوئیں۔ آپ ﷺ نے بیت المال قائم کیا۔ زکوٰۃ کے ساتھ تحائف وصول کرنے والے سے واپس لے کر بیت المال میں جمع کروائے۔ اس طرح سرکاری سطح پر کرپشن کا دروازہ بند کیا۔ خود بازار کا دورہ کیا۔ ملاوٹ پر سرزنش فرمائی۔

((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا))[2]

ترجمہ: جو بددیانتی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

سیرہ النبی ﷺ کو دیکھتے ہوئے تجارتی ضابطہ پر مکمل عمل درآمد کرنے کے لیے ترہیب کے ساتھ ترغیب بھی ضروری ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ تجارتی ضابطہ اخلاق کی پابندی کرنے والوں کو ٹیکس میں چھوٹ کے علاوہ دوسری مراعات بھی دیں۔ ان کی داد وتحسین میڈیا کے ذریعہ کی جائے۔ ان لوگوں کو اعزازات سے نوازا جائے۔ اور اس قسم کی دوسری ترغیبات کے ساتھ مادیت کی بڑھتی ہوئی مہلکات ومنکرات کا تدارک ممکن ہو سکے گا۔

المختصر! یہ کہ مادیت کے پیدا کردہ مسائل نے آج دل ودماغ کے علاوہ جسم کو بھی بیمار کر دیا ہے۔ اس کا تدارک اور علاج صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔ اسلام کی طرف رجوع کے لیے مثبت سوچ پیدا کرنے کے علاوہ زندگی کی حقیقت کو دیکھنے کے لیے مادیت کی عینک کو اتارنے کی ضرورت ہے۔ تب دنیا کی قیمت اور آخرت

۱۔ البقرہ:۱۱۹

۲۔ المسلم، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ، من غشنا فلیس منا، ح ۲۸۳

کی اہمیت کا اندازہ ہو گا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دنیا اور اس کے مال و متاع کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے وا(لے ان مادہ پرستوں کو جو آخرت کو مکمل فراموش کر دیتے ہیں) کے سامنے اس دنیا کی حیثیت بیان فرمادی:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ))[1]

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی حیثیت مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔

دوسری حدیث میں دین کو فراموش کر کے دنیا کو اصل سمجھنے والوں کو بتایا کہ:

((الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ))[2]

ترجمہ: دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

دین و ایمان کے ساتھ دنیا اور اس کا مال بھی نعمت ہے مگر نعمت ایمان کے بغیر دنیا اور اس کی ہر نعمت بے کار ہے۔

۱۔ الترمذی۔ السنن، کتاب الذھد، باب ماجافی ھوان الدنیا علی اللہ، ح ۲۳۲۰، صححہ الترمذی

۲۔ النیشاپوری، الجامع الصحیح، کتاب الزھد، باب الدنیا سجن المؤمن، ح ۷۴۱۷

معاشرت پر مادیت کے اثرات کا تدارک

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عظیم الشان انعامات میں سے عظیم ترین نعمت اسلام ہے۔ اسلام زندگی تمام پہلوؤں کے بارے میں مکمل رہنمائی عطا کرتا ہے۔ اہل اسلام کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ دین کی مرضی سے بسر کریں۔ وہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ دنیوی امور کو دینی ترقی کے لیے استعمال کریں۔ دنیا میں اس طرح مگن نہ ہوں کہ آخرت فراموش کر بیٹھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس اصول کو اپنایا تو وہ چلتا پھرتا اسلام بن گئے۔ دنیا کو فتح کیا اور لوگ انھیں دیکھ دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ ایک مثالی معاشرہ قائم ہوا۔ اس معاشرہ میں چور، زانی اور شراب خور کو سزا دی جاتی تھی۔ یہ سزا معاشرے کو انحطاط سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔ اس مثالی معاشرہ میں قرآن و سنت کا راج تھا۔ دین و دنیا کا کمال امتزاج تھا۔ تقویٰ، تعاون، مساوات، اخوت اور رحمت و شفقت اس معاشرے کا کلچر تھا۔ فطرت سلیمہ پر قائم یہ معاشرہ افراط و تفریط اور تعصب و تفرقہ بازی سے پاک تھا۔ یہاں انسان کی قدر تقویٰ اور ایمان تھا نہ کہ مال واسباب۔ فخر وغرور اور برتری کے تمام معیارات کو ختم کر دیا گیا۔ برتری کا معیار تقویٰ پر قائم کیا گیا۔

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِأَعْجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، إِلَّا بِالتَّقْوٰى)) (۱)

ترجمہ: خبردار کسی عربی کو کسی بھی عجمی پر برتری حاصل نہیں ماسوائے تقویٰ کے۔

آپ ﷺ نے جاہلیت کے بکھرے ہوئے اور ہر اعتبار سے زوال پذیر اور مادیت کے متاثرین کو جس طرح ایک مرکزی معاشرے میں پرویا وہ کسی چیلنج سے کم نہ تھا۔ فرمایا

﴿لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ (۲)

ترجمہ: اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کردی۔ اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کرسکتے۔

مادیت نے آج دورِ جاہلیت کا نظام برپا کر رکھا ہے۔ جاہلیت ہی کی طرح قبائل اور کالے گورے کی جنگ، افراتفری، بد نظمی، قتل وظلم، فخر وغرور اور بدکاری آج عروج پر ہے۔ معاشرہ ان برائیوں کے باعث سسک سسک

---

(۱)۔ ابن حنبل، المسند، الخطبہ الوداع النبی ﷺ، فی وسط الایام التشریق، ح:۲۳۵۶۸

(۲)۔ الانفال:۶۳

کر جی رہا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے کی بقاء وفلاح کے لیے کوئی علاج تلاش کیا جائے اس کے مسائل کا تدارک کیا جائے۔ ذیل میں ہم اس ضرورت کی تکمیل کے لیے مسلم معاشرے کے نظام مادیت کے پیدا کردہ مسائل کا تدارک اور علاج پیش کریں گے۔اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

مادیت کے اثرات کا تدارک

اسلامی نظامِ معاشرت

معاشرتی استحکام اور عدم استحکام کے محرکات

عوام اور حکومتیں ذمہ دار ہیں

خلاصہ کلام

اسلامی نظامِ معاشرت:

جدید وقدیم معاشروں کا اگر اسلام سے تقابل کیا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آئے گا کہ اسلام کا معاشرتی نظام جامع، ہمہ گیر، پائیدار اور محکم اصول وضوابط پر قائم ہے۔ اس نظام میں دین و دنیا باہم مربوط ہیں۔ یہ اجتماعی اصلاح کے علاوہ فرد کی اصلاح و نشوونما پر بھی توجہ دیتا ہے۔ فرد ومعاشرے کی ذمہ داریاں متعین کرتا اور پھر ان ذمہ داریوں پر جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے۔

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ (۱)

ترجمہ:تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

آپ ﷺ اس معاشرے کی تنظیمی بنیاد اسی ذمہ داری کے اصول پر قائم کی۔ حقوق و فرائض کا وہ نظام دیا جو خود غرضی، لالچ و حرص کے بجائے، اخوت وایثار، رحم دلی اور امداد باہمی پر قائم تھا۔اس نظام کے قیام و دوام کی گارنٹی تصور مسئولیت میں پنہاں ہے۔

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (۲)

ترجمہ: یاد رکھو کہ تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار اور ہر کسی سے اس کے زیر نگرانوں کے بارے بازپرس ہو گی۔

۱۔ الذلذال:۷

۲۔البخاری،الجامع الصحیح، کتاب الجمعہ، باب الجمعہ فی القری والمدن، ح ۸۹۳

مسئولیت کا یہ احساس فرد اور معاشرے کو ظلم، فساد اور مادیت کے اثرات سے بچانے میں مدد کرتا ہے۔ اس معاشرے کا ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ عاقبت کی خیر اصل میں کس چیز میں ہے۔ یہ احساس اسے علم کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ علم کے بعد اسے دلیل کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ قوت مادیت کے کلچر کو درست کرنے کے لیے نسخہ کیمیا بن جاتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسے معاشرے کا خواہاں ہے جو ہر قسم کی نفرت و تعصب سے پاک ہو۔ مذہبی سیاسی، مسلکی، علاقائی، قومی و نسلی تفرقہ سے پاک، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات پر قائم عالمگیر معاشرہ ہو۔ اسی لیے قرآن مجید نے اپنے خطاب کا آغاز "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اور " قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" سے کیا۔ اسلامی نظام معاشرت کی بنادیں درج ذیل ہیں۔

مساوات:

مسلم معاشرے کی بنیاد مساوات پر قائم ہے۔ مساوات معاشرے کو ہر فرق اور تفرقہ سے بالاتر کر دیتی ہے۔ معاشرے کے افراد کو ہر قسم کے فرق و اختلاف سے بچا کر ان میں اخوت کا وہ احساس پیدا کرتی ہے جس سے ہر کوئی اپنے مفاد پر دوسروں کے فائدے کو ترجیح دیتا ہے۔ لوٹ مار کو ختم اور ایثار کو جنم دیتی ہے۔ فرمایا:

﴿كُلُّكُم مِن اٰدَمَ وَ اٰدَمَ مِن تُرَابٍ﴾ (۱)

ترجمہ: تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔

اخوت:

مادیت و دنیا پرستی اعلیٰ و ادنیٰ امیر و غریب اور خاص و عام کا تصور پیدا کر کے معاشرے کو تقسیم کرتی ہے۔ اس کا تدارک اخوت کے رشتہ کو پروان چڑھانے اور اس کے تصور کے احیاء میں ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (۲)

ترجمہ: بے شک تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس سلسلہ میں مواخات مدینہ اس کی بڑی مثال ہے۔ اس نے عرب معاشرے کی مادیت پر کاری ضرب لگائی۔ وہ معاشرہ جو مادیت کی بھینٹ چڑھ چکا تھا جہاں چراگاہوں۔ پانیوں اور جوئے پر قتل و غارت کا بازار گرم تھا وہ آج ایک دوسرے کے لیے مال اور جان تک نثار کرنے لگے۔

---

(۱)۔ الترمذی، الجامع، کتاب المناقب، باب فضل الشام والیمن، حدیث: ۳۹۵۶، صححہ الترمذی

(۲)۔ الحجرات: ۱۰

عقائد و عبادات:

اسلام نے عقائد و عبادات کا جو نظام مسلم معاشرے کے لیے مقرر کیا ہے، اس نظام کا براہِ راست تعلق معاشرتی اصلاح سے ہے۔ عقائد خود اور معاشرے کی فکری اصلاح میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ مثلاً تقویٰ اور آخرت کا تصور مسئولیت۔ یہ احساس عام فرد سے لے کر حاکم وقت تک کو غیب و حضور میں بد عملی، چوری، کم تولنا، کرپشن، ظلم اور تمام ایسے رزائل سے باز رکھتا ہے جن کے باعث معاشرہ مادیت کا شکار ہو سکتا ہے۔ پھر عبادات میں نماز و زکوٰۃ معاشرے کو بدنی راحت اور مالی حرص سے بچا کر زندگی کے اعلیٰ مقصد کی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ زکوٰۃ و صدقات مادیت کا توڑ ہیں۔ روزہ اور حج مادیت پر روحانیت کو ترجیح دیتے اور ان کے توازن کو برقرار رکھنے کی مشق و تربیت کے تصور کو تر و تازہ رکھتا ہے۔

﴿ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ (۱)

ترجمہ: پھر تم سے اس دن نعمتوں کا ضرور سوال ہو گا۔

عظمتِ انسانی:

جس معاشرے میں مادیت کا کلچر عام ہو جاتا ہے وہاں پیسے، بڑی گاڑی، فیکٹری اور کمپنی، کرسی و اقتدار کو اہمیت اور عظمت حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان، اقدار، اخلاق اور تقویٰ کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ آج بڑی کوٹھی، گاڑی اور کرسی والے کی عزت ہے، تقویٰ، کردار اور ایمان والے کو اگر یہ مادی اشیاء حاصل نہیں تو اس کی قدر نہیں، اسلام نے بلال رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ عزت دے کر دنیا کے سامنے عظمت انسانی کی ایک مثال رکھ دی۔ اسلام اس تصور کو اجاگر کرنے کے لیے کبھی انسان کو "خلیفۃ اللہ" کے نام سے پکارتا ہے تو کبھی بتاتا ہے یہ "احسن تقویم" و مسجودِ ملائک ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (۲)

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی۔

معاشرتی استحکام اور عدم استحکام کے محرکات:

مادیت کے اثرات سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لیے جو عوامل و محرکات بہت اہم ہیں اور جن کے

۱۔ التکاثر: ۸

۲۔ بنی اسرائیل: ۷۰

ترویج سے معاشرے کے استحکام میں مدد ملتی ہے۔ عقائد و عبادات اور سابق الذکر اہم اسلامی اقدار کے علاوہ چند اہم درج ذیل ہیں۔

دعوتِ دین:

انسان مادی ضروریات کے بارے حریص الفطرت ہے۔ اس فطرت کے باعث اس بات کا اندیشہ موجود رہتا ہے کہ انسان مادی دنیا میں مستغرق ہو کر روحانیت کو فراموش کر بیٹھے۔ اس خطرے سے بچانے اور یاد دہانی کے لیے ضروری ہے کہ دعوتِ دین دی جائے۔ فرمایا:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (١)

ترجمہ: اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔

جس معاشرے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام بلا تعطل جاری رہے وہ معاشرہ نا قابلِ تسخیر ہو جاتا ہے۔ زمینی و آسمانی خیرات و برکات اس میں عام ہوتی ہیں۔ معاشرتی، معاشی اور دینی اعتبار سے مضبوط اور پائیدار معاشرے کی یہی پہچان ہے۔

عوامی اصلاح و صلح کے لیے سرگرم عمل رہنا:

معاشرے میں مادیت مفادات کی جنگ عظیم برپا کر دیتی ہے۔ اس جنگ کے باعث ہر کوئی باہم دست و گریباں نظر آتا ہے۔ اس سے معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے تدارک کے لیے اسلام نے مسلم معاشرے کو اختلافات و مشاجرات میں صلح اور اصلاح کا حکم دیا۔

﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ (٢)

ترجمہ: تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔

معاشرے میں تخریب کا عمل کہیں اور کسی بھی وقت کسی بھی وجہ سے شروع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے اس کا تدارک ہاتھ، زبان اور عمل سے کرنے کا نظام اور حکم دیا۔

نصرتِ دین:

۱۔ الذاریات:۵۵

۲۔ الحجرات:۱۰

مادیت کے اثرات دینی اثر ورسوخ کو کمزور اور متاثر کرتے ہیں۔ اس سے معاشرہ تقسیم ہو کر غیر مستحکم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج نصرتِ دین میں رکھا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص دین کی سربلندی اور سرفرازی کے لیے ہمہ تن گوش رہے۔ عبادات ہوں یا معاملات جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلافی ہو یا اللہ والوں کو مدد کی ضرورت ہو یا پھر دین کی سربلندی و ترویج کا مسئلہ ہو تو اس کے لیے اپنی جان اور مال سے مدد کرنا۔ ایسے ہی معاشرے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (۱)

ترجمہ: اے اہل ایمان! اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

اخلاقیات کی پاسداری:

مادیت معاشرے میں نفسا نفسی کا جو ماحول پیدا کرتی ہے۔ اس سے مالی اور اخلاقی برائیوں کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ اخوت، عدل و مساوات اور ایمانداری و رحم دلی معدوم اور شر و فساد کا بازار گرم ہو جتا ہے۔ اس معاشرتی خرابی کا علاج اسلام کی مقرر کردہ اخلاقیات کی پاسداری ہے۔ فرمایا:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)) (۲)

ترجمہ: ایمان میں کمال ترین مؤمن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔

بنیادی حقوق کا تحفظ:

مادیت معاشرے سے حقوق کو سلب کرنے اور آزادی چھیننے کی بڑی وجہ ہے۔ اس کے باعث معاشرہ کرپشن، کرائم و جرائم اور بھائم کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ اس کے سدِباب کے لیے اسلام نے حقوق و فرائض اور انسانی آزادی کا وسیع نظام قائم کیا ہے۔ یہ آزادی اور حقوق و فرائض مسلم معاشرے میں بلا امتیاز، جنس، نسل و قوم اور فرقہ و مذہب سب کو حاصل ہیں۔ جب سب کو حقوق حاصل ہوتے ہیں تو ہر کوئی فرائض کیا انجام دہی کے لیے خوشی سے آمادہ ہوتا ہے۔ ایسے میں معاشرہ لاقانونیت، اختلاف و افتراق سے بچ جاتا ہے۔ فرمایا:

۱۔ محمد: ۷

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، ح: ۴۶۸۲، صححہ الالبانی

﴿لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ﴾[1]

ترجمہ: ہر مؤمن کے دوسرے مؤمن پر چھ حقوق ہیں۔

اگر مسلم معاشرہ ان چھ حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھے تو اس کے اکثر مسائل کا حل با آسانی نکل آتا ہے۔ یہ حقوق درج ذیل ہیں۔

۱۔ سلام کرنا ۲۔ بلاوے کا جواب دینا ۳۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنا

۴۔ چھینک پر تحمید کا جواب دینا ۵۔ بیماری پر تیمارداری کرنا ۶۔ فوت ہو تو جنازے پر جانا

مادیت اور معاشرتی عدمِ استحکام:

مادیت کے کلچر کے پھیلاؤ سے نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ان مسائل سے معاشرتی عدم استحکام میں اضافہ ہو رہا ہے۔

شدت پسندی:

مادیت نے انسانی جذبات واحساسات کو بھی سخت متاثر کیا" عدم برداشت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لیے ہر کوئی تیار ہے۔ قرآن مجید نے برائی کے بدلے اچھائی کا حکم دیا۔

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ﴾[2]

ترجمہ: اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔

عصبیت:

مادیت نے معاشرے میں تعصب کو پروان چڑھایا اس کے باعث معاشرہ کئی دھڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس تعصب کے خاتمہ کے لیے انسان کو اصل رشتے کی تکریم کی طرف متوجہ کیا۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ﴾[3]

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب الادب، باب مایقول العاطس اذا عطس، ح ۲۷۳۷، حسنہ الترمذی

۲۔ المؤمنون: ۹۶

۳۔ الحجر: ۱۳

یہ عصبیت معاشرے میں تنگ نظری کو جنم دیتی ہے۔ رواداری کو مٹاتی ہے۔ کم ظرفی کا کلچر عام ہو جاتا ہے۔

فکری انتشار:

عصری معاشرے کو جو بیماری سب سے زیادہ متاثر کر رہی ہے وہ فکری انتشار ہے۔ اس کے باعث معاشرہ تقسیم در تقسیم کے خطرناک نتائج کی طرف جا رہا ہے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی، علاقائی، ملکی، مسلکی اور جنسی تقسیم کا تصور عام ہو رہا ہے۔ نئی تحریکیں جنم لے رہی ہیں، جس سے معاشرے میں افر تفری اور خلفشار عام ہو رہا ہے۔ دور جدید میں عالم اسلام پر بالخصوص اور دنیا پر بالعموم مادہ پرستوں نے فکری انتشار کو جدید جنگی ہتھار کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ میڈیا اور انٹرنٹ اس کے آلہ کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ خبر دار کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾ (۱)

ترجمہ: پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو۔

خود غرضی:

مادیت کی خرافات میں سے ایک خود غرضی ہے۔ اس خصلت نے آج ہر طرف مطلب پرستی اور نفس پرستی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس کا تدارک اسلامی اخوت و ایثار کا احیاء ہے۔ ذمہ داری فرد سے لے کر حکومت کے ذمہ داروں تک سبھی پر عائد ہوتی ہے۔ انصار مدینہ کا ایثار اس سلسلہ کی فقید المثال نذیر ہے۔ ریاست مدینہ کی بنیاد اسی سنہری اصول پر رکھی گئی۔ فرمایا:

((إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا)) (۲)

ترجمہ: مؤمن، مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس سے وہ ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہوتے ہیں۔

اسی خوبی کو انسانی عظمت اور فضیلت کا معیار ٹھہرایا گیا ہے۔

۱۔ الجاثیہ: ۱۸

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب احکام الصلوٰۃ، باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ، ح ۴۸۱

((خَيرُالنَّاسِ مَن يَّنفَعُ النَّاسَ)) (۱)

ترجمہ: لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

استبداد و استحصال:

استبداد و استحصال کی عصری صورتیں مادیت کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی ہیں۔ یہ ظالمانہ کلچر معاشرے کے ہر شعبہ اور شکل میں نظر آرہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک غیر ترقی یافتہ ممالک کو پنجۂ استبداد میں دبوچ کر ان کا استحصال کر رہے ہیں۔ سرمایہ دار غرباء کا تاجر، خریدار کا صنعت کار، ملازمین کا اور حکومت عوام کا استحصال کر رہے ہیں۔

کسب حلال اور انسانی حقوق کی اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے اس ظالمانہ نظام کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ استحصال و استبداد کا مقصد لوگوں کے مال کو ظالمانہ طریقوں سے ہڑپ کرنا۔ اسلام اس سوچ کو سرے سے ختم کرنے کے لیے تعلیم و ترغیب دیتا ہے۔

﴿ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (۲)

ترجمہ: اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔

تفاخر:

مادیت کی دوڑ نے معاشرے میں جو منفی رجحانات پیدا کیے ہیں ان میں سے ایک تکبر و تفاخر ہے۔ دوسروں کے مقابل خود کو برتر ثابت کرنے کا یہ رجحان معاشرے کو کئی ایک مسائل سے دوچار کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فخر و تکبر سے نفرت کرتے ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (۳)

ترجمہ: بے شک خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔

اس سلسلہ میں لقمان علیہ السلام کی بیٹے کو نصیحت کرنے کی مثال اہم ہے۔ مولانا مودودی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۳۔ علامہ، علاؤالدین علی متقی، کنزل الاعمال، کتاب المواعظ والرقائق، والخطبات والحکم، ح ۴۴۱۵۴

۱۔ الذاریات: ۱۹

۲۔ القمان: ۱۸

"لقمان علیہ السلام کی نصیحت کا منشا یہ ہے کہ اپنے نفس کو ان کیفیات سے دور رکھا جائے اور سیدھے سادے معقول اور شریف انسان کی چال چلن کو اپنایا جائے۔ جس میں نہ کوئی اینٹھ او راکڑ ہو، نہ مریل پن اور نہ ریاکارانہ زہد وانکسار"[1]

عوام اور حکومتی ذمہ داری:

معاشرے کی اصلاح اور فلاح کی مکمل ذمہ داری نہ محض عوام پر ڈالی جاسکتی ہے اور نہ حکومت پر۔ ہر کسی کو معاشرے کی تعمیر و استحکام کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ حکومت کو چاہیے کہ اپنی سیاسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ دینی ذمہ داریوں کو بھی اپنی ترجیحات میں شامل کرے۔ پاکستان کے آئین میں یہ واضح الفاظ میں لکھا ہے۔

"مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت ہو گی ، حکومت اس سلسلہ میں سہولت کار کا فریضہ سر انجام دے گی تاکہ اسلامی فلاحی معاشرہ قائم کیا جاسکے۔"[2]

مادہ پرستی جس تیزی سے معاشرے کو بگاڑ رہی ہے اس سلسلہ میں ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت مادہ پرستانہ اور سرمایہ دارانہ کلچر کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ریاست کے قانون کے مطابق معاشرے کے اسلامیانے کے لیے عملی اقدامات کرے۔ ان اقدامات کو اخلاقی اور قانونی حیثیت میں منقسم کر کے مرحلہ وار نافذ العمل کیا جائے۔ عقائد اسلام اور ارکان اسلام کی تعلیم وترویج کے لیے افراد اور اداروں کی سرکاری طور پر سرپرستی کی جائے۔ اسلام کی درست ترجمانی کرنے والا لٹریچر عام کرنا چاہیے اور اسلام کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے والے اور اسلام کی غلط ترجمانی کرنے والے لٹریچر کو ضبط کیا جانا چاہیے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا با اختیار اداہ قائم کیا جائے۔ سرکاری ملازمت کے لیے باکردار اور دیندار اور محب وطن افرد کا انتخاب کیا جائے۔ بزرگوں اور معززین علاقہ کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ نوجوان نسل کو مادیت کے اثرات سے بچانے کے لیے وہ اپنا کردار ادا کرسکیں۔ معاشرے کے باکردار اور معاشرتی تعمیر میں کردار ادا کرنے والے افراد کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اعزازت سے نوازہ جائے۔ سرکاری دعوتوں میں ہر طبقہ کے افراد کو شامل کیا جائے۔ فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے سخت قانون بنایا جائے۔ اقلیتوں کے حقوق کا پاس رکھا جائے۔

۳۔ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، ص:۴/۱۹

۲ ۔ آئین پاکستان، اسلامی دفعات، ۱۹۷۳ء

یہ وہ ذمہ داری ہے جو اسلام نے حکومتِ وقت کی لگائی ہے۔ عوام کو شریعت اسلامیہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد حکومت کی اطاعت کو لازمی قرار دے کر حکومتِ وقت کا کام آسان کر دیا۔

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[1]

ترجمہ: خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا نظامِ حکومت اسی اصول کے تابع تھا۔ خلیفۂ اوّل ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں فرمایا:

(اطیعونی ما اطاعت اللہ ورسولہ فان عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم)[۲]

ترجمہ: میں جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کی اطاعت کرتا رہوں تو تم میری اطاعت کرتے رہو، اگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو پھر تم پر میرا اطاعت لازم نہیں۔

عوام کی ذمہ داری ہے کہ اچھے حکمران منتخب کرنے کے علاوہ ان کی اصلاح کی دعا کریں اور پھر صالح اعمال میں ان کا ساتھ دیں اور اطاعت کریں۔

المختصر! جدید مغربی تہذیب کے عطاء کردہ مادہ پرستانہ نظام نے فرد اور معاشرے کو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ معیشت کو غیر فطری راہوں پر ڈال دیا۔ چونکہ معیشت کا فرد اور معاشرے کی زندگی کے ہر شعبہ سے بڑا تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے معاشی بے راہ روی نے اخلاق، اقدار معاش، معاشرت ور عبادات و معاملات سب کو متاثر کیا۔ اسلام نے متاع دنیا کی جستجو کو ضریات تک محدود رکھنے کا حکم دیا تھا۔ ضرورت سے زائد کو راہ خدا میں صرف کرنے کا حکم دیا تھا۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ [۳]

ترجمہ: اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔۔

ا۔ النساء:۵۹

(۲)۔ ابنِ ہشام، محمد بن عبد الملک، السیرۃ النبویہ لابنِ ہشام، (بیروت: دار الکتاب العربی)، ص:۴/۲۳۹

(۳)۔ البقرہ:۲۱۹

مادیت نے اس ضابطے کو الٹ کیا تو انسان کا مقام بھی گرا اور سخت نقصان بھی ہوا۔ انسان کو اللہ نے مال کا مالک بنایا تھا۔ مادیت نے مال کو بندے کا مالک بنایا۔ اب ہوا یہ کہ بندے نے مال جمع کیا جو تو ضرورت کا تھا وہ خرچ ہو گیا۔ رہا باقی تو بندہ اس کا چوکیدار بن گیا۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے مشکل پیسے کی چوکیداری ہے۔ اس مصروفیت کے باعث بندہ کوئی اور کام نہیں کر سکتا۔ اس چوکیداری میں سرخ روئی بھی محال ہے۔

((تَعِسَ عَبدُالدِّینَارِ وَ عَبدُّالدِّرھَمِ)) (۱)

ترجمہ: نامراد رہا روپے پیسے کا بندہ

رہی بات معاشرت کی تو مادیت نے جب اس کا رخ کیا تو اخلاق، اقدار، رحم و کرم، محبت و شفقت اور عدل و احسان اور اخوت کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ ہر فرد اپنے مفاد کے لیے ان اقدار کی دھجیاں اڑاتا ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ معاشرتی بگاڑ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ہر کوئی پچھلے وقت، اقدار اور معاشرتی خوبیوں کا ذکر کرتا ہے اور نئی معاشرت سے بیزار ہے۔ مسئلہ کا حل اسلام کی طرف رجوع ہے۔ یورپ میں تیزی سے اسلام کی طرف رجوع اس کی ایک مثال ہے۔ قرآن مجید نے بھی صاف کہہ دیا کہ معاشرے کی سلامتی، امن، فلاح اور ترقی صرف اور صرف اسلام کی اتباع میں ہے۔ بچے گا وہی جو اس کی پیروی کرے گا۔ نافرمانوں کے لیے واضح اعلان کیا ہے کہ:

﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةَ﴾ (۲)

ترجمہ: اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔

ا۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجھاد والسیر، باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ، ح ۲۸۸۶

ا۔ الحج: ۱۱

باب پنجم

مادیت کے تعلیمی و سیاسی نظام پر اثرات اور ان کا تدارک

فصل اول: مادیت کے تعلیمی نظام پر اثرات

فصل دوم: مادیت کے سیاسی نظام پر اثرات

فصل اول: مادیت کے تعلیمی و سیاسی نظام پر اثرات کا تدارک

فصل اول

مادیت کے تعلیمی نظام پر اثرات

تعلیم کا تعارف و تاریخ:

تعلیم ایسی سرگرمیوں کا نام ہے جن کے باعث فرد اور معاشرہ اپنی صلاحیتوں، نظریات، عملیات، رجحانات و عادات کو منظم، معیاری اور اعلیٰ مقاصد کے لیے تیار کرتا ہے۔ یہ جہد مسلسل ہے۔ انسانی فطرت میں حتمی سچائی کی تلاش، علم کے حصول کے لیے فرد کو ہمہ تن گوش رکھتی ہے۔ تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو انسان کے تمام سوالات کا تسلی بخش جواب دیتا ہے اور طمانیت قلب و ذہن کا ذریعہ بھی ہے۔ ان مقاصد کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کی ترجیحات فطرت کے عین مطابق نہ ہوں۔ ان ترجیحات کا نکتہ آغاز معرفت الٰہی ہے۔ اس لیے کہ ہر چیز کا اصل خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ کائنات میں کسی بھی چیز کا اگر ہم علم حاصل کرنے اور اس کی تحقیق کرتے ہیں، تو اس کے اصل خالق کا پتہ ہونا چاہیے۔ وگرنہ ساری علمی جستجو اور اس پر اخراجات کا محض جزوی فائدہ تو ہو سکتا ہے تاہم بڑے نقصان کا خدشہ وخطرہ ہمیشہ رہتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے آغاز ہی میں حکمت حکماً بیان کی۔ فرمایا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴾ (۱)

ترجمہ: پڑھیئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

دنیا جب جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں تعلیم کا یہی بنیادی اصول فراہم کیا۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اس اصول کو چراغِ راہ بنایا تو دنیا کی کایاپلٹ کر رکھ دی۔ بنو امیہ کے دور میں کئی نئے علوم وجود میں آئے۔ تحقیق کی جستجو جاری رہی، آخر بنو عباس کے دور میں علمی ترقی عروج پر پہنچ گئی۔ یہ سلسلہ آٹھ سو سال تک جاری وساری رہا۔ مشرق ومغرب کی خلائق نے قدیم علوم کو ترک کر کے مسلمانوں کے سامنے زانوئے تلمز اختیار کیا۔ ادھر بخارا و سمر قند تو دوسری جانب سپین (اندلس) مغربی دنیا کی علمی پیاس کو بجھا رہے تھے۔ آخر مسلمانوں کی تنزلی کے آغاز کا زمانہ شروع ہوا۔ اہل مغرب نے سیاسی برتری کے بعد علوم وفنون پر بھی قبضہ کر لیا۔ تعلیم کی ترجیحات کو یکسر بدل دیا گیا۔ بے روح تعلیم اب روحانیت سے عاری ہونا شروع ہوئی۔ یہ سفر جاری رہا آخر جدید مغربی تہذیب نے دوٹوک اعلان کر دیا کہ چونکہ ہر چیز مادہ کے تابع ہے تو علم بھی مادیت ہی کے تابع ہے۔ یہ وہ

۱۔ العلق:۱

دور تھا جب علم کی بنیاد مادیت پر قائم کی گئی۔ تعلیم کا مقصد ایجادات واختراعات اور درآمدات وبرآمدات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ جدید تعلیم کے نام پر شہرت پانے والی اس تعلیم نے اپنی اختراعات وایجادات کے باعث مشرق ومغرب پر سحر طاری کر دیا۔ نہ عقائد کو چھوڑا اور نہ ثقافت کو بخشا ہر چیز کو بدل کر رکھ دیا۔ اس مادیت کا براہِ راست ٹکراؤ اسلام اور امت مسلمہ سے تھا۔ آج جدید علوم کو مسلم معاشروں میں ترجیحی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ جب کہ دینی علوم اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

تعلیم اور معاشرے کا تعلق:

تعلیم کا معاشرے سے ویسا ہی تعلق ہے جیسا روح کا جسم سے۔ آج بھی جو اقوام تعلیم میں جس قدر پیچھے ہیں وہ اتنا ہی کم ترقی یافتہ ہیں۔ تعلیم کے ساتھ معاشرے کے اقدار واخلاق، معاشرت ومعیشت اور اجتماعی وانفرادی فلاح کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ تعلیم فرد ومعاشرے کی تربیت کا اصل ذریعہ ہے۔ تعلیم ہی وہ روح ہے جو کسی بھی قوم کے اخلاقی وروحانی اقدار کے احیاء کی ضامن ہوتی ہے۔ تعلیم وتربیت قوم کو باصلاحیت قیادت فراہم کرتی ہے۔ یہ قومی اتحاد و یکجہتی کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ ذریعہ ہے قومی تاریخ وثقافت اور اقدار کے احیاء کا۔ قلوب واذہان کو فکر وفہم کی نئی راہوں سے روشناس کراتی ہے۔ اسلام نے تعلیم کی اس اہمیت کے باعث اس کے اہتمام پر خاص توجہ دی۔ حصولِ تعلیم کو فریضہ کا درجہ عطا کیا۔

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ))[1]

ترجمہ: حصولِ علم ہر مسلم مرد وعورت پر فرض ہے۔

دینی علوم تمام علوم کی بنیاد قرار دیئے گئے۔ تمام رسمی علوم کو آسمانی علوم کے تابع کر دیا۔ تعلیم کا اصل مقصد معرفت الٰہی کو قرار دیا۔ تعلیم ذریعہ ہے شرعی واجبات کی معرفت اور ان پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کا جس کے باعث انسان جنت کا حق دار بنتا ہے۔ خیر وشر کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تعلیم واسرار مظاہرِ فطرت سے مسلسل پردے اٹھاتی ہے۔ جس کے باعث عامۃ الناس کے لیے معرفت حق اور واحدانیت الٰہیہ کی راہ اختیار کرنا آسان ہو جاتی ہے۔

علم کی اہمیت کے بارے میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ

"انه يجبُ تقديم العلم على العبادة لامرين، احدهما:لتصح لک العبادة، والثانی: هو ان العلم النافع يثمر الخشية والمهابةللهِ تعالىٰ فی العبد"[2]

ا۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب السنۃ، باب فضل العلما والحث علی طلب العلم، ح۲۲۴، صححہ الالبانی

۲۔ الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، مجموعہ رسائل الامام الغزالی، (بیروت: دارالفکر)، ص۱۲۵

ترجمہ: دو امور کی بنا پر علم کو عبادت پر مقدم کرنا ضروری ہے، یہ کہ اس کے باعث آپ کی عبادت درست ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ نافع علم بندے میں اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت پیدا کرتا ہے۔

تعلیم ہی وہ راسخ ذریعہ ہے جس کے باعث دنیوی و دینی خطرات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ان خطرات سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً جھوٹ و شرک کی معرفت کے باعث اخروی ہلاکت سے بچا جاسکتا ہے جب کہ رسمی علوم میں علم کیمیا (Chemistry) کی معرفت سے ہم ان کیمیائی عناصر سے خود کو محفوظ کر سکتے ہیں، جو ہمارے لیے مضر ہیں۔ وغیرہ

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم نام ہے اسرار و مظاہر فطرت کی مسلسل اکتشافیت کا۔ فرمایا:

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[1]

ترجمہ: انسان کو سکھایا وہ کچھ جو وہ نہ جانتا تھا۔

پھر فرمایا:

﴿يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: تمھیں وہ سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔

ان مقاصد و فوائد کا حصول تب ممکن ہے جب تعلیم کو ان خطوط پر استوار کیا جائے جن پر تمام انبیاء نے بالعموم اور محمد ﷺ نے بالخصوص کیا۔ آج تعلیم کی روحانی ترجیحات پر مادی ترجیحات نے قبضہ کر لیا ہے۔ دینی تعلیم بے وقعتی کا شکار ہے۔ علماء دین بے توقیری و ناقدری کا شکار ہیں۔ اس کے مقابل چارٹر اکاؤنٹنٹ، ڈی ایس پی، سیکرٹری، بینک منیجر اور وزیر و مشیر کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان حالات میں معاشرے کی فلاح اور بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ آج تعلیم، تعلیمی ادارے اور علوم کی اس قدر کثرت ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہ ملے۔ تاہم جس علم نے انسان کو احسن تقویم کے مقام پر استوار کرنا تھا۔ اس کی اس قدر بہتات کے باوجود انسان بے توقیری اور گمراہی کی اتاہ گہرائیوں میں دکھائی دیتا ہے۔ جاہلیت اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ آور ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ تعلیم کا رُخ معرفت الٰہی سے ہٹ کر مادیت اور دنیاداری کی طرف مُڑ گیا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ تعلیم کو درست سمت پر رکھنے کے لیے یہ دعا سکھائی تھی کہ:

۱۔ العلق: ۵

۲۔ البقرہ: ۱۵۱

((اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا))[1]

ترجمہ: اے اللہ! دنیا کو ہماری زندگی مقصد نہ بنا دینا اور نہ ہمارے علم کا محور۔

آج جتنی بگاڑ تعلیم یافتہ افراد میں نظر آتا ہے اتنی غیر تعلیم یافتہ میں نہیں نظر آتا۔ حد یہ ہے کہ دینی تعلیم کو جدید سائنسی تعلیم کے متضاد کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ دینی علماء و سائنسی علماء باہم دست و گریباں ہیں۔ اس کا پس منظر ذیل میں پیش خدمت ہے۔

سائنس اور مذہب میں تضاد کا تصور:

اسلام نے علم کا رشتہ ایمان و اسلام سے جوڑ کر نہ صرف روحانیت و مادیت کی دوئی کو ختم کیا بلکہ غور تفکر کے ساتھ نئ سے نئ معلومات حاصل کرنے کا حکم بھی دیا اور ایسے لوگوں کو معاشرے کا ممتاز فرد قرار دیا۔

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ ﴾[2]

ترجمہ: اللہ ان لوگوں کے درجات کو بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان والے اور صاحبِ علم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے آغاز اسلام ہی سے دینی علوم کے ساتھ ساتھ رسمی علوم کا بھی اہتمام کیا۔ اہل مدینہ کے لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت بہتر کرنے کے لیے سرکاری طور پر اقدامات کیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہا تاریخ کے اوراق پلٹتے گئے۔ بنو عباس کے آخری دور میں مسلم علماء نے موجودہ سائنس کے بیشتر علوم کی بنیاد رکھ دی۔ سپین کا سقوط انسانیت کا سقوط تھا۔ جن علوم نے دنیا کو معاشرتی و معاشی و دینی اعتبار سے ترقی کی اعلیٰ سطح پر پہنچایا تھا، ان علوم پر خوفناک حملہ کیا گیا۔ لاکھوں کتب جلا دی گئیں۔ امت کے زوال کے بعد علمی قیادت و سیادت عیسائیت کے ہاتھ لگ گئی۔ انھوں نے اپنے نظریات (جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول کے تحت) دنیا پر مسلط کرنا شروع کر دیئے۔ وقت گزرتا گیا، اختیار و اقتدار ۱۵۴۶ء میں جب اہل کلیسا کے ہاتھ لگا۔ یہ وہ دور تھا جب مذہب اور جدید علوم میں تفریق کا تصور ایک منصوبہ بندی کے تحت پیدا

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب الدعوات، ح ۳۵۰۲، حسن

۲۔ المجادلہ: ۱۱

کیا گیا۔ اہل کلیسا سے دو غلطیاں سرزد ہوئیں، ایک یہ کہ انھوں نے قدیم یونانیوں کے فلسفہ کو اپنے اعتقادات کا معیار بنایا، دوسرا یہ کہ مذہبی علوم کے علاوہ تمام علوم پر پابندی عائد کی۔ ڈاکٹر جان ولیم کہتے ہیں کہ:

"اہل کلیسا نے فکر انسانی کے پاؤں میں مذہب کی بیڑیاں ڈال دیں۔ آزادیٔ خیال ختم ہو گیا۔ الغرض! انسان کو متنبہ کر دیا گیا کہ ہر فرد محض انھی نظریات کو ذہن میں جگہ دے سکتا ہے جس کی اجازت کلیسا کے حکام صادر کرتے ہوں۔"[1]

آخر اسی زمانے سے مذہب اور سائنس کے ٹکراؤ کا آغاز ہوا۔ برسرِ اقتدار اہل کلیسا نے نئے سائنسی نظریات کو توہم اور ایجادات کو جادو گری قرار دیا۔ اسی بنا پر سائنسدانوں کو مرتد قرار دیا گیا۔ کچھ کو سائنسی نظریات ترک کرنے پر مجبور کیا جو نہ باز آیا اس کی خوب پٹائی کی۔ کئی کو سزائے موت کے عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا، ظلم جتنا بھی کیوں نہ بڑھے آخر مٹ جاتا ہے۔ اہل کلیسا کی سختیوں نے عوام کو بغاوت پر مجبور کر دیا۔ عوام نے نئے نظریات کو قبول کر لیا۔ اہل کلیسا کو شکست ہوئی، سائنس اور سائنس دان فتح یاب ہوئے۔ نئی تہذیب وجود میں آئی جس کی بنیاد مذہبی منافرت پر رکھی گئی۔ یہی فکر ترقی کرتی ہوئی اٹھارھویں صدی میں مادیت، الحاد اور لادینیت پر پہنچ گئی۔ جدید سائنسی ایجادات کے سحر نے پوری دنیا کو یہ باور کرا دیا کہ اصل تعلیم سائنس ہے۔ اس نظریہ نے دینی علم و علماء دین کی وقعت ہی کم نہ کی بلکہ انھیں نفرت اور صعوبت کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہے۔

تعلیم کا اسلامی اور مادی نکتہ نظر:

اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں رہنمائی عطا کرتا ہے۔ یہاں دینی و دنیوی دونوں زندگیوں کی فلاح و بہبود کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اسلامی اقدار مستقل اور پائیدار ہیں۔ زمانے اور حالات کی تبدیلی سے ان میں تغیر نہیں پیدا ہوتا۔ اسلام نے جسے حلال و حرام قرار دیا یا پھر کسی کو سچ و جھوٹ یا عدل و ظلم کہا تو وہ تاقیامت ویسا ہی رہے گا۔ انہی اقدار کو اسلامی ثقافت قرار دیا گیا۔ یہ اقدار اسلامی ثقافت کو باقی تہذیبوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ان اقدار کے محافظ قرآن و سنت ہیں۔ مغربی تہذیب کی طرح اس میں ثنویت (Dualism) کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلامی نظام تعلیم ان اقدار کی سربلندی اور بقاء کا ضامن ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی برتری کے ایک ہزار سال سے زائد کے عرصہ میں حالات و واقعات کی تبدیلی اور نئے علوم کی دریافت کے باوجود بھی ان ترجیحات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

۱۔ ڈاکٹر ولیم جان، معرکہ ءمذہب وسائنس، (ترجمہ ظفر علی خان)، (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۴ء)، ص:۱۵۲

جدید مغربی تہذیب جس طرح باقی معاملات میں تجربات و حالات کے ساتھ مستقل مزاجی سے عاری ہے اسی طرح علم و تعلیم کے بارے میں بھی ان کے ہاں کوئی مضبوط نظریہ اور واضح نصب العین نظر نہیں آتا۔

جدید مغربی تہذیب یونانی رومی معاشرت سے زیادہ متاثر ہے۔ جب کہ رومی معاشرہ از خود مادہ پرستی پر قائم تھا۔ ان کے ہاں روحانیت و آخرت کا کوئی تصور نہ تھا۔ ان کے علوم و فنون کا دائرہ مادی فوائد تک محدود تھا۔ مغرب میں جدید سائنسی تعلیم کی ترقی مذہبی بغاوت کے ردِ عمل کی پہچان بن گئی۔ مغربی مادیت کا وجود دراصل اس وقت کی عیسائیت کے منفی روحانی تشدد کا ردِ عمل تھا۔ مذہب کی پسپائی اور جدید مغرب کی سیاسی برتری نے فکر و عمل کا پورا رُخ مادیت کی طرف موڑ دیا۔ ساتھ ہی ساتھ تعلیم کو جدید تعلیم کا نام دے کر آسمانی اور روحانی علوم کو فراموش کر دیا گیا۔ جدید علوم کو اصل علوم قرار دیا۔ مذہب سے نفرت پر قائم ہونے والی مغربی تہذیب کے سر کردہ لوگوں نے نصاب تعلیم انھی بنیادوں پر قائم کیے۔ مدارس و جامعات کو سکول، کالج اور یونیورسٹی کا نام دیا گیا۔ ان اداروں میں ایسے سلیبسز پڑھائے جانے لگے کہ جن کا مقصد محض صنعتی ترقی اور مادیت ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس تہذیب کی بد قسمتی یہ کہ اس نے پہلے تعلیم کا رُخ مادی فوائد اور سرمایہ داری کے حصول کی طرف موڑا۔ حد یہ کہ اس تہذیب نے خود تعلیم کو بھی کھینچ کر مادیت اور سرمایہ کے حصول کا ذریعہ بنا دیا۔ اس ماحول میں تعلیم حاصل کرنے والا شخص مادہ پرستانہ اور استعماری طرز کی شخصیت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ مغربی طاقتیں جس تعلیمی کلچر کو دنیا اور بطور خاص عالم اسلام پر مسلط کر رہی ہیں، اس کے تحت محض خواندگی پر زور دیا جا رہا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کو محدود کر دینے کی سازش ہو رہی ہے۔ پبلک سیکٹر کو تعلیمی وسائل سے محرُوم کرنے کے بعد انھیں پرائیویٹائز کرنے کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ اب تعلیم برائے تربیت نہیں بلکہ تعلیم برائے تجارت کا ایجنڈا کار فرما ہے۔ وطنِ عزیز کا تعلیمی نظام بھی کمرشلائزیشن کا شکار ہو چکا ہے۔ مغربی تعلیمی اداروں سے الحاق اور اس مد میں کثیر سرمایہ کا ملک سے باہر جانا اس کا ثبوت ہے۔ الغرض جدید مغربی تعلیمی پالیسی کا مقصد سرمایہ جمع کرنا ہے۔ اسی لیے تعلیم یافتہ افراد کی قیمت لگتی ہے اور تعلیم کو روزگار کا ذریعہ سمجھا اور باور کرایا گیا۔ وہی مضامین پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں جو اچھے روزگار کے ضامن ہوں۔ یوں تعلیم سے تربیت، اقدار، اخلاق اور روحانیت کا پہلو نکل گیا۔ شخصیت کی تعمیر اور فلاح معاشرہ کا تعلیم میں کوئی کردار باقی نہ رہا۔ سرمایہ داروں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے تعلیم کا مقصد صرف تجارتی فوائد تک محدود کر دیا ہے۔

دیو ہل (Dave-Hill) کہتے ہیں۔

"The capitalist class has a business plan for education and business plan in education.[1]

ترجمہ: سرمایہ دار طبقہ نے تعلیم کے لیے تجارتی منصوبہ بنایا اور پھر تعلیم میں بھی تجارتی منصوبہ بندی کی۔

تعلیم کے اس مادی منصوبہ بندی اور مادی نکتہ نظر کے باعث عام آدمی کے لیے تعلیم کے مواقع کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں۔ تعلیم اور اعلیٰ تعلیم محض سرمایہ دار لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

تعلیم کا تہذیب سے مادیت کا سفر:

اسلام کا عطا کردہ تصورِ تعلیم مادی و تہذیبی دونوں پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ابتدائی طور پر علوم کا دائرہ محدود تھا۔ وقت کے ساتھ اس میں وسعت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ آج علوم و فنون جو وسعت اختیار کر چکے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم تہذیبی تصور سے عاری ہوتی جا رہی ہے۔ اس میں محض مادی تصور نے اپنے پنجے گاڑھ لیے ہیں۔ اس نکتہ کو درج ذیل دو نکار میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

الف: تعلیم کا بنیادی تصور سارے کا سارا افادیت پر قائم ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان میں مادی شعور اور مادی زندگی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی وسعت نے انسان میں یہ صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے ماحول میں پائی جانے والی اشیاء اور ان کے خواص سمجھنا ہے۔ ان اشیاء کی قوتوں کو دریافت کر کے اپنی تسخیر میں لانے کی سعی کرنا ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ اس کا آغاز تخلیقِ آدم ہی

ا

سے ہو چکا تھا۔ فرمایا:

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ (۲)

ترجمہ: اور آدمؑ کو تمام کے تمام نام سکھا دیئے۔

پھر انسان اشیاء کے مشاہدے کے بعد کیا، کیسے اور کیوں کے سوالات کے ساتھ آگے بڑھا تو اس نے خود کو سمجھنے کی جستجو شروع کر دی، مثلاً یہ کہ میں کیا ہوں؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ وغیرہ۔ ان سوالات کے جوابات کے لیے جو خیالات اس میں پیدا ہوئے۔ ان میں کچھ اپنے گمان، باقی لوگوں سے سنے۔ ایسے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے

---

1. Dave Hill, New Liberalism, Global Capitialism and Education, , P.16

ا۔البقرہ:۳۱

نمائندہ خاص کو مبعوث فرمایا: آپ ﷺ نے ان سوالات کے حتمی اور درست جوابات دیئے۔ زندگی اور اس کا مقصد بھی متعین کیا۔ انسانی شعور کو جلا حاصل ہوئی۔ خیر و شر اور صحیح و غلط اور ثواب و گناہ کا تصور پیدا ہوا۔ یہ شعور و تصور تہذیب اور اقدار میں بدلا۔ انہی اقدار اور نظریات کی بنیاد پر معاشرتی ادارے، رشتے اور تہذیب وجود میں آئی۔ اس میں اہم بات یہ کہ آگے چل کر جو بھی رویے، اقدار، نظریات و خیر و شر نے رسول اللہ ﷺ کے دیئے نظام ہی سے قوت ور ہنمائی حاصل کی۔ اسلامی نظام تعلیم تاریخی طور پر اس بات کا شاہد ہے کہ اس نے مادی تصور کے ساتھ ساتھ تہذیبی تصور کو بھی نسل در نسل آگے بڑھایا۔ اس میں تہذیبی شعور کو غالب رہا ہے۔ اسی شعور نے امت کی شناخت کو بحال رکھا اور قوت عطا کی۔

ب: مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد ان کے ہاتھ سے علمی قیادت بھی نکل گئی۔ تعلیم کی تہذیبی حیثیت ختم ہونا شروع ہو گئی۔ گزرتے وقت کے ساتھ تعلیم پر مادی تصور غالب ہونا شروع ہو گیا۔ مادی اعتبار سے بر تر اقوام نے جب تسلط قائم کیا تو نظریہ تعلیم کو طے کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کئی نئے علوم وجود میں آئے۔ کسی نے صحیح کہا یا غلط اچھا لکھا یا بُرا سب کچھ علم کا درجہ حاصل کر تا گیا۔ قوم و ملت کی اصل شناخت ختم ہوتی گئی۔ نہ خودداری رہی نہ خودی کا احساس قومی انا رہی نہ جذبہ جہاد۔ تعلیم کے دونوں تصورات آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ مادی تصور تعلیم نے تہذیبی تصور تعلیم کے خلاف آواز بلند کر دی۔ وطنِ عزیز اسکی اہم مثال ہے۔ لارڈ میکالے کو اس منصوبے کی تکمیل پر مقرر کیا گیا۔ دینی تعلیم کو علمی دائرہ سے خارج کیا گیا۔ مادی تعلیم کو اصل تعلیم کا درجہ دینے کی کامیاب سازش کی گئی آگے چل کر مادیت کو تہذیب کا درجہ دیا گیا۔ تہذیبی جنگ میں مسلمانوں کو مسلسل پسپائی کا سامنا ہے۔ مادی نظریہ تعلیم نے آج انسانی دل و دماغ میں تفریق قائم کر دی ہے۔ صحیح کو غلط اور ثواب کو گناہ کا درجہ دے دیا ہے۔ تہذیب کا رخ و چہرہ بدل کر رکھ دیا ہے۔ ایسے افراد کو مسلم معاشروں میں پیدا کر کے ان کی سرپرستی کی، جو مادی تصور تعلیم کو پروان دیں، دینی و تہذیبی تصور کو روکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تجارت، ڈپلومیسی، قرضے، فلمیں، ڈرامے، ادب وافسانے، ریڈیو، انٹرنیٹ، موبائل اور اشتہارات کی صورت میں ڈرون ہر روز ہمارے معاشروں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ تعلیم کا تہذیب سے مادیت کے اس سفر نے آج ہم پر تہذیبی غلامی مسلط کر رکھی ہے۔ اس کا غلامی سے نکلنے کا ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے مادی تصور کو بھی تبدیل کریں۔ تب ہمارے معاشرے میں تعلیم کے اصل نتائج و ثمرات ظاہر ہوں گے۔ مادی مقصدیت پر قائم جدید

تعلیم کے پاس انسانی مسائل کا اصل حل نہیں۔ پراگندہ فکر، نظر کی آوارگی، دہشت گردی، تشدد پسندی، بے یقینی، خوف و غم، مایوسی و محرومی، تشکیک غربت و افلاس، بے ادبی و گستاخی اور عبادات و معاملات میں غیر ذمہ داری وغیرہ اہم عصری مسائل ہیں۔ آپ ﷺ کے نظام تعلیم میں ان مسائل کے حل کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

امت کے اکابرین کو اس بات کا ادراک کر لینا چاہیے کہ آج امت پر مادہ پرستوں نے تمام اطراف سے حملہ کر دیا ہے۔ یہ حملہ ہماری نظریات، معاش اور معاشرت پر کیا گیا ہے۔ اس کا مقابلہ ملی و ایمانی جذبہ کے ساتھ کرنے کے لیے امت کو تیار کریں ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ اس جنگ میں امت کو وہ نقصان پہنچے کہ جس کی تلافی ممکن نہ ہو۔ دو اقدامات اس سلسلہ میں اہم ہیں۔ ایک تو یہ کہ اغیار کی پیروکاری سے خود کو مکمل طور پر آزاد کرنا ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾(۱)

ترجمہ: اور جو لوگ ظالم ہیں، ان کی طرف مائل نہ ہونا، نہیں تو تمہیں (دوزخ کی) آگ آلپٹے گی اور خدا کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں۔ اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہوگئے تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔

دوسرا یہ کہ تعلیمی نظام کو ان بنیادوں پر قائم کرنا ہوگا جن پر محمد الرسول اللہ ﷺ نے استوار کیا تھا۔ انہی کو اللہ تعالیٰ نے معلم اعظم کی ڈگری عطاء کی۔

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (۲)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں ان ہی میں سے (محمد ﷺ) کو پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔

۱۔ الھود:۱۱۳

۲۔ الجمعہ:۲

مادیت کا نظامِ تعلیم پر اثر:

نظام تعلیم قومی فلاح، معاشرتی، مذہبی، سیاسی اور معاشی ترقی کی درست راہ کا نشان ہوتا ہے۔ لفظ "اقراء" کے ساتھ نزولِ قرآن مجید کے آغاز میں اسی راز کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مروجہ نظام تعلیم ان خوبیوں سے عاری ہے۔ اسی لیے تعلیم کے اصل ثمرات سے مسلم معاشرے بالخصوص اور اقوامِ عالم بالعموم محروم ہیں۔ اس مسئلہ کی چند ایک وجوہات درج ذیل ہیں۔

دینی روح سے عاری:

عصری تعلیمی نظام نہ صرف دینی روح سے عاری و مبرا ہے بلکہ دین سے دوری کا باعث بن رہا ہے۔ ایسا نظام تعلیم مرتب کیا گیا ہے جو نئی نسل کو دنیوی اعتبار سے مادہ پرست اور اخروی اعتبار سے الحاد کی طرف لے جا رہا ہے۔ قومی نظریہ باقی رہا اور نہ ہی اجتماعی و اخلاقی شعور۔ مغرب کے عطا کردہ اس نظامِ تعلیم کا مقصد امت کو اپنی عظمت رفتہ سے غافل کر کے مغربی اقوام کی غلامی میں جکڑ دینا ہے۔ اس نظامِ تعلیم نے گزشتہ چند صدیوں سے نہ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے لیڈر پیدا کیے نہ غوری، غزنوی اور محمد بن قاسم جیسی ہستیاں ہی پیدا کیں۔ اس تعلیم نے ماسوائے چند ایک کے مادہ پرست، فکری غلام، ذہنی مریض، مفاد پرست و کرپٹ افراد، منافق، ابن الوقت، غداروں اور لٹیروں کو کثرت سے پیدا کیا۔

مادیت کی محرک:

عصری تعلیم نظام کا ایک اور بنیادی نقص یہ ہے کہ یہ طلبہ میں اعلیٰ نصب العین پیدا کرنے سے عاری ہے۔ گھر سے یہ تربیت دی جاتی ہے کہ اگر محنت کی، اچھا پڑھا تو نوکری مل جائے گی۔ جو تعلیم نوکری کے لیے حاصل کی جائے اس سے لیڈروں کو پیدا کرنے کا خیال بھی محال ہے۔ یہ تعلیم تربیت سے عاری ہے۔ اس کا دائرہ محض مادیت اور مادی فوائد کے گرد گھومتا ہے۔ مادی فوائد کی دوڑ نے قومی اعتبار سے آج ہمیں گروہ بندی اور فرقہ پرستی میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ علم ہی تھا کہ جس نے عرب قبائل کو ایک مرکز پر جمع کر دیا تھا۔

تربیت کا فقدان:

تعلیم کا اصل مقصد فرد اور معاشرے کی حیوانی حس کو کنٹرول کر کے انسانی حس کو اجاگر کیا جائے۔ کردار سازی کی جائے اور اس کو تربیت کا ذریعہ بنایا جائے۔ جدید تعلیم اس اعلیٰ مقصد سے اپاہج ہے۔ اخلاقی اور معاشرتی

اعتبار سے کردار سازی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ جوں جوں بچے بڑے ہوتے جاتے ہیں توں توں اخلاق بگڑتے جاتے ہیں۔ آج ثانوی تعلیمی اداروں میں والدین بچوں کو بھیجنے سے سخت خوفزدہ ہیں۔ جن اداروں میں طلبہ کو تعلیم کے ساتھ تربیت دی جاتی ہے وہاں سے بدکردار اور منشیات کے عادی بھی پیدا ہو رہے ہیں۔

متعدد نظام ہائے تعلیم:

تعلیم قومی اتحاد میں خشتِ اوّل کا کردار ادا کرتی ہے۔ تاہم عصری نظام تعلیم کی دوئی نے قوم کو اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سماجی اعتبارات سے نہ صرف تقسیم کیا بلکہ باہم دست و گریباں بھی کیا۔ ایک طرف دینی مدارس کی تعلیم ہے تو دوسری طرف سکولوں اور کالجوں کا نظامِ تعلیم۔ یہ دو متضاد نظام ہائے تعلیم قوم کو دو مختلف سمتوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ہر کوئی دوسرے کو گمراہ اور خود کو رہبر سمجھتا ہے۔ ان دو بنیادی تقسیم کے بعد تقسیم در تقسیم کا سلسلہ جاری ہے۔ حالانکہ اگر اربابِ اختیار سنجیدگی سے غور فرمائیں تو تمام نظام ہائے تعلیم کو ایک وحدت میں پرویا جاسکتا ہے۔

قومی تقاضوں سے عاری:

عصری نظام تعلیم کو بااثر بین الاقوامی مادہ پرست کنٹرول کرتے ہیں۔ انھوں نے ایسا نظامِ تعلیم مسلط کر رکھا ہے جس کے تحت وہ خود باس Boss اور باقی دنیا ان کی غلام رہے۔ اس کا اثر دیکھیں کہ سب سے زیادہ تعلیم یافتہ یہود ہیں پھر عیسائی پھر درجہ بدرجہ باقی اقوام اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کرنے والے مسلمانوں کی تعداد محض دو فی صد ہے۔ پاکستان اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہر طرح کی معدنی و زرعی دولت سے مالا مال ہے۔ ۷۰ سال بیت چکے مگر پسماندگی جان نہیں چھوڑ رہی۔ وجہ پھر ناقص نظامِ تعلیم ہے۔ عالمی بنک کا جدید سروے یہ بتاتا ہے کہ جو ملک تعلیم میں پیچھے ہے وہ ترقی میں بھی آج اسی اعتبار سے پیچھے ہے۔ ہمارا نظامِ تعلیم ملک کو درکار نئے تقاضوں کے مطابق نہ فنی ماہرین، نہ زرعی ماہرین نہ اچھے صنعت کار اور نہ سائنس دان و سیاست دان مہیا کر سکا۔

تخلیقی استعداد سے عاری:

مادیت کے اثرات نے جو وار تعلیم پر کیا اس کا ایک خطرناک نتیجہ یہ آیا کہ تعلیم سے تخلیقی وجود اور نظریہ محو ہو گیا۔ آج کے طالب علم سے پوچھیں وہ تعلیم کا مقصد نوکری اور پیسہ و عزت حاصل کرنا بتاتا ہے۔ اس منفی مادی فکر کے باعث وہ خداداد تخلیقی صلاحیتوں اور استعداد سے محروم ہو رہا ہے۔ محض مغرب کی اندھی تقلید میں ہر جائز و

ناجائز اور صحیح و غلط کو وہ علم و تعلیم تصور کرتا ہے۔ اسلام کی علمی تحریک کا یہ امتیاز تھا کہ اس نے تفکر کی دعوت دے کر تخلیقی صلاحیت کو بحال اور تعلیم کی بنیاد قرار دیا تھا۔ فرمایا:

﴿ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۝ ﴾ (۱)

ترجمہ: تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔

﴿وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ۝ ﴾ (۲)

ترجمہ: اور زمین میں نشانیاں ہیں اہلِ ایمان کے لیے۔

طرزِ تعلیم:

تمام سابقہ نقائص کے علاوہ ہمارے نظامِ تعلیم سے منسلک طلبا و اساتذہ کو جو سب سے اہم مسئلہ و مشکل در پیش ہے وہ شاید دنیا میں کسی کو در پیش نہ ہو۔ یہ ہے تعلیم کو غیر قومی زبانوں میں حاصل کرنے کا نظام زبردستی مسلط کرنا۔ ہمارے طلبا کو دوران تعلیم بیک وقت دو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ایک غیر مادری زبان کو سمجھنا اور پھر اس فن کو سمجھنا۔ یہ بظاہر سادہ بات ہے مگر ایک غیر فطرتی اور ظالمانہ نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں جتنے بھی انبیاء بھیجے انھیں معلم و استاد کا درجہ عطا کیا۔ کسی بھی قوم کی طرف اجنبی زبان والا رسول نہیں مبعوث کیا۔ فرمایا:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۝ ﴾ (۳)

ترجمہ: اور جو بھی رسول ہم نے مبعوث کیا وہ اپنی قوم کا ہم زبان ہی تھا۔

قوم کے نوخیز بچے بھاری و بوجھل بستوں کے باعث جسمانی بوجھ کے علاوہ ذہنی بوجھ کا شکار بھی ہو چکے ہیں۔ ہمارا طالب علم آج دو کشتیوں کا سوار بن چکا ہے۔ ان حالات میں وہ رٹا لگاتا ہے جو امتحان تک یاد رہتا ہے بعد میں وہ بھی ہوا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں طلبا کی فطری صلاحیت ماند پڑ جاتی ہے۔ معیارِ تعلیم بھی روز بروز گرتا چلا جا رہا ہے۔ اربابِ اختیار کو پتہ نہیں کس احمق نے یہ بتایا کہ انگریزی ذریعہ تعلیم ترقی کی راہ ہے۔ ہمیں پڑوس میں چائنہ سے سیکھنا چاہیے کہ ہمارے ایک سال بعد آزاد ہوا۔ اپنی زبان میں قوم کو تعلیم دی اور آج دنیا کی بڑی طاقتوں اور ترقی یافتہ ممالک کی صفِ اوّل میں شامل ہے۔

۱۔ الانعام: ۵۰

۲۔ الذاریات: ۲۰

۱۔ ابراہیم: ۴

مادیت کا تعلیم پر براہِ راست حملہ:

تعلیم کسی بھی قوم کے تہذیبی وجود اور ملی تشخص کی بقاء کی علامت ہوتی ہے۔ اقوام ہمیشہ ایک دوسرے پر سربلندی اور برتری کے نفسیاتی مقابلہ میں بر سرِپیکار رہی ہیں۔ کسی بھی قوم پر اسلحہ کے ساتھ حملہ سے خطرناک حملہ اس کی تہذیب پر حملے کو تصور کیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مغربی اور مادہ پرست اقوام نے باقی دنیا کو بالعموم اور مسلم دنیا پر بالخصوص جو حملہ برپا کر رکھا ہے وہ تعلیمی نظام سے اسلامی تہذیب کو خارج کرنے کا ہے۔ ان مادہ پرستوں کی نگاہ میں پاکستان زیادہ کھٹکتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ پاکستان کے نظامِ تعلیم میں بالواسطہ اور بلاواسطہ مداخلت کر رہے ہیں۔

ورلڈ بینک کے ذریعہ ۱۹۸۹ء سے زیادہ تیزی سے اس منصوبہ پر عمل درآمد کروانا شروع کیا گیا۔ غرض ہمارا تعلیمی نظام آج یہ لوگ مرتب کر رہے ہیں۔ اس تعلیمی نظام کی خوبی یہ گنوائی جاتی ہے کہ اس سے صنعتی، ٹیکنیکل / فنی اور معاشی ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں دین، تہذیب اسلامی، سیرت النبی ﷺ اور تاریخ اسلامی سب مضامین بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نظریہ اسلام کے ساتھ نظریہ پاکستان کو بھی خیر آباد کہنا پڑتا ہے۔ اس تعلیمی نظام کے مظاہر اور اس پر مادیت کے اہم اثرات درج ذیل ہیں۔

طبقاتی تعلیمی ادارے:

جنگِ عظیم دوم میں مادہ پرست مغربی اقوام کو فتح حاصل ہوئی۔ اس سے قبل مسلم ممالک کا نظامِ تعلیم دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے مضبوط بنیادوں پر قائم تھا۔ اسی نظامِ تعلیم کے باعث امت نے معاشی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے دنیا پر برتری قائم کی۔ انگریز نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے متوازی نظامِ تعلیم کو مسلم ممالک میں زبردستی مسلط کرنے کے علاوہ تعلیم کی ترجیحات کو یکسر بدل کر رکھا دیا۔ مادی و دنیوی نظامِ تعلیم کو ترویج دینے کے لیے ادارے قائم کیے۔ اس مادہ پرستانہ نظامِ تعلیم نے تعلیمی اداروں کو منقسم کرنے کے علاوہ قوم کی تقسیم کی بنیاد رکھی۔ بیچوں بیچ Davide and Rule کے مقصد کی تکمیل کا گھناؤنا منصوبہ بھی شامل کیا گیا۔ ان اداروں میں سرکاری اسکولوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان اداروں میں غریب اور درمیانے طبقہ کے افراد اپنے بچوں کو تعلیم دلواتے ہیں۔ یہاں کا نصابِ تعلیم غیر معیاری اور سہولیاتِ تعلیم ناقص ہیں۔ یہاں تعلیم حاصل کرنے والے افراد سرمایہ داروں کی نوکری کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد مشنری تعلیمی اداروں کا نمبر آتا ہے۔ یہ ادارے

بظاہر اقلیتی اقوام کے بچوں کے لیے ہیں تاہم مسلم والدین بڑے شوق اور بڑی تعداد میں اپنے بچوں کو ان اداروں میں داخل کراتے ہیں۔ یہ ادارے ملحدانہ مغربی ومادی تہذیب کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ اس کا بڑا ذریعہ مغربی نصاب تعلیم ہے۔ ان اداروں میں کیمبرج، آکسفورڈ اور غیر ملکی یونیورسٹیوں کے نصاب پڑھائے جا رہے ہیں۔ ان اداروں میں ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے مسلمان طلبا میں ملحدانہ ومادیتی سوچ پروان چڑھائی جاتی ہے۔ نعیم میرانی فرماتے ہیں کہ:

"یہ ادارے بیرون مشنریوں کی مالی امداد اور عیسائی حکومتوں کی سرپرستی میں کام کر رہے ہیں سمندر پار کے چھپے ہوئے لٹریچر سے ملحدانہ کلچر کو عیسائیت کے رنگ میں پھیلا رہے ہیں۔"[1]

انگلش میڈیم کے نام پر قائم ادارے مغربی مادی کلچر کو ترویج دینے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ ادارے تعلیم دینے سے زیادہ تعلیم کی تجارت کر رہے ہیں۔ ان اداروں کے ذریعہ مغربی سوچ کے علاوہ مغربی لباس اور طرزِ زندگی پر سختی سے عمل کرایا جاتا ہے۔ انگلش بولنے پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ استاد بھی اردو بولنے پر دس روپے جرمانہ عائد کر دیتے ہیں۔ اس طرح اردو پر پابندی کے باعث اسلامی اقدار کی قدر بھی طلبا کے اذہان سے وداع ہونے ہے۔ کو ایجوکیشن (مخلوط تعلیم) کے باعث ان اداروں میں شرم وحیاء کو مٹا کر مغربی طرز معاشرت کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ یوں مادیت کی راہ ہموار کی جاتی ہے, کہ ان تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل طلبہ اسلامی اقدار کو فرسودہ سمجھتے ہیں۔ عملی زندگی میں جب اسلام انھیں غلط کام اور حرام خوری سے روکتا ہے تو اس پر اعتراض کرتے ہیں ۔ان اداروں میں گرچہ اسلامیات بھی پڑھائی جاتی ہے مگر اس کے مقابل و مخالف چھ مضامین پڑھا کر اس کے اثر کے خاتمے کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ ٹیچر کا انداز، لباس، تعلیمی ادارے کے در و دیوار پر مغربی فلاسفہ کے اقوال اور کارٹون پھر سکولوں میں ہونے والے مختلف پروگرامز میں مغربی ڈرامے اور موسیقی وغیرہ نوخیز بچوں کے دل و دماغ میں مادی و مغربی کلچر کو راسخ کرنے کی گھناؤنی سازش ہے۔ یہ ادارے مغربی مادی نظام کو پروان چڑھانے میں سہولت کار کا کام کر رہے ہیں۔ شرم وحیاء کی اسلامی اقدار کو ترک کر کے بے حیائی اور فحاشی کو ترویج دیا جا رہا ہے۔ نعیم صدیقی لکھتے ہیں کہ:

"یہ ادارے لڑکوں اور لڑکیوں کو خدا پرست ذہن کے بجائے آزادی پسند، تفریح پسند، لذت پسند ذہنیت سے آراستہ کرنا، میل جول کی آزادی دینا، ان میں حیاء داری کی بجائے

(ا)۔ نعیم صدیقی، تعلیم کا تہذیبی نظریہ، (لاہور: الفیصل ناشران غزنی سٹریٹ، ۲۰۰۹ء)، ص: ۴۵۸

بے باکی پیدا کرنا، جنسی رموز و اسرار کو فاش کرنا اور لڑکیوں کو ننگی پنڈلیوں کے ساتھ چست لباس کی تربیت دینا ہے۔(۱)

قبل از وقت معلومات کی اس آلودگی نے آج پوری فضاء کو متعفن کر رکھا ہے۔ میڈیا اور بالخصوص سوشل میڈیا ان مقاصد کی تکمیل پر کام کر رہے ہیں۔

نصابِ تعلیم اور مادیت:

مغربی مادی کلچر کو ترویج دینے کے لیے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے پوری دنیا کے لیے بالعموم اور مسلم دنیا کے لیے بالخصوص نصابِ تعلیم وضع کرنے کے بعد اسے زبردستی مسلط اور نافذ کیا۔ مسلم معاشروں میں اس کے لیے بڑی رکاوٹ اہل اسلام کی اسلام سے تہذیبی وابستگی تھی۔ اس وابستگی کے پیچھے اسلامی نظامِ تعلیم تھا جس کو بدلنے کے لیے امریکہ نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کیا۔ مختلف معاہدات کے تحت نظامِ تعلیم کو بدلا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں یہودی وزیرِ اعظم کے دورہ مصر میں تعلقات میں بہتری کے نام پر اسلامی اقدار پر مشتمل درسی کتب و مضامین کو خارج کروایا گیا۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ میں جامعہ الازہر کا کردار محدود کرنے کے لیے اس کا اثر اور بجٹ دونوں کو کم کیا گیا۔

معاہدہ اوسلو ۱۹۹۳ء میں فلسطین کے نصابِ تعلیم میں سے اسلامی اقدار و قرآن و حدیث و جہاد پر مشتمل دروس و کتب کو خارج کرنے پر زور دیا گیا۔ اسی طرح کے معاہدات دوسرے مسلم ممالک کے علاوہ پاکستان سے بھی کئے گئے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے یمنی صدر علی عبداللہ کہتے ہیں۔

"دینی معاہد کو اگر حکومتی قبضہ میں نہ لیا جاتا تو ان کا ملک بھی افغانستان اور عراق جیسے انجام سے دوچار ہو جاتا۔[۲]

مخلوط تعلیم کی ترویج:

سرمایہ دارانہ اور مادہ پرستانہ نظام نے مال و زر میں اضافہ کرنے والے اسباب تلاش کرنا شروع کیے تو انھوں نے عورت کو بھی نہ معاف کیا۔ کم اجرت پر دستیاب اس مزدور کو گھر کی چار دیواری سے نکالا۔ اس کو مساوات کا غیر فطری تصور دیا۔ یوں مخلوط معاشرے کی بنیاد پڑی۔ مخلوط تعلیم کی وباء بھی امریکہ ہی کی طرف سے پھیلی۔ امریکہ میں باہر سے آکر مختلف اقوام آباد ہوئیں۔ اس لیے یہاں خاندان اور معاشرتی اقدار ناپید تھیں۔ اس صورتِ حال نے

---

(۱)۔ نعیم صدیقی، تعلیم کا تہذیبی نظریہ، ص:۴۹

۲ ۔ماہنامہ زندگی نو، اسلامی و دینی تعلیم پر امریکی یلغار، مسعود الرحمٰن، فروری ۲۰۰۴ء، نیو دہلی، انڈیا، ص:۱۹، ۱۸

مخلوط معاشرے اور مخلوط تعلیم کی راہ ہموار کی۔ قیامِ پاکستان سے ۲۰ سال قبل مخلوط تعلیم کا آغاز برصغیر میں انگریز نے کیا۔ اسلامی اقدار و روایات کی پختگی کے باعث اس نظام کو یہاں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہ ہوئی۔ اسلامی نظریہ کی بقاء و تحفظ کے لیے عظیم الشان تحریک اس دوران پورے عروج پر تھی۔ آخر اسلام کے نام پر برصغیر میں ایک ملک وجود میں آیا ہونا یہ چاہیے تھا کہ مخلوط تعلیم کا نظام ختم ہوتا تاہم ہوا یہ کہ اس میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ مادی فکر نے اس میں جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اکثر اداروں نے اس کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنایا۔ وہ ادارے جہاں مخلوط تعلیم ہو، طلبہ زیادہ فیس دے کر داخلہ لیتے ہیں۔ ان اداروں میں مخلوط تعلیم کے ذریعہ زیادہ طلبہ کو داخلہ دے کر پیسہ جمع کیا جاتا ہے۔ پرائیویٹ اور نجی ادارے اسی مسابقت میں لگے ہیں۔ وہ ادارے اور اکیڈمیز جہاں مخلوط تعلیم ہے طلبہ زیادہ سے زیادہ داخلہ لیتے ہیں۔ طلبہ ان اداروں سے مغربی ثقافت و مادہ پرستانہ سوچ اپناتے ہیں۔ فحاشی، بے حیائی اور مادیت کو ان اداروں کے ذریعہ پروان اور اسلامی اقدار سے نفرت طلبہ یہاں ہی سے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ موقع ہوتا ہے کہ جب طلبہ میں اسلام اور اس کی اقدار کو راسخ کر کے امت کا کارآمد فرد بنایا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾[1]

ترجمہ: جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔

مادرِ علمی جہاں سے نوجوان نسل کو حیا، غیرت اور عفت کی تعلیم و تربیت پانا تھی، مخلوط تعلیم کے باعث یہی درسگاہ ہیں۔ بے حیائی اور برائیوں کے باعث بگاڑ کی وجہ بن رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ آج سارے معاشرے بھگت رہے ہیں۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

"ومن عقوبات المعاصی، ذهاب الحياء الذى هو مادة حياة القلب، وهو اصل كل خيرٍ وذهابه ذهاب الخير اجمعه"[2]

ترجمہ: گناہ کی سزاؤں میں سے ایک حیاء کا رخصت ہو جانا ہے کہ جو دل کے زندہ رکھنے کا اصل ذریعہ ہے۔ حیاء ہی ہر خیر کی بنیاد ہے۔ اس کا رخصت ہونا ہر خیر کا خاتمہ ہے۔

مخلوط معاشرہ چونکہ مغربی تہذیب کا ایک پہلو ہے۔ اس لیے امریکہ اتحادیوں کے ساتھ مل کر اس کو تعلیمی اداروں کے ذریعہ اسلامی ممالک پر مسلط کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ کی تعلیم و تربیت پر توجہ روز بروز کم ہو رہی

۱۔ المجادلہ:۲۲

۲۔ ابن قیم، الداء والدواء، ص ۶۸

ہے۔ ملبوسات، فیشن کی اشیاء زیادہ پیسہ کے حصول اور اس سے سہولیات زندگی کی بہتات کے حصول پر ان کی تمام تر توجہ مرکوز ہے۔ آج ہمارے تعلیمی ادارے اسی بنا پر لیڈرز، مؤجد اور اعلیٰ کردار کے مالک افراد پیدا کرنے سے اپاہج ہو چکے ہیں۔ حصولِ تعلیم میں یکسوئی درکار ہوتی ہے جب کہ مخلوط تعلیم پراگندگی اور ذہنی انتشار کا باعث ہے۔ ایسے حالات میں معاشرہ مادی اعتبار سے ترقی کرتا تو نظر آتا ہے لیکن انسانی اعتبارات سے تنزلی کا شکار ہو رہا ہے۔

مقاصدِ تعلیم کا بدلنا:

اسلام نے تعلیم کا بنیادی مقصد معرفت حق بتایا ہے۔ اسی میں انسانی فلاح کی ہر چیز شامل و موجود ہے۔ تعلیم کا یہ مقصد تحریر و تقریر کے راستے علیم و رشید تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی سے کائنات کے اسرار پر سے بڑے بڑے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[1]

ترجمہ: انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

مغربی مادی کلچر نے تصورِ تعلیم کے اس بنیادی مقصد کو یکسر بدل دیا۔ اس نئے نظام نے تعلیم کو بھی مادی نقطہ نظر سے پیش کیا۔ نتیجتاً آج تعلیم روزگار، نوکری و ملازمت، خوش حالی اور معاشی ترقی و برتری و عزت کے مقاصد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ والدین بچوں کو تربیت کی خاطر سکول نہیں بھیجتے۔ وہ انھیں سمجھاتے ہیں کہ خوب محنت کرو اس سے اچھی نوکری اور سماج میں عزت حاصل ہوتی ہے۔ اساتذہ بھی انھیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں۔ کہ پڑھائی میں محنت نہ کی تو گدھو! ذلیل ہو جاؤ گے۔ ان حالات میں طلبہ کی سیرت و کردار کی تعمیر، خود شناسی اور معرفت حق کیسے ممکن ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ:

﴿من عرف نفسه فقد عرف ربه﴾[2]

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا

جدید مغربی تعلیم ان اقدار سے آزاد ہو کر مادیت کی بیڑیوں میں جکڑ دی گئی ہے۔ مغربی اقوام کے اس اقدام کا مقصد مسلم معاشروں کو ذہنی اعتبار سے اپنا غلام بنانا ہے۔ لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی اس کی شاہد ہے۔ اس پالیسی کے تحت انگریز نے برصغیر کی تعلیم کا مقصد ایسی معلومات پر رکھا کہ جن سے ایک فرد کو کسی بھی کام کی مہارت

۱۔ العلق:۵

۲۔ بحار الانوار، الشیخ محمد باقر مجلسی، مؤسستہ العلمی، مطبوعہ، البیروت، کتاب العلم، حدیث:۲۲

حاصل ہو جائے۔ سرمایہ دارانہ نظریہ اور مادہ پرستانہ نظام میں افراد کی قیمتیں اشیاء کی طرح لگائی جانے لگیں۔ اسی نظام نے عالمی مارکیٹ کو وجود دیا۔ اس مارکیٹ میں مسابقت نے آخر تعلیم پر اپنی اجارہ داری قائم کی۔ تعلیم کے لیے خود مضامین متعین کیے۔ جن مضامین سے بہتر روزگار حاصل ہو سکتا ہے، ان کو ترجیح دی گئی۔ تعلیمی اداروں نے مارکیٹ ڈیمانڈ کے سامنے آخر گھٹنے ٹیک دیئے۔ آج ہر دوسرے فرد کو طلبہ سے کونسلنگ میں یہ بات کہتے ہوئے دیکھا اور سنا جاسکتا ہے کہ "یہ مضامین اور شعبہ وقت کی ڈیمانڈ ہے۔" "وہ مضامین پڑھو گے تو معاشی اعتبار سے خوش حال ہو جاؤ گے۔" "فلاں تعلیمی شعبہ کی مارکیٹ میں Jobs زیادہ ہیں وغیرہ۔ یوں تعلیم کی روح نکل گئی، نہ اس میں اخلاقی اقدار ہیں نہ روحانیت۔ ایسی تعلیم اچھے اور معیاری انسان پیدا نہیں کر رہی، خالد علوی کہتے ہیں:

"یہ وجہ ہے کہ آج تعلیم یافتہ نوجوان نسلیں مادیت کی بھیڑ میں کم ہوتی جا رہی ہیں۔۔۔ تعلیم کا مقصد سرمایہ کی خدمت قرار پایا۔۔۔۔ تعلیم کو روزگار سے منسلک کیا گیا۔ اس طرح تعلیم کا اخلاقی و روحانی پہلو ختم ہو گیا ہے۔ شخصیت کی تعمیر اور معاشرتی شعور کی آبیاری غیر ضروری ہو گئی ہے۔[1]

ایسی صورتِ حال میں مغربیت کے وفادار اور مادیت کے پرستار پیدا ہو رہے ہیں۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے پرائیوٹائزیشن کا اصول متعارف کرایا گیا۔ جس سے ایک طرف تعلیم کو سرمایہ اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنایا گیا تو دوسری طرف تعلیم کو عام آدمی کی پہنچ سے دور کر دیا گیا۔

ان اداروں کے بارے میں مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ:

"ان درسگاہوں میں آپ کو فلسفہ، سائنس، معاشیات، قانون، سیاست، تاریخ، اور دوسرے وہ تمام علوم پڑھائے جاتے ہیں جن کی مارکیٹ میں مانگ ہے۔ مگر اسلام کے فلسفے، اسلام کی اساس و حکمت، اسلامی اصول و قوانین، اسلام کا نظریہ سیاسی اور اسلام کے فلسفہ و تاریخ کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے۔[2]

---

۱ ۔ تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج، خالد علوی، فکر و نظر اسلام آباد، ج، ۴۱، شمارہ، ۴، ۵

۲ ۔ تعلیمات، مولانا مودودیؒ، ص: ۱۴

ان حالات میں ان تعلیمی اداروں سے روپے پیسے کے بندے تو بہت پیدا ہو رہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے بندے خال خال۔ آج انسانیت کے سسک سسک کر جینے اور امت میں قیادت کے فقدان اور ناکامی کی بڑی وجہ ایک یہ بھی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا۔

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ)) [1]

ترجمہ: روپے پیسے کا بندہ ناکام ونامراد ہوا۔

نظام تعلیم میں مادیت کے مظاہر:

تعلیم کا تصور اور اس کا مقصد جب مادیت پر استوار کر دیا جائے تو معاشروں سے اخلاقِ حسنہ اور اعلیٰ انسانی اقدار کی توقع رکھنا بے کار ہے۔ مسلم معاشروں میں جاری نظام تعلیم کے لیے رہنمائی اور اعانت مغربی ممالک اور ان کی NGOs سے حاصل کی جاتی ہے۔ اس نظام کو مسلم ممالک میں نافذ کرنے کے لیے امریکہ اپنے سہولت کاروں کا سہارا لیتا ہے۔ امریکہ کی طرف سے بن کر آنے والے تعلیمی نظام کا اہم مقصد طلبہ کے قلوب واذہان میں مغربیت کی محبت پیدا کرنا ہے۔ اس کا مظاہرہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ آج ہمارا نوجوان اسلامی نظریہ حیات سے بے خبر مادی فوائد کو اپنی زندگی کا مقصدِ اوّل سمجھ بیٹھا ہے۔ مسلم معاشروں کے تعلیم یافتہ طبقات میں اسلامی اقدار کے لیے بغاوت کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ یہ لوگ اسلامی تعلیمات کو فرسودہ قرار دیتے ہیں۔ یہ سوچ رکھنے والے کئی بااثر افراد مسلم ممالک کے ایوان ہائے اقتدار میں بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے نظامِ تعلیم کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے اور مغربی نظام تعلیم کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ مادیت زدہ نظام تعلیم کے مظاہر آج ہر طرف دیکھے جا سکتے ہیں۔

والدین، طلبہ اور اساتذہ میں مادیت کے مظاہر:

صورتِ حال یہ ہے کہ تعلیم ایک کاروبار اور دکان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ حد یہ کہ دکان وکاروبار کا بھی کوئی اصول ہوتا ہے مگر مادیت نے تعلیم کے کاروبار میں بے اصولی کی ہر حد پار کر رکھی ہے۔ تعلیمی ادارے برانڈز کی طرح چلائے جاتے ہیں۔ ہر ادارے کے نام وشہرت کے مطابق فیس وصول کی جاتی ہے۔ بیکن ہاؤس، سٹی سکول، فرابلز اور الائیڈ سکولز وغیرہ مہنگے ترین سکول ہیں۔ بعض غیر ملکی سکولز تو ڈالرز میں فیس وصول کرتے ہیں۔ یہ ادارے طلبہ کی تربیت اور اسلامی اقدار کے فروغ سے زیادہ مغربیت ومادیت کی ترویج پر کمربستہ ہیں۔ ایسے میں والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کے لیے ایسی تعلیم کا انتظام کریں جس میں ان کی تربیت بھی ہو۔ ماسوائے چند ایک کے یا

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، والسیر، باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ، ح ۲۸۸٦

پھر ماسوائے ان والدین کے جن کے وسائل نہیں، باقی والدین اپنے بچوں کو روپے پیسے کمانے والی مشین بنانے کے لیے ایسی تعلیم و تربیت دیتے ہیں کہ جس سے انھیں زیادہ مال بنانے کا گُر آ جائے۔ انجینئرز، ڈاکٹرز اور دوسرے اہم تعلیمی شبہ جات سے فارغ التحصیل افراد جب مادیت کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو ظلم و درندگی کی حد کو پار کر جاتے ہیں۔ علاج کے بہانے سادہ لوح عوام کو لوٹتے ہیں۔ غیر ضروری مہنگے ٹیسٹ کرواتے اور بلاوجہ آپریشن کرتے ہیں۔ گردے نکالنے کے واقعات، بچوں کو ہسپتالوں میں غائب کرنے کے واقعات، ادویات کی کرپشن اور سرکاری ہسپتال سے زیادہ اپنے کلینک پر محنت یہ ہے مسیحاؤں کا طرزِ عمل۔ والدین گھر سے یہ تربیت دیتے ہیں کہ تعلیم پر زیادہ پیسہ خرچ ہوا ہے تو اس کی وصولی منافع کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ایسی بے روح تعلیم معاشرے کو مفید اور مثبت سوچ رکھنے والے افراد کیسے مہیا کر سکتی ہے۔ پروفیسر خورشید فرماتے ہیں:

> "جب کوئی قوم ان اجتماعی تصورات کے شعور سے بے بہرہ ہو جائے، جو اسے عمل اور قربانی پر ابھارتے ہیں، تو تاریخ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔۔۔۔ ایسے افراد کے لیے تاریخ کا کوئی بڑا کارنامہ انجام دینا تو کیا اپنے وجود تک کو برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔۔"(۱)

رہی بات طلبہ کی تو اسکول کے بعد جب یہ کالج اور یونیورسٹی تک پہنچتے ہیں تو وہاں اپنی فکر کے ہمنواؤں سے ملتے ہیں تو ان کی عام گفتگو کا موضوع پیسہ، گاڑی، اچھی نوکری، کاروبار اور اعلیٰ معیارِ زندگی ہوتا ہے۔ ایسے میں مادیت کا بخار و خمار پورے عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ طلبہ تعلیم کے ساتھ تربیت اور کردار سازی پر کم توجہ دیتے ہیں۔ ان کی نظر کم وقت میں زیادہ کے حصول پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ پہلے تو وہ کم پڑھ کر زیادہ نمبرز حاصل کرنے کی ہر جائز و ناجائز ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ یہ رجحان طلبہ کی ایک مناسب تعداد کو جرائم کا مرتکب بنا دیتا ہے۔ قابل طلبہ کی اکثریت شوشل سائنس اور دینی علوم کی طرف نہیں آتی بلکہ وہ ایسی ڈگریوں کی دوڑ میں ہیں جن میں شہرت اور پیسہ زیادہ ہے۔ ذہین طلبہ زیادہ پیسے کمانے باہر چلے جاتے ہیں۔

اساتذہ کی اکثریت کی اگر محافل میں آپ کو بیٹھنے کا اتفاق ہو تو ان کی گفتگو میں مادیت جھلک رہی ہوتی ہے۔ اگلے گریڈ میں ترقی، تنخواہوں میں اضافہ، پلاٹ کی خرید و فروخت اور ٹیوشنز اور اکیڈمیوں پر گفتگو ان کے محبوب عناوینِ گفتگو ہوتے ہیں۔ اگر کوئی تعلیم یا طلبہ کو موضوعِ گفتگو بنائے تو اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یونیورسٹی اساتذہ کی اکثریت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ طلبہ کی تعلیم و تربیت سے زیادہ توجہ مادی وسائل کے حصول پر ہوتی ہے۔ اچھا

---

(۱)۔ پروفیسر خورشید، نظامِ تعلیم، (اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈی، ۱۹۹۳ء)، ص: ۱۹

معاوضہ ملنے کے باوجود کمی کی شکایت کرتے ہیں۔ اپنی تصنیفات اور آرٹیکل لکھنے کی مصروفیت کے باعث بسا اوقات لیکچر یاد نہیں رہتا۔ ماسوائے اقلیت کے اکثریت کو دیکھ کر کسی نے کیا خوب کہا:

وہ جو خود نہ تھے راہ پر
اوروں کے راہنما بن گئے

تعلیمی ادارے، نصابِ تعلیم اور مصنفین:

مادیت نے جب تعلیمی نظام اور تعلیم کا رخ کیا تو اس کی وباء نے تعلیمی فضاء اور ماحول کو تجارتی مرکز میں بدل کر رکھ دیا۔ تہذیبوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے تعلیم کو مادی کلچر سے دور رکھا۔ اسی بنا پر تعلیم نے انسان کے لیے دینی و دنیوی فوائد و آسانیاں پیدا کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا)) (۱)

ترجمہ: اے اللہ! دنیا کو ہمارا بڑا مقصد اور نہ ہمارے علم کا مقصد بنا

مادیت نے جب سے تعلیم میں مداخلت شروع کی، تعلیم نہ صرف مشکل ہوئی بلکہ اس کے فوائد بھی محدود ہو گئے۔ بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس کا بنیادی ذریعہ اور ربط منقطع ہو گیا۔ ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہیں۔ جتنے علوم دنیا میں ہیں اس کے عطاء کردہ ہیں ان علوم میں ترقی بھی اسی ہی سے منسلک ہے۔

﴿وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ ۲

ترجمہ: اور اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو وہ خود چاہے۔

آج تعلیمی ادارے چاہے سکول ہیں، کالج ہیں یا یونیورسٹیاں سب ہی نے تعلیم کو کاروبار بنا رکھا ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ زیادہ پیسے کیسے جمع کیے جا سکتے ہیں۔ تعلیم کو پرائیویٹائز کرنے سے یہ کاروبار اور بھی عروج پر چلا گیا۔ پرائیویٹ اداروں کی ڈگریوں کی خرید و فروخت کے واقعات عام ہیں۔ جعلی ڈگریاں لے کر سیاست دان اسمبلیاں چلا رہے ہیں، یا پائلٹ جہاز اڑا رہے ہیں اور ڈاکٹرز مریضوں کی چیر پھاڑ میں مصروف ہیں۔ نصابِ تعلیم کو دیکھا جائے تو اقدار اور صالح تربیت کے عناصر سے بانجھ ہے۔ امریکہ اپنے اتحادیوں سے مل کر مسلم ممالک پر مغربی ثقافت مسلط کرنے کے لے نصابِ تعلیم سے خالص اسلامی تعلیمات کو خارج کرنے کے لیے اپنا اثر رسوخ استعمال کر رہا ہے۔ اس

---

(۱)۔ الترمذی، السنن، کتاب الدعوات، ح ۳۵۰۲، حسن صحیح

۲ ۔ البقرہ: ۲۵۵

کے بعد اچھے اور قابل مصنفین اور پبلشرز بھی مادہ پرستی کی اس بہتی گنگا میں خوب ہاتھ منہ دھو رہے ہیں۔ یہ دونوں اپنی اپنی صلاحیتوں کو صرف ان مضامین و میادین میں صرف کر رہے ہیں جہاں سے انھیں زیادہ مادی فوائد نظر آتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں یہ ادارے نہ کوئی بڑا کام کر سکے اور نہ بڑا آدمی پیدا کر سکے۔ اس کی وجہ کو بتاتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ۔

"اسلامی نظامِ تعلیم میں بڑی رکاوٹ مادہ پرستانہ ذہنیت ہے۔ اس کے باعث ہماری تہذیبی اور تعلیمی اقدار میں ایک بڑی تبدیلی یہ واقع ہوئی ہے کہ اعلیٰ انسانی مقاصد حیات حلال و حرام کا احساس، خیر و شر کی تمیز، اور ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دینا وغیرہ سے ہمیں محروم کر دیا گیا۔"[1]

جدید مغربی تعلیم کی بنیاد ہی مذہب سے بغاوت پر قائم ہے۔ جب مسلم معاشرے مغربی سامراج کے بنائے ہوئے نظامِ تعلیم کو اپنائیں گے تو مذہب فضول اور فرسودہ بن جائے گا۔ مذہبی اقدار و اخلاقیات کو بنیاد پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ بے حیائی و برائی، بد تہذیبی اور بد اخلاقی کو روشن خیالی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مادی تعلیمی نظام کے خطرناک نتائج:

آج اکثر و بیشتر مسلم ممالک میں عیسائی مشنری اسکول اور کالجوں کے ذریعہ مغربی مادی طرز معاشرت کو رواج دیا جا رہا ہے۔ پورا عالم اسلام اس کی زد میں ہے۔ پھر ان کی اندھی تقلید میں مسلمانوں نے بھی اسی طرز پر ادارے قائم کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ مسلم معاشرہ کے اشرافیہ اپنی اولادوں کو حصولِ تعلیم کے لیے مغربی ممالک میں بھیجتے ہیں۔ جہاں وہ مغربی تہذیب سے مانوس ہو کر جب وطن واپس لوٹتے ہیں تو اسی نظامِ تعلیم کو مسلم معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے سہولت کاری کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مغرب انہی کو مسلم ممالک کی قیادت کے لیے مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے سیّد ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ:

"آپ کو ترکی سے لے کر انڈونیشیا تک مسلم ممالک کے جتنے سربراہ نظر آئیں گے وہ سب اسی مغربی نظامِ تعلیم کی پیداوار ہیں۔ ان میں سے جن کو براہِ راست کسی مغربی ملک یا یورپ کے کسی مشہور تعلیمی مرکز میں پڑھنے اور پروان چڑھنے کا موقع نہیں ملا، انھوں نے اپنے ملک میں

۱۔ پروفیسر خورشید، نظامِ تعلیم، ص: ۱۸۰

رہ کر اس نظام تعلیم سے پورا فائدہ اٹھایا۔"[1]

وقت کے ساتھ ساتھ امریکہ کی قیادت میں مغربی قواتیں نظامِ تعلیم کو مسلط کرنے پر مزید گرفت مضبوط کر رہی ہیں۔ ایسے معاہدات کیے جا چکے جن کے تحت مغربی ادارے مسلم ممالک کے نظامِ تعلیم کو براہِ راست اپنے کنٹرول میں لے رہے ہیں۔ ان معاہدات کو جو ادارہ فراموش کرے گا اس کی ڈگری کو ملکی و غیر ملکی ادارے درست تسلیم نہیں کریں گے۔ اس مغربی تعلیم اور نظام تعلیم کے باعث مسلم معاشرے متعدد خطرات سے دوچار ہیں۔ ان میں چند اہم درج ذیل ہیں۔

اس نظام کی چھتری تلے تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان طلبہ عقائد اور اسلامی اقدار سے بیزار ہو رہے ہیں۔ کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد تو اسلام کے بنیادی عقائد و احکامات کے بارے میں شبہات کا شکار ہیں۔ یہ افراد کبھی چھپ کر اور کبھی اعلانیہ اسلام پر وار کرنے سے بھی نہیں کتراتے۔ میڈیا پر اور اخبارات میں یہ لوگ عموماً متحرک نظر آتے ہیں۔مادی اثرات کے باعث یہ نظام تعلیم معاشرے کو فکری اور معاشرتی طبقات میں تقسیم کر رہا ہے۔اس نظام کا خطرناک حملہ یہ ہے کہ یہ شرم وحیاء، عصمت وعفت، اور انسانی اقدار تک کو دلوں سے نکال رہا ہے۔اگر کہیں ان سے ان اقدار کی پاسداری کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے دقیانوسی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، گرل فرینڈ بنانا، شراب نوشی، عریانیت اور بڑوں کی نافرمانی اور بے توقیری کو روشن خیالی سمجھا جانے لگا ہے۔ معاش اور مادیت کی مسابقت میں یہ نظام مسلم معاشروں میں حلال و حرام کی تفریق مٹا رہا ہے۔ رحم دلی، ایثار، شفقت و احترام کے جذبات ماند پڑ رہے ہیں۔ حرص وہوس، تکبر اور خود غرضی پوری طرح چھائی ہوئی ہے۔ یہ لوگ دین کا مذاق اڑاتے ہیں، علماء کی تضحیک کرتے اور مساجد میں آنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

مغربی نظامِ تعلیم پر تنقید کی وجوہات:

مغربی تعلیمی نظام پر تنقید کے ذیل چند اسباب قابل ذکر ہیں۔

جدید مغربی طرز تعلیم کی اہم خامی یہ ہے کہ اس نے علمی ذرائع کو محدود کر دیا ہے۔ جب اس نظام کی بنیاد اس نظریہ پر رکھ دی گئی کہ جو چیز نظر نہیں آتی اور ہماری عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی تو اس کا وجود ہی محال ہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسان سے متعلق دوسری بڑی بڑی حقیقتوں کے وجود کا علم معدوم و مفقود ہو جاتا ہے۔ یہ اصول مغربی مفکر کانٹ نے پیش کیا۔ علامہ اقبال اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

۱ ۔ ندوی، سیّد ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش، ص:۲۴۶

"اگر کانٹ کے مقرر کردہ بنیادی اصول کی پاسداری کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق علم کے امکانات کی توثیق نہیں ہو سکتی۔"(۱)

دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں پہلے دین کو دنیا سے الگ کیا، پھر آہستہ آہستہ دین و مذہب کا انکار کر دیا۔ اس کے مقابل ارتقاء پسندی، دنیویت، مادی و تجربی اور آزاد خیالی کے نقطہ نظر نے پذیرائی حاصل کرنا شروع کر دی۔ اس نظریہ نے حواس انسانی کے ادراک سے خارج تمام اشیاء کو غیر معتبر جانا۔ نتیجتاً مذہبی اور روحانی رہنمائی غیر مؤثر ہو گئی، جب کہ اس کے مقابل ظاہر پرستی کا رجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اس نظام پر تنقید کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ یہ تعلیم معرفت الٰہی کے بجائے الحاد و انکارِ خدا کی راہ ہموار کر رہی ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

"اب اقوامِ عالم معبود حاضر سے اتنی متاثر ہیں کہ انھیں غائب کی پرواہ نہیں، دینی حقائق کے بجائے سائنسی انکشافات کے گرویدہ ہو کر رہ گئے۔"۲

مغربی نظام تعلیم کی درج بالا خامیوں نے آج مسلم معاشروں میں اسلامی اقدار کو کمزور اور غیر مؤثر کرنے کے ساتھ ساتھ مادیت کے رجحانات میں اضافہ کر دیا ہے۔ مغرب کے زیر سایہ ہمارے تعلیمی نظام نے جو اثرات مرتب کیے ہیں ان میں اہم درج ذیل ہیں۔

- دین کو فلسفہ کا درجہ دینا۔
- جو عقیدہ حواس کے ادراک سے باہر ہو اس کو مسترد کرنا یا اس کی عقلی توضیح میں پڑنا۔
- نہ نظر آنے والی چیز کا انکار کرنا۔
- معجزہ اور کرامت کی عقلی تاویلات و انکار۔
- مذہب کو بنیاد پرستی کا طعنہ دینا۔
- مذہب اور سائنس میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے سائنس کی برتری قائم کرنا۔
- مادیت کو دنیا کی اصل حقیقت سمجھنا۔
- مادی ترقی کو ہر خیر کا معیار بنانا۔
- کسی بھی چیز میں حتمی صداقت کا انکار کرنا۔
- "انفرادیت پرستی" کے نظریہ پر زور دینا، جس کے تحت ہر فرد کو دین کی تشریح اپنی مرضی سے کرنے کی آزدی دینا اور اسلاف و آئمہ اور ان کی آراء کو عام فرد کی رائے کے برابر جاننا۔
- دینی مسائل پر زیادہ سے زیادہ آراء کو اہمیت دینا تاکہ اصل حقیقت پس پشت چلی جائے۔

---

(۱)The reconstruction of religious thoughts in Islam, Dr. Iqbal co, 2006, Institute of Islamic culture, Lahore, P.19

۲۔ علامہ، محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، (پاکستان،: اقبال اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۶ء)، ص: ۳۷۲

- مذہب کی تجدید کے نام پر اس میں بگاڑ پیدا کرنا وغیرہ۔

فصل دوم

مادیت کے سیاسی نظام پر اثرات

سیاست کا معنی و مفہوم:

لغوی اعتبار سے لفظ "سیاست" ساس، یسوس کے فعل سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی 'درست کرنا، سنوارنا اور اصلاح کرنا ہے۔ ابن منظور الافریقی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔

"والسیاسۃ،ھی القیام علی الشیء بما یصلحہ، والسیاسۃ فعل السائس، ویقال، سوس الرجل امور الناس" (۱)

ترجمہ: سیاست نام ہے کسی چیز کی اصلاح کے لیے کمربستہ ہو جانے کا، اور سیاست ایک قائد کا کام ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص لوگوں کے امور کا ذمہ دار بنا دیا گیا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ۔

"ھی استصلاح الخلق وارشادھم الی الطریق المستقیم المنجی، فی الدنیا والآخرۃوھی سبب التالیف والتعاون والاجتماع علیٰ اسباب المعیشۃ وضبطھا"(۲)

ترجمہ: یہ مخلوق کی اصلاح اور انھیں ایسی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے کا نام ہے جو دنیوی اور اخروی نجات کا باعث ہو اور یہ ذریعہ ہو اسباب معیشت اور اس کی تنظیم میں عوامی اتحاد، تعاون اور اجتماعیت کا۔

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ سیاست نام ہے، ایسی سیادت و امامت کا جو عوامی مسائل کی تفہیم کے بعد اس کی ایسی تنظیم کا جس کے تحت عوام میں اجتماعیت، اتحاد اور تعاون کو فروغ حاصل ہو۔ ان میں معاشی اور معاشرتی مساوات قائم ہو۔ اس نظام میں دنیوی و اخروی فلاح دونوں کو حسب المرتبہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کا ناظم (سیاست دان) ایسا باصلاحیت انسان ہو جو عوام کو افتراق سے بچائے اور اتفاق پیدا کرتے ہوئے ان کی روحانی اور مادی ترقی پر یکساں توجہ دے۔ ان کی تعلیم و تربیت کر کے حقیقی فلاحی معاشرہ قائم کرنے میں پوری قوت صرف کرے۔

۱۔ الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، (بیروت، دار صادر)، مادہ سوس

۲۔ الغزالی، احیاء علوم الدین، (بیروت: دار المعرفہ،) کتاب التحکم، باب اول، ص: ۱/ ۹

انگلش ڈکشنری میں سیاست کے لیےPolitics کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت آکسفورڈ ڈکشنری یوں کرتی ہے۔

"The activities associated with thte gorernance of a country or area, especially the debate between parties having power".(1)

ترجمہ: ایسے معاملات جو ملکی یا علاقائی نظم و نسق سے متعلق ہوں، بطور خاص اس گفتگو کو کہا جاتا ہے جو برسرِ اقتدار جماعتوں کے مابین ہوتی ہیں۔"

انگلش ڈکشنری کے بیان کردہ سیاست کے اس معنیٰ نے سیاست سے روحانی پہلو کو خارج کر دیا۔ اس کا رخ زندگی کے مادی مقصد کی طرف موڑ دیا۔

سیاست کا مفہوم:

قدیم و جدید ماہرین و علماء نے سیاست کی متعدد تعریفات بیان کی ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ۔

"السیاسۃ لها ثلاثۃ ارکان، وهی عمارة الارض و تنفیذ احکام الله والعمل بمکارم الشریعہ"(۲)

ترجمہ: سیاست تین چیزوں کا نام ہے، ان میں ایک زمین کو آباد کرنا ہے دوسرا اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرنا ہے اور شرعی اقدار پر عمل پیرا ہونا ہے۔

ابنِ خلدون کہتے ہیں:

"هی کفالت للخلق و خلافۃ الله فی العباده لتنفیذ احکامہ فیهم(۳)

ترجمہ: یہ مخلوق کی کفالت کا ذریعہ اور بندوں میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کا نام ہے تاکہ اس کے احکامات کو ان میں نافذ کیا جائے۔

امام راغب چھٹی صدی کے آغاز یعنی پہلی دہائی میں گزرے جب کہ ابنِ خلدون نوی صدی ہجری کے آغاز میں گزرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آغاز اسلام سے اس دور تک سیاست کا محور دین و دنیا دونوں تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا سیاست کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی شکل و صورت اور مقاصد میں بھی تبدیلی آنا شروع ہو گئی تا آں کہ ڈاکٹر حسن صعب ۱۹۷۱ء (جو کہ لبنان یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں) فرماتے ہیں:

---

(۱)Oxford English Dic, The word Politics

(۲)۔ امام راغب، الذریعۃ الیٰ مکارم الشریعہ، باب:۸، ص:۱۸، ۱۹

(۳)۔ ابن خلدون، مقدمہ ابنِ خلدون، (بیروت: دارالفکر)، ص:۱۱۲

﴿هی فن حكم الدولة او الدراسة المبادی التی تقوم علیها الحكومات والتی تحدد علاقاتهابالمواطنین وبالدول الاخریٰ﴾[1]

ترجمہ: یہ ریاست پر حکومت کرنے کا نام ہے۔ یا ان بنیادی تعلیمات کا نام ہے کہ جس سے حکومتیں قائم ہوتی ہیں۔ جس سے ہم وطنوں اور دوسرے ممالک سے تعلقات قائم کیے جاتے ہیں۔

عصرِ حاضر میں سیاست کو باقاعدہ علم کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ مغربی ماہرین نے اس کی تعریفات اسی اعتبار سے کی ہیں۔ مشہور ماہر سیاسیات Edward Jenks نے کہا کہ:

"سیاسیات سے ہماری مراد حکومتی نظم و نسق ہے، گویا ایسا نظم و نسق جس کے تحت عوام کو کنٹرول میں رکھنا اور انھیں متحد رکھنے کے لیے نظم قائم کرنا ہے۔[2]

الغرض! آج چونکہ مغربی نظام سیاست کو دنیا میں غالب ترین نظام کے طور پر تسلیم کرالیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں علماء امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے عطا کردہ سیاسی نظام کو حالات حاضرہ کے مطابق اجاگر کریں۔ مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

"سیاست میں نئے نئے نظریات سامنے آتے ہیں، نئے انداز حکومت سامنے آرہے ہیں، نئے مسائل سامنے آرہے ہیں، ایسے میں علماء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے مؤقف کو واضح کریں کہ اسلامی سیاست کیا ہے؟ اور ملحدانہ اور کافرانہ سیاست کونسی ہے۔ یہ بھی کہ موجودہ سیاسی نظام جو جمہوریت کے نام پر یا پھر کسی دوسرے نام پر چل رہے ہیں، ان میں اور اسلام میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟[3]

مفتی صاحب کی اسی نصیحت کو لے کر ہم موجودہ سیاسی نظام پر مادیت کے اثرات اور پھر اس کے تدارک کا اسلامی تصور آنے والی بحث میں پیش کریں گے۔

۱۔ ایضاً

2 . A History of Politics, Edward Jenk, London, P:18

۳۔ عثمانی، محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن،، ۲۰۱۰ء)، ص:۳

سیاست میں مادیت کی مداخلت کا ارتقاء:

ویسے تو ہر دور میں مادیت نے سیاست میں مداخلت کی تاہم مغرب کی کلیسا سے آزادی کے بعد جاگیر داروں نے پورے یورپ کو اپنے کنٹرول میں لینے کے بعد عوام کو جاگیر داری نظام میں جکڑ لیا۔ مادہ پرست جاگیر داروں نے سرمایہ میں اضافے اور مادی ترقی کے لے عوام کا استحصال کیا۔ عوام کو بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ اس معاشرے میں دو طرح کی تقسیم تھی ایک طبقہ جاگیر داروں کا تھا جب کہ دوسرا طبقہ مزارعین کا تھا۔ تمام اجتماعی و سیاسی فیصلوں کا اختیار جاگیر داوں کے پاس تھا۔ کسان جاگیر داروں کی مادی حرص کی تکمیل کے لیے ناجائز ٹیکس دینے، معمولی اجرت پر زیادہ کام کرنے اور خود کو جاگیر داروں کا وفادار بتانے کے لیے تحائف پیش کرنے پر مجبور تھے۔ ظلم آخر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔ آخر وہ وقت آگیا کہ جب جاگیر داری نظام ختم ہوا۔ اس کے خاتمہ کی وجہ عوامی انقلاب و تحریک نہ تھی۔ بلکہ نئے مادی نظام کا جنم لینا تھا۔ مشین ایجاد ہوئی، نئے معاشی نظام نے مادیت کے کلچر کو پروان چڑھانے کے لیے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ پہلے وار میں کمزور مادی جاگیر دارانہ نظام کو ختم کیا۔ پھر آزادی کے نام پر پروان چڑھنے والی اس تحریک نے ہر شعبہ کو مادی نقطہ نظر سے دیکھا۔ کارخانوں کے لیے مطلوب مزدوروں کی کھپت کے لیے کسانوں کا انتخاب کیا گیا۔ کسان جاگیر داروں کی غلامی سے آزاد ہو کر دیہاتوں سے شہروں کی طرف منتقل ہوئے۔ کسان سمجھا کہ اسے شاید آزادی حاصل ہوگئی مگر یہ محض غلامی کی منتقلی تھی، سید قطب فرماتے ہیں کہ۔

> "عوام نے سمجھا کہ وہ تمام زنجیریں توڑ کر آزاد ہو گئے ہیں۔ اب ان کا جو جی چاہے گا کریں گے۔ در حقیقت وہ ایک جاہلی نظام سے نکل کر دوسرے جاہلی نظام میں جا رہے تھے۔ نئے نظام کی تیار کردہ غلامی کی زنجیریں ان کے سامنے نہ آئی تھیں۔ وہ خود ہی رفتہ رفتہ اس نئی غلامی کی طرف جا رہے تھے۔"(۱)

جاگیر داری نظام کی طرح جدید مادی نظریہ کے پرستاروں نے بھی احکام الٰہی کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے مقابلہ میں محض مادی فوائد پر مشتمل من گھڑت نظام مسلط کیا۔ مقصد دونوں کا ایک ہی تھا کہ مزدور و محنت کش کو کمائی کو ہڑپ اور حق کو غصب کیا جائے۔ ایسی صورتِ حال میں ہمیشہ اسلام ہی مظلوم اقوام کی امید کی آخری کرن رہا۔ تاہم جن مسلم معاشروں کی جیسے جیسے اسلام پر گرفت کمزور ہوئی، مادی طواغیت نے انھیں اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیا۔ تاہم اسلام نے سیاسی کمزوری کے باوجود دلیل کی قوت سے مادیت کا کسی حد تک راستہ روکا۔ اس مادی

---

(۱)۔ السیّد، محمد قطب، جاھلیۃ القرن العشرین، (مصر: دارالشروق)، ص:۱۱۶

نظریہ کی ترویج کے لیے سیاست وجمہوریت سے سہارا وامداد لی گئی۔ عوامی رائے، مرضی اور عوامی اقتدار و آزادی کا نعرہ درحقیقت کلیسا سے فرار کا بہانہ تھا۔

اس نئے نظام کی بنیاد حقیقت وواقعیت کے بجائے وہم پر تھی۔ بنیادی مقصد ذاتی مفادات کو مدِ نظر رکھ کر حکمرانی کرنا تھا۔ حکمرانوں کے مفاد کو جہاں بھی خطرات لاحق ہوئے تو انھوں نے ظلم کی ہر حد پار کر دی۔ اس کی ایک مثال مئی ۱۹۲۶ء میں مزدوروں کی ہڑتال پر برطانوی فوج اور پولیس کا حملہ آور ہونا ہے۔ یہ مثال ہے برطانیہ کی جو جمہوریت کے بانی ہونے کی دعویٰ کرتا تھا۔ امریکہ کے صدر کنیڈی کا دن دہاڑے قتل بھی اسی سرمایہ داری نظام کے ظلم کی ایک بڑی مثال ہے۔ انھیں قتل کرنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ امن پسند تھے۔ دنیا میں جنگی جنون کو کم کرنا چاہتے تھے۔ سرمایہ دار خوفزدہ تھا کہ اس صورت میں جنگی سامان کی صنعت ماند پڑ جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج امریکہ دنیا کا اسلحہ فروخت کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا ہے۔

وقت گزرتا گیا، جب سرمایہ داروں کا ظلم حد سے بڑھا تو عوام اس کے خلاف سراپائے احتجاج بن گئے۔ اس نظام کے خلاف تحریک نے انھیں مادہ پرستوں کے ظلم سے نجات تو دلائی لیکن دوسری طرف مزدوروں کی آمریت کا شکنجہ ان کے لیے تیار تھا۔ اشتراکیت وجود میں آئی، یہ مادہ پرستی کی خوفناک صورت ہے۔ اس نظام نے عوام سے بنیادی حقوق بھی سلب کر لیے۔ انفرادی ملکیت کا خاتمہ ہوا۔ تمام قومی آمدن اور پیداوار کے ذرائع پر حکومت قابض ہو گئی۔ اشتراکیت کے بڑے داعی اور لیڈر اسٹالن کو مرنے کے بعد روس کے اخبار وجرائد نے چور، غدار اور قاتل و مجرم قرار دیا۔ عوام کلیسائی نظام کی آمریت سے نجات کے بعد جاگیرداری کی آمریت کا شکار ہوئے، جاگیرداری سے آزادی کی تحریک میں کامیاب ہونے والوں کو سرمایہ دارانہ آمریت نے اپنے پنجوں میں دبوچ لیا وہاں سے جان چھوٹی تو اشتراکیت نے گرفت میں لے لیا۔ دنیا پریشان ہے کہ جائیں تو کدھر جائیں۔ اصل میں ان تمام نظام ہائے سیاست میں قدرِ مشترک طاغوتی کلچر ہے۔ جس نظام میں طاغوت شامل ہو وہ انسان کی فلاح کا کیسے ضامن ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾[1]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے دوست طاغوت ہیں جو انھیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔

۱۔ البقرہ:۲۵۷

اس طاغوتی نظام نے اسلام کے ساتھ آغاز ہی سے کئی معرکے شروع کر دیئے۔ اسلامی نظام کو مٹانے کے ہزار جتن کیے۔ مگر اسلام کا راستہ نہ روک سکے۔ ریاست مدینہ قائم ہوئی، سیاست اسلامیہ پروان چڑھی، رومی و ایرانی طاغوتی نظام کو لپیٹا گیا۔ طاغوتی نظام نام ہے انسان پر انسانی حکمرانی کا جب کہ اسلام انسان پر خدائی حکمرانی کا تصور دیتا ہے۔

مادیت کے سیاسی نظام پر اثرات

- دین وسیاست میں تفریق۔
- عزت وعظمت کو مال ومنال سے وابستہ کرنا۔
- قتل وغارت وبھتہ خوری۔
- کرپشن وبددیانتی۔
- سہل پسندی اور ذمہ داری میں تغافل۔
- حزب مخالف کی تذلیل۔
- فرائض منصبی کا فقدان۔
- وعدہ خلافی۔
- سوال کا جواب دلیل کے بجائے تشدد سے دینا۔
- مادی فوائد ونقصانات کو اہم سمجھنا۔
- ووٹ کی خرید وفروخت۔
- دین واخلاق کی تباہی۔
- سیاسی تفرقہ بازی اور جرائم۔

دین وسیاست میں تفریق:

مادیت کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کھلی چھٹی درکار تھی، اس کے راہ میں بڑی رکاوٹ مذہب تھا۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے مادہ پرستوں اور سرمایہ داروں نے تحریک چلائی۔ اس تحریک کے نتیجہ میں مذہب کو سیاست سے الگ کرنے کا نظریہ پیش کیا گیا۔ یہ دور تھا پاپائے روم اور اہل کلیسا سے نجات حاصل کرنے کا۔ مذہبی رہبروں نے اقتدار بچانے کی بہت کوشش کی مگر جب جدید سائنس نے اہل کلیسا کی مصنوعی، فرسودہ اور غیر معقول تعبیرات کو چیلنج کیا تو کلیسائی قیادت کی معاشرے پر عملی اور علمی گرفت کمزور ہونا شروع ہوگئی۔ اہل کلیسا کو سیاست دانوں کے تابڑ توڑ حملوں نے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ ان میں قابل ذکر میکاولی اور گلیلیو میں، مارٹن لوتھر نے کلیسائی مذہبی نظریات کو سائنسی تجربات سے مشروط کر دیا۔ دوسری طرف مذہب سے مکمل طور پر جان چھڑانا بھی مشکل تھا۔ ایسے میں مذہب کو سیاست سے الگ کرنے کا تصور ابھرا۔ جب سیاست کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی تو انھوں نے دین اور اقدار کو سیاست سے بے دخل کر دیا۔ اب مادیت نے سیاست کو اپنا ہتھیار بنالیا۔ مادہ پرست لالچی، دوسلت کے پجاری اور ابن الوقت افراد پر اجارہ داری قائم کرنا شروع کر دیا۔ سیاست کے حدود و قیود کا از سر نو تعین کیا گیا، کتب لکھی گئیں، سیاست کی تعریف یوں بیان کی گئی۔ “Government of people, by people for people.”

اس تعریف نے دین اور سیاست کی راہیں جدا کر دیں۔ اسی سیاسی نظام کو مغربی ممالک میں نافذ کرنے کے بعد کمزور اقوام پر مسلط کیا گیا۔ فرانس، اٹلی، جرمنی اور برطانیہ نے پہلے ان اقوام کو نوآبادیاتی نظام میں جکڑا پھر انھیں

اس مادیت زدہ سیاسی نظام کو اپنے پر مجبور کیا۔ جنگ عظیم اوّل کے بعد خلافت کا خاتمہ کر کے مسلم ممالک کی تقسیم کرتے ہوئے اسی مادی نظام میں جکڑ کر انھیں اپنی مادی حوس کا نشانہ بنایا۔ اقبالؒ نے اس نظام کو شیطانی و لادینی نظام قرار دیا۔ انھوں نے اس پر نظم لکھی جس کا عنوان "لادینی سیاست" قائم کیا۔ اس نظم میں وہ صرف اس نظام کو منفرد کیا بلکہ اس کی مفسدات سے بھی آگاہ کیا فرمایا:

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
متاع غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہراول لشکر کلیسا کے سفیر[1]

مذہب سے آزادی کے بعد یورپ سیاست میں قوم کو متحد رکھنے کی کوئی بھی چیز باقی نہ رہی۔ اس سیاسی نظام نے پہلے تو مغرب کو اقوام و ممالک میں منقسم کر کے ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا۔ اس نے نسلی اور جغرافیائی تعصب کو ہوا دی۔ مادی برتری کا مقابلہ شروع ہوا۔ آخر معمولی جنگوں سے معاملہ عالمی جنگوں تک جا پہنچا۔

عزت و عظمت کو مال و منال سے وابستہ کرنا:

مادیت کا سیاست پر خطرناک اثر ہے۔ جب مال و دولت، عزت و شرف کا معیار بن جاتے ہیں تو معاشروں کی اکثریت ذلت اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دی جاتی ہے۔ مٹھی بھر مادہ پرست ریاست پر قابض ہو جاتے ہیں۔ مال و دولت کی بنا پر خود کو خواص، معزز اور وی آئی پی جانتے ہیں۔ جب کہ عوام ان کے سامنے کیڑے مکوڑوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ تکبر و غرور کی ہر حد پار کر جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدا بن بیٹھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال قرآن مجید نے پیش کی ہے۔ فرمایا کہ جب فرعون نے اپنے حواریوں سے خطاب کیا تو کہنے لگا۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِى﴾[2]

ترجمہ: اے سردارو! میرے علم میں تمھارا میرے علاوہ کوئی خدا نہیں۔

ہر دور کے مادہ پرست حکمرانوں نے ملوکیت اور استبداد کو اپنے سیاست کا اصول بنایا۔ اسی اصول کے تحت فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر ملک کے تمام مادی وسائل پر قبضہ کیا۔ یہی طریقہ آج سیاست دانوں، سرمایہ

۱۔ علامہ، محمد اقبال، ضربِ کلیم، نظم 'لادینی سیاست
۲۔ القصص: ۳۸

داروں، جاگیرداروں اور اشتراکیوں کا ہے۔ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مدِ مقابل اپنے برتری اور شرافت کا ثبوت پیش کیا تو اس نے کوئی روحانی یا اخلاقی خوبی نہ پیش کی بلکہ اقتدار و اختیار اور دولت کو بطور دلیل پیش کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت مسترد کرنے کی وجہ بھی یہ بتائی کہ ان کے پاس مال اور اقتدار کا پروٹوکول نہیں۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ اس نے کہا:

﴿فَلَوْ لَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اُتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔

اس طرح ہر دور کے مادہ پرست حکمرانوں نے عوام کو بنیادی حقوق تک سے محروم رکھا۔ یونانیوں کے جمہوری دور میں مزدور، غلام اور کسان کو نہ بنیادی شہری حقوق حاصل تھے نہ حق رائے دہی۔ برطانیہ کی شہنشاہیت کے زمانے میں یہ اصول رائج تھا کہ جس کی جائیداد نہیں وہ ووٹ نہیں دے سکتا۔ آج دنیا کے غالب سیاسی نظام میں برتر اور ترقی یافتہ ممالک نے اپنے حقوق زیادہ رکھے جب کہ باقی اقوام کو حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ یو این او میں ویٹو کا اختیار بھی چند ممالک کے پاس ہے۔ معیار صرف دولت و قوت ہے۔

قتل و غارت اور بھتہ خوری:

وسائل اور اقتدار پر قابض ہونے کی سیاسی مسابقت میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل سے اقتدار چھیننے کے لیے مصر کے فراعنہ نے قتل و غارت گری سے پہلے انھیں کمزور کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾[2]

ترجمہ: کہ فرعون نے ملک میں سر اُٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اُن میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بیشک وہ مفسدوں میں تھا۔

۱۔ الزخرف: ۵۳

۲۔ القصص: ۴

اس آیت کی وضاحت میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

((جعل اهلها شيعاً اى فرقاً، يذبح طائفة منهم و يستحى طائفة، ويعذب طائفه، ويستعبد طائفة))[1]

ترجمہ: شیعا کا معنی ہے کہ وہ انھیں فرقوں میں منقسم کرتا۔ اس طرح وہ ایک گروہ کو کمزور کرتا، ایک کو قتل کرتا، ایک گروہ کو سزا دیتا اور ایک کو غلام بنا کر رکھتا۔

مادہ پرست اور سرمایہ دار کا سیاست میں آنے کا بنیادی مقصد ہی سرمائے اور مال کو جمع کرنے کا طریقہ تلاش کرنا اور مخالف کو کمزور کرنا ہے۔ اپنی برتری قائم کرنے کے لیے قوم کو تقسیم کرنا، زمانہ قدیم میں یہ کام فرعون نے کیا اور جدید سیاسی نظام کے بانی ملک برطانیہ نے اپنی سیاسی برتری کے لیے اسی کو اصول کا درجہ دیا، اس کو یوں بیان کیا۔ Devide and Rule اسی منافقانہ سیاسی اصول کے تحت برطانیہ، برصغیر میں داخل ہوا۔ اس کا مقصد قوم کو کمزور کر کے ان سے مادی فائدہ حاصل کرنا تھا۔ ان مادی فوائد کو وہ مختلف اقوام کو جب تفرقہ بازی سے کمزور کیا تو انھیں غلام بنا کر بغیر اجرت کے جبری مشقت پر لگایا۔ ان سے کسان اور معمار کا کام لیا۔ جدید اشتراکیت اور جمہوریت کے پیروکاروں نے بالکل یہی معاملہ اپنی اپنی اقوام کے ساتھ روا رکھا۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ عوام سے بیگار، بھتہ اور بلیک میل کر کے پیسہ جمع کرتے ہیں۔ اس میں غریب و مسکین اور محمود ایاز سب کو ایک صف میں کھڑا کرتے۔ حد یہ کہ اشرافیہ حکمران اور حکام میں ایسے بھی ہیں جو اغوا برائے تاوان، کرائے کے قاتل اور گداگری کے ذریعہ بھی مال کماتے ہیں۔

کرپشن اور بددیانتی:

جدید مغربی سیاسی نظام کا مادیت کے ساتھ گہرا تعلق ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ مادیت نے اس نظام کے ابتداء سے انتہا تک ہر شعبہ میں کرپشن اور بددیانتی کے کئی دروازے کھول دیئے ہیں۔ انتخابات کے آتے ہی جھوٹ، فراڈ، دھوکہ دہی اور بددیانتی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ امیدوار دھاندلی سے ووٹ حاصل کرنے کے طریقے استعمال کرتا ہے۔ ووٹر اپنا ووٹ معمولی قیمت پر فروخت کر کے بددیانتی کا مرتکب ہوتا ہے۔ بیوروکریسی سیاست دانوں کی قیمت لگاتی ہے۔ ارکان اسمبلی رائے کو پیسوں میں فروخت کرتے ہیں۔ ہارس ٹریڈنگ کے نام پر پوری کی پوری سیاسی پارٹیاں بیچی اور خریدی جاتی ہیں۔ اس دھندے میں پس پردہ قوتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ وہ پیسہ خرچ کرتے

۱۔ الطبری، تفسیر جامع البیان، ص: ۲/۱۲۵

ہیں۔ جس سیاسی پارٹی پر لگا پیسہ خرچ کرتے اور اس کو برسرِ اقتدار لاتے ہیں، تو اُن سے جائز و ناجائز مراعات و رعایات حاصل کرتے اور کئی گنا منافع کے ساتھ اپنی رقم واپس کرتے ہیں۔ اس سارے معاملہ میں کرپشن اور بددیانتی کا بازار گرم رہتا ہے۔ جب کوئی حکومت بددیانتی اور دھاندلی سے وجود میں آتی ہے تو اسکے سامنے ملکی مفاد سے زیادہ ذاتی مفادات اہم ہوا کرتے ہیں۔ کرپشن، رشوت اور لوٹ مار کے ذریعہ پیسہ جمع کرتے ہیں۔ الیکشن میں غریب عوام سے ان کی غربت ختم کرنے کا وعدہ کرنے والے جیتنے کے بعد نظر نہیں آتے۔ اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ وطن عزیز جس کو قائدِ اعظمؒ نے ایک فلاحی ریاست قرار دیا تھا۔ اس کے مسائل جوں کے توں ہیں عوام کی اکثریت کے لیے آنے والا ہر وقت فقر فاقے کا پیغام لاتا ہے۔ کسی نے خوب کہا۔

وہی حالات ہیں فقیروں کے
دن بدلے ہیں فقط وزیروں کے

ایسا نظام عوام کو کیسے انصاف دے سکتا ہے جس کی اپنی بنیاد ظلم پر ہو۔ اکثریت کے نام اور ووٹ پر قائم ہونے والی حکومت کیسے انصاف دے سکتی ہے۔ قرآن نے اکثریت کے ظالم ہونے اور کم لوگوں کے عادل ہونے کی خبر دی ہے۔

﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور ان کی اکثریت ظالموں کی ہے۔

اس سیاسی نظام کے زیر سایہ قائم اداروں میں کرپشن اور بددیانتی کی خبریں مغربی جمہوری نظام کے حامل ملکوں میں بالعموم اور وطن عزیز میں روزمرہ کا معمول ہیں۔ ان مظالم پر اقوام عالم سرپائے احتجاج ہیں مگر کہیں ان کی شنوائی نہیں۔ وجہ یہ کہ آج بین الاقوامی سیاست پر بھی مادہ پرست ہی قابض ہیں۔ یو این او میں اختیارات کے اصل مالک یہی اقوام ہیں۔

سہل پسندی اور ذمہ داری میں تغافل:

مادیت نے سیاسی نظام میں دراندازی کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اس سے دین کو خارج کیا۔ اس کے بعد پورے سیاسی نظام اور انتظام کو اپنی گرفت میں لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاست ملوکیت میں بدل گئی۔ دین میں سیاست خدمت اور ذریعہ عبادت کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

۱۔ الممتحنہ:۹

((سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ))[1]

ترجمہ: قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔

خلافت راشدہ بالعموم اور خلافت فاروقیہ اس کی اہم مثال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمت و عبادت کے جذبہ سے سرشار قوم کی خبر گیری کے لیے رات کو شہر کا گشت کرتے اور محتاج کی مدد فرماتے۔ آپ کا مشہور قول ہے۔

"لو ان شاة هلک بشط الفراط ، لخشيت ان يُسئلني الله عنه "[2]

ترجمہ: اگر کوئی بکری دریائے فراط کے پاس مر جائے، تو میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق مجھ سے پوچھے گا۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہمارے اسلاف میں ملتی ہیں۔ یہی عمر رضی اللہ عنہ تھے کہ رات کے گشت میں کسی بھوکے خاندان کے لیے غلہ لے جارہے تھے تو راستے میں ملنے والے نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ میں اٹھاتا ہوں، فرمایا اگر قیامت کے دن مجھ پر بوجھ پڑا تو اٹھاؤ گے؟ کہا اے امیر المؤمنین وہ تو ہر کوئی خود اٹھائے گا۔ فرمایا پس میرا بوجھ مجھے اٹھانے دو۔ یہ ہے اس سیاست کی روح جو مذہبی ہدایات و تعلیمات کی روشنی میں کی جائے۔ مادیت پر قائم سیاسی نظام میں سہل پسندی اور ذمہ داری میں تغافل کا عام رواج ہے۔ ایک طرف خلیفہ وقت رات کی نیند ترک کرتے ہیں عوامی خدمت اور مسائل کے حل کے لیے سرگرداں ہیں تو دوسری طرف موجودہ سیاست دان کا رویہ ہے کہ اپنے اور اپنے خاندان کی سہولت کے لیے محنت کرتے ہیں۔ مال جمع کرتے، بڑی اور مہنگی گاڑیوں میں وی آئی پی پروٹوکول لیتے ہیں۔ بادشاہوں کی طرح عوام کو غلام سمجھتے ہیں۔ مال و اقتدار میں اضافے کی لالچ انھیں قومی و ملکی ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہیں۔ ایوانوں میں بیٹھ کر عوام پر مہنگائی، بیروزگاری اور ٹیکسز کے بم گراتے ہیں۔ خود اپنی مراعات میں اضافے کا مسئلہ آئے تو پورا ایوان متفقہ طور پر قرارداد منظور کرتا ہے۔ دفاتر میں بیٹھے وزراء و مشیران اور بیوروکریسی کے طرز عمل سے ہم آگاہ ہیں۔ محض گپ شپ اور چائے بریک کے بہانے عوام کو دفتروں کے باہر رسوا کیا جاتا ہے۔ تعارف، رشوت اور اثر و رسوخ والے کا کام تو ہو جاتا ہے مگر غریب کا نام ہی میرٹ لسٹ سے غائب کر دیا جاتا ہے۔ صاحب دیر سے دفتر آتے اور جلد چلے جاتے ہیں۔ سڑکیں ٹوٹی، گٹر کھلے، غریب بھوکا ہے، بیمار رات بھر تڑپتا ہے اور سیاست دان مزے سے سوتا ہے۔ یہ ہیں مادہ پرستی کے سیاست پر اثرات کے مظاہر۔

۱۔ ولی الدین، مشکوۃ شریف، کتاب آدابِ سفر، ح: ۳۹۲۵

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ح: ۳۴۴۸۶

حزب مخالف کی تذلیل:

مادی حرص و حوس سیاست دانوں میں غیر فطری بلکہ منفی مسابقت کی ایسی راہ ہموار کرتی ہے کہ جس سے وہ سر عام ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ فرانس، انڈیا اور وطن عزیز میں منعقد ہونے والے انتخابات کے موقع پر سیاست دانوں کے مابین ٹی وی مباحثے ہوں یا ٹی وی بیانات، پریس کانفرنسز ہوں یا جلسے جلوس۔ یہ لوگ سر عام ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھال رہے ہوتے ہیں۔ اس دوران جو طوفان بد تمیزی برپا ہوتا ہے اس سے کون واقف نہیں۔ اسی ماحول میں سیاسی دنگل سجتا ہے۔ جیتنے والا مخالف کی ہار پر عار دلاتا ہے۔ اپنی جیت پر اتراتا ہے۔ جیتنے والا اقتدار پر براجمان ہوتا ہے تو حزب مخالف کی تذلیل کے لیے اس کے عیوب و اسرار کا میڈیا پر پرچار کرتا ہے۔ ان کو اور ان کے خاندانوں کو بدنام کیا جاتا ہے۔ چور، کرپٹ، غدار اور ملک دشمن کے فیصلے ماورائے عدالت صادر ہونے لگتے ہیں۔ آخر حزب مخالف بھی اس دنگل میں آجاتا ہے۔ حکومت، حکومتی کارندوں اور وزیر اعظم و صدر مملکت پر الزامات لگاتے اور جائز و ناجائز تنقید کرتے ہیں۔ جواب الجواب میں کئی بار وزیر اعظم و صدر اور وزرائے اعلیٰ بھی اپنی بھڑاس نکالنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ اس کے مناظر ہم اکثر ممالک کے اعلیٰ ایوانوں میں دیکھتے رہتے ہیں۔ الزامات، گالم گلوچ، مکا بازی، دھینگا مشتی، مار کٹائی اور لڑائی جھگڑا، اس سیاسی نظام کے تحت وجود میں آنے والے ایوانوں کے مباحث کے عنوانات۔ دنیا کے جتنے ممالک میں یہ نظام رائج ہے کم و بیش سب کے حالات ایسے ہی ہیں۔ جس قومی اداروں کے نمائندوں نے اپنے قول و عمل سے قوم کے لیے نمونہ بننا تھا ان کی وضع قطع عوام کے لیے قابل اتباع ہونی چاہیے تھی۔ بدقسمتی سے سیاست دان خود اپنے کردار و عمل سے معاشروں کی تقسیم اور ان میں باہمی تذلیل کا کلچر عام کرنے کا ذریعہ بن چکے ہیں۔ سیاسی لوگ حکومت میں آتے ہوئے اسلام اور ملک کی وفاداری کا حلف اٹھاتے ہیں۔ سچا مسلمان اور عاشقِ رسول ﷺ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر عملاً اسوہ رسول ﷺ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جس دور میں سیاست کا آغاز کیا وہ دور آج سے زیادہ غیر مہذب تھا۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کی سیاست میں یہود و منافقین کو بھی اپنے اخلاق عالیہ سے اپنا حلیف بنا لیا۔ ان کی بد اخلاقی کا جواب خوش اخلاقی اور تحمل سے دیا۔ آپ ﷺ کا پیغامِ عام یہ تھا۔

((اِنَّمَا بُعِثتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخلَاقِ))[1]

ترجمہ: بلاشبہ مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا۔

ا۔ ابن حنبل، المسند، (مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ح ۸۹۳۹

انسانیت کے معراج کے لیے آپ ﷺ کی تربیت بھی یہ تھی۔

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))(۱)

ترجمہ: ایمان کے اعتبار سے کامل مؤمن وہ ہے جو ان میں اخلاق میں اعلیٰ ہے۔

اسلامی سیاست ایثار کے ساتھ عوام کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب کہ جدید مغربی سیاسی نظام، مادہ پرستی، خود غرضی اور خود پسندی کا نام ہے۔

فرائض منصبی کا فقدان:

اسلام نے ریاست کے سر کردہ سیاست دانوں پر چند فرائض اور ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ پھر ان ذمہ داریوں پر مسؤلیت کا عندیہ بھی دیا۔ فرمایا:

((فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))۲

ترجمہ: وہ قائد ور ہنما جو لوگوں کا راعی (نگران) ہے وہ اپنی رعایہ کے بارے مسؤل ہے۔

سیاسی رہنما و قائد کی ذمہ داریوں میں اہم ذمہ داری اپنے عوام کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنانا اور ان کی معاشی اور معاشرتی فلاح کا انتظام کرنا ہے۔ انھیں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔ فرمایا:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾۳

ترجمہ: وہ لوگ کہ جنھیں ہم زمین میں اقتدار دیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

جب سیاست دان حکومت میں آتے ہیں تو انھیں قوت وطاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے انھیں حکم دیتا ہے کہ اس قوت کو فساد کے بجائے تعمیری کاموں میں صرف کریں۔ اس صلاحیت کو امر بالمعروف اور نہی عنل منکر پر لگائیں جو ہر خیر کی ضامن ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب الرضاع، باب ماجا فی حق المراۃ علی زوجھا، ح ۱۱۶۲، حسنہ الترمذی۔

۲۔ صحیح بخاری، باب العبد راع فی مالِ سیدہ ولا یعمل الا باذنہ، حدیث: ۲۴۰۹

۳۔ الحج: ۴۱

"ولان الله سبحانہ وتعالیٰ او جب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، ولایتم ذالک الابالقوۃ والامارۃ"[۱]

ترجمہ: اور س لیے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فرض کر دیا جب کہ اس کی حقیقی تکمیل طاقت اور امارت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

قائدین و سیاسی رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ خود کو اللہ تعالیٰ کا نائب سمجھیں اس کے عطاء کردہ نظامِ حکومت کو پوری ذمہ داری سے نافذ کریں۔ ان ذمہ داریوں میں درج ذیل اہم ہیں۔

الف۔ اللہ تعالیٰ کے نظام کو نافذ کرنا۔ ب۔ شوریٰ کا قیام۔

ج۔ نظامِ عدل کا قیام۔ د۔ انسانی حقوق کا تحفظ یقینی بنانا۔

ہ۔ مساوات کا قیام۔ و۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ۔

آج دنیا کے اکثر ممالک (جہاں جدید سیاسی نظام نافذ ہے) کے عوام ظلم و زیادتی، ناانصافی اور حقوق کے لیے سراپا احتجاج ہیں۔ حکمرانوں کے کان پر جون تک نہیں رینگتی۔ مادیت زدہ سیاسی نظام سے منسلک سیاست دانوں کی اکثریت کے فکر و عمل کا محور دولت و اقتدار تک محدود ہے۔ وہ اس سے قطعاً بے خبر ہیں کہ وہ کس قدر اہم اور نازک کام کے ذمہ دار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس کو قومی امور میں عوام کی رہنمائی کی کوئی بھی ذمہ داری سونپ دی گئی تو اس کا حال یہ ہوگا کہ گویا۔

((کَاَنَّمَا ذُبِحَ بِغَیرِ سِکِینٍ))[۲]

ترجمہ: گویا اسے چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا۔

اس سیاسی نظام میں خود غرضی، لالچ اور حرص کے باعث سیاست دان باہم دست و گریبان ہیں۔ ان کے دیکھا دیکھی اعلیٰ حکومتی آفیسرز سے لے کر ایک چوکیدار و نائب قاصد تک ہر شخص اپنے اصل فرائض سے غافل ہے۔ قومی و ملکی امور کی انجام دہی میں ہر کوئی غیر ذمہ داری کا مرتکب پایا جاتا ہے۔ حد یہ کہ ذاتی مفادات کی خاطر وطن عزیز کے راز تک دشمن کو پہنچا دینے کے واقعات کی لمبی فہرست موجود ہے۔ جب کسی حکومت سے خرابیٔ حالات کا پوچھا جائے تو اس کی ذمہ داریاں سابقہ حکومت پر ڈال کر اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔ حکومت و اپوزیشن نورا کشتی کے باعث وقت گزارتے اور عوام کی توجہ اصل مسائل اور حکومتی ذمہ داریوں سے ہٹانے کی

۱۔ ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، ج (دہ: مجمع الفقہ الاسلامی،)، ص ۳۳

۲۔ الترمذی، السنن، کتاب الاحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی، ح: ۱۲۴۷، حسن صحیح

سیاست کرتے ہیں۔ پانچ سال گزارنے کے بعد جس قدر سیاستدانوں کا سرمایہ دو گنا و چوگنا ہوتا ہے یوں ہی عوام کے مسائل بھی دوگنا و چوگنا ہو جاتے ہیں۔

وعدہ خلافی:

مادیت زدہ سیاسی نظام کے مراحل میں سے ایک عام انتخابات کا انعقاد ہے۔ عام انتخابات میں تحریر و تقریر اور نعروں کے ذریعہ عوام سے ایسے مبالغہ آمیز وعدے کئے جاتے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ اس قسم کے واقعات کی ایک طویل داستان ہے۔ الیکشن میں کاشتکاروں، مزدوروں، بیروزگاروں، بے گھر افراد اور کمزور طبقہ کے حقوق ادا کرنے کی بات بڑے زور و شور سے ہوتی ہے۔ مگر اقتدار میں آنے کے بعد سیاست دان صاف کہہ دیتے ہیں کہ وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے۔ حد یہ کہ غریب عوام کو کچھ دینے کے کی بجائے انھیں بھاری ٹیکسوں اور دوسرے حیلے بہانوں سے لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ بے گھر افراد کو گھر دینے کا وعدہ کیا مگر اس کی جھونپڑی بھی چھین لی۔ روزگار دینے کے بجائے نوالہ چھینتے ہیں۔ وطن عزیز میں گزشتہ پون صدی سے برسرِ اقتدار سیاست دانوں نے عوامی وعدوں کی کس طرح دھجیاں اڑائیں، وہ ہمارے سامنے ہے۔ عوام اب تنگ آچکے ہیں۔ سیاست دانوں کے جھوٹے وعدوں کے باعث سیاست از خود جھوٹ کی علامت بن چکی ہے۔ محاورہ زبان زدِ عام ہے کہ "سچ کہہ رہے ہو نا کہیں سیاست تو نہیں کر رہے" اگر اس سیاسی نظام کو منافقانہ نظام کہا جائے تو بعض کی رائے ہے کہ اس میں کوئی مزائقہ نہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ منافق نشانی ہے۔

((وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ)) (۱)

ترجمہ: جب وعدہ کرے تو خلافی کرے

آج جن ممالک میں مادیت زدہ سیاسی نظام کار فرما ہے ان کے مسائل آئے روز بڑھ رہے ہیں۔ جو جتنا ترقی یافتہ ہے اسی قدر مسائل کا شکار ہے۔ ان مسائل کے حل کے لیے اصل ضرورت پیسہ ہے۔ یہ پیسہ وہ سودی قرض کی صورت میں حاصل کرتے ہیں خود موج اڑا کر عوام کو کچھ دینے کے بجائے قرض کا اضافی بوجھ ڈال کر چلے جاتے ہیں۔

دلیل کا جواب جاہلیت سے دینا:

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، ح ۳۳

مادیت کے جمہوری و سیاسی نظام میں دخل اندازی کے باعث اس نظام میں تشدد اور عدم برداشت کو ترویج حاصل ہوئی۔ الیکشن کے دوران ایک دوسرے پر زبانی و جسمانی حملے ہوں یا اسمبلیوں میں مار کٹائی کے مناظر اور گالم گلوچ، اس تشدد کی جیتی جاگتی دلیل ہے۔

مخالفین پر قاتلانہ حملے کرنا اور کرائے کے قاتل رکھنا اور ان کے ذریعہ مخالف کو کچلنا روز مرہ کا معاملہ ہے۔ ان سیاست دانوں سے اگر پوچھا جائے کہ جناب آپ فلاں فلاں کام جو کر رہے ہیں وہ جرم ہے، غیر قانونی ہے تو یہ نارض ہو جاتے ہیں۔ اپنا دفاع کرتے ہوئے اس کو درست قرار دیتے ہیں۔ اگر دلیل پیش کی جائے تو تشدد پر اتر آتے ہیں۔ ان کے رویہ سے معاشرہ خوفزدہ اور سہارہتا ہے۔ آزادی رائے کے اظہار کا داعی یہ سیاسی نظام کئی غیر محسوس طریقوں سے نہ صرف آزادی اظہار کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ صاحب رائے کو ایسی عبرتناک سزا دیتا ہے کہ وہ بعد والوں کے لیے بھی نشانِ عبرت بن جائے۔ سیاست کے نام پر یہ آمریت آج دنیا میں جن معاشروں پر مسلط ہے وہاں کے علماء، صحافیوں اور دوسری تنظیموں کے نمائندوں کو (جو حق و اصلاح کی بات کرتے ہیں) پابند سلاسل کیا جاتا ہے۔ مختلف الزامات لگا کر قتل کروایا جاتا ہے۔ اس قسم کے مظالم آئے روز کے واقعات ہیں۔ یہ ہے ملوکیت اور بادشاہت جو سیاست کا لبادہ اوڑھ کر تشدد کی ہر حد پار کر چکی ہے۔ یہ جمہوریت و سیاست نہیں بلکہ فرعونیت ہے کہ جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کا سامنا نہ کر سکا تو کہنے لگا۔

﴿ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ﴾ (۱)

ترجمہ: مجھے اجازت دیجیے کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں، وہ اپنے رب کو بلالے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ تمھارا دین بدل دے گا۔

دوسری طرف خلیفہ ثانی کو دیکھئے کہ رائے کی آزادی اور جوابدہی کا احساس اس قدر ہے کہ خطبہ جمعہ کے دوران سوال پوچھنے والے کو مطمئن کیا۔ اس کو بولنے کی اجازت دی، اس نے گفتگو سے روکا تو رُک گئے، دلیل پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دلیل کا جواب دلیل سے دو۔ سائل مطمئن ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بقیہ خطبہ مکمل کیا۔

---

(۱)۔ المؤمن:۲۶

مادی فوائد و نقصانات کو اہم سمجھنا:

سیاسی نظام پر مادیت کے اثرات میں ایک نمایاں اثر یہ ہے کہ اس نظام سے وابستہ ہونے والے ہر فرد کی رگ رگ میں خود غرضی لالچ اور حرص رچی بسی ہوتی ہے۔ سیاست دان عوامی فلاح و بہبود اور روشن مستقبل کا نعرہ لگا کر سیاست میں آتے ہیں مگر ان کی سیاسی مصروفیات کا محور ذاتی مفادات ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں سیاست مادی و معاشرتی برتری کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ان کے ہاں ملکی مفادات، قومی وقار اور دینی ہیبت کچھ قیمت نہیں رکھتی۔ ان کے ہاں نفع کا معیار مادی فوائد اور برتری ہوتی ہے اور نقصان کا معیار مادیت کے گرد گردش میں رہتا ہے۔ دنیا کے اکثر سیاست دان جب اقتدار میں آتے ہیں تو ان کے مالی حالات مناسب ہوتے ہیں تاہم اقتدار میں آنے کے بعد راتوں رات ان کے حالات بدلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ چند ہی سالوں میں یہ دنیا کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ اقتدار میں بیٹھ کر اپنے اور اپنے خاندان کی مادی ترقی کے لیے کوشاں رہنے والے اعلیٰ سیاسی عہدے داران کے واقعات سے کون واقف نہیں۔ وطن عزیز کو دیکھ لیجیے ہمارے اعلیٰ حکومتی عہدیداران جب سرکاری دوروں پر ملک سے باہر جاتے ہیں تو وہاں اپنی کمپنیاں کھولتے، اپنے بچوں کی نوکریاں کراتے اور اپنے سرمایہ کو مغربی ممالک میں منتقل کرنے کی بات کرتے ہیں۔ ان حالات میں عوامی مسائل کی بڑی وجہ یہ سیاسی نظام ہے۔ اسلام سیاست میں خود احتسابی اور سرکاری عہدے داروں کے احتساب کا تصور پیش کرتا ہے۔ آپ ﷺ اور امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے اعمال کا احتساب کیا کرتے تھے۔

"ان عمر رضی اللہ عنہ کان اذا استعمل عاملا کتب مالہ، لیطبق علیہ نہایۃ عہدہ"[1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تو اس مال کا حساب لکھ لیتے، تاکہ جب وہ عہدے سے سبکدوش ہو تو اسکا احتساب کیا جا سکے۔

ووٹ کی خرید و فروخت:

ووٹ کی خرید و فروخت، رائے اور ضمیر کی خرید و فروخت ہے۔ جس فرد اور معاشرے میں یہ گھناؤنا کاروبار چل رہا ہو (وہ بھی اُس طبقہ میں جو معاشرے کا قائد ہے) تو وہاں اصول، دیانت داری، خلوص، اخوت و ایثار اور رحم دلی جیسے اقدار مفقود و معدوم ہو جایا کرتے ہیں۔ مغربی سیاسی نظام میں پیسے کے زور پر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنانے کا کاروبار ہر جگہ اور ہر مرحلہ میں چھایہ نظر آتا ہے۔

۱۔ السیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، (قطر: مکتبہ الوقفیۃ)، ص: ۱۴۳

انتخابات سے پہلے سیاسی قائدین اور نمائندے اپنے علاقے کے عوام وخواص سے مل کر ووٹ خریدنے کے لیے ان کے مطالبات پورا کرنے کے وعدے کرتے ہیں۔ ان وعدوں کی تکمیل کے لیے قومی خزانہ لٹایا اور رلوٹا جاتا ہے۔ کئی بار تو مخالف امیدوار کے ساتھ یہ مقابلہ اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ الیکشن بعد میں ہوتے ہیں سڑکیں اور گلیاں پہلے بن جاتی ہین۔ بعض اوقات ووٹ کی قیمت نقد چکائی جاتی ہے۔ سیاسی رشوت ستانی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ پارٹی ٹکٹ لینے کی رشوت، سینیٹرز اور وزیر بننے کی رشوت، وزیر اعظم اور صدر کے انتخابات کے موقع پر اس سیاسی منڈی میں بولیاں عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ مخالف پارٹی کے ممبران کو خریدنے اور الیکشن میں دستبردار ہونے کے لیے بڑی رقم دی جاتی ہے۔ رائے کی اہمیت، ووٹ کے تقدس اور ضمیر کی آزادی کے بارے میں عوامی اجتماعات میں بلند وبانگ دعوے کرنے والے جیتنے کے بعد آلو پالک کی طرح بک جاتے ہیں۔ اس بد دیانتی پر قائم نظام معاشرے کی اصلاح وتعمیر وترقی کا کیسے ضامن ہو سکتا ہے۔ یہ نظام دنیا میں جہاں بھی کارفرما ہے وہاں مسائل اور مشکلات کے بادل ہر وقت عوام کے سروں پر سرگرداں ہیں۔

صادق ومصدوق ﷺ نے فرمادیا ہے۔

((لَا دِينَ لِمَن لَّا اَمَانَتَ لَہٗ وَقَالَ لَا اِيمَانَ لِمَن لَّا عَهدَلَہٗ))[۱]

ترجمہ: اسکا دین نہیں جس میں امانت نہیں اور فرمایا اسکا ایمان نہیں جو عہد کا پاسدار نہیں۔

دین واخلاق کا فقدان:

اسلام نے اخلاق ودین کو لازم وملزوم رکھا۔ رسولِ اکرم ﷺ دینی حیثیت کے ساتھ ساتھ سیاسی حیثیت سے بھی دنیا کے لیے قابل اتباع تھے۔ آپ ﷺ کی سیاست میں اخلاق کی اہمیت کی مثال صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ ہے۔ آپ ﷺ عالمی راہنما تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ:

((بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً))[۲]

ترجمہ: مجھے پوری انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

پھر دوسرے مقام پر فرمایا:

۱۔ ابن حبان، محمد بن حبان تمیمی، الصحیح، کتاب الایمان، ح: ۱۹۴

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التیمم، ح ۳۳۵

((اِنَّمَا بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخلَاقِ))[1]

ترجمہ: بلاشبہ مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ اس قدر اصول پسند سیاست دان تھے کہ دشمن کی دھوکہ دہی اور بد خلقی کا جواب بی حسن خلق سے دیتے تھے۔ دشمن آپ ﷺ کی اصولی سیاست کے باعث مرعوب رہتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ))[2]

ترجمہ: ایک ماہ کی مسافت تک مجھے میرے دشمن پر برتری عطا کی گئی۔

اس اعتبار و معیار پر اگر ہم آج کی سیاست کو پرکھیں تو نہ اس میں دین ہے نہ اخلاق بلکہ یہ نظام کا وجود ہی دین سے تعصب پر قائم ہے۔ سیاست دانوں میں ماسوائے چند کے اکثر کا طرز تکلم اور طرز زندگی دین اور اخلاق تعلیمات کے خلاف نظر آتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اسلام کے شعائر کا مزاق اڑاتے اور اخلاق سے گری حرکات میں ملوث پائے جاتے ہیں۔

حکام بالا کا دین و اخلاق سے عاری ہونا:

اقتدار کی غیر فطری مسابقت میں سیاسی قائدین ایک دوسرے کی تذلیل کرت،ے الزامات لگاتے اور ذاتی حملے کرتے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ سیاسی کلچر کا لازمی حصہ بن جاتا ہے۔ سیاست اس قدر گدلا تالاب بن جاتی ہے کہ کوئی شریف آدمی اس میں حصہ لینے کے بارے میں دس بار سوچتا ہے۔ گستاخی و بے ادبی، بسا اوقات اس قدر بھڑ جاتی ہے کہ یہ لوگ شرفا کی پگڑیاں اچھالنے کے علاوہ علماء دین، احکام دین، شعائرِ اسلام کا بھی سرعام مزاق اڑانے سے بھی باز نہیں آتے۔

بد تمیزی اور بد اخلاقی انتخابات کے امیدواروں کے مذاکروں کا حال ہمارے سامنے ہے۔ ملک کے مؤقر ترین ادارے قومی اسمبلی میں ہونے والی بحث میں بازاری زبان کا استعمال اس کا ثبوت ہے۔ سیاست اتنی بری بھی نہ تھی کہ جتنا اس کو آج کے سیاست دانوں نے اس کا حال کر دیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ سیاست میں مادیت کی دخل اندازی ہے۔ جب سیاستدانوں کی نظر وسائل، اختیارات و کرسی اقتدار پر پڑتی ہے تو اس کی دوڑ میں اخلاق و دین تک

۱۔ ابن حنبل، المسند، (مسند ابی ہریرہ)، ح ۸۹۳۹

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التیمم، ح ۳۳۵

کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ سیاست تو انبیاء علیھم السلام نے بھی کی، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اکثر انبیاء بنی اسرائیل بڑے بڑے سیاست دان ہو کر گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ))(۱)

ترجمہ: بنی اسرائیل کے سیاسی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔

ان انبیاء نے اپنی ذات کے لیے قومی خزانہ سے کچھ نہ لیا۔ اپنے ذاتی اکراجات کے لیے وہ کسی نہ کسی پیشہ سے وابستہ ہوتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام دیکھیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَام ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ))(۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام خود محنت کر کے کھاتے تھے۔

موجودہ سیاست دان اس کے تصور سے بھی عاری ہے۔ یہ لوگ سیاست میں اس لیے آتے ہیں کہ اسودہ حال ہو جائیں۔ اس بنا پر وہ کئی ایک بد اخلاقیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً عہدے کا طلب کرنا نااہلی، اقرباء پروری، کرپشن بد زبانی، اخلاق رزیلہ، فخر و غرور اور ہیر اپھیری وغیرہ۔ شاذ و نادر ہی کوئی سیاستدان ایسا ملے گا جس میں دینداری پائی جاتی ہو یا پھر اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتا ہو۔

سیاسی تفرقہ بازی اور جرائم:

مادیت جدید سیاسی نظام کی گھٹی میں شامل ہے۔ اقتدار و اختیار اور کرسی و مال کے پجاریوں کے لیے جب الیکشن کا میدان سجایا جاتا ہے تو کئی سیاسی پارٹیاں میدان میں اتر آتی ہیں۔ ہر پارٹی دوسری پارٹی کو اپنا دشمن سمجھتی ہے ۔ اپنے الگ انتخابی نشان اور جھنڈے کے ساتھ خود کو متعارف کراتی ہے۔ اپنے لوگوں کو اپنے گرد جمع کرتی اور مخالف کو نیچا دکھانے کی ترغیب دلاتی ہے۔ پوری کی پوری قوم گروہ بندی کا شکار ہو جاتی ہے۔ ہر گروہ دوسرے گروہ کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاتا ہے۔ الیکشن کے موسم میں قتل و غارت، عداوت و منافرت و مخالفت کی جو بنیاد رکھی جاتی ہے وہ معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ اس کے اثرات ابھی کم ہونے لگتے ہیں کہ نئے انتخابات کی تاریخ مقرر ہو جاتی ہے۔

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ح: ۳۴۵۵

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، ح: ۲۰۷۲

انتخابات کے دور میں جرائم و کرائم کی نئی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس بنیاد پر قائم سیاسی نظام میں کئی قسم کے جرائم پنپتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ جب حکمرانوں کو عوام جرائم میں ملوث پاتے ہیں تو وہ بھی ان کا طرز عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ فطرتی عمل ہے اس لیے کہ۔ "الناس علی دین ملوکھم "(مقولہ) (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں۔) اس طرح معاشرہ کے ساتھ ساتھ سیاست دان بھی دنیوی واخروی خسارے سے دوچار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ان کے انجام بد کا منظر کچھ اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا، رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا﴾[۱]

ترجمہ: اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہم کو رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

مادیت کے سیاسی نظام پر اثرات کے نتائج:

سیاست ایک مقدس نظام حکومت ہے۔ انبیاء علیھم السلام اس نظام بانی و مربی رہے ہیں۔ خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انبیاء کو امامت و سیاسی قائد بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے رہنما اصول بھی عطا فرمائے۔ اس خدمت پر انعامات کا اعلان فرمایا۔ سیاست کا تقدس اتنا اعلیٰ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے اس کو مانگا۔

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي﴾[۲]

ترجمہ: اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ ملے۔

یہ معاملہ اس وقت تک ویسا ہی رہا جب تک سیاست احکام ربانی اور سنت نبوی کے مطابق چلتی رہی۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سیاست سے دین کو الگ کیا گیا تو معاشرے ظلم، تفرقہ بازی اور بربادی سے دوچار ہوئے۔ جدید سیاسی نظریات نے چاہے ان کا تعلق ملوکیت و پاپائیت سے ہے یا جمہوریت و اشتراکیت سے دین کو سیاست سے خیر آباد کہہ دیا۔ نیا سیاسی نظام بے لگام آزادی چاہتا تھا۔ اس نظام کے داعی کلی اختیار کے مالک بننا چاہتے

۱۔ الاحزاب: ۶۷، ۶۸

۲۔ ص: ۳۵

تھے۔ اس لیے انھوں نے عوام کو بیوقوت بنانے کے لیے یہ نعرہ لگایا کہ عوام طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ پھر عوام سے ووٹ کے ذریعہ سیاسی اختیارات کے ساتھ ساتھ ربانی اقتدار اعلیٰ پر بھی قبضہ کرلیا۔

مادہ پرستی اور سیکولرازم پر قائم اس سیاسی نظام نے جس معاشرے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کیا اس میں متعدد منفی اثرات مرتب ہوئے۔ حسد، کینہ، غصہ، حرص، خود پرستی، بد دیانتی معاشرتی اور معاشی رقابتیں، طبقاتی تقسیم اور قومیت اور وطنیت کا تصور۔ غرضیکہ ہر قسم کی اخلاقی و سماجی برائیوں کی وباء پھیل گئی۔ دینی اثر کو غیر مؤثر کرنے میں بھی اس نظام نے اہم کردار ادا کیا۔ دین دعوتِ وحدت دیتا ہے۔ اس نظام نے ملی وحدت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ قومیت کے نعرے نے مشرقی اور مغربی پاکستان کو دولخت کیا۔ اس سیاسی نظام نے صحیح اور غلط کا معیار ختم اور تمیز کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ جس کے پاس پیسہ زیادہ ہے وہ جو کہتا ہے صحیح تصور کیا جاتا ہے۔ وہ خود کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ اسلام کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے یہی طرز عمل اختیار کیا تھا۔

﴿أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِ﴾[1]

ترجمہ: کیا مصر کی بادشاہت میری نہیں ہے اور یہ نہریں بھی جو میرے تحت چلتی ہیں۔

آج امریکی قیادت اور چند عالمی طاقتوں نے حق و باطل کا یہی معیار اپنا رکھا ہے۔ اس سیاسی نظام میں قانون شکن اور کرپٹ لوگوں کے لیے راستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اس قسم کے افراد اپنا کالا دھند چھپانے کے لیے سیاست میں آتے ہیں۔ اپنا اثرورسوخ بڑھاتے ہیں اور مختلف طریقوں سے یہ اپنے کرائم کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ کبھی تو یہ اپنے من پسند افراد کو مختلف اداروں میں تقرری اور ترقی دلوا کر کام نکلواتے ہیں۔ کبھی اپنا اثرورسوخ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔

ایوانِ بالا سے اپنی مرضی کی قانون سازی کروا کر اپنے جرائم و کرائم کو قانونی حیثیت دلواتے ہیں۔ مادی سیاسی نظام کے منفی اثرات میڈیا کے ذریعہ معاشرے پر تیزی اثر کرتے ہیں۔ میڈیا اپنے مفادات کے خلاف سچی خبروں کو نشر کرنے سے گریز کرتا ہے۔ سیاسی کلچر کی تشہیر اس انداز میں کی جاتی ہے کہ اس معاشرے میں مادی مسابقت کا منفی رجحان پیدا ہو۔ پھر چونکہ میڈیا بھی ان اشرافیہ کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اسے خود کو مشہور کرنے کے لیے اور اپنے خاندان کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے موروثی سیاست کا کلچر پیدا ہوتا ہے۔ یہ کلچر میرٹ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔

۱۔ الزخرف:۵۱

وطنِ عزیز میں اسلامی نظام کے نفاذ میں آج تک حائل سب سے بڑی رکاوٹ یہی لادینی سیاسی نظام رہا ہے۔ جن عالمی سرمایہ داروں کے مفادات کو خطرہ ہے یا ان کے مقامی نمائندوں کو تو، وہ ملی بھگت سے اسلامی نظام کے خلاف ہمیشہ مؤثر اور متحرک رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظام کے نفاذ میں عملی اقدامات تو ہوئے مگر جو نہی سیاست دان اقتدار میں آئے ان اقدامات کو کالعدم کر دیا گیا۔

جدید سیاسی نظام کا بڑا اثر عالم اسلام پر یہ ہوا کہ جب اس نے قوت پکڑی تو خلاف عثمانیہ کو ختم کر دیا۔ جو عالمِ اسلام کے اتحاد کی علامت تھی۔

> "کلیسائی نظام سے آزادی حاصل کرنے کے بعد دنیا تین نئے جابرانہ نظاموں میں جکڑ لی گئی۔ یہ تین نظام سوشل ازم، کمیونزم اور جمہوریت تھے۔ ان کی قدر مشترک مادیت اور لادینیت تھی۔ ان نظامہائے سیاست کے بانیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم آزادی، حقوق اور امن قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم ہوا یہ کہ اس سیاسی نظام نے بڑی تباہی کا تحفہ دو عالمی جنگوں کی صورت میں دیا۔ لاکھوں انسان لقمہ اجل بنے۔ قتل و غارت کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے گئے۔ ایک مغربی مفکر دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنی کتاب میں جو اعداد و شمار بیان کرتا ہے وہ کچھ یوں ہیں۔ جنگ عظیم اوّل چار سال چار ماہ تک جاری رہی۔ اس میں ایک کروڑ تین لاکھ عام افراد کے علاوہ ایک کروڑ فوجی ہلاک ہوئے۔ ایک کروڑ افراد بے گرھ ہوئے۔ نوے لاکھ بچے یتیم ہوئے اور بیوہ ہونے والی خواتین کی تعداد پچاس لاکھ ہے۔"(۱)

مادہ پرست اقوام کے باہمی مفادات کی جلائی ہوئی اس آگ کو ستمبر ۱۹۳۹ء کی صبح کو ایک بار پھر بھڑکایا گیا۔ جو دوسری جنگ عظیم کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ جنگ اپنی پیشرو سے زیادہ خطرناک تھی۔ فوجی اور سویلین کل ملا کر پونے چار کروڑ افراد اس آگ میں جل کر بھسم ہوئے۔ آج انسانیت کے حقوق کی بات کرنے والی مغربی اقوام کے قائد امریکہ نے اس وقت انسانیت پر قیامت ڈھا دی جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر یکے بعد دیگرے ایٹم بم گرائے گئے۔ دونوں شہر صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔

مادہ پرست و مفاد پرست سیاسی نظام نے انسانیت کو اس تباہی سے دوچار کرنے کے علاوہ افغانستان، عراق، لیبیا، شام، فلسطین اور کشمیر میں قتل و غارت کا سلسلہ خود اپنی نگرانی میں جاری رکھا ہوا ہے۔ معاملہ ابھی یہیں رکتا ہوا

---

(۱)۔ جنگ عظیم دوم، لوئیس ایل سنیائیڈر، (مترجم مولانا غلام رسول) (لاہور: دارالشعور)، ص: ۲۷، ۲۸

نظر نہیں آرہا۔ امریکہ بدمست ہاتھی کی طرح دنیا کی کمزور اقوام، بالخصوص مسلمانوں کو روندرہا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ امریکہ اپنے قول و عمل سے ایک اور عالمی جنگ کا میدان ہموار کر رہا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ جنگ پہلی دو جنگوں سے کئی گنا تباہ کن ہو گی۔

یہ ہیں جدید مادی نظام ہائے سیاست کے کڑوے ثمرات جو اس کی تمام خوبیوں کو بھی خامیوں میں بدل دیتے ہیں۔ موجودہ جمہوریت کے نام پر چنے والا سیاسی نظام پانچ غیر شرعی ارکان پر قائم ہے۔ اسی لیے اس نظام کو نہ مسلم معاشروں میں نافذ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ نظام حقیقی فلاح کا ضامن ہے۔ یہ پانچ ارکان درج ذیل ہیں۔

۱۔ کثرت رائے کو فیصلہ کی بنیاد بنانا

۲۔ ہر خاص و عام کو ووٹ کا حق دینا

۳۔ سیاسی جماعتوں کی ترویج

۴۔ نمائندگی کے لیے درخواست دینا

۵۔ ہر ووٹ کی مساوی حیثیت

اسلامی سیاسی نظام میں ان پانچوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے اسلام مغربی جمہوری نظام کو یکسر مسترد کرتا ہے۔

فصل سوم

مادیت کے تعلیمی و سیاسی نظام پر اثرات کا تدارک

مادیت کے تعلیمی نظام پر اثرات کا تدارک

تاریخ گواہ ہے کہ جب تلک دینی ورسمی علوم پر اہل اسلام کی دسترس رہی تو ان علوم و فنون کے مقاصد انسانی عظمت اور فلاح دارین رہے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مسلم علماء نے دنیا میں علم کو تحریک کی صورت عطاء کی۔ علوم فنون پر اعلیٰ طبقہ کی اجارہ داری ختم کی۔ اسلام کی علمی تحریک نے برتری اور فضیلت کے نئے معیارات مقرر کیے۔ حق و باطل کے پیمانے قائم کیے۔ اخلاقِ فاضلہ ورزیلہ کی نشاندہی کی۔ توحید کو قلوب و اذہان میں راسخ کیا۔ انسان صراطِ مستقیم پر گامزن ہوا۔ سائنسی علوم و فنون وجود باری تعالیٰ کی علامت اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ذریعہ بنے۔ تمام علوم وفنون، ہدایت، رضاء ربانی، قرب خداوندی اور معرفتِ الٰہی کی دولت و سرمایہ سے انسان کو مالا مال کر رہے تھے۔

پھر سقوط اندلس نے اہل اسلام کی سیاسی برتری کے ساتھ ساتھ علمی برتری کو بھی ختم کر دیا، جن لوگوں کے ہاتھ میں سیاسی قوت آئی، انہوں نے تعلیم اور مذہب کو ایک دوسرے کا متضاد قرار دیا۔ اسلامی اور اخلاقی اقدار فالتو اور غیر ضروری قرار پائے اور بد اخلاقی اور بے غیرتی کو روشن خیالی تصور کیا گیا۔ اب فکر کی بات یہ ہے کہ اس صورت حال میں اس مسئلہ کا تدرک کیسے ممکن ہے؟ ایسا نظام تعلیم نافذ کیا جائے جو دنیوی مہارات کے ساتھ ساتھ معرفت ربانی، مقصد زندگی اور خالص اخلاقی اقدار کی راہ پر گامزن کرنے کا وسیلہ بنے۔ اس نظام سے وابستہ افراد ماہر، مخلص اور پیشہ ور ہونے چاہئیں۔ اناڑی لوگوں نے ہمیشہ نقصان ہی پہنچایا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے ایسے لوگوں کی نشاندہی کچھ یوں فرمائی۔

> "اسلامی نظام تمدن کی ابتری کا اصل سبب دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ عالم دین جو اسلام کے عقائد واصول سے تو واقف ہے مگر ان کو لیکر علم و عمل کے میدان میں بڑھنا اور زندگی کے دائم التغیر احوال ومسائل میں ان کو برتنا نہیں جانتے۔ اسی طرح اس کلچر کے لیے وہ عالم دین بھی بیکار ہے۔ جو دل میں تو ایمان کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے۔ مگر دماغ میں غیر

اسلامی طریقوں پر سوچتاہے، معاملات کو غیر اسلامی نظر سے دیکھتا اور زندگی کو غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتا ہے۔"[1]

بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارے نظام تعلیم پر جن افراد کا ایک عرصہ سے تسلط ہے وہ اسی قسم کے افراد ہیں۔ بہر حال ہمیں اس کے تدارک اور حل پر فوری اور سنجیدہ غور فکر کی ضرورت ہے۔ ارباب اختیار کو بھی اس بارے اپنی زمہ داریوں کو نبھانا ہو گا۔ اس سلسلہ میں تین بنیادی سوالات کے جوابات ہماری رہنمائی کریں گے۔ اسی سے تعلیم کا ربانی مقصد حاصل ہو سکتاہے۔ فرمایا۔

﴿وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾[2]

ترجمہ: وہ انھیں کتاب حکمت سکھاتا اور پاک کرتا ہے۔

کتاب احکام ربانی ہیں حکمت ان اصولوں کی توضیح ہے، جس سے مادیت وروحانیت کے توازن کا پتا چلتا ہے۔ تزکیہ اصل میں تعلیم کا مقصد ہے۔ اس کی توضیح کی تفہیم کے لیے درج ذیل تینوں سوالات نہایت ہی بنیادی قسم کے ہیں۔

الف۔ یہ کہ ہم کون اور کیا ہیں؟ ہمادی زندگی کا مقصد کیا؟ ہماری اصلیت وحیثیت کیا ہے؟

ب۔ تعلیم کا اصل مقصد کیا ہے؟ تعلیم کے حصول اور اشاعت کا طریقہ اور مقاصد کیا ہیں؟

ج۔ سابقہ سوالات کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرنا ہو گا کہ نصاب و نظام تعلیم کیسا ہو؟ تعلیم کے مقاصد کے اہداف کیا ہیں؟

ان سوالات کے مختصر جوابات درجہ بہ درجہ یوں ہیں۔

الف۔ بطور مسلمان ہمیں یہ یاد رکھنا ہو گا کہ ہمارا دین ہم سے عقائد و عبادات کے علاوہ متعدد احکامات و اخلاقی اقدار کی پابندی کا تقاضہ کرتا ہے۔ انہی کو ہماری زندگی کا اصل مقصد قرار دیتا ہے۔ اس پر کاربند افراد کو برتر قرار دیتاہے۔ اس کی بنیاد قرآن حکیم ہے۔

((خَيرُكُم مَن تَعَلَّمَ القُرآنَ وَ عَلَّمه))[3]

ترجمہ: تم میں وہ بہترین ہے جو قرآن سیکھتا اور سیکھاتا ہے۔

۱۔ مودودی، تنقیحات، ص:۲۲۶

۲۔ آلِ عمران:۱۶۴

۳۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الصلوۃ، باب اجر قراۃ القرآنِ ولفظہ، ح:۱۴۵۲، صحہ الالبانی

اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو اس بات کی آگاہی ہے کہ میں ایک ناتواں مخلوق ہوں اور ہر لمحہ خالق قدیر کی عزت کا محتاج ہوں۔ میری حیثیت ایک ایسے بندہ و غلام کی سی ہے جس کے پاس مالک کی اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ اس اطاعت کے شارع نے علم کے ساتھ منسلک کیا۔ علم اور دلیل کا معیار اطاعت رسول کو بنایا۔ اس نظریہ کو سمجھنے کے بعد ہم نصاب و نظام تعلیم کی جہت متعین کر سکتے ہیں۔

ب۔ دوسرا اہم کام تعلیم کے اہداف اور مقاصد کا تعین ہے۔ ان اہداف و مقاصد کو اسلامی تہذیب اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہی تعلیم کے قبلہ کو درست کرنا ہے۔ جب مقاصد متعین ہوتے ہیں تو نظام خود بخود درست راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ہمارا نظام تعلیم عرصہ سے مغرب کے زیر اثر ہے۔ یہ اثر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ انگریز نے مسلمانوں اور بطور خاص بر صغیر کے مسلمان کے لیئے جو تعلیمی نظام مرتب کیا اس کا مقصد نوکریاں حاصل کرنا یعنی نوکر بنانا تھا۔ پونی صدی سے حاصل کردہ آزادی کے باوجود آج تک ہم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس غلامی سے نکلنے کے لیے ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے کہ جس کے مقاصد ان بنیادوں پر استوار ہوں جو پوری انسانیت کے معلم و مربی محمد مصطفیٰ ﷺ نے مقرر فرمائے۔ آپ ﷺ کے مقرر کردہ مقاصد تعلیم میں بنی نوح انسان کی رشد و ہدایت کو بنادی حیثیت حاصل تھی۔

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (۱)

ترجمہ: وہ انھیں کتاب حکمت سکھاتا ہے جب کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

تعلیم کا دوسرا اہم مقصد معرفت الٰہی ہے پھر حق و باطل کی تفریق اور اخلاقی اقدار کے حصول کے علاوہ حقوق و فرائض اور عبادات الٰہیہ کی انجام دہی ہے۔ تعلیم کے ان مقاصد نے انسان کو ہر قسم کی غلامی سے آزادی دلا کر مالک حقیقی کا غلام بنایا۔ آج پاکستان کو ریاست مدینہ کے طرز پر بدلنے کی بات ہو رہی ہے تو ارباب اختیار کو یہ سمجھنا ہو گا کہ اس تبدیلی کا راستہ صرف اور صرف تعلیم ہے۔ وہ تعلیم جس کے مقاصد رسول اللہ ﷺ کے تعلیمی مقاصد سے ہم آہنگ ہوں۔

ج۔ رہی یہ بات کہ ہماری تعلیم کا نصاب اور نظام کیسا ہو؟ اس مسئلہ کے حل کے لیے اوّل الذکر دونوں نکات کو بنیاد بنانے کے بعد اپنے نظام و نصاب کو ان بنیادوں پر استوار کرنا ہو گا۔ جب ہم اپنے مقصد زندگی کا

۱۔ آلِ عمران: ۱۶۴

ادراک حاصل کر لیں گے اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اس مقصد کے حصول میں تعلیم کا کیا کردار ہے؟ یہ بھی کہ دنیوی واخروی زندگیوں میں تعلیم کا کتنا اور کیا دخل ہے؟ تو نصاب و نظام تعلیم کی اصلاح زیادہ مشکل کام نہ رہے گا۔ یہ بات بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلم معاشروں کے نظامِ تعلیم کو مغربی مادیت کی سخت جکڑ بندیوں کا سامنا ہے۔ آخر کب تک یوں چلے گا کسی نہ کسی کو یہ کام شروع تو کرنا ہے۔ اس کے لیے بلند حوصلہ، پہاڑ جیسی ہمت وجرات چاہیے۔ منزل تک رسائی ناممکن نظر آتی ہے۔ تاہم کام کے آغاز کے لیے ضروری نہیں کہ منزل تک رسائی کے تمام وسائل آپ کو دستیاب ہوں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہمیں ایسی ہمت فراہم کرے گا کہ راستہ آسان ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے بنی نوع انسان کے بقاء کی تحریک کس طرح بے سروسامانی کے عالم میں شروع کی اور بنصر اللہ منزل پر پہنچ کر رہے۔

سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

> "اس غیر فطری اور غیر ضروری صورتِ حال سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں کہ اس پورے نظام کو یکسر ختم کر کے نئے سرے سے نیا نظامِ تعلیم تیار کیا جائے جو امت کے قدو قامت پر راست آتا ہو۔ اس کی دینی و دنیوی ضروریات پوری کر سکتا ہو۔ اس مسئلہ کا حل کتنا ہی صبر آزما، دشوار اور دقت طلب کیوں نہ ہو، اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کو بدل کر امت مسلمہ کے عقائد، زندگی کے نصب العین، مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے۔ اس کے تمام اجزاء سے مادیت، خدا سے سرکشی، اخلاقی و روحانی اقدار سے بغاوت اور جسم و خواہشات کی پرستش کی روح اور اسپرٹ کو ختم کر کے تقویٰ، انابت الی اللہ، آخرت کی فکر اور پوری انسانیت پر شفقت کی روح جاری و ساری کر دی جائے۔"(1)

مذکورہ بنیادی سوالات کی تفہیم کے بعد ہم بطور قوم و امت نہ صرف یہ کہ موجودہ مادیت زدہ نظام تعلیم سے نہ صرف چھٹکارہ حاصل کر سکیں گے بلکہ اس کی اصلاح و تدارک کی راہ بھی آسان ہو گی۔ تعلیم سے مادیت کے اثرات کو ہٹانے کے لیے درج ذیل اہم اقدامات بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔

---

(1)۔ الندوی، سید ابوالحسن علی، اسلامی ملکوں میں نظام تعلیم کی اہمیت، ص:۲۲

۱۔ ہمیں آج اپنے تعلیمی نظام کا تنقیدی جائزہ لینا ہو گا۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ اس کی خوبیاں کیا ہیں اور خامیاں کتنی ہیں؟

۲۔ تعلیم کا نظام اس انداز سے طے کرنا ہو گا کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق روحانیت اور مادیت میں توازن برقرار رکھا جا سکے۔

۳۔ دینی اقدار کو تعلیمی نظام و نصاب میں متوازی مقام دینا جس سے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا مقصد بھی حاصل ہو گا۔

۴۔ اخلاقیات کو بھی نصاب تعلیم کا متوازی حصہ بنانا ہو گا بلکہ مسلم معاشرے کی معاشرت کا دارومدار اخلاق پر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ))[۱]

ترجمہ: قیامت کے دن مؤمن کے ترازو میں تُلنے والی وزنی ترین چیز اس کا خلق حسنہ ہو گا۔

۵۔ مقاصد تعلیم کا دوبارہ جائزہ لینا ہو گا پھر اس بات کا تعین کرنا ہو گا کہ یہ نظام ہمارے مادی اور روحانی تقاضوں کو کس حد تک پورا کرتا ہے۔

۶۔ اس کے بعد نصاب تعلیم کا بھی از سر نو جائزہ لینا ہو گا، جس میں اس بات کا بغور مطالعہ کرنا ہو گا کہ ہمارا نصاب ایسا ہو جو قومی امنگوں، عصری و ملی تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔

۷۔ اسلامی تعلیمات کے مضمون کو طلبہ کے مراتبِ عمری کے حساب سے ہر کلاس میں لازمی مضمون کے طور پر پڑھایا جائے۔

۸۔ ذریعہ تعلیم اردو زبان ہونی چاہیے، دوسری اقوام کی زبان سیکھنے میں کوئی مزائقہ نہیں تاہم اس کو پوری قوم پر مسلط کرنا فطرت کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے انبیاء کو استاد بنا کر بھیجا تو ہر نبی کو اس کی قوم میں سے ان ہی کی بولی بولنے والا بھیجا۔ کتاب بھی انھی کی زبان میں نازل فرمائی۔

۱۔ الترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب ماجافی حسن الخلق، ح ۲۰۰۲

۹۔ دینیات کے نصاب کو عصری تقاضوں اور حالات کے مطابق بنانا ہو گا تاکہ نوجوان نسل کی بہتر رہنمائی ہو سکے۔

۱۰۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اس تعلیم کے نتائج (out comes) کا تعین بھی بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ اس سے ہم مقاصد سے آغاز اور نتائج پر انتہاء کریں گے تو تعلیم کا قبلہ درست رہے گا۔ آج ہماری تعلیم کا مقصد (objective) واضح ہے نہ ہمارے سامنے اس کے نتائج (out comes) متعین ہیں۔

۱۱۔ آخری اور اہم ترین یہ کہ چیک اینڈ بیلنس کا ایک ایسا مضبوط نظام قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔ جس کے ذریعہ ہم اس نظام سے منسلک ہر چیز کے معیار پر نظر رکھیں اور وقت و حالات کے مطابق تبدیلی کی تجاویز بھی مرتب کریں۔

درج بالا نکات ہی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم آئندہ بحث میں تعلیمی نظام کو مادیت سے بچانے کے لیے اہم اصلاحات کا ذکر کریں گے۔ اسلامی علمی تحریک نے جن اصول وضوابط پر تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی ان میں اہم ترین درج ذیل ہیں۔

علم کا سرچشمہ:

اسلام نے اللہ تعالیٰ کو ازلی اور ابدی سرچشمہ علم قرار دیا ہے۔ آدم کو اس وقت علم سکھایا جب وہ اپنی تخلیق کے بعد ابتدائی ایام حیات میں تھا۔

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ (۱)

ترجمہ: اور آدمؑ کو تمام نام سکھا دیئے۔

انبیاء کو مبعوث کر کے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی تعلیم کا اہتمام کیا۔ کتب سماویہ نازل فرمائیں۔ یہ کتب انسان کے ہر سوال کا جواب علمی طور پر دیتی ہیں۔ فرمایا۔

﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۲)

ترجمہ: ہر چیز کی تفصیل ہے۔

۱۔ البقرہ:۳۱

۲۔ النحل:۸۹

مادیت اور روحانی دونوں کے بارے میں علم ور ہنمائی عطاء کی۔ ان میں توازن کا اصول عطاء کیا۔ پھر یہ بھی تعلیم دی کہ مادیت کو روحانیت کے تابع رکھنا ہے۔ اسلام نے تعلیم برائے تعلیم کے بجائے تعلیم برائے تربیت کا تصور دیا ہے۔ دونوں برابر اہم اور لازم وملزوم ہیں۔ علمی اعتبار سے اصلی اور حقیقی سچائی وہ ہے جس کی بنیاد وحی الہٰی پر ہو۔

تعلیمی مقاصد کا تعین:

تعلیم بذات خود مقصد و منزل نہیں ہے۔ یہ تو ایک ذریعہ ہے، مقصد کے حصول اور منزل کے وصول کا، تعلیم کے اسلامی ضوابط میں اس اصول کو اس لیے خاص اہمیت حاصل ہے کہ تعلیم تہذیب و تمدن اور مقصد زندگی کو متعارف کرانے اور اس تک پہنچانے کا بنیادی وسیلہ ہے۔ اس لیے نظام تعلیم کو اس بنیادی مقصد کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ تعلیم معاشرے کی اصلاح و تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ مقصد حیات (جو کہ عبادت الہٰیہ ہے) کے قریب ترین رکھے۔ قرآن نے یہ مقصد زندگی بتایا۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[1]

ترجمہ: اور جنوں اور انسانوں کو ہم نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

علم فرد اور معاشرے میں اصلاح کا عمل دلیل کے ساتھ جاری وساری رکھتا ہے۔ تعلیم ہی انسانی معراج کا ذریعہ ہے۔ فرمایا:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾[2]

ترجمہ: اللہ بلند کرتا ہے ان لوگوں کے درجات جو تم میں سے ایمان والے اور وہ لوگ جو صاحبِ علم ہیں۔

معاشرے کی فلاح وترقی کے لیے نظام تعلیم میں دینی تعلیمات کو بنیادی حیثیت دینا نہایت ضروری ہے۔ جب ہم تعلیمی نظام میں دینی روح کو زندہ کریں گے تو معاشرہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی طرف متوجہ ہو گا۔

فرد و معاشرہ میں توازن:

اسلام کے مقرر کردہ مقاصد تعلیم میں فرد اور معاشرے کی اصلاح و ارتقاء کو برابر اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی علمی تحریک کی خوبی ہے کہ اس میں فرد و معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ہر فرد کو

۱۔ الذاریات:۵۶

۲۔ المجادلہ:۱۱

اپنے اعمال کا ذمہ دار اور ان کی جواب دہی کا احساس و تربیت دیتا ہے۔ حقوق و فرائض کی تقرر سے اس نظام کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ والدین سے لے کر امام وقت تک ہر کسی کو اس پر جوابدہ قرار دیا۔

﴿فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ﴾[1]

ترجمہ: تم میں ہر کوئی نگران ہے اور ہر کوئی اپنی رعایہ کے بارے میں جوابدہ ہے۔

اسلام شخصی آزادی میں مداخلت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ فرد کو اجتماعی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ تربیت فرد اور معاشرے میں ربط کا باعظ ہوتی ہے۔ معاشرہ، تفرقہ بازی اور انتشار سے محفوظ رہتا ہے۔ فرد کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ قومی اور اجتماعی ذمہ داری سے پہلو تہی نہ کرے۔ معاشرتی سماجی اور قومی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔

علمی وحدت:

اسلام کے نظام تعلیم کے بنیادی اصولوں میں اس بات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ تعلیمی نظام میں ایسی وحدت ہو جو فرد اور معاشرے میں تفاوت و افتراق کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرو دے۔ مادہ پرستوں نے جب سے دنیا کی سرپرستی سنبھالی جہاں معاشرے کو ہر اعتبار سے تقسیم کیا وہاں نظامِ تعلیم کو بھی تقسیم کر دیا۔ اس نظام تعلیم نے آج معاشروں کو تقسیم در تقسیم سے دوچار کرر کھا ہے۔ اسلام تعلیم کو وحدت ملت کی علامت قرار دیتا ہے۔ آپ ﷺ خطبہ الوداع میں فرمایا تھا:

((تَرَكتُ فِيكُم اَمرَينِ لَن تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكتُم بِهِمَا كِتٰبَ اللهِ وَسُنَّتِي)) [2]

ترجمہ: میں تم میں دو حکم چھوڑے جا رہا ہوں، تم اس وقت تک گمراہ نہ ہو گے جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھام رکھو گے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری میری سنت ہے۔

قرآن وسنت جہاں علم کی بنیاد ہیں وہاں یہ ملت کے اتحاد کی ضامن بھی ہیں۔

کردار سازی:

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستقراض، باب العبد راع فی مال سیدہ، ح:۸۹۳

(۱)۔ الحاکم، محمد بن عبداللہ نیساپوری، المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، ح:۳۱۹

اسلام کے بنیادی تعلیمی ضوابط میں کردار سازی کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ کردار سازی تعلیم کی منزل مقصود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جو پانچ سوالات ہر بندے سے پوچھے جائیں گے۔ ان میں سے ایک یہ ہو گا۔

((وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ)) [(۱)]

ترجمہ: اور جتنا تمہیں علم حاصل تھا اس پر عمل کتنا کیا۔

قرآن کا ایمان کے ساتھ عمل صالح کا مطالبہ اور نبی اکرم کے مقصد بعثت میں تعلیم کتاب کے ساتھ ساتھ تذکیہ نفس کی ذمہ داری کا بیان اسی ہی کے دلائل ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ

"تعلیم کا مقصد فرد کی محض تعلیمی پیاس بجھانا ہی نہیں۔ اس کا اصل مقصد اس میں اخلاق و کردار اور معاشرتی زندگی کے اقدار کا احساس پیدا کرنا ہے۔" [۲]

آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اس سلسلہ میں تعامل اسوہ حسنہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے والدین اور اساتذہ کا کردار نہایت اہم ہے۔ والدین اپنے کردار اور اساتذہ نے گفتار و عمل دونوں اعتبار سے خود کو ایک نمونہ کے طور پر طلبہ کے سامنے پیش کریں۔

بہتر معیارِ زندگی کا حصول:

اسلام زندگی کے ہر معاملہ میں اعتدال کا درس دیتا ہے۔ اسلام کے تعلیمی ضوابط میں سے ایک یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد فرد و معاشرے کی زندگی کے معیار کو مادی اور روحانی دونوں اعتبار سے بلند کرنا، اسلام فرد کی رائے کا احترام کرتا اور زینت دنیا کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿كلوا واشربوا ولا تسرفوا﴾ [۳]

ترجمہ: کھاؤ پیؤ اور اسراف نہ کرو۔

اسلام کی نظر میں فرد کی محنت اور مشقت قابلِ قدر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِن كَسبِ الرَّجُلِ كَسبٌ، اَطيَبُ مِن عَمَلِ يَدِهٖ)) [٤]

---

(۲)۔ الترمذی، السنن، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق، والورع، باب ماجاء فی شانِ الحساب والقصاص، ح:۲۴۱۶

۲ ۔ امام غزالی، احیاءِ اسلام، باب فی العلم، ص:۱/ ۱۵۰

۳ ۔ الاعراف:۳۱

۴ ۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، ح:۲۱۳۸

ترجمہ: بندے کی کمائی میں کوئی بھی ایسی کمائی نہیں جو اس کے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاکیزہ ہو۔

مشقت کی تربیت فرد اور معاشرے کی معیشت کو بہتر بناتی ہے۔ اس طرح ملکی معیشت بھی ترقی کرتی ہے اور معیارِ زندگی بہتر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ جب معیشت بہتر ہو گی تو انسان تفکرات سے آزاد ہو کر آخرت کی تیاری پر پوری توجہ مرکوز کر سکے گا۔ اس طرح وہ زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد و منزل کی طرف تیزی اور کامرانی سے گامزن ہو سکے گا۔ تعلیمی نظام کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے کی سیاسی، سماجی، معاشی، فنی اور سائنسی ضروریات کو پورا کرے، تاکہ فرد و معاشرہ معاشی استحکام کے بعد عبادت الٰہی پر بھرپور توجہ دے سکے۔

اسلام کے تعلیم کے لیے مقرر کردہ ان بنیادی اصول ضوابط کی پابندی ہی سے آج ہم تعلیمی نظام پر سے مادیت کے اثرات دور کر سکتے ہیں۔

تعلیم پر مادیت کے غلبے کا تدارک:

تعلیم دراصل ذریعہ ہے تہذیب و اقدار کے ایک نسل سے دوسری تک منتقل کرنے کا۔ معاشرے کی بقاء بھی اسی پر قائم ہے۔ اسلام کی نظر میں علم کا تعلق حقیقت مطلقہ کے ادراک کے ساتھ ساتھ محسوسات کی معرفت اور انسانی بصیرت سے ہے۔ تاہم جدید مغربی تہذیب اس معاملہ میں مختلف نظریہ رکھتی ہے۔ اس فرق کو اقبال یوں بیان کرتے ہیں۔

> "اختلاف اس بات کا ہے کہ اسلام نے عینی اور واقعی یا حقیقت و مجاز کے اتصال کا اعتراف کرتے ہوئے دنیائے مادیت کو رد نہیں کیا بلکہ لبیک کہتے ہوئے اس کی تسخیر اور تصرف کی راہ دکھائی تاکہ ہم زندگی کا نظم و انضباط واقعیت کی اساس پر قائم کریں۔"(۱)

مغرب نے چونکہ تعلیم کو مادی نظریہ سے دیکھا تو اس میں سے حقیقت و واقعیت کو خارج کر دیا۔ تعلیمی نظام کو کمرشلائز بنیادوں پر استوار کیا۔ وطن عزیز کا تعلیمی نظام مکمل طور پر اس کی زد میں ہے، مادیت کے پنجوں سے اس کو چھڑانا کسی بڑے چیلنج سے کم نہیں۔ مادیت زدہ نظام میں تعلیم یافتہ فرد کی بھی قیمت مقرر کی جاتی ہے یہ نظامِ تعلیم آج مسلم معاشروں میں فکری الحاد، ارتداد اور کفر کا باعث بن رہا ہے۔ جس طرح عالمی سرمایہ داروں اور مادہ پرستوں نے اس نظام کو اپنے کنٹرول میں لے رکھا ہے اس کو واپس اسلامی خطوط پر لانا بڑا چیلنج ہے۔ مادہ پرستوں نے ہر اعتبار سے

---

(۱)۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، سیّد نذیر نیازی، (لاہور: بزم اقبال، ۲۰۰۳)، ص:۱۹

مسلم معاشروں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اس گرفت سے آزادی کے بعد ہی امتِ مسلمہ اسلامی نظامِ زندگی اپنانے کے قابل ہو سکتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے امت کو چند اہم اقدامات اٹھانے کی فوری ضرورت ہے۔

ا۔ ملی اتحاد:

مغربی استعماری نظام نے امت کو ٹکڑوں، گروہوں، ملکوں اور اقوام میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھیں باہم دست و گریباں رکھنے کے لیے نئے نئے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت اور ارباب اختیار اس کا ادراک کرتے ہوئے ملی اتحاد کے استحکام کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کریں۔ سیاسی، مسلکی اور علاقائی اختلافات کو ختم کریں، دشمن کے حملوں اور چالوں پر نظر رکھتے ہوئے اپنا دفاعی نظام قائم کریں۔ ملی اتحاد معاشرتی اور معاشی مضبوطی و ترقی کا ضامن ہے۔ اس کے بعد ہم خود انحصاری کے باعث آزادانہ فیصلے کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے عرب کے قبائلی نظام کو ختم کر کے سب کو اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے تعلیم کو ذریعہ بنایا تھا۔ آج اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملی و قومی اتحاد بحال ہو سکے تو ہمیں اپنے تعلیمی نظام کی اصلاح کے لیے کمر بستہ ہونا پڑے گا۔

۲۔ ملی تشخص کی بحالی:

مغربی تقلید نے امت کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ اس کے ملی و دینی تشخص کو مسخ کرنا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے میڈیا اور خود ساختہ نظام تعلیم کو وسیلہ بنایا۔ مغربی تہذیب چونکہ قوم پرستی پر قائم ہے جس کا خمیازہ آج وہ بھگت رہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لے کر امت کے لیے ایسا نظام وضع کریں جس سے اس کا دینی و ملی تشخص بحال ہو سکے۔ اس سلسلہ میں اقبال کے فلسفہ سے رہنمائی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ آپ کے کلام، فلسفہ اور پیغام نصاب تعلیم کا حصہ ہونا چاہیے۔ آپ کے فلسفہ قومیت و خودی کو عام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے کلام کو محض اردو ادب تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسلامیات، فلسفہ، نفسیات، تاریخ و عمرانیات، سیاسیات و معاشیات اور انگریزی وغیرہ کے نصابات میں بھی شامل کیا جائے۔ یہ بھی کہ آپ کا پیغام تمام کلاسوں میں حسب درجہ شامل کیا جائے تاکہ ہمارے بچے اسلام و اقبال کے شاہین بنیں نہ کہ مادہ پرست زاغ۔

۳۔ نظامِ تعلیم میں یگانگت:

پوری امت اور تمام اسلامی ممالک کو چاہیے کہ دینی و فنی علوم کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے لیے یکجا ہو جائیں۔ تمام مسلم ممالک مل کر ایک نظام تعلیم مقرر کریں۔ بدلتے حالات اور جدید تقاضوں اور چیلنجز

پر نظر رکھیں۔ نظام و نصابِ تعلیم کو حالات کے مطابق بہتر سے بہترین کی طرف لے جائیں۔ مادیت زدہ نظامِ تعلیم سے فوراً جان چھڑائیں۔ پرائیویٹ اور سرکاری معیار تعلیم میں تفاوت کو ختم کرنا ہوگا۔ صحت کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بجٹ بڑھانا ہو گا۔ سرکاری اداروں کا معیار تعلیم بلند کرنا ہو گا تاکہ عوام و خواص تمام کے بچے یکساں تعلیم حاصل کریں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کو پرائمری درجہ پر بطور استاد مقرر کرنا ہو گا۔ ان اساتذہ کی تنخواہ اور گریڈ کو بڑھانا ہو گا۔ پرائمری سطح پر تعلیم کی بہترین سہولیات کا اہتمام کرنا ہو گا۔ اس سلسلہ میں چند اہم عملی اقدامات درج ذیل ہیں۔

الف۔ وسیلۂ تعلیم:

تمام مسلم ممالک کو ایک جیسا نصاب و نظامِ تعلیم بنانے کے بعد اس کا ذریعہ اور وسیلہ اپنی قومی زبان کو بنانا چاہیے۔ وطن عزیز کی تعلیمی ترقی میں بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ ہم نے اغیار کی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا رکھا ہے۔ یہ نہ صرف تعلیمی تنزلی کا باعث ہے بلکہ احساس کمتری اور غلامی کی سوچ قوم میں پیدا کرتی ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی طرف اجنبی زبان والا نبی ورسول اور کتاب نہیں بھیجی۔ ہر قوم کی طرف اس کی زبان بولنے والا اور ان کے کلچر سے واقف انھی میں سے نبی مبعوث فرمایا۔ تاہم دوسری زبانوں کو بطور زبان سیکھنا بری بات نہیں بلکہ قابل تعریف بات ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے چند صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم کو عبرانی اور سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ یوں آج ہمیں انگریزی کو بطور زبان سیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حرج یہ ہے کہ ہم اس اجنبی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر اپنے طلبہ کے لیے تعلیم کی راہ میں ایک رکاوٹ کھڑی کر دیتے ہیں۔ اسی لیے محاورہ مشہور ہے کہ:

"تعليم اللغات الاجنبيه واجب، والتعليم باللغات الاجنبيه جريمة حضارية و قوميه"

ترجمہ: غیر قومی زبانوں کی تعلیم واجب ہے جب کہ غیر قومی زبانوں میں تعلیم دینا تہذیبی اور قومی جُرم ہے۔

یہ زبان اردو ہی تھی جس کی بقاء کے لیے نظریہ پاکستان وجود میں آیا، ہزاروں لاکھوں جانیں قربان ہوئیں۔ پاکستان تو قائم کر دیا اس نظریہ نے مگر خدا جانے کس کی نظر لگ گئی اردو کو؟ زبان ملی یکجہتی، اتحاد، افہام و تفہیم، تعلیمی و تہذیبی بقاء و ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے باعث ہم آج درج بالا خوبیوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس محرومی سے نجات اپنی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا ہے۔

ب۔ نصابِ تعلیم کی یکسانیت:

یکساں تعلیمی نصاب قومی و ملی اتحاد و ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ متفرق نصاب ہائے تعلیم نے مسلم و غیر مسلم تمام معاشروں کو تقسیم و تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کم از کم انٹر میڈیٹ تک ایسا یکساں تعلیمی نصاب ہو جو پورے ملک میں رائج ہو۔ سرکاری، پرائیویٹ اور مدارس دینیہ سب اس کے پابند ہوں۔ حکومت کا اس سلسلہ میں کردار نہایت اہم ہے۔ ماہرین تعلیم کی ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی بنائی جائے۔ مسلم ممالک کے ماہرین تعلیم سے بھی رہنمائی لی جائے۔ اس کے علاوہ مغربی ممالک کے نظام تعلیم اور طرق تعلیم سے بھی استفادہ کیا جائے۔ اس لیے کہ:

﴿الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، حَيْثُمَا وَجَدَهَا، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا﴾[1]

ترجمہ: حکمت مؤمن کی گم شدہ چیز ہے جہاں سے ملے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اچھے نظام تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ اس نظام میں وقت، حالات اور نئے چیلنجز کے مطابق ترقی و تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جو نئے پیش آمدہ حالات و تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو اور نہ قومی اور ملی اتحاد، ضروریات اور معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کا حل۔ مغرب آج اپنے نظام تعلیم میں اس بات پر زور دے رہا ہے کہ تعلیم کا بدلتے حالات و ضروریات کے مطابق ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس پر وہ نظر رکھتے ہیں اور آئے روز تبدیلیاں کرتے ہیں۔ ہمیں پچھلے تیس سالوں سے Mr. Chips اور اس طرح کا فرسودہ نصاب پڑھایا جا رہا ہے۔

ج۔ عصری علوم کی مغربی رہنمائی:

سائنسی اور عصری علوم میں مغرب نے زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ ان علوم میں ان سے رہنمائی حاصل کرنا بہت اہم ہے۔ تاہم ان کے نصاب و نظام کو لیتے ہوئے ان کا تنقیدی جائزہ لینا اور بعض مقامات پر اس کی تطہیر نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے مرتب کردہ عمرانی علوم میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ آخری تین صدیوں سے ان کے ہاں پروان چڑھنے والے ان علوم کی بنیاد الحاد، مثالیت، ثبوتیت، افادیت اور مادیت جیسے نظریات پر قائم ہوئی۔ یونیورسٹی سطح پر ہمیں اپنا نصاب خود مرتب کرنا چاہیے جب کہ مغربی علوم کی تنقید تدریس کی طرف اپنے طلبہ کو لانا چاہیے۔ اس سے طلبہ دونوں تہذیبوں کا موازنہ کرتے ہوئے اپنی اقدار اور تہذیب کی بہتر انداز سے قدر کریں گے۔ پر اعتماد فرد کی طرح قوم و ملت کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔ آج

۱۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الذھد، باب الحکمۃ، ح:۴۲۶۹

اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری یونیورسٹیاں اور ہمارے محققین مغربی تہذیب پر تحقیقی و تنقیدی کام کریں۔ آج مغرب میں جتنا اسلام پر لکھا جارہا ہے اس کا عشر عشیر بھی امت کی طرف سے مغربی تہذیب پر نہیں لکھا جارہا۔ محمد قطب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ اقبال اور مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی افکار و ابحاث کو زندہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ امت کے سامنے دلائل کے ساتھ یہ بات رکھنے کی ضرورت ہے کہ مغربی تہذیب نے انسانیت کو مادی اعتبار سے کئی خوبیوں اور کامیابیوں سے ہمکنار تو کیا مگر روحانی اعتبار سے اس کو ہلاکت و تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ اقبال فرماتے ہیں۔

> "بنی نوع انسان کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک کائنات کی روحانی تعبیر اور دوسرا فرد کا روحانی استخلاص اور تیسرا ایسا بنیادی اصول جو عالمگیر نوعیت کا ہو اور جس سے معاشرتی ارتقاء روحانی بنیادوں پر ہو۔"(۱)

وقت کا تقاضہ اور اقبال کا فلسفہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہمارے نظام تعلیم کی اسلامی خطوط پر تشکیل نو ہونی چاہیے۔ اس کے لیے درج ذیل عملی اقدامات اہم ہیں۔

الف۔ نظام تعلیم کی اسلامی اصولوں پر استواری:

کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں نظام تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ دور حاضر میں تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ترقی یافتہ ممالک تیسری دنیا کے ممالک میں بنیادی فرق تعلیم اور تعلیمی نظام ہی کا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے تیسری دنیا کے لوگوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے ان پر فرسودہ نظام تعلیم مسلط کر دیا ہے۔ اس کا مقصد ان کو اپنی غلامی میں جکڑے رکھنا اور ان پر ترقی کی راہیں مسدود کرنا ہے۔ وطنِ عزیز کا تعلیمی نظام بھی دورِ غلامی کی مردہ روح کے ساتھ چل رہا ہے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ اس نظام کو جلد از جلد تبدیل کرتے ہوئے نئے نظام کے اسلامی اصولوں پر استواری کے اقدامات کئے جائیں۔ اس نظام کی تبدیلی میں بیرونی قوتوں کے ساتھ مقابلہ کسی چیلنج سے کم نہیں تاہم حکومت اور عوام اس مسئلہ پر یکجہتی سے اس چیلنج کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تین چیزوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ انتظامیہ اور ادارے　　　۲۔ نصابِ تعلیم　　　۳۔ اساتذہ

---

(۱)۔ تشکیل الٰہیات، خطبہ نمبر ۶، ص: ۲۷۵

انتظامیہ میں ایسے افراد کا تقرر ہونا چاہیے جو نظریہ اسلام اور نظریہ پاکستان کا پاس رکھتے ہوں، باکردار محبِ وطن اور اسلامی فکر و فلاسفی سے آگاہ ہوں۔ انتظامیہ کو تعلیم میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس فکر کے افراد (جو ماہر تعلیم بھی ہوں) سے قومی تعلیمی پالیسی کو مرتب کرنے میں رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ پرائیویٹ تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لیے بھی ایسے افراد کو آگے آنا چاہیے جو اسلام، اہلِ اسلام اور پاکستان سے محبت کرتے ہوں۔ چند ایک ادارے آج وطن عزیز میں قائم ہو چکے ہیں جو دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم میں بھی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ نظریہ اسلام کو نصابِ تعلیم کی روح بنانے کے لیے حکومت اور ماہرین، انتظامیہ اور اساتذہ کو مل کر اور انفرادی طور پر عصری تقاضوں کے مطابق نصاب سازی میں کردار ادا کرنا ہو گا۔ نظامِ تعلیم کے روحِ رواں اساتذہ کرام ہوتے ہیں۔ انھیں معاشرتی اور سرکاری سطح پر اعلیٰ مقام دینے کی اشد ضرورت ہے۔ اساتذہ کی توقیر علمی ترقی کا ذریعہ ہے۔ اساتذہ کی تقرری میں اعلیٰ تعلیم کے ساتھ اسلامی فکر واقدار و کردار کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ طلبہ و طالبات پر ان اساتذہ کی تعلیم و کردار کا منعکس ہونا فطرتی عمل ہے

ب۔ اسلامی نظریہ تعلیم کو مطلوب افراد اور معاشرے:

اسلام نظریہ تعلیم کا مطلوب فرد اور معاشرے کی ایسی تربیت کرنا ہے جس کے باعث وہ اخلاقِ حسنہ اور صفات حمیدہ سے آراستہ ہوں۔ خود غرضی، لالچ، ظلم و تعدی سے بالاتر ہوں۔ عبادات کی معراج سے معاملات و اخلاقیات کی عظمتوں تک پہنچ جائیں۔ ان خوبیوں میں چند اہم درج ذیل ہیں۔

الف۔ نظریہ کی مضبوطی:

کسی بھی شخصیت کی اہم اور بنیادی خوبیوں میں سے اہم اس کی مثبت سوچ و نظریہ کی پختگی ہے۔ اسلام اس تربیت کا اہتمام عقائد کے ذریعہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان جب مظاہر فطرت کے مشاہدے سے اس میں رسوخ حاصل کر لیتا اور جب فرد کے دل و دماغ میں رچ بس جاتا ہے تو اس فرد کے عام معاملات و حالات میں بھی پختگی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ مضبوط فیصلوں کے باعث تیزی سے ترقی کرتا ہے۔ اس کا فائدہ پورے معاشرے کی ترقی اور اتحاد کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ مسلم معاشرہ جب ان بنیادی اور اہم ہستیوں اور اشیاء کے بارے متفقہ رائے قائم کرتا ہے تو نظریاتی معاشرہ بن جاتا ہے۔ یکجہتی، اتحاد اور ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہو جاتا ہے۔ فکر آخرت فرد اور معاشرے میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتے ہیں جبکہ عبادات عملی طور پر فرد و معاشرے کی تربیت و

معراج کے باعث عبادالرحمٰن کے مقام پر مستوی ہو جاتے ہیں۔عبادات اور معاملات دونوں میں احکام ربانی کے پابند ہوتے ہیں۔

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ----- والذين هم علىٰ صلوٰتهم دائمون﴾(۱)

ترجمہ: اللہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔۔۔۔۔اور وہ لوگ اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔

ب۔بامقصد اور منظم طرز زندگی:

اسلامی نظام تعلیم کا مقصد ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جس کے ہر فرد کا مقصد زندگی اس کے لیے نصب العین کا درجہ رکھتا ہے۔اپنی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے علاوہ معاشرے کے باقی افراد کے فلاح دارین کو بھی وہ اپنی ذمہ داری سمجھے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (۲)

ترجمہ:اے ایمان والو!اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو جہنم سے بچاؤ۔

اسلام نے حقوق و فرائض کی تعلیم کو اس کا ذریعہ بنایا جس معاشرے میں حقوق و فرائض کو ہر فرد ذمہ داری اور احساس جوابدہی سے ادا کرتا ہے تو ایسا معاشرہ ہر اعتبار سے منظم و مؤدب بن جاتا ہے۔باہمی احترام، اخوت و مساوات اور ایثار اس معاشرے کے اقدار بن جاتے ہیں۔

﴿مَثَلُ المُؤمنِينَ فِي تَوَادِهِم وَ تَرَاحُمِهِم وَتَعَاطُفِهِم كَمَثَلَ الجَسَدِ﴾ (۳)

ترجمہ: آپ مؤمنین کو ان کی باہمی رحم دلی، محبت و شفقت میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے۔

(ج) معاشرتی و ملی ذمہ داری کا احساس:

اسلام جس تعلیم کا حکم دیتا ہے اس کا ایک مقصد معاشرتی اور ملی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنا ہے۔یہ احساس گرے ہوئے اور مجبور فقراء کی امداد کی ترغیب دیتا ہے۔مشکلات و مصائب میں تعاون کرنے کی سوچ پیدا کرتا ہے۔دوسروں کی خوشی میں شریک ہونے اور غمی میں سہارا بننے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ملی و قومی ذمہ داری کا

ا۔الفرقان:۶۳

ا۔التحریم:۶

(۲)۔المسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم وتوادھم، ح:۲۰۸۹

احساس ملک سے محبت اور اس کے دفاع کے لیے ہر سطح پر ہمہ تن گوش رکھتا ہے۔ ملک دشمن عناصر پر کڑی نظر رکھنا اور قومی اتحاد کے لیے ہر قسم کی تفرقہ بازی سے بالا تر فکر کا حامل ہونا۔ ایسی سوچ ہو جسے اسلام نے ایمان کی کسوٹی قرار دیا ہے۔

﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ﴾ (۱)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہ ہو گا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی ویسا ہی پسند نہ کرے جیسا وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

آج الحاد اور مادیت کے پنجہ استبداد نے جس طرح معاشروں کو گمراہی اور ظلم کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے، ہماری اہم ترین قومی ذمہ داری یہ بن چکی ہے کہ ہم الحاد کا شکار ہونے والی نوجوان نسل اور مادہ پرستوں کی غلامی اور ظلم سے معاشروں کو آزادی دلانے کی جستجو کریں۔ اسلام اس احساس کی تربیت رحم دلی، اخوت، ایثار اور جوابدہی کی فکری تعلیم سے کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ (۲)

ترجمہ:۔ تم اہلِ زمین پر مہربان ہو جاؤ تو تم پر آسمان والا مہربان ہو گا۔

(د) پُر عزم اور باشعور معاشرہ:

بڑی کامیابی اور اونچی منزل کا اکثر اوقات راستہ طویل و دشوار ہوتا ہے۔ بدلتے حالات اور آئے روز چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے معاشروں کو پر عزم قیادت اور باشعور قوم درکار ہوتی ہے۔ تعلیم ان افراد کو شاہیں صفت بناتی ہے۔ ان کی نظر وقتی اور انفرادی فوائد کے بجائے، اعلیٰ اور اجتماعی مفاد پر ہوتی ہے جس کے لیے وہ متحد ہو کر جد وجہد کرتے ہیں۔ ان کے پختہ ارادے اور یقین محکم منزل کی دوری اور مشکلات کو آسان بنا دیتے ہیں۔ یہ پُر عزم لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جان و مال کی ہر قربانی کے لیے تیار اور کوشاں رہتے ہیں۔ اس نظریہ تعلیم کے تیار کردہ افراد معاشرے میں امر بالمعروف و نھی عن المنکر کے تحت اصلاح کا عمل بے لوث جذبے کے تحت کرتے ہیں۔ روحانیت، سرفرازی اور مادہ پرستانہ کلچر کی بیخ کنی کے لیے ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ خود خیر و حق کو اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے اس کے حریض ہوتے ہیں۔ وہ نہ مرعوب ہوتے ہیں نہ شرمندہ۔

---

(۳)۔ البخاری، کتاب امور الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، ح:۱۳

ا۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی رحمۃ الناس، ح:۱۹۲۴

﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ (۱)

ترجمہ: وہ ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔

اسی نظریہ تعلیم کو لے کر ہمارے اسلاف اٹھے تو دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ آج اسی جذبہ کی ضرورت ہے جس سے ہم جدید مادیت کے جن کو قابو کر سکتے ہیں۔ اسلام توکل علی اللہ اور قرآن مجید کی تعلیم و تعلم سے اس تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔

المختصر! تعلیم و ثقافت کا چولی دامن کا تعلق ہے۔ مغربی ثقافت کے غلبہ کے باعث آج اکثر مسلم ممالک کا نظام تعلیم دینی روح سے عاری ہوتا جا رہا ہے۔ ارباب اختیار اور اہل علم پر لازم ہو چکا کہ وہ فوری طور پر نظام تعلیم کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے اقدامات کریں۔ یہ ان کی قومی، سیاسی اور مذہبی ذمہ داری بھی ہے۔ نظام کی تبدیلی کے لیے درج ذیل اقدامات نہایت اہم ہیں۔

عصری تقاضے:

ا۔ موجودہ نظام تعلیم کو اسلام کے روح و فلسفہ اور عصری تقاضوں کے مطابق بنایا جائے۔ نصاب سے غیر اخلاقی، الحاد اور مادیت کے رجحانات و اسباق کو ختم کر کے تقویٰ، خوفِ خدا اور کفایت شعاری و اعتدال جیسی اسلامی اقدار کو شامل کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلہ میں جزوی تبدیلی کافی نہیں بلکہ بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں۔

> "اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی کلچر پھر جواں ہو اور زمانے کے پیچھے چلنے کے بجائے آگے چلے تو ٹوٹے رشتے کو قائم کیجئے۔ تاہم اسے قائم کرنے کی صورت یہ نہیں کہ دینیات کو جسم تعلیم کی گردن کا قلاوہ یا پھر کمر کا پشتا بنا دیا جائے۔ اس کے لیے اس کو پورے نظام تعلیم و تربیت میں اس طرح ڈھال دیجیے کہ یہ اس کا شعور و فکر بن جائے۔"(۲)

۲۔ المائدہ: ۵۴

(۱)۔ مولانا مودودی، تنقیحات، ص: ۲۷۹

۲۔ نظام تعلیم سے وابستہ ایسے افراد کا انتخاب ہونا ضروری ہے جو دین کی روح سے واقف اور ملت سے ہمدردی رکھنے کے علاوہ بدلتے ہوئے ملکی اور بین الاقوامی حالات سے باخبر ہوں۔ عصری تقاضوں اور آنے والے حالات کا ادراک رکھتے ہوں۔ ان حالات اور چیلنجز کی روشنی میں نظام و نصاب تعلیم کی بہتری کے لیے کوشاں رہیں۔ قابل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کی تقرری ابتدائی کلاسوں کی تعلیم کے لیے کی جائے۔ بدلتے ہوئے حالات اور جدید تقاضوں کے مطابق تربیتی ورکشاپس کا انتظام و اہتمام کیا جائے تاکہ ان صلاحیتوں سے بہتر طور پر فائدہ حاصل کیا جاسکے۔

۳۔ اساتذہ چونکہ اس پورے نظام کے روح رواں ہیں۔ اس لیے ان کے وقار کو بلند کرنے کے لیے عملی اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔ ان کی تنخواہ و مراعات کو ضروریات و حالات کے مطابق مقرر کیا جانا ضروری ہے تاکہ وہ معاشی فکر سے آزاد ہو کر طلبہ کی تعلیم و تربیت پر توجہ مرکوز کر سکیں۔ اساتذہ کی اس معاشرتی تکریم و وقار کی بحالی کی بھی ضرورت ہے جو اسلام نے مقرر کیا ہے۔

۴۔ درسِ نظامی و مدارس دینیہ میں عصری علوم و نصاب کی شمولیت نہایت ضروری ہے۔ انگریز کے برصغیر میں آمد سے پہلے یہاں کے مدارس دینیہ میں دوسرے علوم کی تدریس بھی شامل نصاب تھی۔ طب کے علوم تک شامل نصاب ہوا کرتے تھے۔ دوسری زبانوں کے علاوہ انگریزی زبان کی تعلیم کا شامل نصاب ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب میں آج اسلام اور اہلِ اسلام پر جو اعتراضات اٹھائے جاتے رہے ہیں جب تک ہمارے علماء اسے سمجھیں گے نہیں تو اس کا جواب کیسے دیں گے۔ آپ ﷺ نے چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو عبرانی و سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ آج مستشرقین کے اسلام پر اعتراضات کا جواب دینا علماء کی ذمہ داری ہے۔ وہ اردو تو نہیں سمجھتے، انھیں انگریزی میں جواب دینا ہو گا۔

۵۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم و تحقیق آج ہر معاشی ترقی اور طاقت کی علامت بن چکی ہے۔ مغربی غیر مسلم ممالک اس میدان میں مسلمانوں سے بہت آگے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اس میدان میں آگے نہیں نکلنے دیتے۔ اگر ہم یہ سمجھیں کہ ان کی پیروی میں ہم ترقی کر سکتے ہیں تو یہ خام خیالی ہے۔ اس سلسلہ میں مسلم ممالک کو باہم مل کر اقدامات کرنے ہوں گے۔ اپنا نظام قائم کرنا ہو گا۔ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ تحقیقی ادارے اور ایسی یونیورسٹیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے جو ٹیکنالوجی اور فنون کی ترقی پر کام کریں۔

۶۔ عصری تعلیمی نظام کی توجہ محض تعلیم پر ہے تربیت کے ساتھ اسے کوئی سروکار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں اس تعلیم کی کوئی حیثیت نہیں جس کا مقصد تربیت نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ))(۱)

ترجمہ: اے اللہ ایسے علم سے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو۔

جب تعلیم میں تربیت نہ ہو تو وہ انسان میں انسانی اقدار کو نہیں بلکہ حیوانی اثرات کو پروان دینے کا باعث ہوتا ہے۔ آج جتنی زیادہ تعلیم، تعلیمی ادارے اور تعلیم یافتہ افراد کی کثرت ہے، ملک وملت کے مسائل اس قدر زیادہ ہیں۔ وجہ تربیت کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں مساجد کا قیام اور اقامت صلوٰۃ کا انتظام اس مقصد کے حصول میں اہم ہو گا۔ ممتاز سکالرز کے لیکچرز اور تربیتی ورکشاپس وغیرہ بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ تعلیمی اداروں سے مخلوط تعلیم کا خاتمہ بھی اہم ہے۔ تعلیم میں مادیت کے اثرات و نظریات کا سدِباب نہایت ضروری ہے۔ ایسے تمام اقدار کو تعلیم کا کلچر بنانے کی ضرورت ہے جس سے مادیت کے کلچر کی بیخ کنی ہو سکے۔

مادیت کے سیاسی نظام پر اثرات کا تدارک

مادیت، حرص مال کا باعث ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان جائز وناجائز ذرائع سے مال کی خاصی مقدار جمع کر لیتا ہے تو اس کی اگلی منزل اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ مال حرص و حوس سے زیادہ خطرناک اقتدار کی حرص و لالچ ہے۔ مادیت انسانی دل و دماغ میں حرص اور زیادہ کی نہ ختم ہونے والی خواہش پیدا کر دیتی ہے۔ یہ حرص فرد اور معاشرے کا رخ آخرت سے پھیر کر دنیا کی طرف موڑ دیتی ہے۔ یوں مادی فوائد کو مادہ پرست معاشرہ اپنی کامیابی اور رب کا فضل سمجھ رہا ہوتا ہے حالانکہ یہ ہلاکت وبغاوت کا راستہ ہے۔

﴿فَأَمَّا مَن طَغَىٰ، وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا،فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾(۲)

ترجمہ: تو جس نے سرکشی کی، اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا۔

دنیا میں جس نے بھی اقتدار اور کرسی کی خواہش کی اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیا گیا اور وہ ہلاک ہوا۔ آپ ﷺ نے عبد الرحمٰن بن تمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

---

(۱)۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب والاحکام والمسائل عن الکتاب والسنۃ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ، ح: ۲۵۰، صححہ الالبانی

ا۔ الذاریات: ۳۷، ۳۸

((يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ الإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِذَا أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ فِيهَا))[۱]

ترجمہ: اے عبدالرحمٰن! اقتدار و کرسی کا سوال نہ کرنا اگر تمھیں مانگے ملی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔

جو لوگ شوق اور حرص سے اقتدار حاصل کرتے ہیں تو برتری کے اس حوس میں وہ خدا بن بیٹھتے ہیں۔ پھر کوئی پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوا اور کوئی مچھر سے ٹکرا کر پاش پاش۔ جس کو بن مانگے عطاء ہوا تو اللہ کی مدد سے سرفراز و سرخرور ہوا۔ موجودہ سیاسی نظام مادیت کے تسلط کے باعث ملکی اور بین الاقوامی سطح پر آمریت کی متعدد اشکال میں غالب ترین نظام کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس نظام کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح نظر آئے گا کہ بحیثیت مجموعی اس نے وسائل کم اور مسائل زیادہ پیدا کیے۔ ان مسائل کا ذکر پیچھے گزر چکا۔ سیاسی نظام پر سے مادیت کے اثرات کو ختم کیے بغیر اس کی اصلاح نامکمل ہے۔ اس مادیت زدہ سیاسی نظام نے دنیا پر جنگیں مسلط کیں۔ کشت و خون کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اسی نظام نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کیا۔ ملکی سطح پر دیکھا جائے تو اسی سیاسی نظام نے جنرل ضیاء کی اسلامائزیشن کی بساط بھی لپیٹی۔ یہ نظام کرپٹ لوگوں کو اقتدار میں لانے کا سہولت کار ہے۔ جب اقتدار میں ایسے لوگ چھا جاتے ہیں تو ملکی قانون اپنی مرضی سے بناتے اور پھر اس کی ڈھال میں اپنی مجرمانہ سیادت کو جاری و ساری رکھتے ہیں۔ اقوام متحدہ تک بھی اس نظام کے پیدا کردہ مسائل کے سامنے بے بس ہے۔ مسئلہ کے حل کے لیے اسلامی سیاسی نظام کی طرف رجوع واحد حل ہے۔ اسی صورت میں ہم اس نظام کو مادیت کے نرغے سے بچا سکتے ہیں۔

سیاست کے اسلامی اصول:

انسان کو عقل عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر برتری عطا تو کر دی لیکن محض عقل ہی اس کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں۔ عقل کی رہنمائی کے لیے قطعی علم اور دلیل اہم ضرورت ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے انبیاء مبعوث کیے اور دین عطا کیے گئے۔ فرد و معاشرے کی بہتری کے لیے تنظیم پر بھرپور توجہ دی گئی۔ اس سلسلہ میں معاشرے کی سیاسی تنظیم کو اسلام نے زیادہ اہمیت دی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا گیا۔

۲۔ ابوداؤد، السنن، باب ماجاء فی طلب الامارۃ، ح ۲۹۲۹، صححہ الالبانی

((إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا مَا قَادَكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ)) (۱)

ترجمہ: اور اگر تم پر کوئی حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے وہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے موافق حکم دے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

حاکم کو خلیفۃ اللہ قرار دیا اور عوام پر اس کے حقوق مقرر کیے۔ خلیفہ کو بھی عوام کے (بلا امتیاز نسل و مذہب) حقوق پورے کرنے کا حکم دیا۔ یوں جس معاشرے میں حکمران اور رعایہ اپنے حقوق و فرائض کو پوری ذمہ داری اور احساس جوابدہی کے ساتھ ادا کریں تو اسے اسلامی فلاحی معاشرہ کہا جاتا ہے۔ ایسی سیاست شرعیہ کہا جاتا ہے جس کے چیدہ چیدہ اصول درج ذیل ہیں۔

حاکمیت الٰہیہ کا قیام:

حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ مخلوق میں سے جس نے بھی اس مرتبہ میں مداخلت کی وہ ہلاکت سے دوچار ہوا۔ اسلامی سیاست کا نکتہ آغاز اسی حاکمیت کا قیام اور نیابت پر قائم ہے۔ یہ تصور (کہ اصل حکمرانی اللہ تعالیٰ کی ہے اس کے مقابل یا خلاف کوئی حکم و قانون نہ چل سکتا ہے اور نہ بن سکتا ہے) سیاسی نظام کو نہایت ہی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ نکتہ مرکزیہ ہے جس پر خلق خدا کو متفق کر کے ایک سیاسی مرکز پر جمع کیا جا سکتا ہے۔ سیاست ارضیہ کو خلافت اللہ قرار دیا گیا ہے۔ جب تلک اس ضابطہ کو امت مسلمہ اپنی سیاست میں عملاً نافذ نہیں کرتی، ظالمانہ مادی سیاست ہمیں اغیار کا غلام بنائے رکھے گی۔ جب ہم اپنے سیاسی نظام میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو بنیاد بناتے ہیں تو اس طرح ہمیں اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور مدد شامل حال ہو جائے گی۔ اس کے بعد کسی بھی میدان میں کامیابی اور جیت یقینی ہو جاتی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: بے شک اللہ اہلِ تقویٰ کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کے جو نیکوکار ہیں۔

اسی سیاسی نظام کو فطرتی نظام حکمرانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورۃ کیا ہر آیت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کی بانگ درا ہے۔

ا۔ ابن ماجہ، محمد یزید ابن ماجہ، السنن، ابواب الجهاد، باب طاعۃ الامام، ح ۲۸۶۱

ا۔ النحل: ۱۲۸

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّـهِ﴾ (۱)

ترجمہ: حکم تو صرف اللہ کا ہی ہے۔

اس آیت پہ تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں۔

"کہ جب حاکمیت حقیقیہ رب ذوالجلال کی مان لی جاتی ہے تو قانونی حاکمیت بھی اسی ہی کی مانی جاتی ہے۔ اس حکم و قانون کا سرچشمہ جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو قرار دیا گیا، تو اس کے بعد سیاست و سیادت کی جو بھی صورت بچ جاتی ہے، وہ خلافت و نیابت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"(۲)

عصری سیاسی نظام سے یکسر مختلف اس نظام حکمرانی میں حکمران اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتے ہوئے اس کے نظام و قوانین کو عوام میں نافذ کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ محض ان اختیارات کے نفاذ کا مجاز رہ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اسے تفویض کرتی ہے۔ جدید سیاسی نظام میں حاکمیت اعلیٰ سیاسی قائد کے سپرد کر دی جاتی ہے جب اقتدار کا سرچشمہ عوام کو قرار دیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ سیاست آج دنیا میں فتنہ و فساد کی ترویج کا اہم آلا کار ہے۔ افراد و اقوام اس نظام سیاست سے نک و نک اور بیزار، کسی مسیحا کے طلب گار ہیں۔ اس صورتِ حال میں قرآن بالتکرار یہ صدا و ندا دیتا ہے کہ:

﴿أَلَيْسَ اللَّـهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ ۳

ترجمہ: کیا اللہ حاکموں کا حاکم نہیں ہے۔

نظریہ سیاست:

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ جب بھی کسی معاشرے نے ایمان اور عمل صالح کو اپنانے کے بعد اسے معاشرتی کلچر کا رواج دینے کی سعی کی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے انھیں غلبہ و خلافت ارضی نصیب ہوئی۔

﴿وَعَدَ اللَّـهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ ٤

۲۔ یوسف: ۴۰

۳۔ ماوردی، ابوالحسن علی، احکام سلطانیہ، (کراچی، سید اینڈ سنز کتب تاجران)، ص: ۱۴

۳۔ یوسف: ۴۰

۴۔ النور: ۵۵

ترجمہ: اللہ نے اہلِ ایمان اور نیک اعمال کرنے والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت عطا کرتے گا۔

اس آیت میں چند اہم سیاسی نظریات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ سیاست دان حکمران نہیں ہے۔ وہ مالک الملک کا خلیفہ ہے۔ سیاست میں اس نظریہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ کہ اصل حکمران اللہ تعالیٰ ہیں۔ سیاسی نظام کے سر کردہ افراد اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حاکم اعلیٰ کے تفویض کیے گئے اختیارات ہی کو بروئے کار لائیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ خلافت ارضی تمام اہل ایمان کا حق ہے کہ کسی خاص فرد، کنبے اور گروپ کی وراثت نہیں۔ تیسری اہم بات جس کی طرف آیت میں اشارہ ملتا ہے وہ یہ کہ خلافت اللہ تعالیٰ کا عطیہ جسے چاہے عطا کرے اور چاہے تو چھین لے۔ خلیفہ کی فوری اور اولین ذمہ داری زمین و ملک میں اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ کرنا ہے۔

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اقامت نظام صلوٰۃ معاشرے میں منکرات کا سدِباب کرتا ہے جب کہ زکوٰۃ کا نظام بے روزگاری کے باعث پھیلنے والی برائیوں کا قلعہ قمع کر کے معاشرے کو شیر و شکر اور امن کا گہوارہ بناتا ہے۔ آیت یہ بتاتی ہے کہ مؤثر، کرپشن اور کرائم سے پاک معاشرے کے قیام کے لیے امر بالمعروف او نہی عن المنکر کو سیاسی سرپرستی حاصل ہونی چاہیے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ

"الامر بالمعروف والنهی عن المنکر هی القطب الاعظم فی الدین، والمنهج الذی ابتعث الله له النبین اجمعین، ولو طوی بساطه لعطلت النبوة ،عمت الفتنة وشاعت الجهالة و خربت البلاد وهلک العباد"[2]

ترجمہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین رکن اعظم ہے۔ یہ ایسا اہم کام ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء مبعوث فرمائے، اگر اس کی بساط لپیٹ دی گئی تو نبوت معطل ہو

۱۔ الحج:۵۵

۲۔ الغزالی، احیاء علوم الدین، ص ۲ / ۳۰

جائے گی، فتنہ عام ہو گا اور جہالت پھیل جائے گی، شہر ویران ہو جائیں گے اور لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

دنیا میں حالیہ رائج سیاسی نظریات مادیت پر مبنی ہونے کے باعث اسلامی نظریہ سیاست سے مختلف ہیں۔ آج عام معاشروں میں کیا مسلم ممالک میں بھی نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ نظر نہیں آتا

جو حکمران اللہ کا نظام دنیا میں نافذ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت واجب کر دیتے ہیں۔

"السمع والطاعۃ لولی الامر فی المعروف ھی اصل من اصول الواجبات الدینیۃ، حتیٰ درجھا الائمۃ فی جملۃ العقائد والایمانیۃ"[1]

ترجمہ: نیکی میں حکمران کی اطاعت وفرمانبرداری واجبات دینیہ کی بنیاد ہے، آئمہ کرام نے تو اسے جملہ عقائد وایمانیات میں شامل کیا ہے۔

سیاسی رویہ:

مروجہ سیاسی نظام کا یہ رویہ ہے کہ برتری اور اقتدار کے لیے فساد اور قتل کا بازار گرم رکھا جائے۔ زیادہ قوت اور مال جمع کرنے کا موقع دور اقتدار کو سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ اسلامی سیاست میں سیاست برائے خدمت و عبادت کی جاتی ہے۔ اس پر خلیفہ عند اللہ مسئول ہے۔ یہی فکر خلیفہ عمر بن خطاب رضي الله عنه کو رات کو سونے نہ دیتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ))[2]

ترجمہ: قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے۔

اسلامی سیاسی نظام میں سیاسی ترقی کی راہ عوامی خدمت ہے جب کہ مغربی سیاست میں جس کے پاس مال و اقتدار زیادہ سے زیادہ جمع ہو جائے اسے سیاسی ترقی کی علامت جانا جاتا ہے۔ اسلام سیاست میں نفرت، نخوت اور تکبر کے خاتمہ کے لیے خلیفہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ سیاسی فیصلوں میں عوامی رائے کے احترام کا رویہ اپنائے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ:

ا۔ سلیمان بن عبد الرحمٰن، متطالبات المحافظۃ علی نعمۃ الامن والاستقرار فی بلادنا، (ریاض: دار السلام،)، ص ۱۷

ا۔ امام ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، باب آداب السفر، ح ۳۹۲۵، حدیث، صحیح

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (۱)

ترجمہ: سیاسی امور میں ان سے مشورہ کیجیے۔

اس رویہ کا حامل سیاسی نظام کا کام معاشرے میں ایثار و محبت، رحم و کرم، اخوت و احترام اور رواداری کے کلچر کو پروان چڑھانا ہوتا ہے۔ اس طرز پر قائم کردہ سیاسی نظام کا مقصد دین کی سربلندی و سرفرازی کے لیے ماحول بنانا اور حالات ہموار کرنا ہے۔ اس سیاست میں مخالف سے نرمی برتنے اور معافی و درگزر کا حکم دیا" فاعف عنھم واستغفر لھم" اور پھر فرمایا: "وجادلھم بالتی ھی احسن" یہ کلچر د معاشروں میں اتحاد پیدا کرتا اور تفرقہ ختم کرتا ہے۔ جب کہ موجودہ سیاست نفرتوں کو بڑھاتی اور تفرقہ کو پروان دیتی ہے۔ اسی لیے اس سیاسی نظام کو فرعونیت کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا﴾ (۲)

ترجمہ: بے شک فرعون نے زمین میں تکبر کیا اور اس کے رہنے والوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔

قیادت کا انتخاب:

مغربی سیاسی نظام میں قیادت کا انتخاب مادی بنیادوں پر ہوتا ہے۔ جہاں ایک بندے کا مال و اثر و رسوخ دیکھا جاتا ہے۔ تاہم اسلام میں تقویٰ، معاملہ فہمی، امانت، اہلیت، اخلاص اور امانت سیاسی قیادت کے انتخاب میں اہم شرائط ہیں۔ اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اگر عام افراد سے زیادہ یہ خوبیاں غلاموں اور موالی میں پائی گئیں تو قیادت کے لیے ان کو منتخب کیا گیا۔ سیاست شرعیہ میں امام کا مقبول عام ہونا ضروری شرط ہے۔ غیر مقبول حکمران کی امامت جائز نہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ یہ عدم قبول شرعی بنیادوں پر ہو، مثلاً حاکم کا ظالم و خائن ہونا اور فرائض کو ادا نہ کرنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس کی امامت باطل نہ ہو گی۔

﴿ثَلَاثَةٌ لَا تَرْتَفِعُ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُءُوسِهِمْ شِبْرًا: رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ﴾ (۳)

ترجمہ: تین لوگوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی (ان میں) ایک وہ شخص ہے جو عوامی ناپسندیدگی کے باوجود ان کا قائد بنے۔

۲۔ آل عمران:۱۵۹

۲۔ القصص:۴

۳۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب من ام قوما وھم لہ کارھون، ح:۹۷۱، صححہ الالبانی

مغربی جمہوری نظام میں قیادت کے لیے عام انتخابات کا جو طریقہ اپنایا جاتا ہے اس میں اکثریت رائے نہ دے کر اس نظام کو سرے سے مسترد کر دیتی ہے۔ ایسے میں اس نظام کے تحت وجود میں آنے والی قیادت اور حکمرانی ناجائز اور نامعقول ہوتی ہے۔ ووٹ کا تناسب اکثر ممالک میں پچیس سے تیس فی صد رہتا ہے۔ جس کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ اکثریت نے اس غیر فطری نظام کو عملاً مسترد کر دیا ہے۔ پھر اس نظام کے تحت وجود پانے والی حکومت کا طرز حکمرانی ظلم وتعدی ہی رہا ہے۔ اسلام نے ایسی حکمرانی کو ناجائز قرار دیا ہے۔

﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ (۱)

ترجمہ:۔اور تمہاری نگاہیں ان میں (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائشِ زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ۔اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہا نہ ماننا۔

مجلس شوریٰ:

اکثر ممالک کے نظام سیاست میں عوامی رائے کا احترام تو در کنار، اس سیاسی نظام کے تحت وجود میں آنے والی اسمبلی کے نمائندوں سے مشورہ تک نہیں لیا جاتا۔ پس پردہ مادہ پرستوں کا ایک طبقہ سارے نظام کو یرغمال بنا کر دنیا پر اپنا نظام مسلط کیے ہوئے ہے۔ جہاں کمزوروں کو لوٹا جاتا اور غلامی کی زنجیروں میں کسا جاتا ہے۔ آج اس نظام نے پوری دنیا کو بے چینی اور بدامنی کی اماجگاہ بنا رکھا ہے۔ قرآن مجید نے قومی وسیاسی معاملات میں مشاورت کو لازمی قرار دیا ہے۔ اس کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ایک سورۃ کو "الشوریٰ" کے نام سے موسوم کیا۔اسی سورۃ میں مشاورت کی اہمیت کو بیان فرمایا۔اس کے علاوہ آلِ عمران میں اس کا باقاعدہ بھی حکم فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [۲]

ترجمہ: اور معاملے میں ان سے مشورہ لے لیا کیجیے۔

سربراہ مملکت اس بات کا پابند ہے کہ عوام سے رائے طلب کرے۔ اہم قومی امور پر صاحب عقل و دانش

۱۔الکھف:۲۸

۲ ۔ آلِ عمران:۱۵۹

لوگوں سے مشاورت کی جائے۔ماہرین اور باکردار لوگوں پر مشتمل مجلس شوریٰ قائم کی جائے تاکہ صحیح فیصلہ تک پہنچنا آسان ہو۔ تاہم عوام میں کسی گروہ یا فرد کو اپنی رائے مسلط نہیں کرنی چاہیے۔ امام و حکمران کو ویٹو کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اسلام رائے شناسی کا حکم دیتا ہے، جب کہ مغربی سیاست میں رائے شماری کو اہمیت حاصل ہے۔ اقبال اس فرق کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"بلاشبہ حکمران شوریٰ کا پابند ہے تاہم شوریٰ بھی مطلق العنان نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کی پابند ہے۔"

عدل و انصاف کا قیام:

عدل و انصاف کا قیام اسلامی و انسانی معاشرے کی اصلاح و فلاح میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے جس معاشرے میں نظام عدل قائم ہو وہاں منکرات و فواحش اور قانون شکنی کا سدِباب آسان ہو جاتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ﴾[1]

ترجمہ:۔خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

اسلامی سیاسی نظام میں ایسے بے لاگ نظام عدل کے قیامت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ جس میں عام خواص اور اوعلیٰ و ادنیٰ قنون کی نظر میں برابر ہوں، جمہوریت اور عالمی حقوق انسانی ک بیات کرنے والے مغربی ممالک آج تک کالے اور گورے کی تفریق نہ مٹا سکے۔ مذکورہ بالا آیت میں تین ایسی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن پر معاشرتی مساوات اور اصلاح کا دارومدار ہے۔ ان میں ایک عدل ہے۔ اس سے مراد لوگوں کے حقوق میں توازن اور اعتدال پیدا کرنا۔ ہر کسی کو بے لاگ جزا اور بلا امتیاز سزا دینا ہے۔ گویا قانونی اور معاشرتی دونوں حیثیتوں سے انصاف فراہم کرنا ہے۔ دوسرا حکم (الاحسان) ہے۔ اس کا عام مفہوم تو اچھے برتاؤ، صالح معاملہ، ہمدردی اور رواداری ہے تاہم کچھ علماء نے اس کو عدل کا مقابل قرار دیا کہ عدل حق کے برابر جب کہ احسان حق سے زائد عطا کرنے کو کہا جاتا

۱۔النحل:۹۰

ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں۔ عدل معاشرے میں ظلم کا سدِباب کرتا ہے تو احسان معاشرتی حسن کو بڑھاتا ہے۔ احسان کے باعث فیاض، محبت، تشکر و خیر خواہی کے جذبات و احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ تیسری اہم چیز صلہ رحمی ہے۔ معاشرے کی یکجہتی، اصلاح اور اعتدال کے لیے کنبہ اور رشتہ داروں کو تربیت گاہ کا درجہ دیا۔ اس کی بنیاد رشتہ داروں کے حقوق کے ادا کرنے پر قائم ہے۔

آیت ان تین اچھائیوں کے حکم کے تین برائیوں سے منع کرتی ہے جس طرح تین اچھائیاں معاشرے کی فلاح کو یقینی بناتی ہیں یونہی یہ برائیاں معاشرے میں شر وفساد کے اسباب پیدا کرتی ہیں۔ ان میں پہلی فحاشی ہے۔ اس میں عریانیت، فحش گفتگو، گالیاں، چوری اور کرپشن وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سرعام برائی کرنا اور اس کی ترویج بھی فحشاء کے زمرے میں آتی ہے۔ مخلوط معاشرہ اور ناچ گانا عریاں فلمیں بنانا ان میں کام کرنا اور انھیں دیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔ دوسری برائی (منکر) ہے۔ اس سے مراد فحشاء کے بعد کی ایسی برائی جس کا ہر معاشرہ ہمیشہ انکاری رہا ہے۔۔ تیسری چیز (بغی) اس سے مراد حدود شرعیہ اور احکام خداوندی میں سرکشی کا مرتکب ہونا۔ معاشرے کو اعتدال کی راہ پر لانے کے لیے یہ چھ تعلیمات اکسیر کا کام کرتی ہیں۔ عصری معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کے لیے آج اگر ہمارا سیاسی نظام ان تعلیمات کے تابع ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا معاشرہ سنور نہ جائے۔

اسلامی طرز سیاست اور جمہوریت کا تقابل:

اسلامی سیاسی نظام کی بنیاد آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل آپ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد رکھی۔ موجودہ جمہوری سیاسی نظام کی بنیاد ۱۷۷۹ء کے انقلاب فرانس سے رکھی گئی۔ اس نئے نظام میں عوامی حقوق کے لیے وہی الفاظ و انداز اختیار کیا گیا جو اسلام کا تھا تاہم ان کی تشریح و توضیح میں ہیر پھیر سے کام لیا گیا۔ یہ نظام ملوکیت کے خلاف جمہوریت کے نام پر قائم ہوا اور قوت کا سرچشمہ قرار دیا تو یہ نظام راہ راست سے بھٹک گیا۔ مساوات کے فطرتی نظام کو جب اس نظام نے جنسی مساوات تک وسیع کر دیا تو ایک بار پھر یہ بھٹک گیا۔ معاشرتی مساوات کا دعوے دار یہ نظام آج خود یورپ اور امریکہ سے کالے گورے کا فرق نہ مٹا سکا۔ احتساب صرف مخالفین کا ہو، یہ اس سیاسی نظام کا اصول ہے۔ حضرت عمر رضي الله عنه تو اپنے عُمّال اور ارکان حکومت کا احتساب کرتے تھے۔ محافظ رکھنے کی اجازت تھی نہ چھنا ہوا آٹا کھانے کی، ترکی گھوڑے پر سوار ہونا منع تھا۔ نہ ہی باریک لباس زیب تن کر سکتے تھے۔ جمہوری سیاسی نظام میں یہ سب قانونی طور پر حکمران اختیار اور استعمال کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضي الله عنه نے اپنے دور میں محمد بن مسلمہ انصاری رضي الله عنه کو احتساب کا چیئرمین مقرر کر رکھا تھا۔ مصر کے عامل عیاض بن غنم کی شکایت ہوئی تو محمد بن مسلمہ رضي الله عنه نے انھیں گرفتار اور معطل کیا۔

اسلام میں سیاسی نظام کا اہم مقصد اللہ تعالیٰ کے دیئے نظام کے نفاذ کے بعد عوام میں عدل و انصاب کو قائم کرتا اور کمزور کی مدد کرتا ہے۔ عوام کے جان و مال، ملکیت، معاشرتی و معاشی حقوق کا تحفظ بھی خلیفہ کا کام ہے۔ مغربی سیاسی نظام کے تحت وجود پانے والے ادارے عیاشی، فحاشی اور لادینیت پر مشتمل من گھڑت حقوق کا خوب پرچار کرتے ہیں۔ تاہم بنیادی انسانی حقوق جو کہ غربت، بیروزگاری، مصالح و امن عامہ کو سراسر فراموش کیا جاتا ہے۔ جدید مغربی سیاسی نظام بجاطور پر چند خوبیاں بھی رکھتا ہے۔ تاہم اس کی مضرت منفعت سے زیادہ ہے۔ وجہ اختیارات کا غلط استعمال ہے۔ اس کا تجزیہ مولانا شبلی نعمانی نے حضرت معاذ رضي الله عنه کی زبانی پیش کیا کہ جب معاذ رضي الله عنه رومی عیسائیوں سے ملاقات کے لیے گئے تو اختیارات کے استعمال پر بات کرتے ہوئے رومی سردار کو مخاطب کر کے کہا:

"تمھیں اس بات پر فخر ہے کہ تم ایک شہنشاہ کی رعایہ ہو جس کے پاس تمھارے مال اور جان کا اختیار ہے، لیکن جسے ہم نے بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی چیز میں خود کو ہم پر برتر نہیں جانتا، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا، خود کو ہم سے برتر نہیں جانتا اور نہ ہی مال میں اس کو ہم پر کوئی ترجیح حاصل ہے۔"(۱)

کثرتِ رائے کا نظریہ:

کثرتِ رائے جدید مغربی سیاسی نظام کی بنیاد ہے۔ یہ ایک ایسے اصول کی صورت اختیار کر چکی ہے جس کے بغیر اس نظام کو برقرار رکھنا محال ہے۔ رائے دہی کے لیے اس نظام میں بلا امتیاز جنس عاقل و بالغ ہونا کافی ہے۔ ہر کسی کے ووٹ کی حیثیت بھی یکساں ہے۔ رائے طلب کرنے کا یہ طریقہ اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ تمام لوگ عقل و فہم و علم میں چونکہ برابر نہیں ہوتے۔ اس لیے ان کو اور ان کی رائے کو یکساں حیثیت دینا غیر فطرتی ہے۔

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾۲

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے۔

(۱)۔ شبلی نعمانی، الفاروق، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۶ء)، ص: ۱۲۵

۲۔ الفاطر: ۱۹

اسلام کثرت رائے کی قبولیت کا معیار صرف حق کو قرار دیتا ہے۔ بصورت دیگر قرآن نے نوے (۹۰) سے زائد مقامات پر اکثریت کو ظالم، کافر اور مشرک کہا ہے۔ محض کثرت کی بنیاد پر دنیا میں امن اور سلامتی کا نہیں، محض ظلم و کفر اور شرک کا نظام قائم ہو گا اور جیسا کہ ہے۔ اسلام خلیفہ کو رائے عامہ کو مسترد کر دینے کا حق بھی دیتا ہے۔ آپ ﷺ اور حضرت عمر رضي الله عنه کے رائے عامہ کو مسترد کر دینے کے بہت سے واقعات تاریخ میں موجود ہیں۔

شوریٰ اور پارلیمنٹ کا تقابل:

ہمارے ہاں کچھ ایسے جمہوریت پسند بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ شورائیت کا بہترین متبادل ہے تاہم دونوں کے اغراض و مقاصد، تاسیس و تشکیل اور عملیت کو اگر دیکھا جائے تو ان میں دور کی مماثلت بھی نہیں بنتی۔ پارلیمانی نظام میں اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوتا ہے جب کہ شورائی نظام میں اس کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ قانون سازی میں پارلیمنٹ مختار کل ہوتی ہے، جب کہ شورائیت میں حکمران کوئی بھی قانون کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف نہیں بنا سکتا۔ شوریٰ کا رکن بننے کے لیے معاملہ فہمی، بصیرت اور تقویٰ بنیادی شرائط ہیں جب کہ پارلیمنٹ کا رکن بننے کے لیے محض پچیس سال عمر کا ہونا، ووٹر لسٹ میں نام کا درج ہونا اور کسی عدالت سے سزا یافتہ نہ ہونے کی شرائط ہیں۔ اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ ملک کا وفادار ہے یا غدار اور چور ہے یا کرپٹ وغیرہ۔ شوریٰ میں رائے کو منوانے کے لیے دلیل اور حقائق پیش کرنا ہوتے ہیں جب کہ جمہوریت میں سادہ اکثریت سے قانون بن جاتا ہے۔ تین سو میں سے اگر ایک سو اکاون سود اور شراب کے حق میں ووٹ دے دیں تو یہ قانوناً جائز ہو جاتے ہیں۔ شوریٰ کے ممبر کا انتخاب خلیفہ کے اکابرین کے ساتھ مشورہ کے بعد کیا جاتا ہے۔ جب کہ پارلیمنٹ کے ممبر کے انتخابات کی صورت میں ایک طوفان بدتمیزی برپا کیا جاتا ہے۔ جس میں جو آگے نکلا وہی جیتا۔ پارلیمنٹ میں گفتگو اور ایک دوسرے پر لفظی و جسمانی حملے اس کے عکاس ہیں۔ ان جھگڑوں کا خمیازہ قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دولخت کرنے کا ذمہ دار یہی سیاسی نظام ہے۔ اس نظام میں وجود پانے والے حکماء کا منظر کچھ یوں ہوتا ہے۔

برباد گلستاں کرنے کو بس ایک ہی اُلو کافی تھا
ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہو گا [۱]

۱۔ شوق بہرائچی، دبستانِ بھرائچ، (مرتب شمیم اقبال خان، ۲۰۱۵ء)، ص: ۱۵۰

مغربی نظام سیاست کے غلبہ نے آج پوری امت کو تقسیم در تقسیم کا شکار کر رکھا ہے۔ امت کا ہر فرد باہمی ربط و تعارف کے لیے اسلام اور مسلمان کے بجائے پاکستانی، ایرانی، سعودی اور ترکی وغیرہ پر زیادہ انحصار کرتا ہے مگر مایوسی کی بات نہیں امت بیدار ہو رہی ہے۔ اسلام مغرب میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت پورا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔

﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (۱)

ترجمہ: خدا کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔ بے شک خدا زورآور (اور) زبردست ہے

اسلام اور عالم اسلام کا تابناک مستقبل:

اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس حقیقت کا ضرور ذکر کریں گے کہ عالم اسلام کے حالات ضرور دگرگوں ہیں اور ابتری کی حالت پورے عروج پر پہنچ چکی ہے تو نجات و فلاح کی ایک کرن بھی نظر آرہی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تہذیبی تصادم میں اسلام کا مقابلہ جن تہذیبوں سے ہے ان کی بنیاد مادیت پر ہے۔ اس لیے وہ مادی اقدار کی علمبردار ہیں۔ یہ تہذیبیں فطرت انسانی سے ناآشنا ہونے کے باعث افراط و تفریط کا شکار رہتی ہیں۔ اس لیے لوگ آج ان سے اکتا کر اسلام کی طرف آرہے ہیں۔ مغرب میں بسنے والی غریب ایشیائی اور افریقی مسلمان اس تہذیب کے علمبردار بنے، پھر ان کی دعوت پر اہل مغرب آج تیزی سے اسلام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مغربی میڈیا کے تازہ ترین بیان کے مطابق مختلف مغربی ممالک میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد کچھ یوں ہے:

ہر سال امریکہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد بیس ہزار ہے۔ آسٹریلیا کا میڈیا بتا رہا ہے کہ نوجوان آسٹریلین تیزی سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ سپینش نیوز چینل نے کہا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مزید بتایا کہ سپینش مرد اور خواتین کی بڑی تعداد مسلمان ہو رہی ہے۔ ناروے بھی ان ممالک میں شامل ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ فرانس کا میڈیا بتاتا ہے کہ ہر سال چار ہزار (۴۰۰۰) افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔ برطانیہ میں ہر سال پانچ ہزار نو سو (۵۲۰۰) لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ کینیڈا کی سرکاری ٹی وی نے کہا ہے کہ

The Islam is fastes growing religion of Canada.

۲۔ المجادلہ: ۱۱

ان مسلمان ہونے والوں میں زیادہ تعداد خواتین کی بتائی گئی ہے۔ایک امریکی نیو مسلم نے کہا کہ:

"The most popular name of God is Allah."

برطانوی میڈیا خبر دیتا ہے کہ:

"The Muhammad is the most popular name in Baby Boys in London."

B.B.C بتاتا ہے کہ:

"The Islam is most domonent Religion of the world."

یہ وہ شہادتیں ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی صداقت کا اعلان کرتی ہیں کہ:

((لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ هٰذَا الدِّيْنَ))[1]

ترجمہ: یہ دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک دن اور رات ہیں نہ کوئی کچا اور نہ کوئی پکا گھر، رہے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس میں اسلام داخل کر کے رہے گا۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے[2]

اقبال کا ایک اور خواب تعبیر تک پہنچ رہا ہے۔ آج امت غیر معمولی تاریخی دہلیز پر کھڑی ہے۔ ضرورت ایک پرجوش، پرعزم تحریک کی ہے۔ اس تحریک کی بنیاد اعتصام بحبل اللہ اور اسوہ رسول اللہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ آج دنیا کا ہر چوتھا یا پانچواں فرد مسلمان ہے۔ ہم تو بدر و خندق والے ہیں۔ بہترین زمینیں، معدنیات اور بین الاقوامی گزرگاہیں ہمارے پاس ہیں۔ آج ضرورت اس عملی وفاداری کی ہے جو بدر و خندق والوں نے اسلام اور نبی اسلام سے نبھائی۔ ہماری اصل قوت بھی یہی ہے۔

﴿إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾[3]

ترجمہ: اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے۔

وہ وقت دور نہیں کہ امت سیاسی طور پر دنیا پر دوبارہ غالب نہ ہو جائے۔ مادیت کے اس ظالمانہ نظام کو ختم کر کے مالک حقیقی کے نظام کو غالب کیا جائے۔ انسانیت پھر سے سکوں کا سانس لے۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ

---

۱ ۔ ،ابن حنبل، المسند، قال شیخ البانی اسنادہ صحیح علی شرط المسلم، ح:۱۷۷۲۵

۲ ۔ علامہ، محمد قبال، شکوہ جوابِ شکوہ، نظم 'جوابِ شکوہ'

۱۔الانفال:۶۵

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد نہ آئے، انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ پھر بندوں کو یہ ڈگری ملے گی کہ:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

اس ممارست اور مسابقت میں باری تعالیٰ کے اس پیغام کو نصب العین بنانا ہو گا۔

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور مشغولہ ہے۔ اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں۔

۲۔ الانعام: ۳۲

خلاصۂ بحث

مقالہ ھذا میں مادیت کے معاشرے پر پڑنے والے اثرات اور اس کے تدارک پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث فکر اسلامی کے تناظر میں تجزیاتی انداز میں پیش کی گئی۔ بحث کے آغاز سے قبل اس کے چند بنیادی سوالات تخلیق کیے گئے۔ ان سوالات کو تخلیق کرتے ہوئے اس بات کا کاخیال رکھا گیا ہے کہ مادیت کے تعارف اور ارتقاء سے اس کا آغاز کیا جائے۔ اسلام میں مادیت کی حدود و قیود کیا ہیں؟ مادیت کی صورتیں اور رجحانات کیا اور کون کون سے ہیں؟۔ اس کے اثرات ہمارے معاشرے کے کن اہم پہلوؤں کو متاثر کر رہے ہیں۔

مفروضہ تحقیق یہ تھا کہ مادیت کے بڑھتے ہوئے اثرات نے معاشرے میں خود غرضی، خوف، عدم اعتماد، عدم اتحاد، نفسانفسی، مارا ماری، دھاڑم دھاڑ کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ معاشرہ ان منفی اثرات کے باعث بے چینی اور بدامنی کا شکار ہے۔ سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی کی فراوانی بھی جرائم کے سدباب کرنے میں بے بس نظر آتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسئلہ کے حل اور تدارک کے لیے کوئی جامع فارمولا پیش کیا جائے۔ یقیناً مسائل کے حل کے لیے اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اسلام نے ہمیشہ بلا امتیاز نسل و علاقہ سبھی لوگوں کے لئے دینوی اور اُخروی خیرات کو دستیاب رکھا۔ مشکلات اور ہلاکتوں سے اقوام کو بچا کر کامیابیوں کے افق تک پہنچایا۔ اس لیے اس مقالہ میں مادیت کے اثرات و رجحانات اور ان کے تدارک کے لیے جو مفروضات قائم کیے گئے ان میں فکر اسلامی کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔

یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے جبکہ ہر باب تین فصول پر مشتمل ہے۔ باب اول میں تین فصول ہیں جن میں مادیت کا مفہوم، ارتقاء اور اس کے اسلامی تصور پر سیر حاصل بحث ضبط تحریر میں لائی گئی۔ باب دوم میں مادیت کے رجحانات، محرکات اور اس کی مروجہ صورتوں سے متعلق مباحث ہیں۔ فصل اول میں مادیت کے اسباب و محرکات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ فصل دوم میں مادیت کے فکری و عملی رجحانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ فصل سوم میں مادیت کی ان مروجہ صورتوں کی نشاندہی کی گئی جو آج مسلم و غیر مسلم معاشروں میں رواج پا چکی ہیں۔ یہ بھی کہ مادیت محسوس اور غیر محسوس دونوں طرح سے معاشرے کو دیمک کی طرح کیسے کھوکھلا کر رہی ہے؟۔ باب سوم میں مادیت کے دینی اور اخلاقی نظام پر اثرات کے بعد اس کا تدارک پیش کیا گیا۔ فصل اول میں دینی نظام پر مادیت کے اثرات کی نشاندہی کی گئی۔ فصل دوم میں مادیت کے اخلاقیات پر اثرات کا جائزہ پیش کیا گیا۔ جبکہ فصل سوم میں دین اور اخلاق پر پڑنے والے اثرات کا تعارف پیش کیا گیا۔ باب چہارم میں مادیت کے معاشی اور معاشرتی اثرات پر بحث

کے بعد اس کا تدارک تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ اس کے لئے قائم کردہ سوالات کا حل تلاش کرنے کی حتی الوسع کوشش کی گئی۔ اس کے لیے قائم کردہ پانچویں باب میں مادیت کے تعلیمی و سیاسی نظام پر پڑنے والے اثرات پر بحث کی گئی۔ ان اثرات کی نشاندہی کے بعد فصل سوم میں اس کا تدارک پیش کیا گیا۔

اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی کہ مصادر اصلیہ سے اس تحقیق کو مؤثر اور مزین کیا جائے۔ معاشرے پر مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات و اثرات کی نشاندہی کی جائے۔ اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل اسلام کی روشنی اور ہدایات سے پیش کیا جائے۔ اس تحقیق کا اختیار کرنا معاشرے میں مادیت کے موجودہ بڑھتے اثرات و مسائل کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ مقالہ کا اختتام نتائج و سفارشات اور فہارس کے ساتھ کیا گیا۔ مقالہ کی تسوید کے لیے یونیورسٹی کے قواعد وضوابط کا پورا خیال رکھا گیا۔ اللہ تعالی سے استدعا ہے کہ یہ کاوش امہ کے لئے بالعموم اور پاکستانی معاشرہ کے لئے بالخصوص رہنمائی اور مسائل کے حل کے لیے رہنما کا کردار ادا کرے۔

آمین

واللہ علی مانقول وکیل

نتائج

مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات واثرات پر تحقیق کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آئے:

۱. اس تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ مادیت کی عصری ترویج کی بڑی وجہ مغربی مادی کلچر کی تقلید ہے۔

۲. یہ ثابت ہوا کہ اسلام مادیت اور روحانیت میں بہترین توازن عطا کرتا ہے۔

۳. یہ تحقیق اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ مسلم معاشروں میں مادیت کے رجحانات، اسباب و محرکات کی بڑی وجہ مغربی معاشرتی اقدار کی اندھی تقلید ہے۔

۴. یہ تحقیق یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ طبقاتی تقسیم کی بنیادی وجہ مادیت ہے۔

۵. مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے میں عقائد وعبادات کے نظام کو غیر مؤثر کرنے کی بڑی وجہ مادیت ہے۔

۶. اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ مادیت کے بڑھتے ہوئے اثرات نے اسلامی وانسانی اقدار کو کمزور اور غیر مؤثر کیا۔

۷. اس تحقیق سے واضح ہوا کہ تعلیم یافتہ افراد میں کرپشن اور کرائم کے بڑھتے ہوئے رجحانات کی ذمہ دار مادی ومغربی نظام تعلیم بھی ہے۔

۸. تحقیق سے معلوم ہوا کہ سیاست کی بدنامی اور اس کی ترجیحات میں تبدیلی کی وجہ اس پر مادی نظام کا کنٹرول ہے۔

۹. مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ عصر حاضر میں مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا ذمہ دار میڈیا بھی ہے۔

۱۰. مؤثر قانون سازی اور نظام عدل کا فقدان بھی مادیت کے پروان کا باعث ہے۔

سفارشات

مادیت کے اثرات اور اس کے تدارک پر اس مفصل بحث کے بعد اہل اسلام اور ارباب اختیار کی خدمت میں چند سفارشات پیش خدمت ہیں۔ امید ہے کہ ان پر عمل کی صورت میں معاشرہ میں مادیت اور روحانیت میں فطری توازن برقرار رکھنا ممکن ہو سکے گا۔

- ❖ محققین کو چاہیے کہ بدلتے حالات کے مطابق مادیت کے نوجوان نسل پر پڑنے والے اثرات کی نشاندہی کریں۔
- ❖ تعلیمی اور معاشی نظام پر پڑنے والے اثرات کی نشاندہی کریں اور اس کا حل پیش کریں۔
- ❖ نصاب تعلیم میں اخلاقیات اور روحانیت پر مشتمل مضامین شامل کیۓ جائیں، مادیت پر مبنی نصاب خارج کر دیا جائے۔
- ❖ مغربی نظریۂ مادیت کی تفہیم و تنقید پر مشتمل مضمون شامل نصاب کیۓ جائیں۔
- ❖ مادیت کے اسباب و محرکات کے سدباب کے لیے عوام اور حکومت مل کر حکمت علمی تیار کریں۔
- ❖ مادیت کے باعث پیدا ہونے والے جرائم کے سدباب کے لیے قانون سازی کی جائے۔
- ❖ اسلامی اقدار کی حکومتی اور عوامی حلقوں میں پاسداری کی جائے۔
- ❖ اسلامی معاشی نظام کے نفاذ و ترویج کے لیۓ اقدامات کیۓ جائیں۔
- ❖ علماء و محققین کو چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسی دعوت و تحقیق پیش کریں جس سے مادیت کے دین پر پڑنے والے اثرات کا فوری تدارک کیا جاسکے۔
- ❖ والدین اور معاشرہ نئی نسل کی تربیت اس انداز سے کریں کہ مادیت کے اثرات ان کے اخلاق کو متاثر نہ کر سکیں۔
- ❖ مسلم امہ کو چاہئے کہ مل جل کر اسلامی معاشی نظام کے نفاذ و ترویج کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں۔
- ❖ حکومت کو چاہیے کہ وطن عزیز میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام قائم کرے۔

واللہ ولی التوفیق

فہرست قرآنی آیات

نمبر شمار	متن آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱)	اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ	الفاتحہ	۵	۱۸۴
۲)	أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ	البقرۃ	۱۲	۳۲۸
۳)	رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ ---	البقرۃ	۲۰۱	۵
۴)	يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ	البقرۃ	۲۷۶	۲۹۲
۵)	وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ	آلِ عمران	۸۵	۳۱۳
۶)	وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ	آلِ عمران	۱۰۳	۲۵۴
۷)	واعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا	آلِ عمران	۱۰۳	۳۰۳
۸)	وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ - - - -	آلِ عمران	۱۰۴	۲۶۷
۹)	أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ	آلِ عمران	۱۱۰	۳۱۴
۱۰)	وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ	آلِ عمران	۱۱۲	۳۵۰
۱۱)	وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ - - - -	آلِ عمران	۱۳۳	۱۵۲
۱۲)	وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ	آلِ عمران	۱۳۹	۳۱۵-۳۲۹
۱۳)	إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ - - - -	آلِ عمران	۱۷۵	۱۰۹
۱۴)	وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ - - - -	آلِ عمران	۱۸۹	۲۷۹
۱۵)	وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ - - - -	النساء	۱۳۶	۶۸
۱۶)	وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ - - - -	المائدہ	۲	۱۳۰ ,۳۰۶,۳۳۷
۱۷)	ولا يخافون لومه لائم	المائدہ	۵۴	۴۳۷
۱۸)	وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا	الانعام	۲۱	۲۲۲
۱۹)	وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا - - -	الانعام	۲۹	۸۴
۲۰)	وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ - - -	الانعام	۳۲	۸۳
۲۱)	وما الحيوة الدنيا الا متاع الغرور	الانعام	۳۲	۴۵۲

۲۲)	وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ.	الانعام	۱۳۰	۸۶
۲۳)	ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ	الانعام	۱۴۶	۳۲۶
۲۴)	وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ	الانعام	۱۵۲	۳۵۶
۲۵)	قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ - -	الانعام	۱۶۲	۷۲
۲۶)	وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ - - - -	الاعراف	۱۰	۲۷۱
۲۷)	يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ - - - -	الاعراف	۲۶	۳۲۳
۲۸)	إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ	الاعراف	۲۸	۲۳۴
۲۹)	وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا - - - -	الاعراف	۳۱	۲۸۳, ۲۲۸
۳۰)	يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ - - - -	الاعراف	۲۶	۳۲۳
۳۱)	كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ - - - -	الاعراف	۷۹	۸۷
۳۲)	أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ - - - -	الاعراف	۹۹	۲۵۶
۳۳)	وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ...	الاعراف	۱۵۷	۳۵۰
۳۴)	فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ.	الاعراف	۱۷۶	۳۲۵
۳۵)	أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ - - -	الاعراف	۱۷۹	۳۱۴
۳۶)	أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ	الاعراف	۱۷۹	۳۴۱
۳۷)	لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا - - - -	الاعراف	۱۷۹	۳۵۰
۳۸)	يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ - - - -	الانفال	۱	۲۹۳
۳۹)	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ	الانفال	۳۶	۲۹۹
۴۰)	وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ - - -	الانفال	۴۰	۷۱
۴۱)	لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	الانفال	۶۳	۳۵۹
۴۲)	ان يكن منكم عشرون صابرون بغلبون الفين	الانفال	۶۵	۴۵۱
۴۳)	وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	التوبہ	۳۴	۳۴۲
۴۴)	فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ وَلَا أَوْلَٰدُهُمْ - -	التوبہ	۵۵	۱۷۵,۱۵۰,۱۴۲
۴۵)	كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ - - -	التوبہ	۶۹	۱۴۵

۴۶)	إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم	التوبه	١١١	٢٦٢
۴٧)	إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا..	يونس	٧	١١٣,٨٥
۴٨)	وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا - - - -	يونس	٣٦	٣١٢
۴٩)	وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ	الهود	٦	٩٨
٥٠)	قَالُوا يَٰشُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ---	الهود	٨٧	١۴٩, ١١٢
٥١)	وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ----	الهود	١١٣	٣٨٠
٥٢)	ان الحكم الا لله	يوسف	۴٠	۴۴٢
٥٣)	قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ - - -	يوسف	٥٥	٢٨٠,١٦١
٥۴)	اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ	الرعد	٢٦	٣۴٩,٩٩
٥٥)	أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ	الرعد	٢٨	٢٥٣,٢۴٣
٥٦)	وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ - - -	ابراهيم	٧	١٠١
٥٧)	يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	ابراهيم	٢٧	٢٥٥
٥٨)	وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ	ابراهيم	٣٣	٢٧٢
٥٩)	يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ	الحجر	١٣	٣٦٦
٦٠)	وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا - - - -	النحل	٥	٢٧٢
٦١)	وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً - - -	النحل	٨	٢٧٢
٦٢)	وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ	النحل	٨	٢٨٧
٦٣)	وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ - - -	النحل	١۴	٢٨٧
٦۴)	وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ	النحل	١٧	١٧١
٦٥)	وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا - - - -	النحل	٣٦	٣٥١
٦٦)	وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ---	النحل	٧١	١٥٧,٣۴١
٦٧)	تبيانا لكل شيئ	النحل	٨٩	۴٢٦
٦٨)	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ - - -	النحل	٩٠	۴۴٦ ,٣٣٦,٣٠

۶۹)	ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا - - - -	النحل	۱۰۷	۸۳
۷۰)	فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا - - -	النحل	۱۱۴	۹۷
۷۱)	وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً - - - -	النحل	۱۲۲	۸۸
۷۲)	ان الله مع الذين التقوا والذين هم محسنون	النحل	۱۲۸	۴۴۱
۷۳)	ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا وتبع هواه و کان امره	الکھف	۲۸	۲۵۹,۴۴۵
۷۴)	مَّن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا---	الاسراء	۱۸	۱۳۷
۷۵)	وَمَنْ أَرَادَ ٱلْءَاخِرَةَ وَسَعَىٰ - - - -	الاسراء	۱۹	۱۳۷
۷۶)	وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا	الاسراء	۲۳	۳۲۸
۷۷)	وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ - - - -	الاسراء	۲۹	۳۴۴
۷۸)	وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ	الاسراء	۳۱	۱۶۸
۷۹)	لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ	طٰہٰ	۶	۸۰
۸۰)	ومن اعرض عن ذکری فان له معیشه صنقا	طٰہٰ	۱۲۱	۱۰۰
۸۱)	وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ	طٰہٰ	۱۳۲	۱۷۵
۸۲)	وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ	الانبیاء	۳۰	۲۸۴
۸۳)	وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً - - - -	الانبیاء	۳۵	۷۶
۸۴)	وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ - - - -	الانبیاء	۸۰	۲۸۶
۸۵)	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى - - - -	الحج	۱۱	۱۸۶
۸۶)	الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا---	الحج	۴۱	۳۵۷
۸۷)	وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ	المؤمنون	۷۱	۳۵۳
۸۸)	ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ- - -	المؤمنون	۹۶	۳۶۶
۸۹)	الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ - - - -	النور	۲	۱۷۸
۹۰)	وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا - - - -	النور	۲۲	۳۰۹
۹۱)	رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ	النور	۳۰	۳۵۶
۹۲)	تُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ - - - -	النور	۳۱	۲۶۵

۹۳)	ولذکر اللّٰہ اکبر	النور	۳۱	۲۶۶
۹۴)	وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا - - - -	النور	۳۳	۸۰
۹۵)	رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن---	النور	۳۷	۳۴۰ ,۱۹۱,۱۵۱
۹۶)	عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض---	الفرقان	۶۳	۴۳۵
۹۷)	وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا - - - -	الفرقان	۶۷	۹۰
۹۸)	فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ	النمل	۲۹	۲۲۳
۹۹)	إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا	القصص	۴	۴۴۴,۴۰۴
۱۰۰)	یا ایہاالملا ما علمت لکم من الہ غیری	القصص	۳۸	۴۰۴
۱۰۱)	وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا. . .	القصص	۵۸	۳۴۵
۱۰۲)	وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ - - - -	القصص	۷۷	۷۴
۱۰۳)	فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ - - - -	القصص	۷۹	۸۶
۱۰۴)	قَالَ ٱلَّذِينَ يُرِيدُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا - - - -	القصص	۷۹	۱۳۱
۱۰۵)	تِلْكَ ٱلدَّارُ ٱلْءَاخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ - - - -	القصص	۸۳	۱۶۲,۱۳۱
۱۰۶)	وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ	العنکبوت	۴۵	۳۵۱ ,۲۶۱,۱۹۳
۱۰۷)	وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ. . .	الروم	۲۱	۳۰۲
۱۰۸)	كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ	الروم	۳۲	۳۱۲
۱۰۹)	وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ. .	الروم	۳۹	۲۸۷
۱۱۰)	وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ	لقمان	۲	۲۱۹
۱۱۱)	ابُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ	لقمان	۱۳	۳۰۸
۱۱۲)	إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ	لقمان	۱۸	۳۶۸
۱۱۳)	وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ	السجدہ	۱۵	۲۲۲
۱۱۴)	تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ. .	السجدہ	۱۶	۹۹
۱۱۵)	يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ	الاحزاب	۳۰	۲۳۵
۱۱۶)	يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ	الاحزاب	۳۳	۳۲۴

۱۱۷)	ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ	الاحزاب	۵۹	۳۱۹
۱۱۸)	رب هب لی ملکالا ینبغی لاحدمن بعدی	الاحزاب	۶۷	۴۱۶
۱۱۹)	اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا	الاحزاب	۷۰	۳۱۰
۱۲۰)	أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ - - -	الاحزاب	۱۷۹	۲۳۹
۱۲۱)	وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا- - - -	السبا	۳۵	۷۵
۱۲۲)	إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا---	فاطر	۲۹	۲۵۹
۱۲۳)	فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ	الصافات	۷۰	۳۲۲
۱۲۴)	رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا	ص	۵۱	۴۱۵
۱۲۵)	قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ--	الزمر	۵۳	۲۶۵
۱۲۶)	أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ---	الغافر	۲۱_۲۲	۱۴۶
۱۲۷)	وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ---	الغافر	۴۷	۳۲۹
۱۲۸)	وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً - - - -	فصلت	۱۵	۱۵۹
۱۲۹)	وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ	الزخرف	۱۱	۲۸۵
۱۳۰)	أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ - - -	الزخرف	۳۲	۹۸
۱۳۱)	وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ	الزخرف	۳۲	۱۷۶
۱۳۲)	وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ- - - -	الزخرف	۴۴	۲۴۵
۱۳۳)	الیس لی ملک مصرو ھذہ الانھار - - - -	الزخرف	۵۱	۴۱۷
۱۳۴)	فلو لا القی علیه اسورة من ذھب اورر---	الزخرف	۵۳	۴۰۴
۱۳۵)	كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ - - - -	الدخان	۲۵_۲۹	۱۴۴
۱۳۶)	ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا	الجاثیہ	۱۸	۳۶۶
۱۳۷)	أَمْ حَسِبَ ٱلَّذِينَ ٱجْتَرَحُوا ٱلسَّيِّـَٔاتِ.	الجاثیۃ	۲۱	۱۳۲
۱۳۸)	وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ..	الجاثیہ	۲۴	۷۴
۱۳۹)	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ--	محمد ﷺ	۷	۳۶۴
۱۴۰)	وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ---	محمد ﷺ	۱۲	۱۱۳
۱۴۱)	انما المومنون اخوه	الحجرات	۱۰	۳۰۲,۳۶۲,۳۶۴

۱۴۲)	لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ - - -	الحجرات	۱۱	۱۶۷
۱۴۳)	لَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا	الحجرات	۱۲	۳۱۱
۱۴۴)	وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا	الحجرات	۱۳	۳۰۱
۱۴۵)	وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ	الذاریات	۱۹	۳۶۷,۳۴۲
۱۴۶)	و فی الارض أیات للمؤمنین	الذاریات	۲۰	۳۸۳
۱۴۷)	وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ	الذاریات	۲۲	۹۶
۱۴۸)	فاما من طغیٰ وترالحیوٰۃ الدنیا - - -	الذاریات	۳۷	۴۴۰
۱۴۹)	وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ	الذاریات	۵۵	۳۶۳
۱۵۰)	وما خلت الجن والانس الا لیعبدون	الذاریات	۵۶	۴۲۶
۱۵۱)	إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ	الذاریات	۵۸	۷۱
۱۵۲)	فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا - - - -	النجم	۲۹	۸۴
۱۵۳)	وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ	النجم	۳۹	۲۷۵
۱۵۴)	كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ - - -	الرحمٰن	۲۶ـ۲۷	۲۵۹
۱۵۵)	أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ	الواقعہ	۷۲	۲۸۴
۱۵۶)	سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ - - - -	الحدید	۲۱	۲۷۸,۱۵۱, ۳۳۳
۱۵۷)	لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا - - - -	الحدید	۲۵	۲۶۸
۱۵۸)	یرفع اللہ الذین أمنوا منکم والذین - - -	المجادلہ	۱۱	۴۲۶
۱۵۹)	لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ---	المجادلہ	۲۲	۳۸۷
۱۶۰)	وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ	الحشر	۹	۱۵۳,۱۴۸ ۳۰۶,۲۵۴
۱۶۱)	كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ	الحشر	۷	۳۴۳
۱۶۲)	كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ - -	الحشر	۱۶	۳۱۱
۱۶۳)	واکثرم الظالمون	الممتحنہ	۹	۴۰۶
۱۶۴)	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا - - -	الممتحنہ	۱۳	۲۱۸
۱۶۵)	هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ - - - -	الجمعہ	۲	۳۸۱

۱۶۶)	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ	الجمعه	۹۔۱۰	۲۷۴,۷۳
۱۶۷)	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ - - -	المنافقون	۹	۳۴۰
۱۶۸)	وَمَن يُؤْمِن بِٱللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُۥ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ	التغابن	۱۱	۱۳۰
۱۶۹)	فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ- - - -	التغابن	۱۶	۳۳۵
۱۷۰)	وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ	الطلاق	۲۔۳	۳۵۲,۱۳۵
۱۷۱)	ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ - - - -	الطلاق	۲	۱۸۹
۱۷۲)	وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ	الطلاق	۳	۲۷۹
۱۷۳)	يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ	التحريم	۱	۳۴۸
۱۷۴)	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ - - -	التحريم	۲	۴۳۵,۲۱۲
۱۷۵)	وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ	القلم	۴	۲۶۵,۲۱۴
۱۷۶)	مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۜ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ	الحاقه	۲۸،۲۹	۲۵۱
۱۷۷)	وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ	المعارج	۲۴	۳۵۵
۱۷۸)	فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا - - -	نوح	۱۰۔۱۲	۱۰۰
۱۷۹)	كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ - - - -	القيامة	۲۰۔۲۱	۸۷
۱۸۰)	وَلَا أُقْسِمُ بِٱلنَّفْسِ ٱللَّوَّامَةِ	القيامة	۲	۱۰۷
۱۸۱)	وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ - - - -	الدهر	۸	۱۴۸
۱۸۲)	فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ ٱلْأَعْلَىٰ	النازعات	۲۴	۱۴۰
۱۸۳)	فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ۝ وَءَاثَرَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا - - -	النازعات	۳۷۔۴۱	۱۱۸
۱۸۴)	مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ	عبس	۳۲	۲۸۴
۱۸۵)	فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ	عبس	۳۳	۲۸۴
۱۸۶)	وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ	التكوير	۸۔۹	۱۴۷
۱۸۷)	وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ	المطففين	۱	۳۵۶
۱۸۸)	نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ	الاعلیٰ	۱۶	۲۱۸

١٨٩)	بَلْ تُؤْثِرُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا - - -	الاعلیٰ	١٦ـ١٧	١٢٧
١٩٠)	نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ	الاعلیٰ	١٦	٢١٧
١٩١)	وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا	الفجر	٢٠	٧٩
١٩٢)	أَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ	الفجر	٢٧	١٠٦
١٩٣)	فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا	الشمس	٨	٢١۴
١٩۴)	وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ	الضحیٰ	٨	٨١
١٩٥)	لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ	التين	۴	٣١۴,١٧٢
١٩٦)	اقراء بسم ربک الذی خلق	العلق	١	٣٧٣
١٩٧)	خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ	العلق	٢	٢٥٠
١٩٨)	علم الانسان ما لم يعلم	العلق	٥	٣٨٨,٣٧٥
١٩٩)	وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ	العاديات	٨	٧٨
٢٠٠)	أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ	التکاثر	١ـ٢	٣٣۴,٧٥
٢٠١)	ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ	التکاثر	٨	٣٦٢
٢٠٢)	تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ	العصر	٣	٣٠٧
٢٠٣)	الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ	الھمزہ	٢ـ٣	٧٥
٢٠۴)	فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ،الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ - -	الماعون	۴ـ٦	١٥٠

فہرست احادیث

نمبر شمار	متن حدیث	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
۱)	الا وکلم درع و کلکم مسئول عن رعیته	بخاری	۳۶۷،۲۸۲
۲)	الاحسان بان تعبد الله کانک تراه	ترمذی	۲۵۱
۳)	الا لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقویٰ	مسند احمد	۳۵۹،۱۶۷
۴)	التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین--	ترمذی	۱۴۹،۲۷۷
۵)	الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّ	بخاری	۳۶۱
۶)	الحکمة ضالة المؤمن حیث و جدها	ابنِ ماجه	۴۳۲
۷)	الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَالْحَرَامُ	ترمذی	۳۴۷
۸)	الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ	مسلم	۲۸۹
۹)	الدعا ھو العبادة	ترمذی	۲۶۰
۱۰)	إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ	بخاری	۳۲۷
۱۱)	إن الله افترض علیهم صدقة تؤخذ	بخاری	۱۹۷
۱۲)	ان بنی الله داؤد کان یاکل من عمل یده	بخاری	۴۱۵
۱۳)	اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقاً	ترمذی	۲۱۲
۱۴)	انما بعثتُ لا تمم مکارم الاخلاق	ترمذی	۲۱۳
۱۵)	انتم بنوا أدم و أدم مین تراب	ابی داوٗد	۱۵۶
۱۶)	ان من اجلال الله سبحانه وتعالیٰ اکرام	ابی داوٗد	۳۲۸
۱۷)	ان اوّل من تسجز بھم النار ثلاثه:رجل تعلم - -	ترمذی	۲۳۹
۱۸)	ان تو من بالله وملئکة و کتبه و رسله - - -	ترمذی	۲۵۰
۱۹)	ایا کم وا لظن، فان الظن اکذب الحریث	ترمذی	۳۱۳

۲۰)	ان اثقل شیی یوزع فی یوم القیامة	ترمذی	۴۲۴
۲۱)	ارحم من فی الارض یرحمک من فی السماء	ترمذی	۴۳۶
۲۲)	إِنَّ اللهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ	مسلم	۸۲
۲۳)	إن الله لا ینظر إلی صورکم و أموالکم	مسلم	۱۳۳
۲۴)	إن الله افترض علیهم صدقة تؤخذ من أغنیائهم	مسلم	۱۹۷
۲۵)	انفق یا بلال ولا تخش من	مسلم	۱۳۸
۲۶)	اَکل الربا و موکله و کاتبه و شاهدیه	مسلم	۲۹۰
۲۷)	انما بعثتُ لا تمم مکارم الاخلاق	مسند احمد	۲۱۳،۲۶۴
۲۸)	بسم الله اللهم جنّبنا الشیطان	بخاری	۱۱۰
۲۹)	بعثت الیٰ الناس کافه	بخاری	۴۱۴
۳۰)	تابعوا بین الحج والعمرة ، فإنها- - -	نسائی	۲۰۳
۳۱)	تئس عبدالدنیا روعبدالدرهم	بخاری	۳۹۰
۳۲)	ثلاث لا ترفع صلاتهم، فوق رؤسهم سبراً	ابنِ ماجه	۴۴۴
۳۳)	خالفوا الیهود و النصاریٰ	ابی داوٗد	۳۱۰
۳۴)	خیرکم من تعلم القرآن و علمه	مسند احمد	۴۲۲
۳۵)	ذَروَةُسنامه الجهاد في سبیل الله	ترمذی	۲۰۴
۳۶)	الرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا	ابنِ ماجه	۲۸۸
۳۷)	الرجل علیٰ دین خلیله	ترمذی	۲۵۶
۳۸)	سید القوم خادمهم	مشکوٰة	۴۰۷
۳۹)	الشیطان جاثم علی قلب ابن اٰدم فاذا ذکرالله	مشکوٰة	۲۵۵
۴۰)	الصّوم جُنّة	مسلم	۲۰۰
۴۱)	طلب العلم فریضه علی کل	ابنِ ماجه	۳۷۴

۴۲)	طلب کسب الحلال فریضه بعد الفریضه	مشکٰوۃ	۳۳۹
۴۳)	عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ	مشکٰوۃ	۳۵۳
۴۴)	فانّی یستجاب لذلک	مسلم	۳۳۴
۴۵)	فان حق اللہ عزو جل علی العباد ان یعبدوۃ	بخاری	۲۶۷
۴۶)	فالامام الذی علی الناس راع فھو	بخاری	۴۰۹
۴۷)	کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء	بخاری	۴۱۵
۴۸)	کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته	بخاری	۴۲۷
۴۹)	کلکم من أدم و أدم من تراب	ترمذی	۳۶۱
۵۰)	لا تسئل الامارۃ، فانک ان اُوتیتھا عن مسئلة	بخاری	۱۶۰
۵۱)	لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	بخاری	۳۱۹
۵۲)	لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِي	بخاری	۲۹۳
۵۳)	لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً	بخاری	۳۱۸
۵۴)	لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لا خیه ما یحب	بخاری	۴۳۶
۵۵)	لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا	ترمذی	۱۳۰
۵۶)	لوکان لابن أدم و اديان من - - - -	ترمذی	۱۷۳
۵۷)	لو ان الدینا تساوی عنداللہ جناح بعوضه	ترمذی	۳۵۸
۵۸)	لن یجمع امتی علی ضلاله	ابنِ ماجه	۲۴۷
۵۹)	لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - - -	ترمذی	۲۸۲
۶۰)	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ	ترمذی	۳۵۴
۶۱)	لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ	ترمذی	۳۵۵
۶۲)	لو ان الدینا تساوی عنداللہ جناح بعوضة	ترمذی	۳۵۸
۶۳)	لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ	ترمذی	۳۶۵

٦۴)	لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ	مسلم	۷۹
٦۵)	لا يدخل الجنة من كان فی خلبه مثقال زره من	مسلم	۱٦۲
٦٦)	لا تزال عصابة من امتي يقاتلون على امر الله	مسلم	۲۰۵
٦۷)	ليبلغن هذا الامر ما بلغ الليل و النهار	مسند احمد	۴۵۱
٦۸)	اللهم انی اعوذبک من علم لا ینفع	ابنِ ماجہ	۴۳۹
٦۹)	اللهم اكفنا بحلالک عن حرامک واغننا	ترمذی	۲۹۱
۷۰)	اللهم لا تجعل الدنيا اكبر همنا ولا مبلغ علمنا	ترمذی	۳۷۵
۷۱)	اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى	مسلم	۷۸
۷۲)	من لم يرحم صغير نا ولم يوقر كبيرنا	بخاری	۱۴۷
۷۳)	مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ	بخاری	۱۷۴
۷۴)	من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا	بخاری	۱۸۲
۷۵)	من لم يدع قول الزُّور والعمل به	بخاری	۱۹۹
۷٦)	من كذب على متعمداً فليتبواء مقعده من النار	بخاری	۲۲۲
۷۷)	مامن وال یلی رعیتہ من المسلمین فیموت	بخاری	۲۲۴
۷۸)	مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ	بخاری	۳۰۸
۷۹)	ما من شی اثقل فی ميزان المؤمن يوم القيامة	ترمذی	۲۱۵
۸۰)	من كانت الدنيا همه، فرق الله علیه - - -	ترمذی	۲۴۰
۸۱)	من شز شز فی النار	ترمذی	۳۰۳
۸۲)	مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ	ترمذی	۳۴۴
۸۳)	من غشا فليس منا	مسلم	۱۵۷،۲۲۷
۸۴)	من ادعى ماليس له فليس منا	مسلم	۲۲۲
۸۵)	مثل المؤمنين فی توادهم و تراحمنهم	مسلم	۴۳٦،۳۳۲

۸۶)	مَنْ دَخَلَ فِیْ شَیْئٍ مِنْ أَسْعَارِ الْمُسْلِمِیْنَ	مسند احمد	۳۵۵
۸۷)	اَلمسلم مِن سَلم المسلمُون مِن لسانه و یده	بخاری	۲۱۳
۸۸)	الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ	مسلم	۳۳۸
۸۹)	نعوذ باللہ من الفتن	بخاری	۲۵۶
۹۰)	نصرت میسرة شهر	بخاری	۴۱۴
۹۱)	وَایْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ	بخاری	۱۶۵
۹۲)	وای داء، اَدواء من البخل	بخاری	۲۲۹
93)	واذا وعد اخلف	بخاری	۲۳۳
۹۳)	وماذا عمل فی ما علم	ترمذی	۴۲۸
۹۴)	ولان امر علیکم عبد حبشی یقودکم بکتاب اللّٰہُ	مسلم	۴۴۱
۹۵)	وتعاطفهم کمثل الجسد	بخاری	۳۴۷
۹۶)	وان اللہ لیبغض الفاحش البزی	ترمذی	۲۱۵
۹۷)	وایم اللہ الوان فاطمة بنت محمد سرقت - - -	ترمذی	۳۰۵
۹۸)	وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا أَکْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ - - -	ترمذی	۳۲۴
۹۹)	وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَی النَّارِ	ترمذی	۳۳۲
۱۰۰)	والذی نفسی بید لتامرن بالمعروف ولتنهون - - -	ترمذی	۲۶۳
۱۰۱)	وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَیْنَ اکْتَسَبَهُ وَفِیمَ أَنْفَقَهُ	ترمذی	۲۹۴
۱۰۲)	یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا	بخاری	۲۸۱
۱۰۳)	یداللہ علی اللہ الجماعة	ترمذی	۲۵۵،۳۰۳
۱۰۴)	یقول الانسان مالی مالی	ترمذی	۳۳۴
۱۰۵)	یَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَی نَفْسِي	مسلم	۳۳۶

مصادر و مراجع

کتب تفاسیر

۱۱. ابن عطیہ، ابو محمد عبد الحق بن غالب، المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب العزیز، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

۱۲. ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر, تفسیر القرآن العظیم، دار الطیبہ للنشر، ۱۹۹۹ء

۱۳. الازہری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۴. الاصبہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۵. اصلاحی، امین احسن, تدبر القرآن،، فاران فاؤنڈیشن، لاہور۔

۱۶. البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، (تفسیر بغوی), دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۷. الجصاص، احمد بن علی، ابو بکر الرازی، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲

۱۸. الشعراوی، محمد متولی الشعراوی، تفسیر الشعراوی، الخواطر، مطابع اخبار الیوم، ۱۹۹۷ء

۱۹. الرازی، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الحنفی، مفاتیح الغیب (تفسیر س کبیر)، دار احیاء التراث الغربی، بیروت، ۱۴۲۰ء

۲۰. الطبری،، محمد بن جریر بن یزید الطبری، جامع البیان عن تاویل القرآن تفسیر طبری، دار الہجرہ للتوضیح، ۲۰۰۱ء

۲۱. سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور۔

۲۲. سید، تفسیر فی ظلال القرآن، سید قطب شہید، ادارہ منشورات اسلامی، ۱۹۹۷ء

۲۳. صلاح الدین، یوسف صلاح الدین، تفسیر احسن البیان، شاہ فہد قرآن کمپلیکس مدینہ
۲۴. عثمانی، شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، ادارہ منشورات اسلامی، ۱۳۵۰ھ
۲۵. کیلانی، عبد الرحمن، تیسر القرآن، مکتبۃ السلام، لاہور۔
۲۶. قرطبی، ابو عبد اللہ شمس الدین، تفسیر قرطبی الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۶۴ء
۲۷. مفتی، محمد شفیع، معارف القرآن،، مکتبہ معارف القرآن، کراچی۔
۲۸. مودودی، سید ابو الاعلی مودودی، تفہیم القرآن، ادار ترجمان القرآن لاہور، طبع ۴۳، ۲۰۰۷ء

کتب احادیث

۲۹. ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان التمیمی، صحیح ابن حبان، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۹۳ء
۳۰. ابن حنبل، امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی، مسند امام احمد، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۱. ابن سعد، محمد بن سعد الزہری، الطبقات الکبری، مکتبہ الخانجی، قاہرہ، ۲۰۰۱ء
۳۲. ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، دار الرسالہ العلمیہ، ۲۰۰۹ء
۳۳. ابو بکر، عبد الرزاق بن ہمام، مصنف عبد الرزاق، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳
۳۴. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث الازدی السجستانی، سنن ابی داود، دار الرسالۃ العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء
۳۵. البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع المسند الصحیح، دار طرق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ
۳۶. الترمذی، محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی، سنن الترمذی، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء
۳۷. الحاکم، ابو عبد اللہ حاکم، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء
۳۸. النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب الخرسانی، سنن نسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، ۱۹۸۶ء
۳۹. البیھقی، احمد بن الحسین الخرسانی ابو بکر البیہقی، شعب الایمان / سنن الکبری، مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۴۲۳ھ
۴۰. الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی، مسند دارمی، دار المغنی للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۰ء
۴۱. الطبرانی، سلمان بن احمد، المعجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

۴۲. حاکم، ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط:اوّل ۱۹۹۰ء
۴۳. طبرانی، ابو قاسم سلمان بن احمد، المعجم الاوسط، دار الحرمین، قاہرہ، ۱۴۱۵ء
۴۴. مسلم، امام مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۰ء
۴۵. مالک، امام مالک بن انس، مؤطا، مؤسسۃ زید بن سلطان، الامارات، ۲۰۰۴ء

دیگر کتب:

۴۶. ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم، السیاسیۃ الشرعیۃ، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ، سعودیہ، ۱۴۱۸ھ
۴۷. ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم، مجموعۃ الفتاوی، مجمع ملک فہد، مدینہ، ۱۹۹۵ء
۴۸. ابن فارس، احمد بن فارس بن زکریا الرازی، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر، ۱۹۷۹ء
۴۹. ابن قدامہ، حافظ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، المکتبۃ الرشد، ریاض، ۲۰۱۵ء
۵۰. ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابو عبد اللہ، مدارج السالکین، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۷۶ء
۵۱. ابو یعلی، ابو یعلی محمد بن الحسین بن الفراء، الاحکام السلطانیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰ء
۵۲. ابن خلدون، عبد الرحمن بن خلدون، مقدمہ، رئیس اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۳ء
۵۳. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور
۵۴. اقبال، علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، علم و عرفان، پبلشر، لاہور، ۲۰۰۲ء
۵۵. الالبانی، ابو عبد الرحمن محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض
۵۶. الالبانی، ابو عبد الرحمن محمد ناصر الدین، السلسلۃ الصحیحۃ، مکتبۃ المعارف، ریاض
۵۷. الشاطبی، ابراہیم بن موسی بن محمد، الموافقات، دار بن عفان، ۱۹۱۷ء
۵۸. انجم رحمانی، پاکستان میں تعلیم، پاکستان رائٹرز کو آپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۶ء
۵۹. الجرجانی، علی بن محمد، التعریفات، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ

٦٠. الجوہری، ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری، الصحاح تاجہ اللغۃ وصحاح العربیہ، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۷ء
٦١. الدہلوی، شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، دار الجبل، بیروت، ۲۰۰۵ء
٦٢. الزبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الزبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الہدایہ، کویت، ۱۹۷۴ء
٦٣. الزرکلی، خیر الدین بن محمود الدمشقی، الاعلام، دار العلم للملایین، آیار، ۲۰۰۲ء
٦٤. الشہرستانی، ابو الفتح محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، مؤسسہ الحلبی، قاہرہ، ۱۹۹۸ء
٦٥. الصنعانی، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام، المصنف، المجلس العلمی، ہند ۱۴۰۳ھ
٦٦. الطحاوی، امام ابو جعفر بن محمد الحنفی، عقیدۃ الطحاویۃ، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
٦٧. الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد ضیاء الدین، احیاء علوم الدین، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۸۲ھ
٦٨. الغزالی، محمد بن محمد ضیاء الدین، منہاج العابدین، پبلشرز، کراچی
٦٩. الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد، احکام السلطانیہ، دار الحدیث، القاہرہ، ط:۱۴۲۷ھ
۷۰. ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۸۸ء
۷۱. ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی الافریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۲. توقیر عامر، مادیت پرستی کے نقصانات اور ان کا تدارک
۷۳. خورشید، پروفیسر خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء
۷۴. خورشید، پروفیسر خورشید احمد، مقدمہ اسلامی ریاست، پروفیسر، اسلامک پبلیشرز لاہور، ۲۰۱۷ء
۷۵. خالد بکراش، المادیۃ الدیاللکتیکیہ والمادۃ التاریخیۃ، دار دمشق للطباعۃ والنشر، ۱۹۹۵ء
۷۶. دکتور محمد سعید رمضان البوطی، نقض اوہام المادیۃ الجدلیۃ، دار الفکر دمشق، ۱۹۷۸ء۔
۷۷. دکتور عبد الوہاب المسیری، الفلسفۃ المادیۃ وتفکیک الانسان، دار الفکر المعاصر، بیروت، ۱۹۹۱ء
۷۸. روسو، ڈاکٹر محمود حسین، معاہدہ عمرانی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء
۷۹. سیوہاروی، حفظ الرحمن، اخلاق وفلسفہ، اخلاق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء
۸۰. شاطبی، ابراہیم بن موسی، الموافقات، دار ابن عفان، بیروت
۸۱. شاطبی، ابراہیم بن موسی، مجمع الزوائد، دار ابن عفان، بیروت

۸۲. عباسی، محمد ایوب، عیسائیت کے باطل عقیدوں کی تردید، الخلیل پبلشنگ، ہاؤس، لاہور
۸۳. عثمانی، مفتی تقی عثمانی، اسلامی سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۰ء
۸۴. عثمانی، مفتی تقی عثمانی، ہمارا تعلیم نظام، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۲۰۰۵ء
۸۵. علامہ تقی، علاء الدین علی متقی، کنز الاعمال، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۱۰ء
۸۶. علوی، ڈاکٹر مستنفیض احمد علوی، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، یورپ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۸۷. غازی، محمود احمد غازی، محاضرات تعلیم، رواد اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۴ء
۸۸. غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، منہاج العابدین، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۸ء
۸۹. فواد ذکریا، تاریخ المادیۃ کلانخبۃ، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۴ء
۹۰. قومی تعلیمی پالیسی، گورنمنٹ آف پاکستان، وزارت تعلیمات، اسلام آباد، ۱۹۷۹ء
۹۱. محمد سلیم، اسلامی نظام تعلیم کی اساس، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور
۹۲. مودودی، ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء
۹۳. مودودی، ابوالاعلیٰ مودودی، معاشیات اسلام، اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء
۹۴. مودودی، ابوالاعلیٰ مودودی، تعلیماتِ اسلامی، اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور
۹۵. مودودی، ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور
۹۶. مودودی، ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام زندگی، اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور
۹۷. محمد موسیٰ بھٹو، مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۹۸. مفتی محمد قطب، اسلام اور جدید مادی افکار، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی
۹۹. ندوی، سیّد سلیمان، سیرت النبی ﷺ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
۱۰۰. ولی اللہ، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، دار النشر الکتب اسلامیہ، لاہور، ۱۳۵۳

1. Materialism and Empirio-Criticism By: VI Lenin Welred Books London 1972. Materialism in Ancient Greek Philosophy and in the Writings of the Young Marx By Tony Burns,2000
2. Cultivating Little Consumers: How Preture books influence Material in Children By R.J.Franz (Thesis) ,University of Vermont, 2013
3. Fashion and Materialism By. U. Lehmann.(Edinburg University Press,2018)

4. Selling Out America's Children By.Walsh David, fairview Press USA
5. Sentimental Materialism By Z. Merish (Duke University Press,2000)
6. The Materialism and the Real: American Conceptions of Materialism in 19th Century By H.E Rapp, University of Michigan, 2015 (Thesis).
7. Growing up in a Material World: Age differences in Materialism in Children & Adolescents. By L.N Chaplin, V.34, P#480 ,2077 (J.C.R)
8. Materialism As a Coping Mechanism: An inquiry into family Disruption. By J.E Burroughs. V.24/1997,P#89
9. Effects of Materialism and Environmental Knowledge on Environmental Consciousness among high school students .By A. Ergan. V.12/2015
10. Poverty and Materialism. By L.N Chaplin. V.133/2014, P#7

فہرس اعلام

نمبر شمار	نام	صفحہ نمبر
۱.	ابن خلدون	۴۰۲
۲.	ابن عربی	۴۸
۳.	ابن قیم	۳۲۹
۴.	ابن منظور افریقی	۴۰۰
۵.	ابن ہشام	۳۷۱
۶.	ابوالحسن علی ندوی	۳۶
۷.	ارسطو	۴۴
۸.	امام راغب	۲۱۲
۹.	امام غزالی	۷۰
۱۰.	پروفیسر خورشید	۸
۱۱.	ٹامس پائین	۱۸
۱۲.	جنرل ضیاء الحق (شہید)	۴۲۲
۱۳.	ڈاکٹر اشفاق	۲۵
۱۴.	ڈاکٹر انور پاشاہ	۲۵
۱۵.	ڈاکٹر ولیم	۳۸۰
۱۶.	ڈیوڈ ہیوم	۱۹
۱۷.	شاہ ولی اللہ	۲۷۴
۱۸.	صدر کینیڈی	۴۰۴
۱۹.	ظفر علی خان	۳۳
۲۰.	علامہ شاطبی	۲۵۱
۲۱.	علامہ محمد اقبال	۶

۲۲.	علاء الدین بن علی	۱۹۶
۲۳.	فیثاغورث	۴۲
۲۴.	گلیلیو	۱۷
۲۵.	لارڈ میکالے	۳۹۲
۲۶.	محمد قطب	۳۲
۲۷.	مفتی تقی عثمانی	۴۰۳
۲۸.	مفتی رفیع عثمانی	۲۶
۲۹.	مفتی عبداللہ لدھیانوی	۱۲۳
۳۰.	مولانا ابوالاعلی مودودی	۳۳
۳۱.	مولانا شبلی نعمانی	۴۵۲
۳۲.	نعیم صدیقی	۳۸۹
۳۳.	والٹر	۱۰۶
۳۴.	یاسر ندیم	۱۲۴

فہرست اماکن

نمبر شمار	جگہ	صفحہ نمبر
۱.	یورپ	۸
۲.	یونان	۴۲
۳.	روم	۴۲
۴.	اسکندریہ	۴۳
۵.	قسطنطنیہ	۴۸
۶.	انگلستان	۵۰
۷.	فرانس	۵۷
۸.	بحرین	۲۳۰
۹.	چین	۲۸۵
۱۰.	مکہ	۲۹۶
۱۱.	مدینہ	۲۵۰
۱۲.	سپین	۲۶۰
۱۳.	مصر	۲۸۹
۱۴.	امریکہ	۳۹۰
۱۵.	فلسطین	۳۹۰
۱۶.	افغانستان	۴۲۳
۱۷.	کشمیر	۴۲۳
۱۸.	لیبیا	۴۲۳
۱۹.	شام	۴۲۳
۲۰.	عراق	۴۲۳
۲۱.	آسٹریلیا	۴۵۵
۲۲.	بریطانیہ	۴۵۵